تحریک احیاء اقدار اسلامی لاہور کی نادر علمی پیشکش

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

جلد اول

مقدمہ: محدث العصر شارح ترمذی حضرۃ مولانا علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

مرتبہ: پروفیسر علامہ خالد محمود، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر،
سرپرست تنظیم اہل سنت، پاکستان

ناشر
دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
ملنے کا پتہ: مرکز تنظیم اہل سنت ابدالی روڈ، نواں شہر، ملتان،

تحریکِ احیاءِ اقدارِ اسلامی لاہور کی نادر علمی پیشکش

خُلَفائے راشِدین رضی اللہ عنہم

جلد اول

ہفت روزہ "دعوت" لاہور ۶۴-۱۹۶۳ء کے چار خاص نمبروں کا یکجا مجموعہ

: مُمتاز مقالہ نگار :

امام اہلِ سنّت قبلہ علامہ عبد الشکور لکھنویؒ ○ مُحدّث العصر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ ○ امامِ پاکستان مولانا سید احمد شاہ بُخاریؒ

حضرت مولانا علامہ دوست محمّد قریشیؒ ○ حضرت مولانا عبد الستّار تونسوی صدر تنظیم

اور دوسرے اکابر اور دانشور

مُقدّمہ: مُحدِّث العصر شارحِ ترمذی حضرۃ مولانا علّامہ مُحمّد یُوسُف بنُوری رحمہ اللہ

مُرتّبہ: پروفیسر علاّمہ خالِد محمُود، ڈائریکٹر اِسلامک اکیڈمی مانچسٹر،

سرپرست تنظیم اہلِ سُنّت، پاکِستان

ناشِر

اسلام ما اطاعت خلفائے راشدین ایمان ما محبت آلِ محمد است

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

نام کتاب : خلفائے راشدین

مصنف : ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

صفحات : ٦٨٨

ناشر : دار المعارف لاہور

قیمت : ۲۳۰/

ملنے کے پتے

مکی دار الکتب / دار الشعور

32 میکلیکن روڈ ایچ کے بی بی سنٹر

چوک اے جی آفس لاہور 7239138

کاپی رائٹ ایکٹ آف پاکستان کے تحت اس کتاب کو بغیر مصنف کی باضابطہ اجازت کے کوئی شخص شائع نہ کرے نہ اس کا ترجمہ کرے اور نہ اس کے کسی حصہ کو اس کتاب کا حوالہ دیئے بغیر کہیں نقل کرے۔ ورنہ تمام تر ذمہ داری اس پر ہوگی۔ ہندوستان میں اس کے حقوق اشاعت ادارہ تاج المعارف دیوبند کے نام محفوظ ہیں، انگلینڈ میں اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی اجازت کے بغیر کوئی اسے شائع نہ کرے، جس کا شوق ابھرے وہ مصنف سے اس کی اجازت لے،

فہرست عناوین خلفائے راشدین

تعارف — علامہ خالد محمود — ۷
مقدمہ ۱ — محدث العصر علامہ بنوری — ۹
مقدمہ ۲ — علامہ خالد محمود — ۱۷
خلافت — حضرت امام شاہ ولی اللہ — ۲۵
صحابہ — حضرت مولانا عبدالشکور — ۴۷
راشدین — علامہ خالد محمود — ۵۰

صدیق اکبر نمبر

مشعل خلافت صدیقی — علامہ خالد محمود — ۶۹
حضرت صدیق اکبر کا قبولِ اسلام — مولانا امین الحق — ۷۵
مقام صدیقیت — علامہ خالد محمود — ۸۵
اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں حضرت ابوبکرؓ کی نظر میں — علامہ خالد محمود — ۹۳
حضرت خلیفہ اول کے وقائع حیات — مولانا سید احمد شاہؒ — ۱۰۳
(۱) ولادت شریف سے اسلام قبول کرنے تک — ۱۰۳
(۲) قبول اسلام سے حضورؐ کی وفات تک — ۱۰۸
(۳) خلافت سے اپنی وفات تک — ۱۲۸
حضرت ابوبکر قرآن کی روشنی میں — حضرت مولانا عبدالشکور — ۱۳۷
حضرت ابوبکر قرآن کی روشنی میں — علامہ خالد محمود — ۱۴۵
حضرت ابوبکر احادیث کی روشنی میں — مولانا عبدالرحمن — ۱۵۳
حضرت ابوبکر احادیث کی روشنی میں — علامہ خالد محمود — ۱۶۱
حضرت ابوبکر حضرت علی سے تعلقات کی روشنی میں — علامہ خالد محمود — ۱۶۹
(۱) خلافت سے پہلے کے تعلقات — ۱۶۹
(۲) والدہ کی وفات پر شریک غم — ۱۷۲
(۳) حضرت سیدہ کی وفات پر تعزیت — ۱۷۳
(۴) دونوں بزرگ امام اور مقتدی کے کردار میں — ۱۷۳
(۵) حضرت ابوبکرؓ کی بیعت — ۱۷۶
(۶) روایت تاخیر بیعت کی تحقیق — ۱۷۶
(۷) حضرت علی کی مالی امداد — ۱۸۵
(۸) حضرت علی کی علمی مجالس میں حاضری — ۱۹۲
(۹) حضرت ابوبکر کے سیاسی مشیروں میں — ۱۹۳
(۱۰) اجرائے حدود میں باہمی شرکت — ۱۹۶
حضرت ابوبکرؓ حضرت علی کی نظر میں — علامہ تونسوی — ۱۹۹
حضرت ابوبکر حضرت علی کی زبان سے — سید نذیر احمد — ۲۰۶
حضرت ابوبکر حضرت علی کے عقیدہ میں — مولانا سید احمد شاہؒ — ۲۱۵
استقامت کا لعلِ جلیل — مولانا سید نورالحسن بخاریؒ — ۲۲۷
حضرت ابوبکر کی شان ولایت — علامہ خالد محمود — ۲۴۱
افضلیت صدیق اکبر — علامہ خالد محمود — ۲۴۵
افضلیت صدیق اکبر — مولانا محمد نافع — ۲۶۲

حضرت ابوبکر کی حضورؐ سے محبت صوفی محمد اقبال صاحب ۲۷۳

حضرت ابوبکر کا سفر آخرت عبید الرحمٰن ملک ۲۷۹

فاروق اعظم نمبر

سیرت حضرت فاروق اعظم ۔ مولانا قاری عبدالعزیز شوق ۲۸۷

خلافت کی موزوں ترین شخصیت ۔ مولانا امین الحق ۳۰۵

عظمت حضرت فاروق اعظم علامہ دوست محمد قریشی ۳۱۰

حضرت عمر قرآن کی روشنی میں مولانا عبدالشکور لکھنوی ۳۱۵

حضرت عمر احادیث کی روشنی میں علامہ خالد محمود ۳۲۹

حضرت عمر حضرت علی سے تعلقات کی روشنی میں ۔ " ۳۳۷

(۱) عہد رسالت میں ۳۳۷

(۲) عہد صدیقی میں ۳۴۰

(۳) عہد فاروقی میں ۳۴۱

(۴) حضرت علی خلافت فاروقی میں عہدہ قضا پر ۳۴۲

(۵) حضرت علی مجلس شوریٰ کے رکن ۳۴۴

(۶) حضرت علی آپ کے سیاسی مشیر تھے ۳۵۲

(۷) آپ حضرت عمر کی خلافت کو خلافت موعودہ سمجھتے تھے ۳۵۳

(۸) حضرت علی قائم مقام خلیفہ کے طور پر ۳۵۴

(۹) الانتباہ لرفع الاشتباہ ۳۵۹

(۱۰) حضرت علی کسطرح سیرت عمر پر چلے ۳۶۲

قصۂ قرطاس کا مستحکم فیصلہ ۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی ۳۶۵

تحقیق حدیث قلم و دوات ۔ مولانا سید احمد شاہ بخاری ۳۶۸

شہباز عالم تکوین علامہ خالد محمود ۳۷۵

حضرت عمر کی مخالفت کے اسباب علامہ خالد محمود ۳۹۳

(۱) پہلا سبب ... سرزمین عرب پر رحمت ۳۹۳

اسلام اور فتح ایران ۳۹۶

عجمی عصبیت کے اثرات ۳۹۸

قومی وقار کو بحال کرنے کی تلملاہٹ ۴۰۱

حضرت عمر کے شخصی اثرات ۴۰۵

(۲) دوسرا سبب ۴۰۸

ساسانیوں کا سیاسی عقیدہ ۴۰۸

شیعوں کا سیاسی عقیدہ ۴۱۰

(۳) تیسرا اور چوتھا سبب ۴۱۴

نکاح ام کلثوم کا شرف علامہ خالد محمود ۴۱۷

سیدنا عثمان غنی نمبر

یوم عثمان اداریہ ۱۷ مئی ۱۹۶۳ء ۴۴۱

حضرت عثمان کا خاندانی تعارف علامہ خالد محمود ۴۴۵

حضرت عثمان قرآن کی روشنی میں ۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی ۴۵۳

حضرت عثمان احادیث کی روشنی میں ۔ علامہ خالد محمود ۴۶۷

حضرت عثمان حضرت علی سے تعلقات کی روشنی میں " ۴۷۱

حضرت عثمان کی افضلیت ۔ علامہ خالد محمود ۴۹۹

حضرت عثمان کا مقام فراست ۔ علامہ خالد محمود ۵۰۷

حضرت عثمان کی سیاسی عظمت ۔ علامہ خالد محمود ۵۱۵

براءۃ سیدنا حضرت عثمان ۔ محدث کبیر مولانا ظفر احمد ۵۲۱

(۱) حضرت عثمان حضرت ابوبکر کی نظر میں ۵۲۱

(۲) حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کی نظر میں ۵۲۲
(۳) حضرت عثمان حضرت علی کی نظر میں ۵۲۳
(۴) حضرت عمر اکابر مہاجرین کو باہر جانے نہ دیتے تھے۔ ۵۲۷
(۵) امویوں کی تقرریوں کا الزام ۵۲۹
(۶) عبداللہ بن عامر کی تقرری ۵۲۹
(۷) ولید بن عقبہ کو کیا حضورؐ نے بھی عامل بنایا تھا؟ ۵۳۰
(۸) حضرت معاویہ کی طویل گورنری ۵۳۲
(۹) سارا خمس دینے کا قصہ ۵۳۳
(۱۰) مروان کا شمار فقہائے مدینہ میں ۵۳۶
خلیفہ کو خلافت کا پورا حق دو علامہ خالد محمود ۵۳۷
تذکار شہادہ عظمیٰ علامہ خالد محمود ۵۴۷
(۱) حضرت عثمان کی شان جود و عطا ۵۴۹
(۲) آخری وقت کے صاحب سر رسول ۵۵۰
(۳) رسول کریم سے رشتہ دامادی ۵۵۱
(۴) حضرت علی سے کامل رفاقت ۵۵۴
(۵) فتوحات ۵۵۴
(۶) سخاوت ۵۵۵
(۷) سلامتی امور سلین ۵۵۷
(۸) دور فتن میں حق کا نشان ۵۵۹
(۹) شہادت عثمانؓ کے اثرات ۵۶۰
(۱۰) مقام سیدنا عثمان ۵۶۴
قاتلین امام کا عبرتناک انجام۔ مولانا سید نور الحسن بخاری ۵۶۷
(۱) صحابہ کا خلافت نہ چھوڑنے کا مشورہ ۵۶۸
(۲) قصر خلافت کا محاصرہ ۵۶۹
(۳) پانی تک بند کر دیا گیا ۵۷۰
(۴) حضرت علی کا احتجاج ۵۷۰
(۵) حرم رسول کی بے احترامی ۵۷۱
(۶) دروازے پر حملہ ۵۷۲
(۷) چار جوان خون میں لت پت ۵۷۳
(۸) حضرت حسن کا زخمی ہونا ۵۷۴
(۹) پہلے مغیرہ بن الاخنس شہید ہوئے ۵۷۴
(۱۰) بغاوت اٹھانے والوں کا حشر ۵۷۸
سیدنا عثمان اور قرآن علامہ قریشی ۵۸۳

سیدنا حضرت علی

عہد حاضر کی ضرورت حضرت علی کا طرز حکومت ادارہ ۵۸۹
امیر المومنین سیدنا حضرت علی مولانا لکھنوی ۵۹۳
حضرت علیؓ کی شان عدل و قضا علامہ خالد محمود ۶۰۵
حضرت علیؓ مسند عدالت پر مولانا مقبول احمد ۶۱۳
حضرت علیؓ امیر معاویہ کی نظر میں علامہ خالد محمود ۶۱۹
حضرت علیؓ کی شان اخلاص و وفا خالد محمود ۶۲۳
حضرت علیؓ اور خوارج خالد محمود ۶۳۳
باب مدینۃ العلم خالد محمود ۶۴۵
حضرت علی اپنے دور میں احق بالخلافہ خالد محمود ۶۵۵
ازواج و اولاد مولانا محمد اجمل خاں ۶۵۷

خلافت حضرت علیؓ آیت استخلاف کی روشنی میں — علامہ خالد محمود	٦٦١	حضرت علیؓ کی عالی ظرفی — مولانا عبدالرشید ارشد	٦٧٠
خلافت حضرت علیؓ احادیث کی روشنی میں — علامہ خالد محمود	٦٦٧	حضرت علیؓ کے آخری لمحات — ہاشم الحسینی الخراسانی	٦٧٥

خلفائے راشدین ایک نظر میں ٦٨٤

خلفائے راشدین جلد دوم

واردات ومشاہدات	مولانا حافظ عبدالرشید ارشد
حضرت صدیق اکبر اور مسئلہ ختم نبوت	مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ
حضرت عمر ایک مثالی حکمران	علامہ خالد محمود
حضرت عثمان کی شہادت	علامہ خالد محمود
فاتح خیبر کی سیرت قدسیہ	چوہدری محمد صدیق کھوکھر
ہم مسلک میں یاران نبی	ملک نور محمد فاروق

باب الاستفسارات

ہفت روزہ دعوت لاہور کا باب الاستفسارات تاریخ دعوت کا مقبول ترین کالم رہا ہے۔ خلفائے راشدین کے ان نمبروں کے استفسارات یہاں ہر نمبر کے ساتھ نہیں دیئے گئے۔ انہیں یکجا جلد دوم کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ ربع صدی پہلے یہ جوابات عبقات کے نام سے چھپے تھے۔

اعتذار

اگر کسی صاحب کو کوئی حوالہ دیئے گئے صفحہ پر نہ ملے تو اسے اختلاف مطبع پر محمول کریں۔ پھر بھی نہ ملے تو ادارہ ہذا کو مطلع فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں اسکی تصحیح کی جاسکے۔

حافظ نور محمد انور آف کالا باغ انچارج دفتر دعوت لاہور

حال مقیم ١٩ سلطان پورہ روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

کتاب ھٰذا ہفت روزہ دعوت کے لاہور کے ربع صدی پہلے کے چار تاریخی نمبروں کی یکجا پیشکش ہے۔ ہفت روزہ دعوت تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان کا جماعتی آرگن تھا۔ ۱۹۶۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ دعوت کا دورِ اوّل حضرت مولانا سیّد نور الحسن بخاری کے قلمِ ادارت کا رہین احسان رہا دوسرے دور کی خدمت احقر کے سپرد ہوئی اس دور میں دعوت کے چار نمبر صدّیق اکبر نمبر فاروق اعظم نمبر عثمان غنی نمبر اور اور علی مرتضٰے نمبر بڑے اہتمام سے شائع ہوئے اور ملک کے تعلیمیافتہ طبقے اور طلبہ کے حلقے نے ان سے خاصا اثر لیا خلفائے راشدین کے خلاف رفض و خروج نے تاویل والحاد اور شر و فساد کی جو راہیں کھول رکھی تھیں دعوت کے ان نمبروں نے ان کا خاصا سدباب کیا اور تاریخ نے یہ علمی نقوش محفوظ کر لئے

۱۹۶۶ء میں مجھے انگلستان جانا ہوا اور پھر وہیں کا ہو کر رہ گیا ان حالات میں ہفت روزہ دعوت لاہور جاری نہ رہ سکا اور احباب برابر میری ملک واپسی کا تقاضا کرتے رہے تاہم تنظیم اہل سُنّت کا دفاعِ اصحاب رسول کا کام برابر جاری رہا اور بحمداللہ اب تک جاری ہے تیس سے زیادہ مبلغ ملک کے طول و عرض شہر بہ شہر اور قریہ قریہ میں اصحاب رسول کی عظمت کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔

پاکستان حاضری ہوئی تو احباب تنظیم اور قارئین دعوت نے تقاضا کیا کہ دعوت کے مذکورہ تاریخی نقوش کو یکجا کتابی صورت میں جمع کر دیا جائے احقر نے ان سے اجازت لی کہ اسے اپنے تعلیمی مرکز اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر سے شائع کروں۔

وقت گزرتا گیا مگر تعمیل ارشاد احباب نہ ہو سکی تاہم یہ ضرور ہے کہ مذکورہ نمبر اسی وقت یکجا کر لئے گئے تھے اور حسب ضرورت ان پر نظر ثانی بھی کر لی گئی جو مضامین ان سے رہ گئے۔ تھے اور وہ دوسری اشاعتوں میں آئے تھے انہیں بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا اور اب یہ تاریخی امانت ہدیۂ قارئین ہے۔

انگلستان میں تنظیم اہل السنۃ پاکستان کا پورا تعارف نہیں احباب اکیڈیمی کا تقاضا ہوا کہ تحفظ ناموسِ صحابہؓ کی تاریخ اور ضرورت پر ایک مختصر مقدمہ ساتھ لگا دیا جائے تا اہل یورپ کو معلوم ہو کہ تنظیم اہل السنۃ کس تسلسل سے اپنے آپ کو اس میدان میں لائی ہے اور کن تیرہ و تاریک راہوں سے اسے گزرنا پڑا ہے

ہفت روزہ دعوت پہلے دور میں جناب سردار احمد خاں پتافی کی سرپرستی اور حضرت مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری کی ادارت میں نکلتا تھا مضمون نگاروں میں سرفہرست امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ تھے دوسرے دور میں یہ سردار عبدالرحیم خاں پتافی اور مناظر اسلام حضرت علامہ دوست محمد قریشی کی سرپرستی میں نکلتا رہا ڈیکلریشن احقر کے نام تھا قلم ادارات مولانا حافظ عبدالرشید ارشد فاضل خیرالمدارس ملتان کے ہاتھ میں تھا مولانا حافظ مقبول احمد جو آجکل گلاسکو یو کے میں مقیم ہیں اس کے مدیر معاون تھے اور ان کے نائب چوہدری محمد صدیق صاحب کھوکھر تھے دفتر ۱۴ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں تھا اور دفتر کے انچارج پہلے اور دوسرے دور میں کالا باغ کے حافظ نور محمد انور رہے رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۵۴۶ تھا حافظ نور محمد صاحب آج کل سلطان پورہ لاہور میں مکتبہ الفاروق چلا رہے ہیں۔

یہ ہفت روزہ دعوت کا تعارف ہے جس نے نصف صدی پہلے رفض و الحاد کے سیلاب میں دفاع صحابہؓ کے محاذ پر بھرپور تعمیری کام کیا اس سلسلہ میں علمی اور مالی مشکلات برداشت کیں اور پاکستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ میں عظمت صحابہؓ کے وہ چراغ روشن کئے جن کی تابانی کی ایک جھلک آپ کو دعوت کے ان چار نمبروں میں ملے گی آج ملک میں اہل السنت والجماعت جہاں بھی ہیں ان کی اعتقادی سرحدوں کے تحفظ میں تنظیم اہل سنت کی ان محنتوں کا بڑا دخل ہے۔

کس معتدل انداز میں اس نے عہد رفتہ میں پورے پاکستان میں عظمت صحابہؓ کے چراغ جلائے ہیں یہ آپکے سامنے ہے آج اس موضوع پر جہاں بھی کوئی کام ہو رہا ہے اس کے پیچھے تنظیم اہل سنت کا تابناک ماضی ایک روشن سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے بھی اس راہ میں کوئی سعادت پائی تنظیم کے تعاون سے اور جب تک کہیں بھی یہ محنت جاری رہے گی۔ تنظیم کا علمی تربیتی اور فکری فیضان عالم کو سیراب کرتا رہے گا یہ وہ نقوش ہیں جو نہ مٹائے جا سکتے ہیں نہ بھلائے جا سکتے ہیں

پہلا مقدمہ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا موضوع کتاب پر ہے اور دوسرا مقدمہ راقم الحروف کا تحریک تنظیم پر ہے۔ خلفائے راشدین کے مضامین سے پہلے مجدد مائۃ دوازدہم حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو ہماری جماعت اور فکر کے پیشرو ہیں کا ایک اصولی مضمون مقام خلافت ہدیہ قارئین ہے۔ اس کی روشنی میں ان چار نمبروں کا مطالعہ ان شاء اللہ آسان رہے گا۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

مقدمہ ۱

صحابہ کے گرد بکھیرے گئے کانٹوں کو اٹھانے سے پہلے مقام صحابہ کو سمجھئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم :-

اسلام محض چند اصول و نظریات اور علوم و افکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظام عمل لے کر چلتا ہے، وہ جہاں زندگی کے ہر شعبے میں اصول و قواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے اس لیے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام) کی علمی و عملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے، اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعت مطہرہ کے علم و عمل کی حامل اور امین ہو۔ حق تعالیٰ نے دین محمدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جماعت سرفہرست ہے، ان حضرات نے براہ راست صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا، اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا، انہوں نے آپ کے زیر تربیت رہ کر اخلاق و اعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت و کردار کی پاکیزگی حاصل کی، تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہو کر عقائد حقہ اختیار کیے رضائے الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ ان کے کسی طرز عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی، الغرض حضرات صحابہ کرام رض کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم و تربیت اور تصفیہ و تزکیہ کے لیے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم و مزکی اور استاد و اتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔

بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول ان ہی میں سے وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے، ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی، بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے پ۴ آل عمران آیت ۱۶۴۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی و عملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جا رہی تھی اس لیے ضروری تھا یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لیے قابل اعتماد ہوں، چنانچہ قرآن و حدیث میں جا بجا ان کے فضائل

ومناقب بیان کیے گئے۔ چنانچہ:۔

(۱) وحی خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی۔ ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاق وللہیت کی شہادت دی اور انہیں یہ رتبہ بلند ملا، کہ ان کو رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدا‌ء علی الکفار رحماء بینھم، تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ (آیت الفتح ع ۳۰)

(ترجمہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں، وہ چاہتے ہیں، صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی ان کی علامت ہے ان کے چہروں میں سجدے کا نشان۔

گویا یہاں محمد رسول اللہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہؓ کرام کی سیرت وکردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک وشبہ ہو، اسے آپؐ کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہیے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق وراستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے ہے

"کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا"

(۲) حضرات صحابہؓ کے ایمان کو "معیار حق" قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق وسفاہت کی دائمی مہر ثبت کر دی گئی

واذا قیل لھم امنوا کما آمن الناس، قالوا انومن کما امن السفہاء، الا انھم ھم السفہاء، ولکن لا یعلمون۔ (البقرہ ۲۰:۱)

اور جب ان (منافقوں) سے کہا جائے "تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ (صحابہ کرام) ایمان لائے ہیں، تو جواب میں کہتے ہیں، کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں؟" تو سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے۔

(۳) حضرات صحابہ کرام کو بار بار "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" (اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی، اور امت کے سامنے اسے اتنی شدت وکثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرام کا یہ لقب امت کا تکیہ کلام بن گیا کسی نبی کا اسم گرامی آپ "علیہ السلام" کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی "رضی اللہ عنہ" کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہوسکتا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر ان سے رضامندی کا اظہار کردیا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہوجائے خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہوجانا چاہیے، کسی اور کے بارے میں تو ظن وتخمین ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں، مگر صحابہ کرام رض کے بارے میں تو نص قطعی موجود ہے، اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا بلکہ ان کو بہر صورت غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔

اور پھر صرف اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا، بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

(۴) حضرات صحابہ کرام رض کے مسلک کو "معیاری راستہ" قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا ۔ النساء آیت ۱۱۵

(ترجمہ) اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی، جبکہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر، ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے اور اسے داخل کریں گے جہنم میں اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے لوٹنے کی۔

آیت میں "المؤمنین" کا اولین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے رضی اللہ عنہم اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرام رض کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے

(۵) اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم و

بایمانھم (پ التحریم آیت ۸)

جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

اس قسم کی بیسوں نہیں سینکڑوں آیات میں صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اگر دین کے سلسلہ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت معاذ اللہ، ناقابل اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق و اعمال میں خرابی نکال لی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے وہ کہ دین کی علمی و عملی تدبیر نہیں کرسکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے، اور — خاکم بدہن — رسالت محمدیہ مجروح ہو جاتی ہے۔ دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ۔ ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو۔ اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو۔ صحابہ کرامؓ چونکہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو اس کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے، چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہ کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں، ان کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق و اعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر مال و جاہ کی حرص میں احکام خداوندی سے پہلو تہی کرنے کے الزامات دھرے گئے۔ ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو و انتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے "معیار" قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت تھی۔ آمنوا کما آمن الناس (پ البقرہ ع ۲) انہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی جن جانبازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا۔ انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے

تھے حالانکہ ان مردانِ خدا کے صدق و امانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی۔

رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه
ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا ۔ پ ۲۱ الاحزاب آیت ۲۳۔

(ترجمہ) یہ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جان عزیز تک اسی راستہ میں دے دی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں، اور ان کے عزم و استقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ: وہ صدق و امانت سے موصوف تھے نہ اخلاص و ایمان کی دولت انہیں نصیب تھی جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھر بار کو، اپنے عزیز و اقارب کو، اپنے دوست احباب کو، اپنی سہولت و آسائش کو، اپنے جذبات و خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص و ہوا کے غلام تھے، اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی۔ "لقد جئتم شيئا ادا"

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کر لیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرامؓ امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے امان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لیے آیا تھا ایک قدم آگے نہ چل سکتا، مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے۔ علم الٰہی سے اوجھل نہیں تھے اس لیے اس کا اعلان تھا۔

والله متم نوره ولو كره الكافرون ۔ پ ۲۸ الصف آیت ۸
اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا۔ خواہ کافروں کو یہ ناگوار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرام کا تزکیہ فرمایا۔ ان کی توثیق و تعدیل فرمائی، اور قیامت تک کے لیے یہ اعلان فرما دیا۔

اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه ۔ پ ۲۸ المجادلہ آیت ۲۲۔

(ترجمہ) یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے بالخصوص خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ حضرت علی مرتضیٰؓ) رضوان

اللہ علیہم اجمعین) کے فضائل کی تو انتہا کردی جس کثرت و شدت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے فضائل و مناقب ان کے مزایا و خصوصیت اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افرادِ امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان حضرات کا تعلق چونکہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہے، اس لیے ان کی محبت عین محبت رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی نا قابلِ معافی جرم فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں، ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض رکھنے کی بنا پر جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لیے ان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں ارشاد ہے۔

لا تسبوا اصحابی فلوان احدکم انفق مثل اُحُدٍ ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ (بخاری مسلم)

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہوسکتا ہے چنانچہ تم میں سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور اس کے عشر عشیر کو۔

مقامِ صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں فرمایا۔

اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم۔ (رواہ الترمذی)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو بُرا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو! ظاہر کو صحابہ کو بُرا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا۔)

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں، بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی و نبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرز عمل قرآن کریم کے نصوص قطعیہ اور ارشادات نبوت کے انکار کے مترادف ہے، یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیت منصب نبوت کے عائد کیے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا۔ گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور صحابہ کرام کا تزکیہ نہ کرسکے۔ اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرماتے اور یہ انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا نعوذ باللہ۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ نعوذ باللہ من الغباوۃ و السفاھۃ چنانچہ اہل بدا کی بڑی جہالت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "بدا" ہے یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہو جاتا ہے جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرام کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہ گیا؟

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب و سنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کیا گیا ہے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

من اذاھم فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ۔

جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو

ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرق باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نشان صحابہ کرام کی عظمت و محبت رہا ہے۔ تمام اہل حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ:

ونکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر

اور ہم صحابہ رض کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرام کا ذکر بالخیر ہے جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو ان کو موردالزام قرار دیتا ہو، اور ان پر سنگین اتہامات کی فرد جرم عائد کرتا ہو وہ اہل حق میں شامل نہیں ہے۔ اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم وزبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے۔ تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں ـــ حق تعالیٰ جل ذکرہ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زیغ وضلال سے محفوظ فرمائے، اور اتباع حق کی توفیق بخشے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية محمد وَعلى آله و اصحابه واتباعه اجمعين ـــــ آمين ۔

مقدمہ ۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ امّا بعد

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ہند کی بشارت دے گئے تھے اور سب سے پہلے سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے اس طرف توجہ کی یہ سعادت محمد بن قاسم اور ان کے ساتھیوں کے نام لکھی تھی کہ ہندوستان میں ان کے قدموں نے اسلام کے آثار رکھے اور پھر سلطان محمود غزنویؒ نے یہاں فتح کا پرچم لہرایا اور پھر حضرۃ الشیخ معین الدین اجمیریؒ نے یہاں جذب وسلوک کی محفلیں لگائیں اور پھر جو اس حلقے میں آیا اس کے دل میں محبت الٰہی کی روشنی جاگ اٹھی اسلام کی آمد یہاں فاتحین سے ہوئی لیکن اسلام کو یہاں قرار شاہان روحانیت سے ملا۔

ہندوستان میں شیعیت کی آمد مغل تاجدار ظہیر الدین بابر نے ۹۳۴ھ (۱۵۳۰ء) میں انتقال کیا اس کا بیٹا ہمایوں اس کا جانشین ہوا۔ شیر شاہ سوری کی فتوحات نے ہمایوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا اور ہمایوں نے ایران جا کر پناہ لی یہ دسویں صدی ہجری تھی جب ایران میں صفوی برسر اقتدار تھے اور انہوں نے زبردستی ایران پر شیعیت مسلط کی تھی ان سے پہلے اہل سنت مسلمان وہاں تین چوتھائی سے زیادہ تھے صفویوں نے ہمایوں کی مدد کی اور اسے دوبارہ ہندوستان کا تخت دلایا ہمایوں گو اپنے پہلے عقائد پر ہی رہا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس راہ سے ہندوستان میں شیعیت کا تعارف ہوا ـــــ اور وزیر اعظم بیرم خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شیعیت کی طرف مائل ہوا۔

اکبر کے وقت میں علماء کے صدر الصدور شیخ عبد النبی تھے اور وہ شیعیت کے بارے میں بہت حساس تھے ان کی وجہ سے سلطنت میں بیرم خاں کی مذہبی پالیسی کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ اکبر بھی شیخ سلیم چشتیؒ کا مرید ہو چکا تھا۔ اور ہندوستان سے شیعی غلبے کا خطرہ اٹھ چکا تھا

جہانگیر ۱۶۰۷ء میں تخت نشین ہوا اور نور جہاں کے ذریعہ یہاں شیعیت پھر ہاتھ اٹھانے لگی قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) جو اکبر کے عہد میں ردائے تقیہ اوڑھے قاضی کے منصب پر آ گیا تھا اب اس نے تقیہ کی چادر اتار دی اور پھر اپنے کیفر کردار کو پہنچا اس کی قبر آگرہ میں گندے نالے کے پاس ہے۔

جہانگیر کی فوج میں شیخ بدیع الدین ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے خلفاء میں سے تھے اور اس سلطنت میں رفض والحاد کی مسموم فضاؤں کا پوری ہمت سے سدباب کر رہے تھے یوں سمجھئے جس طرح نور جہاں یہاں شیعیت کا پہلا نشان تھی حضرت امام ربانی یہاں رفض و الحاد کے خلاف حق کا پہلا نشان تھے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

قاضی نوراللہ شوستری کے شاگرد شرارِ بولہبی اٹھائے مسلمانوں کے علم ویقین کو جلانے پر تلے ہوئے تھے اور حضرت امام ربانی کے خلفاء اور متوسلین چراغ مصطفوی ہاتھ میں لئے پورے برصغیر میں اندھیروں سے ٹکرا رہے تھے اور حق کی روشنی پھیلا رہے تھے آپ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ آپ نے ہندوستان کو ایران کی طرح شیعہ مملکت نہ بننے دیا ورنہ علماء سو تو ہر باطل سے سمجھوتہ کرنے پر تیار بیٹھے تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے پوری قوت اور علمی سطوت سے اہل بدعت کی تردید کی

ناموس صحابہؓ کے تحفظ پر اہل ہند کی پہلی تحریر نوراللہ شوستری کے معتقدوں نے تفریق بین المسلمین کے لئے خلفائے راشدین کے خلاف ایک رسالہ لکھا امام ربانی نے اپنی مجلس میں اس کا خوب رد کیا پھر آپ نے اس کے جواب میں ایک تحریر سپرد قلم کی جس نے آگے چل کر رد روافض کا نام پایا آپ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"ایں قدر رد و الزام کفایت نمے کرد و سوزش سینہ بے کینہ تشفی نیافت و بخاطر فاتر قرار یافت کہ اظہار مقاصد ایشاں تا در زمانے کہ در قید کتابت نہ آید فائدہ تام و نفع عام نہ بخشد نشرت مستعیناً باللہ الصمد"

تحفظ ناموس صحابہؓ پر یہ برصغیر پاک و ہند کی پہلی تحریر ہے سو آپ اس تحریک کے سرخیل قرار پائے اور آپ کے خلفاء اور متوسلین اس محنت میں بر صغیر بھر پر دوڑے یہ گیارہویں صدی کے مجدد اعظم کا تجدیدی کام ہے آپ کی رگ فاروقی پورے جوش میں تھی لیکن پورے ہوش میں تھی جہانگیر بھی نورجہاں کا شکار نہ ہو سکا اور حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے توسل سے وہ شیعیت سے بچ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کی اولاد | حضرت مجدد الف ثانیؒ کے روحانی سلسلہ سے ایک اور بزرگ اُٹھے یہ بارھویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ ہیں آپ بھی فاروقی نسب تھے آپ کی آفاقی نظر نے اقامت دین کی محنت میں سب سے پہلے تحفظ ناموس صحابہؓ کو موضوع بنایا اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جیسی شہرہ آفاق کتاب لکھی آپ اس موضوع میں اتنے حساس واقع ہوئے تھے کہ مسئلہ افضلیت کو بھی آپ نے اُصولی درجہ میں اہم سمجھا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے افضل الناس بعد الانبیاء ہونے پر ایک گرانقدر کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین لکھی اور پھر آپ کے صاحبزادے اور جانشین خاتم المحدثین حضرت امام شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ لکھ کر رفض والحاد پر ایک ایسی حجت بالغہ قائم کی کہ مخالفین اب تک اس کا کوئی جواب نہ لکھ سکے جسے کہ جواب کہا جا سکے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں نے بھی اسے ہندوستان کی بڑی ضرورت سمجھا اور مولانا رشید الدین خاں نے (۱) عزۃ الراشدین اور ایضاح لطافۃ المقال لکھیں مولانا حیدر علی نے منتہی الکلام اور ازالۃ الغین تالیف کیں یہ وہ وقت تھا جب انگریزی دور شروع ہو چکا تھا اور نئے حکمران مسلمانوں کو اپنی تاریخ سے بیگانہ کرنے کے لئے ہر اس تحریک کا ساتھ دیتے جو خلفائے راشدین ائمہ مجتہدین اور محدثین کے خلاف صف آراء ہو۔

اکابر دیوبند جو محدثین دہلی کے علمی مسلکی اور سیاسی وارث تھے وہ تحفظ ناموس صحابہؓ کی اہمیت اور مسلمانوں کے داخلی اتحاد کی ضرورت سے غافل نہ تھے انہوں نے فتنہ رفض والحاد کو بڑی حدت نظر سے جانچا اور قوم کو اپنی تاریخ سے متحد ہو رکھنے کیلئے شیعہ مجتہدوں کے سر توڑ کر رکھ دیئے ایران میں اگر ان لوگوں نے عروج پایا تو وہ علم کی راہ سے نہیں جبر و تشدد کی راہ سے تھا ایڈورڈ براؤن نے تاریخ ادبیات ایران کی چوتھی جلد میں تفصیل سے بتایا ہے کہ کس طرح شاہ اسمٰعیل صفوی نے بزور شمشیر ایران میں اپنے عقائد پھیلائے ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے مولوی عمار علی مؤلف تفسیر عمدۃ البیان کے جواب میں ۱۲۸۴ھ میں ہدیۃ الشیعہ لکھی اور پھر ۱۲۸۸ھ میں شیعہ مجتہدوں کے سوالوں کے جواب میں الاسولۃ الکاملہ فی الاجوبۃ الکاملہ لکھی۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۱۳۲۳ھ) نے ہدایۃ الشیعہ کے نام سے ایک کتاب لکھی پھر ان کے شاگرد اور ایک عالم کے استاد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) نے ھدایات الرشید الی افحام العنید در مطرقۃ الکرامۃ علی مرأۃ الامامۃ لکھ کر حضرت شاہ عبدالعزیز کی یاد تازہ کر دی حضرت گنگوہی کے شاگردوں میں حضرت مولانا ولایت حسین رئیس دیورہ (صوبہ بہار) نے کشف التلبیس تین حصوں میں لکھی جسے حضرت مولانا ظہور احمد بگوی امام جامع مسجد بھیرہ (پنجاب) سے شائع کیا اور شمالی پنجاب میں شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھے۔ حضرت سہارنپوری کے شاگردوں میں سے مولانا حافظ محمد شفیع صاحب سنکھتروی (پنجاب) نے نارووال اور اس کے مضافات میں شیعیت کا تعاقب کیا اور ایران و عراق کے مجتہدین کو ہر محاذ پر شکستیں دیں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے خلیفہ مولانا بشیر احمد پسروری (پنجاب) ان مناظروں اور جلسوں میں آپ کے قوت بازو ہوتے تھے

علمائے فرنگی محل دہلی کے بعد دوسرا مرکز علم فرنگی محل لکھنو تھا یہاں کے مولانا عین القضاۃ اپنے وقت کے شاہ محمد اسحاق تھے مولانا عین القضات کے شاگردوں میں امام المناظرین حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ تحفظ ناموس صحابہؓ کے افق پر آفتاب بن کر چمکے اور حق یہ ہے کہ اس دینی محاذ پر آپ اپنے سب ہم عصروں کو پیچھے چھوڑ گئے ان کا ماہنامہ النجم لکھنو نصف صدی کے قریب سیاہ دلوں کو جلا بخشتا رہا۔

حضرت مولانا لکھنویؒ دفاعِ صحابہؓ کی محنت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی روایات و امانات کے امین تھے۔ اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ ناموسِ صحابہؓ کے حق میں اٹھنے والا کوئی قلم آپ سے مستغنی رہ کر نہیں چل سکتا۔

لکھنو میں قران السعدین علماء دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی مقام صحابہؓ کے موضوع پر بڑے حساس واقع ہوئے تھے آپ کے سامنے کوئی طالب علم کسی صحابی کا نام ترضی کے بغیر لئے آگے نہ چل سکتا تھا لکھنو میں تحریک مدح صحابہؓ چلی تو آپ نے اس میں براہ راست حصہ لیا اور دیوبند سے علماء کا ایک قافلہ لے کر لکھنو پہنچے آپ کا اس مہم پر لکھنو جانا پورے اہل سنت کے لئے قران السعدین تھا اب اس کے بعد برصغیر پاک و ہند میں اس محاذ پر جو کام ہوا وہ ان دونوں بزرگوں کا رہین احسان ہے مولانا سید حسین احمد مدنی نے مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ لکھنو کے نام جو خط لکھا وہ آج بھی مکتوبات

شیخ الاسلام کی تیسری جلد صلا پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ان اکابر کو ملک گیر پیمانے پر فکر تھی کہ اس ملک کو دوسرا ایران بننے سے ہر قیمت پر بچایا جائے اور یہ حضرات امام ربانی شیخ سرہندیؒ حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مشن کے گرد پوری محنت سے پہرہ دے رہے تھے۔

حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ نے اس مشن کی فکری قیادت کی حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے ترجمے کئے آپ نے لکھنؤ میں دار المبلغین قائم کیا اور تحفظ ناموس صحابہؓ کے لئے ملکی سطح پر علمی اور تربیتی کام کیا۔

پنجاب ان حضرات سے عملاً دور تھا حضرت مولانا مدنی اور حضرت مولانا لکھنوی چاہتے تھے کہ پنجاب سندھ اور سرحد میں اس کام کی کوئی عملی صورت نکلے کہ ۱۹۴۰ء میں راجن پور ضلع ڈیرہ غازیخان سے مولانا سید نور الحسن بخاری دورہ حدیث کیلئے دیوبند گئے اور حضرت شیخ الاسلام سے ان علاقوں کے حالات اور احساسات گذارش کئے حضرت مدنیؒ نے انہیں اس کام کی اہمیت اور مغربی ہندوستان میں اس ضرورت کے پورا کرنے کا احساس دلایا اور حضرت شاہ صاحب کے دل میں اس کام کی ایسی چنگاری اتار دی کہ اس نے کچھ عرصہ بعد پورے ملک میں تنظیم اہل سنت کا نام پایا۔

لغاری اور پتافی اہل فکر حضرات جام پور ضلع ڈیرہ غازیخاں کے زمیندار سردار احمد خان پتافی (متوفی ۱۹۶۰ء) مسلمانوں کے ملی تحفظ کے لئے نہایت دردمند اور حساس دل رکھتے تھے قدرت نے آپ کو روشن دماغ سے بھی نوازا تھا آپ اس احساس میں گھلے جا رہے تھے کہ حوزہ ملت کو ہر چار طرف سے نقب لگی ہے آریہ سماج شدھی تحریک چلا رہے ہیں اور مسلمانوں کو شدھ (پھر سے ہندو) کر رہے ہیں قادیانی ایک نئی نبوت کو لا کر مسلمانوں سے لوگوں کو نکال رہے ہیں اور مسلمانوں کی مرکزیت توڑ رہے ہیں فتنہ رفض مسلمانوں کو اپنی تاریخ کا دشمن بنا کر انہیں اپنے ماضی سے کاٹ رہا ہے اور انگریزی دور خود اہل سنت کو دو دھڑوں میں تقسیم کرنے کے درپے ہے امت کو بچایا جائے تو کیسے بچایا جائے؟ یہ احساس کہ مسلمانوں کا داخلی تحفظ کس طرح کیا جائے آپ اس میں بہت فکرمند تھے یہ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ کی بات ہے۔

سردار صاحب نے اپنے علاقہ کے علماء اور زمینداروں کو اس سلسلے میں جمع کیا ان سے مشورے کئے متعدد مجلسیں کیں اور پندرہ سال اسی فکر میں لگا دیئے زمینداروں میں لغاری خاندان نے ان سے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا اور مولانا سید نور الحسن بخاری جو اسی علاقے کے رہنے والے تھے وہ ان حضرات میں اور اکابر علماء ہند میں ایک واسطہ بن گئے سردار صاحب نے یہ فکر لئے پورے ہندوستان کا دورہ کیا لاہور میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ سے ملے دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی سے ملے دہلی میں مفتی اقلیم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب سے ملے اور ان حضرات سے فکر کی تائید حاصل کی اور دعا لی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی کی تائید اور سرپرستی آپ (سردار صاحب) کو پہلے سے حاصل تھی آپ نے کمر ہمت باندھی اور ۱۹۴۳ء میں جام پور میں ایک اجلاس بلایا جس کی صدارت سردار محمد علی خان لغاری نے کی یہاں تنظیم اہل سنت کا قیام عمل میں آیا سردار محمود خان لغاری اس کے صدر قرار پائے اور سردار احمد خان پتافی اس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے اور ۱۴ اپریل ۱۹۴۴ء کو امرتسر میں تنظیم کا دفتر کھول دیا گیا مولانا سید نور الحسن بخاری اس کے مہتمم مقرر ہوئے اور تنظیم اہل سنت کے نام سے ایک پرچے کا اجراء کیا گیا۔ گیا۔ تحریک کے تعارف عام کے لئے لاہور دہلی دروازہ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری، امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے شرکت کی اس کے مہتمم حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری تھے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی نے اس تحریک کی زبردست حمایت کی روزنامہ زمزم لاہور نے ۱۵ مئی ۱۹۴۴ء کی اشاعت میں روزنامہ شہباز نے ۲۹ مئی ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ان اکابر کے بیانات بھی شائع کئے اور تحریک کا تعارف کرایا۔ ادھر یہ تحریک اٹھی ادھر قادیانیوں نے اپنے پرچہ الفضل قادیان کی ۵ اپریل ۱۹۴۵ء

کی اشاعت میں اس کے خلاف اپنے پورے حلقے میں خطرے کا الارم بجادیا اس وقت قادیانیت کے خلاف یہی ایک پلیٹ فارم تھا جو خالص مذہبی فضا اور خالص فکری صدا سے ختم نبوت کا کام کرنے اٹھا اہل سنت مسلمانوں کو یہ پہلا پلیٹ فارم ملا جس میں تحریکات باطلہ کے خلاف مسلمانوں کی عوامی سطح پر علمی اور فکری جدوجہد شروع ہوئی مولانا لال حسین اختر اس کے پہلے مبلغ تھے۔

پاکستان میں تنظیم اہل سنت کا قیام | تقسیم ہند کے بعد تنظیم کا دفتر امرتسر سے لاہور آگیا اور چوک جھنڈا لوہاری دروازہ میں اس کا قیام عمل میں آیا ہفت روزہ تنظیم یہیں سے جاری کیا گیا اس کے دفتری انچارج کالا باغ کے حافظ نور محمد مقرر ہوئے جو اب مستقل طور پر لاہور میں مقیم ہیں۔

تنظیم کا جماعتی دفتر بعد میں ملتان آگیا لیکن اخبار کا دفتر لاہور ہی میں رہا پھر کچھ عرصہ بعد دعوت کا اجراء عمل میں آیا جس کا قلم ادارت پہلے مولانا سید نور الحسن بخاری کے ہاتھ میں رہا اس پرچے سے ان دنوں تنظیم کا پروگرام پاکستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ پہنچا اور پورے ملک میں تنظیم اہل سنت کی دھوم مچ گئی اخباروں کے مقابلے میں اخبار شاعروں کے مقابل شاعر مناظروں کے مقابلے میں مناظر خطیبوں کے مقابل خطیب پیش کئے اور الحمدللہ تنظیم جن اکابر کی سرپرستی اور تائید سے وجود میں آئی تھی پاکستان بنے اب نصف صدی ہونے کو ہے رفض کے خلاف یہ پلیٹ فارم اب بھی اصحاب رسول کے موضوع پر پاکستان کی سب قدیمی اور بڑی جماعت سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء مجلس احرار اسلام سیاست سے کنارہ کش ہو کر خالصۃً قادیانیت کے خلاف معروف ہوگئی اور تنظیم اہل سنت کا رخ پھر زیادہ تر رفض وخروج کے استیصال کی طرف ہوگیا۔

اکابر دیوبند میں جس طرح حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے تلامذہ قادیانیت کے خلاف شمشیر براں بنے رہے جیسے مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی، محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی مولانا محمد علی جالندھری وغیرہم ___ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے تلامذہ اسی طرح رفض والحاد کے خلاف نبرد آزما ہوئے ہندوستان ایک طرف رہا۔ آپ پاکستان کو لیں جناب قاضی مظہر حسین صاحب مولانا سید نور الحسن بخاری، مولانا سید احمد شاہ بخاری، مولانا العلامہ عبدالستار تونسوی، مولانا محمد نافع صاحب (محمدی شریف ضلع جھنگ)، مولانا سید صادق حسین شاہ (جھنگ) اسی محاذ پر زندگیاں

لگائے ہوئے ہیں۔ اور اپنے اپنے حلقے میں عظمتِ صحابہؓ کے چراغ جلائے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری کی تحریک پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے شاگرد مناظرِ اسلام حضرت علامہ دوست محمد قریشی حضرت مولانا قاری لطف اللہ رائپوری تنظیم اہلِ سنت میں آئے حضرت مدنیؒ اور حضرت لکھنوی کے نامور شاگرد مناظرِ اسلام علامہ عبدالستار تونسوی بھی جماعت میں آ گئے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے شاگردوں سے حضرت مولانا اللہ یار خاں اور مولانا افتخار احمد کا بھرپور تعاون تنظیم اہل السنۃ کے شاملِ حال رہا مولانا قائم الدین عباسی علی پوری مولانا حافظ عطاء اللہ (الیہ) مولانا غلام قادر ملتانی تنظیم کے مرکزی مبلغین میں شامل ہوئے سردار احمد خان پتانیؒ کی نظامت میں تحریک تنظیم نے ملک کے طول و عرض میں مقامِ صحابہؓ کا بھرپور دفاع کیا اور جلسوں مناظروں تحریروں، تقریروں اخبارات اور مقدمات الغرض ہر محاذ پر رفض و الحاد کو للکارا اور لتاڑا اور ہر بستی اور آبادی میں عظمتِ صحابہؓ کے چراغ جلائے دار المبلغین تنظیم (ملتان) نے پھر ایسے شاگرد تیار کئے جو پھر مستقل جماعتوں کے بانی بنے۔ مولانا عبدالشکور دین پوری صدر تحفظ حقوق اہلِ سنت، مولانا منظور احمد چنیوٹی ایم پی اے بانی ادارہ دعوت و ارشاد چنیوٹ، مولانا حق نواز جھنگوی بانی تحریک سپاہ صحابہؓ مولانا عبداللہ صاحب امیر جمعیت اہلِ سنت پاکستان۔ انجمن محبانِ صحابہ ڈیرہ اسماعیل خاں۔ یہ سب حضرات اس محاذ پر حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب نے تیار کئے اور جب تک یہ حضرات میدانِ عمل میں مصروف ہیں تنظیم اہل السنۃ کا نام دنیا میں روشن رہے گا۔

اس وقت تنظیم اہلِ سنت پاکستان کے صدر بقیۃ السلف حضرت مولانا عبدالستار تونسوی ہیں اور ملتان نواں شہر میں (پائلٹ سکول کے سامنے) جماعت کا دفتر ہے۔ جماعت کا تبلیغی مسلک اعتدال ہے اشتعال نہیں تنظیم کے مبلغین نے تبلیغ ہمیشہ مثبت انداز میں کی ہے ہنگامے نہیں کرائے صحابہؓ اور عترتِ رسول میں ہمیشہ جوڑ کی بات کی ہے توڑ کی نہیں پاکستان میں کہیں برائی اور نفرتوں کے جال نہیں بچھائے اعتماد تولا اور حسنِ سلوک کی دعوت دی ہے ہفت روزہ دعوت کا ہمیشہ سے یہی پیغام رہا ہے اور اس کے ان چار نمبروں کی تاریخ گواہ ہے کہ تحفظ ناموسِ صحابہؓ کے محاذ پر علمائے تنظیم اہلِ سنت کی فکر ہمیشہ سے انتہائی ثاقب رہی ہے۔

ع ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیئے ہیں اندازِ خسروانہ۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۸۵ء

خالد محمود عفا اللہ عنہ حال وارد پاکستان
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر۔

مقامِ خلافت

مجددِ مائۃ دوازدہم حجۃ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: (علامہ) ڈاکٹر خالد محمود صاحب

خلفائے راشدین کے گرد کھیرے گئے کانٹوں کو اٹھانے سے پہلے مقامِ خلافت کو سمجھئے

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ

خلفائے اربعہ کے لئے خلافت عامہ کا ثابت ہونا اجلےٰ بدیہات میں سے ہے (کیونکہ) جب ہم خلیفہ کا مفہوم اور اس کی شرطیں ذہن میں لاتے ہیں اور خلفائے اربعہ کے حالات پر جو بسند مستفیض معلوم ہوئے ہیں نظر ڈالتے ہیں تو بدیہی طور پر خلافت کی شرطوں کا ان میں پایا جانا اور خلافت کے مقاصد کا اکمل طور پر اُن سے ظاہر ہونا واضح ہو جاتا ہے (اور کسی طرح کا خفا باقی نہیں رہتا اور) اگر خلفائے اربعہ کی خلافت کے ثبوت میں کوئی پوشیدگی ہے تو وہ خلافت کے مفہوم میں دوسرے معانی شامل کرنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ شیعہ عصمت اور وحی باطنی[1] کو امام کے لئے شرط کرتے ہیں ورنہ اسلام اور عقل اور بلوغ اور حریت اور ذکورۃ اور سلامتیٔ اعضاء اور قریشیت کا ان بزرگوں (یعنی خلفائے اربعہ) میں پایا جانا کسی عاقل کے لئے محلِ بحث نہیں ہو سکتا اور (نیز) کوئی دانشمند (اس بات سے) انکار نہیں کر سکتا کہ مرتدوں سے جنگ کرنا اور بلادِ عجم اور بلادِ روم کو فتح کر لینا اور کسریٰ اور قیصر کے لشکروں کو شکست دینا انہی خلفاء کی تدبیر اور انہی کے حکم سے ہوا ہے اور کفایت کرنے والے کے لئے اس قدر کافی ہے۔ اور یہ تو خود شیعوں کا قول ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے خلافت کو حضرت (علی) مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے غصب کر لیا تھا اور جب کہ خلافت کا غصب کر لینا بدون جرأت اور تدبیر اور لوگوں کی تالیف کے متصور نہیں ہو سکتا (تو شیعہ اپنے اس قول سے شیخین رضی اللہ عنہما کی) شجاعت اور رائے کا گزاری

---

[1] حضرت مصنف نے بتقاضائے کرم طبعی صرف وحی باطنی پر اکتفا کی ورنہ شیعہ تو اپنے اماموں میں نبوت سے بھی بالاتر اوصاف کا دعویٰ کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ ائمہ کا درجہ انبیائے سابقین سے زیادہ ہے۔ وحی باطنی کا ثبوت تو شیعوں کی ہر کتاب میں موجود ہے حتیٰ کہ اصول کافی میں بھی کئی باب ہیں جن میں فرشتوں کا ائمہ کے پاس آنا اور علوم شرعیہ کا مختلف طریقوں سے لانا مروی ہے۔ جلد اصفحہ ۲۲ میں ہے انا اھل البیت شجرۃ النبوۃ وموضع الرسالۃ ومختلف الملائکۃ وبیت الرحمۃ و معدن العلم باقر مجلسی لکھتا ہے از بعض اخبار معتبرہ معلوم می شود کہ مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است حیات القلوب جلد ۳ صفحہ ۲

کے قائل ہو گئے (اور لطف یہ ہے کہ) اس طور سے (قائل ہوئے) کہ انہوں نے اس کا قصد ہی نہیں کیا (بلکہ ان کا مقصود دوسرا تھا) باقی رہی اجتہاد اور عدالت کی شرط (تو ثبوت اجتہاد معلوم کرنے کے لئے) خلفاء کے اقوال میں غور کرنا چاہیے اور ان کے فیصلے اور مناظرات میں خوض کرنا چاہیئے تاکہ ان کا اجتہاد اظہر من الشمس ہو جائے اور (خلفاء کی عدالت کے ثبوت کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ) اب تک مخالفوں میں سے کسی نے ان کے (مقدس) دامن پر فسق ظاہری[1] کا داغ نہیں لگایا (بلکہ) جو کچھ تراشخائی کی ہے اس کا (کوئی نہ کوئی) مختلف فیہ امر ہے کہ سوا اس فرقہ (شیعہ) (عاملہم اللہ بعدلہ) کے جمہور اہل اسلام اس کو جانتے ہی نہیں۔ پس ان خلفاء کے لئے خلافت بمعنے مذکور کا ثابت ہونا برہان سے مستغنی ہے بلکہ جو کچھ اس مقام میں ضروری ہے (وہ صرف یہی ہے) کہ خلافت کے معنی کو دوسرے معانی سے (مثل عصمت وغیرہ کے جو شیعوں نے شامل کئے ہیں) علیحدہ رکھا جائے اور خلافت کی شرطوں کو اور تقرر خلیفہ کے مقاصد کو بیان کر دیا جائے۔

---

[1] بلکہ واقعات سے مجبور ہو کر متعصب سے متعصب شیعوں نے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے تبع شریعتِ ظاہری ہونے کا اقرار کیا ہے چنانچہ علم الہدیٰ کتاب شافی میں حضرات خلفائے ثلثہ کی نسبت لکھتے ہیں مقدما معظم جمیل الظاہر بری الکثر الامتحان الامۃ دونہ اور محقق جیلانی فتح السبل میں لکھتے ہیں " آنہا نفوس خود را از اموال باز داشتند و شیوۂ زہد در دنیا چیس گرفتند و رغبت بدنیا و زینت آں را ترک کردند و قناعت بقلیل واکل خشین ولباس کرباس ملک خود ساختند در حالیکہ اموال برائے ایشاں حاصل و دنیا رُو کردہ بود آں را درمیان قوم قسمت می کردند و خود را باآں اصلاً آلودہ نمی کردند" اور علامہ بحرانی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ تہران کے جزو ۱۲ میں لکھتے ہیں، ان الفرق بین الخلفاء الثلاثۃ ومعاویۃ فی اقامۃ حدود اللہ والعمل بمقتضی اوامرہ ونواھیہ ظاھر (ترجمہ) خلفائے ثلثہ اور معاویہ میں یہ فرق کہ وہ تینوں حضرات حدود خداوندی قائم کرتے اور شریعت کے امر و نہی کے تقاضوں پر عمل کرتے تھے بالکل ظاہر ہے سوا ان تینوں پر فسق ظاہری کا داغ خود شیعوں کے ہاں بھی ثابت نہیں اگر کہیں انہوں نے انہیں فاسق کہا ہے تو بوجہ ان کی آسمانی امامت کے انکار کے کہا ہے اقامت حدود اللہ اور عمل بالشریعت میں ان کے کسی ذمہ دار آیت اللہ نے ان پر فسق کا الزام نہیں لگایا حکیم طوسی (۶۷۲ھ) نے تجرید الاعتقاد میں جو یہ لکھا ہے کہ محاربو اعلی کفرۃ و مخالفوہ فسقۃ کا مطلب علامہ حلی (۷۶۲ھ) نے کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد میں تقریباً یہی لکھا ہے۔

خالد محمود

خلافت خاصہ کے لئے ان اوصاف کے اعتبار کرنے میں دراصل تین نکتے ہیں:۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ نہایت صاف اور اعلیٰ فطرت[1] پر پیدا کئے گئے ہیں اور اسی صفائی اور علو فطرت کی وجہ سے حکمتِ الٰہی میں نزول وحی کے مستحق ہوئے ہیں اور عالم کی ریاست ان کو تفویض ہوئی ہے۔ بنی آدم میں جس کا نفس ایسا پاک اور مصفا ہوتا ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے جس (نفس) میں اپنی رسالت رکھتا ہے۔ اور اُمت میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا جوہرِ نفس (صفائی اور علو فطرت میں) انبیاءؑ کے جوہرِ نفوس کے قریب پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اصل فطرت کے اعتبار سے اُمت میں انبیاء کے خلیفہ ہوتے ہیں (اور ان لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ) جس طرح آہنی آئینہ آفتاب سے وہ اثر قبول کرتا ہے جو مٹی اور لکڑی اور پتھر کو میسر نہیں۔ یہ لوگ جو خلاصۂ اُمت ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسِ قدسی سے ایسا اثر پذیر ہوتے ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں ہو سکتا اور (یہ لوگ) جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرتے ہیں دلی شہادت سے حاصل کرتے ہیں گویا ان کے دلوں نے (خود ہی) ان باتوں کو اجمالاً ادراک کر لیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام نے ان اجمالی معانی کی شرح و تفصیل کر دی (پھر) ان لوگوں کے بعد مرتبہ بمرتبہ تنزل ہوتے ہوئے اور دوسرے گروہ ہیں یہاں تک کہ (سب سے اخیر میں) عوام مسلمین کی نوبت آتی ہے۔ پس خلافت خاصہ وہ ہے کہ یہ شخص (یعنی خلیفہ) جس طرح ظاہر میں مسلمانوں کا رئیس ہے (اسی طرح) وضع طبعی کے اعتبار سے یعنی صفائی اور عالی فطرتی کی استعداد جس کے مراتب ہر انسان میں مختلف ہوتے ہیں کسی میں کم کسی میں زیادہ ان مراتب کے لحاظ سے بھی اُمت کا رئیس ہو (یعنی اس استعداد میں وہ سب سے فائق ہو) تاکہ ظاہری ریاست باطنی ریاست کے ہمدوش ہو جائے۔ اور جو لوگ وضع طبعی کے اعتبار

---

[1] فطرت اس حالت و کیفیت کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے ہر شخص کو ملتی ہے۔ یہ حالت کسب سے حاصل نہیں ہو سکتی نہ کسی سبب سے زائل ہو سکتی ہے۔ یہی یہاں مراد ہے۔ اور کبھی فطرت کا اطلاق معرفتِ الٰہی پر ہوتا ہے جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی معرفتِ الٰہی کی قوت ہر شخص کو عنایت ہوتی ہے مگر صحبت اس قوت کو بے کار کر دیتی ہے ۱۲

سے انبیاء (علیہم السلام) کے خلیفہ ہیں وہ شریعت میں صدیقین او شہداء اور صالحین کے لقب سے ملقب کئے گئے ہیں۔ یہ مضمون ان دو آیتوں سے مفہوم ہوتا ہے (پہلی آیت یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی زبان سے فرمایا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (ترجمہ) ہم کو سیدھی راہ کی ہدایت کر یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔ (دوسری آیت یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (ترجمہ) یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ لوگ بہت اچھے رفیق ہیں۔ پس ان دو آیتوں میں خدا نے ظاہر فرمایا ہے کہ نمازوں میں مسلمانوں کی دُعا اور قربِ الٰہی کے مراتب طے کرنے میں ان کا مدعا (فی الحقیقۃ) اُن لوگوں کے ساتھ موافقت (حاصل کرنا ہے) جو منعم علیہم (وہ لوگ جن پر انعام کیا گیا) ہیں اور منعم علیہم سے یہی چار (یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین) مراد ہیں۔ اور دوسرے مقام پر (آیۂ کریمہ) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ.... تا اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ عوام مسلمین کے ولی ان کے وہ فاضل ترین افراد ہیں جو نماز قائم کرنے والے اور (اللہ کے) محبوب اور محب ہونے وغیرہ کے وصف سے متصف ہیں اس (نکتہ کے اصل مغز) کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے (چنانچہ) ابوعمر نے استیعاب کے خطبہ میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے:۔

"اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو تمام دلوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بہتر پایا پس ان کو برگزیدہ کیا اور اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے بعد اور بندوں کے دلوں کو دیکھا تو تمام بندوں کے دلوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے دلوں کو بہتر پایا۔ پھر صحابہؓ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر بنایا تاکہ وہ خدا کے دین کے لئے (کافروں سے) مقابلہ کرتے رہیں۔"

بیہقی نے بھی اس کے مثل (حضرت ابن مسعودؓ سے) روایت کی ہے مگر انہوں نے (روایت کا آخری حصہ) اس طرح نقل کیا ہے کہ:۔ فَجَعَلَھُمْ اَنْصَارَ دِیْنِہٖ وَوُزَرَآءَ نَبِیِّہٖ فَمَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَمَا رَاٰہُ قَبِیْحًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیْحٌ ـــ

(ترجمہ) صحابہؓ کو اپنے دین کا انصار اور اپنے نبیؐ کا وزیر بنایا پس جس بات کو مومنین[1] (یعنی صحابہؓ) اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس بات کو قبیح جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

(بیہقی کی روایت کا آخری حصہ اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ) جس طرح خلافت (کے استحقاق) میں اس گروہ (صحابہؓ) کی اولویت ثابت ہے اسی طرح اس گروہ (صحابہؓ) کا اجتہاد بھی دوسروں کے اجتہاد سے اولیٰ اور احق ہے۔ اوصاف مذکورہ میں سے ہر ایک وصف کے لئے علامات اور خواص ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے مناقب میں کبھی ان اوصاف کا پایا جانا صراحۃً ظاہر فرمایا ہے اور کبھی (ان اوصاف کے علامات اور خواص کا پایا جانا کنایۃً (جو تصریح سے زیادہ بلیغ ہے) بیان کیا ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حقیقی خلیفہ مثل بانسری کے ہے (پس جس طرح) کہ بانسری بجانے والا آواز بلند کرنے کے لئے بانسری کو اپنے منہ سے لگا لیتا ہے اور نغمہ سرائی اور اس کی خاص کیفیت بانسری بجانے والے کی طرف منسوب ہوتی ہے (نہ کہ بانسری کی طرف) اسی طرح رحمتِ الٰہی کے حصے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کو عمل میں لانے سے پہلے رفیق اعلیٰ کی طرف چلے گئے اور لبطور سببیت و نیابت کے خلفاء کے ہاتھوں سے وہ کام پورے کئے گئے تو درحقیقت وہ سب کام پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب ہیں اور خلفاء بمنزلۂ اعضائے پیمبر کے سمجھے جاتے ہیں نہ کہ کچھ اور۔

پس خلافتِ خاصہ یہ ہے کہ خلیفہ سے وہ کام سرانجام پائیں جو قرآنِ عظیم اور حدیثِ قدسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور (نیز) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (خلیفہ) کی خلافت کو صراحتاً و کنایۃً بہت مرتبہ ظاہر فرما دیا ہو تا کہ تمام کام (جو خلیفہ کے) ذریعہ سے سرانجام

---

[1] اس مقام پر بعض لوگ دو غلطیاں کرتے ہیں اول یہ کہ اس حدیث کو مرفوع یعنی قول رسول سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے یہ حدیث موقوف ہے یعنی قولِ صحابی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو امور عقل سے نہ معلوم ہو سکیں ان میں صحابی کا قول حکم میں حدیث مرفوع کے ہوتا ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ مومنین سے عام مومنین مراد لیتے ہیں اور ہزاروں بدعات قبیحہ کا حسن اس حدیث سے ثابت کہتے ہیں حالانکہ یہاں بقرینۂ سیاق مومنین سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں۔ یہ رتبہ انہی کا ہے کہ وہ جس بات کو اچھی کہیں وہ اچھی جس کو بری سمجھیں وہ بری بشرطیکہ وہ بات مجتہد فیہ ہو ۱۲

پائیں (وہ سب) حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامہ میں درج ہوں اور خلفاء نے صرف وسیلہ ہونے کا شرف حاصل کیا ہو نہ کہ کچھ اور۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ۔ الآیۃ (ترجمہ) یہ صفت ان کی ہے توریت میں اور انجیل میں وہ مثل اس کھیتی کے ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا۔

اور یہ حدیث قدسی بھی اس پر شاہد ہے اِنَّ اللّٰہَ نظر الٰی اھل الارض فمقتھم عربھم و عجمھم الا بقایا من اھل الکتٰب وقال انما بعثتک لِاَبْتَلِیَکَ وَاَبْتَلِی بک۔ (رواہ مسلم) (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف نظر کی پس تمام زمین والوں کو عرب کو (بھی) عجم کو (بھی) ناپسند کیا سوا ایک جماعت کے اہل کتاب[1] سے اور اللہ تعالیٰ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے فرمایا کہ میں نے تم کو اس لئے مبعوث کیا تاکہ تمہاری آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ سے خلق کی آزمائش کروں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور اسی کے مثل یہ قصہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نہایت بلند ہمتی سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوئے اور (جب) یہ کام ان کے ہاتھ سے سرانجام نہ پایا (تو) ناچار ایک فرزند کی درخواست کی تاکہ اس کے ہاتھ سے (مسجد کی تعمیر) تمام ہو جائے۔ اور چونکہ وہ فرزند حضرت داؤد کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے (اور نیکی کی نیکی اصل شخص کی طرف منسوب ہوتی ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ حضرت داؤدؑ کے کارنامے میں یہ ثبت ہو جائے کہ (حضرت) داؤد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مسجد اقصیٰ کے بنانے والے ہیں۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ خلافت ایک بڑا کام ہے (اور حالت یہ ہے کہ) بنی آدم کے نفوس میں خواہشات نفسانیہ کی پیروی جبلّی طور پیدا کی گئی ہے اور انسان کے اندر شیطان مثل خون کے سرایت کئے ہوئے ہے لہٰذا اگر خلافت رائے سے قائم ہو تو (اس کی نسبت) یہ احتمال ہے کہ خلیفہ ظلم اختیار کرے اور خلافت کے مقاصد (پورا کرنے) میں سستی سے کام لے اور (یہ ظاہر ہے کہ) ایسے خلیفہ کا ضرر امتِ مرحومہ کے لئے اس کے نہ ہونے کے ضرر سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اور یہ احتمال کثیر الوقوع ہے (کیا) تم نہیں دیکھتے

---

[1] اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو کہتے ہیں۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے یہود و نصاریٰ اپنے دین میں تحریف کر چکے تھے اور بہت کم لوگ اپنے اصل مذہب پر قائم تھے انہی کم لوگوں کو اس حدیث میں مستثنیٰ کیا ہے ۱۲

ہو کہ تمام بادشاہ الّا ماشاءاللہ اس مہلکہ میں گرفتار ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ (پس) جب تک وعدۂ الٰہی کی وجہ سے یا (خلیفہ میں) ایسے اوصاف (موجود ہونے) کی وجہ سے جن کے ہوتے ہوئے (خلیفہ سے) ظلم و سستی (کا ہونا) عادتاً محال ہو اور (نیز ان اوصاف کی وجہ سے) خلیفہ کی بابت دین کے کاموں میں مستعد ہونے اور عدل کرنے کا ظن قوی ہو (الغرض جب تک کسی وجہ سے) یہ احتمال دور نہ ہو جائے ایسے شخص کا خلیفہ بنانا خیرِ محض نہ ہوگا اور نہ بنی آدم کے دلوں میں اُس کے خلیفہ بنانے سے اطمینان حاصل ہو گا اور (بہ تقریرِ دیگر یوں سمجھو کہ لوگوں کی رائے سے) جو شخص خلائق کا راہنما اور علم ظاہر و باطن میں لوگوں کا مربی (بن گیا) ہو، ممکن ہے کہ وُہ اپنے علم و حال میں غلطی کرے اور دوسرے لوگ (بھی) بعض قرائن سے تمسک کرکے اس کی غلطی کو صحیح سمجھ لیں اور اسی کو رواج دے دیں۔ کیا اچھا کہا گیا ہے ؎

ای بسا ابلیس آدم روئی ہست ٭ پس بہر دستے نباید داد دست

(لہٰذا، جب تک صادق مصدوق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث مستفیض اور اس کے ارشادات سے کسی شخص کے علم و حال پر اعتماد نہ حاصل ہو جائے (اس وقت تک) کام ناتمام ہے۔ پس خلافتِ کاملہ (خاصہ) وہی ہے کہ شارعؑ کی نص اور اس کے ارشادات سے اس خلیفہ پر ہم وثوق رکھتے ہوں۔ اور (خلافتِ عامہ میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ) خلافتِ عامہ وُہ ہے کہ خلیفہ کے علم و عدالت پر اپنی رائے سے اکتفا کر لیا جائے۔

جب یہ تینوں نکتے بیان ہو چکے تو اب ہم (خلافت خاصہ کے لوازم کی) تفصیل (شروع) کرتے ہیں۔

منجملہ لوازم خلافتِ خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو اور (نیز) ان لوگوں میں سے ہو جو حدیبیہ میں (شریک) اور سورۂ نور کے نزول کے وقت موجود تھے اور (نیز) ان لوگوں میں سے ہو جو بدر و تبوک اور دوسرے مشاہد عظیمہ میں موجود تھے جن کی عظمتِ شان اور جن کے حاضرین کے لئے وعدۂ جنت شرع میں حدیث مستفیض سے ثابت ہے۔ خلیفہ کا مہاجرین اولین میں سے ہونا اس لئے ضروری ہے کہ مہاجرین اولین کی شان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا پھر اس کے بعد فرمایا اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ پھر اس کے بعد فرمایا اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ — ان آیتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جن مہاجرین اولین کو جنگ کی اجازت دی گئی تھی ان کے حق میں (اللہ تعالیٰ) بطور تعلیق[1] کے فرماتا ہے کہ ان کو ہم زمین میں تمکین دیں یعنی ان کو رئیس بنائیں تو وہ لوگ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عمل میں لائیں گے۔ نہی عن المنکر شامل ہے جہاد کرنے کو کیونکہ (نہی عن المنکر گناہوں سے روکنے کو کہتے ہیں اور) سب گناہوں سے زیادہ سخت کفر ہے اور گناہوں سے روکنے کا سب سے زیادہ سخت طریقہ جہاد ہے اور (نیز نہی عن المنکر) شامل ہے اقامتِ حدود اور رفع مظالم کو۔ اور امر بالمعروف شامل ہے احیائے علوم دینیہ کو۔

پس بمقتضائے اس تعلیق کے ضروری ہوا کہ مہاجرین اولین میں سے کوئی شخص زمین پر حاکم ہو تو اس کے ہاتھ سے خلافت کے مقاصد سرانجام پاجائیں اور (چونکہ سب جانتے ہیں کہ) خدا کے وعدہ میں خلف نہیں ہے۔ لہٰذا اگر خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہوگا تو اس پر (سب کو) اتفاق ہوجائے گا اور اس کی خلافت سے (سب کو) اطمینانِ قلب رہے گا اور یہ صفت (جو مہاجرین اولین کیلئے ان آیات سے نکلی) اس عصمت (الطیفہ شریفہ) کا نمونہ[2] ہے جو انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے اور نیز (مہاجرین اولین کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ —

(ترجمہ) پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور

---

[1] تعلیق کے معنی لغت میں لٹکانا کسی چیز کو کسی شرہ کے ساتھ شروط کرے کو تعلیق اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ گویا شرط مشروط کے ساتھ لٹکائی جاتی ہے۔ یہاں شرط کرنے ہی کے معنے مراد ہیں ۱۲ [2] اللہ تعالیٰ حضرت مصنفؒ کو جزائے خیر دے یہ وہ بات ہے کہ تو شاید ان سے پہلے کسی کے قلم سے نکلی ہو حالانکہ بالکل صریح ہے۔ اب جو لوگ امامت کے لئے عصمت کو شرط کہتے ہیں وہ دیکھیں کہ کیسا سچا نمونہ عصمت کا حضرات خلفائے ثلاثہ کے لئے ثابت ہوا اور ثابت بھی کس سے قرآن کریم سے۔ شیعوں کے بڑے بڑے منطقیوں نے مثل طوسی و حلی کے اپنی ساری منطق ختم کردی سینکڑوں بے سروپا مقدمات ترتیب دیئے۔ بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ان کے فرضی ائمہ کیلئے عصمت کا شائبہ ہی کسی آیت کے اشارہ سے نکل آئے مگر کچھ نہ ہوسکا۔ سچ ہے باطل کو حق بنانا اور حق کو باطل بنانا کسی کے امکان میں نہیں ہے ۱۲۔

انہوں نے (کافروں کو) مارا اور (خود بھی) مارے گئے تو ضرور ضرور ہم ان کے گناہوں کو دور کر دیں گے اور ضرور ضرور ہم ان کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں یہ جزا ہے خدا کے پاس سے۔

اور نیز فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ (ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی یہی لوگ سچے مومن ہیں انکے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔

اور نیز فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کیا اُن کا درجہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے

المختصر حق تعالیٰ نے مہاجرین اوّلین کے لئے ہر نوع اور ہر قسم کے فضائل بیان کر دیئے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ مہاجرین اولین سے ہونا خلافتِ خاصہ کے لوازم میں قرار دیا جائے) اور خلیفہ کا حاضرینِ حدیبیہ میں سے ہونا (بچند وجہ) ضروری ہے (اوّلاً) اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اسکے بعد فرماتا ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ (الآیۃ) ان آیتوں کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ اس مبارک واقعہ (یعنی صلح حُدَیبیہ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر تھے اُن کے ہاتھوں سے دین کا اظہار اور اعلائے کلمۃ اللہ واقع ہو گا پس یہ وصف (حدیبیہ میں موجود ہونے کا) خلیفہ میں پایا جائے گا تو اس پر اس بات کا اعتماد رہے گا کہ خلافت کے مقاصد (جن کا اصل اصول اظہار دین اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے) اس سے سرانجام پائیں گے اور (ثانیاً اس لئے کہ) قرآن عظیم میں اس گروہ کے لئے (خدا کی) رضامندی ثابت ہو چکی ہے (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (ترجمہ) بیشک اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہو گیا جب کہ وُہ تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اور (ثالثاً اس لئے کہ) حدیث میں بروایتِ جابر آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَنْ جَابِرٍ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یلج النار احدٌ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَیْبِیَةَ وعنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا یدخل النّار احد مِمَّنْ بایع تحت الشَّجَرَۃِ۔ جو شخص بدر و حدیبیہ میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔ اور نیز انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔

اور خلیفہ کا حاضرین (وقت) نزول سورۂ نور میں سے ہونا اس لئے ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ (ترجمہ) وعدہ دیا اللہ نے ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے تم میں سے اور نیک کام کر چکے کہ ضرور ضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسے کہ خلیفہ بنایا تھا ان سے پہلے کے لوگوں کو اور ضرور ضرور تمکین دے گا ان کے لئے ان کے اس دین کو جس کو پسند کیا اللہ نے ان کے لئے۔ (اس آیت میں) لفظ مِنْکُمْ تمام مسلمانوں کی طرف راجع نہیں ہے (بلکہ) ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو (سورۂ نور کے نزول کے وقت) موجود تھے کیونکہ اگر تمام مسلمان مراد ہوں تو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے ساتھ لفظ مِنْکُمْ کے ذکر کرنے سے (بے فائدہ) تکرار[1] لازم آتی ہے۔ پس حاصل مطلب یہ ہے کہ (اس آیت میں) ان لوگوں کے لئے جو نزول آیۂ (مذکورہ) کے وقت موجود تھے اس بات کا وعدہ ہے کہ تمکینِ دینِ الٰہی کی سعی اور محنت اور کوشش کے موافق ظہور پذیر ہوگی۔ اور خلیفہ کا (علاوہ حدیبیہ کے دوسرے) مشاہد خیر کے حاضرین میں سے ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اہل بدر تمام دیگر صحابہؓ سے افضل ہیں (جیسا کہ) بخاری نے معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی سے انہوں نے اپنے والد سے اور وہ اہل بدر سے تھے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیلؑ آئے قال جاء جبرئیل الی النبی صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ فقال ما تعدُّون اھلَ بدرٍ فیکم فقال مِنْ افضلِ المسلمین اَوْ کلمۃً نحوھا قال وکذٰلک مَنْ شھِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ ۔۔۔۔ اور

---

[1] کیونکہ منکم میں اگر خاص اس وقت کے مسلمانوں میں خطاب منحصر نہ ہو بلکہ قیامت تک جس قدر مسلمان ہونیوالے ہیں سب مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہو جائیگا کہ اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے اور یہ مطلب بغیر لفظ منکم کے حاصل ہو جاتا ہے مثلاً عبارت یوں ہوتی وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت تو یہ مطلب حاصل ہو جاتا لہٰذا لفظ منکم بالکل بیکار اور فضول ہو گیا یہی مطلب تکرار کا ہے اور کسی لفظ کا فضول و بیکار ہو جانا کلام الٰہی کی شان سے بعید ہے ۱۲

عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) آپ اپنے گروہ میں اہل بدر کو کیسا سمجھتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مسلمانوں سے افضل یا اس کے مثل کوئی اور لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جبرئیل نے عرض کیا ایسا ہی ہم ان فرشتوں کو تمام فرشتوں سے افضل جانتے ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے۔

اور (نیز) اہل بدر کی شان میں صحیح (طور پر ثابت) ہوا ہے (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) لَعَلَّ اللّٰهَ اَطَّلَعَ عَلٰی اهل بَدرٍ فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لكم او فقد وَجَبَتْ لكم الجنة یقیناً خدا تعالیٰ اہل بدر کے انجام حال سے مطلع ہوا اس لئے (حدیث قدسی میں) فرمایا جو کچھ چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا یا (یہ فرمایا) کہ تحقیق تمہارے واسطے جنت واجب ہوگئی۔ اور جو لوگ جنگ تبوک میں حاضر تھے اُن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (ترجمہ) بیشک اللہ نے توجہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تکلیف کے وقت اُس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کی۔

اور اسی اصل پر (کہ مشاہد خیر میں شریک ہونا لوازم خلافت خاصہ سے ہے) ابن عمرؓ کا وہ کلام مبنی ہے جو انہوں نے (اپنے ذہن میں) معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے کہنے کے لئے تجویز کیا تھا کہ تم سے زیادہ خلافت کے لائق وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام[1] پر مقاتلہ کیا یعنی علی مرتضیٰؓ۔ بخاری نے اس کو روایت کیا ہے اور (اسی اصل پر) عبدالرحمٰن بن غنم اشعری فقیہہ شام کا کلام (مبنی ہے جس کا قصہ اس طرح پر ہے کہ) حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ جو حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت علیؓ کے پاس یہ پیغام لے گئے تھے کہ خلافت کو چھوڑ دو اور اس کو مسلمانوں کے شوریٰ میں دائر کر دو۔ حضرت علیؓ کے پاس سے (پیغام پہنچا کر) لوٹے (اور مقام حمص میں جو مسکن حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کا تھا پہنچے) تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان سے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی کہا کہ:۔

"تم دونوں سے تعجب ہے کہ کیونکر تم سے یہ پیغام جو تم لائے تھے (حضرت علیؓ کے سامنے ادا ہوا تم نے علیؓ کو یہ ترغیب دی کہ خلافت کو شوریٰ میں دائر کر دیں حالانکہ تم جانتے ہو کہ مہاجرین اور انصار اور اہلِ حجاز اور اہلِ عراق نے علیؓ سے بیعت کر لی ہے اور بیشک جو لوگ علیؓ (کی

---

[1] یعنی تم اور تمہارے باپ قبل اسلام بحالت کفر کافروں کی طرف سے میدان جنگ میں آئے تھے اور علیؓ مسلمان تھے مسلمانوں کی طرف سے میدان جنگ میں جاتے تھے اور تم لوگوں سے لڑتے تھے ۱۲

خلافت) سے راضی ہوگئے وُہ ان لوگوں سے افضل ہیں جو علیؓ (کی خلافت) سے ناخوش ہیں اور جن لوگوں نے علیؓ سے بیعت کر لی ہے وُہ ان لوگوں سے افضل ہیں جنہوں نے ان سے بیعت نہیں کی۔ اور معاویہؓ کو شوریٰ قائم ہونے سے کیا فائدہ کیونکہ (شوریٰ سے خلافت ملے گی تو مہاجرین میں سے کسی کو ملے گی اور) معاویہؓ (مہاجرین میں سے نہیں ہیں بلکہ) طلقاؔ[1] میں سے ہیں جن کو خلافتِ (خاصّہ) حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ معاویہؓ اور ان کے والد غزوۂ احزاب (میں کافروں) کے سردار تھے"۔

(عبدالرحمٰن بن غنم کا یہ کلام سُن کر) ابوہریرہؓ اور ابوالدرداءؓ اپنے آنے پر نادم ہوئے اور عبدالرحمٰن بن غنم کے سامنے (اپنے اس فعل) سے توبہ کی۔ ابوعمرؓو نے استیعاب میں اس کو روایت کیا ہے۔

اور منجملہ لوازمِ خلافتِ خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ بہشت کی بشارت پا چکا ہو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے خاص نام لے کر بغیر کسی تعلیق اور شرط کے فرمایا ہو کہ فلاں شخص اہل بہشت سے ہے اور اس کا انجام کار نجات اور سعادت ہے (یہ شرط) اس لئے (ہے) کہ اس بشارت سے آخر حال میں اس شخص کی سعادت اور اس کے ایمان اور تقویٰ کا قطعی ثبوت ملتا ہے۔ اور (چونکہ) خلفاء آخر حال میں خلافت کے منصب پر مامور ہوئے تھے اور خلافت ہی کی حالت میں دنیا سے گزر گئے (لہٰذا اگر وُہ مبشر بہ بہشت ہوں گے تو معلوم ہو گا کہ خلافت کی حالت میں وُہ لوگ متقی اور ایماندار اور نجات یافتہ اور باسعادت ہے) اور نیز (اس بشارت سے) یہ ظن جو قریب یقین کے ہے حاصل ہوتا ہے کہ تمام عمر وُہ شخص نیک اعمال اور گناہوں سے مجتنب اور طاعت کرنے والا رہے گا اگرچہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک گناہ کبیرہ کرنے والے کی مغفرت جائز رہے گو قلیل الوجود ہے لیکن یہاں (یعنی مبشر بہ بہشت سے اگر کبائر کا ارتکاب جائز رکھا جائے تو) تلبیس[2] عظیم وتدلیس شدید لازم آتی ہے (کیونکہ مبشر بہ بہشت ہونا ذہن کو صدور کبائر کے خیال سے باز رکھتا ہے) حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تلبیس وتدلیس کی نفی ہو چکی ہے (اب رہا یہ کہ خلفائے اربعہ مبشر بہ بہشت تھے یا نہیں تو کیفیت یہ ہے کہ) خلفائے اربعہ کیلئے جنت کی بشارت اس درجہ حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے خلاف کا احتمال باقی نہیں رہا۔

---

[1] طلقاء جمع ہے طلیق کی اصل میں آزاد کئے ہوئے غلام کو کہتے ہیں مگر جو لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے چونکہ ان پر مسلمانوں نے احسان کیا اور غلام نہ بنایا اس لئے ان کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور یہاں اسی معنی میں ہے ۱۲۔

[2] تلبیس اور تدلیس ایسے مشتبہ الفاظ کا استعمال کرنا جس سے دوسرے شخص کو دھوکا ہو سکے ۱۲

اور منجملہ لوازم خلافتِ خاصہ کے ایک یہ ہے کہ (خلیفہ ایسا شخص ہو جس کی نسبت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نص فرمادی ہو کہ وُہ اُمت کے اعلیٰ طبقہ سے ہے یعنی صدیقین یا شہداء اور صالحین سے اور محدث[1] بھی صدیق کا ہم رتبہ ہے اور ایک اعتبار سے (محدث) اسی (صدیق) کی تعریف میں داخل ہے (لہٰذا اگر کسی کی شان میں محدث کا لفظ آیا ہو تو وُہ بھی کافی ہے) یا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس کا بہشت میں عالی درجہ ہونا بیان فرمادیا ہو اور اس سے بھی اس شخص کا اُمت کے اعلیٰ طبقہ سے ہونا لازم آتا ہے یا اس کی رائے وحی کے مطابق ہو اور بہت سی آیتیں اس کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہوں اس سے بھی اس کا (اُمت کے) اعلیٰ طبقہ سے ہونا لازم آتا ہے یا متواتر ثابت ہوگیا ہو کہ عبادات اور تقرب الی اللہ میں اس کی سیرت تمام مسلمانوں کی سیرت سے اکمل ہے اور خصائل پسندیدہ اور مقاماتِ عالیہ اور احوال سَنِیّہ اور کراماتِ قویہ سے آراستہ یعنی ان تمام اوصاف سے (موصوف ہو) جو آج کل طریقۂ صوفیہ کے نام سے موسوم ہیں جن کو صاحب قوت القلوب وغیرہ نے اپنی کتابوں میں بسند احادیث و آثار بیان کیا ہے یہ امور بھی صدیقین و شہداء میں سے ہونے کی دلیل ہیں۔ اور خلیفہ کا ایسا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ظاہری ریاست باطنی ریاست کے ساتھ جمع ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل مشابہت پیدا کرلے تاکہ وُہ اس آیۂ کریمہ کے تحت داخل ہو جائے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (ترجمہ) جو لوگ محمد رسول اللہ کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں اور باہم مہربان ہیں (اے مخاطب!) تو ان کو کبھی رکوع میں دیکھتا ہے (کبھی) سجدے میں چاہتے ہیں فضل اللہ کا اور اس کی رضامندی علامت ان کی ان کے چہروں میں سجدے کے نشان سے ہے۔

اور آیۂ کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الآیۃ) (ترجمہ) اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وُہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں مسلمانوں سے فروتنی کرتے

---

[1] محدث بروزن معرفہ شخص جس سے بات کی جائے یعنی اس کے دل میں عالم غیب سے الہام ہوتا ہو یا فرشتے اگر اس سے باتیں کرتے ہوں۔ یہ صفت حدیث صحیحہ میں حضرت عمرؓ کے لئے وارد ہوئی ہے ۱۲ مجمع بحار الانوار

ہیں اور کافروں سے سختی۔ کے تحت میں داخل ہو جائے اور ان تمام باتوں کا خلفائے اربعہ کے لئے ثابت ہونا ضروریاتِ دین سے ہے اور بیشمار حدیثوں سے ثابت ہے۔ ازانجملہ ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) کوہِ حرا پر تھے اور آپ کے ہمراہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ بھی تھے پس پہاڑ جنبش کرنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے حرا) ٹھہر جا (کیونکہ) نہیں ہے تجھ پر مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ اس حدیث کو مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

اور منجملہ لوازم خلافتِ خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ (کوئی ایسا شخص ہو جس) کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و فعلاً بہت مرتبہ ایسا برتاؤ کیا ہو جیسا کہ کوئی بادشاہ ولیعہد کے ساتھ کرتا ہے۔ اس قسم کا برتاؤ کرنے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ (نبی صلے اللہ علیہ وسلم) اس کا مستحقِ خلافت ہونا بیان فرمائیں اور اُمت کے ساتھ اس کے برتاؤ کی خوبیاں ذکر کر دیں۔ دوسرے یہ کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بہت سے ایسے قرائن قائم کر دیں جن سے سمجھ دار صحابہؓ یہ سمجھ لیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ بناتے تو فلاں شخص کو بناتے اور جان لیں کہ فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور (نیز ان قرائن کی وجہ سے) کہنے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس حال میں کہ آپؐ فلاں فلاں سے راضی تھے یا اور اسی قسم کی باتیں (لوگوں کی زبان پر آنے لگیں) تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس شخص کو ان کاموں (کے انجام دینے) کا حکم فرمائیں جو بحیثیت نبوت آپ ہی کی مبارک ذات سے متعلق ہوں۔ یہ بات خلافتِ خاصہ میں اس لئے ضروری ہے کہ خلیفہ کی خلافت پر شرع کی جانب سے لوگوں کو وثوق ہو جائے اور (اسی وجہ سے) حضرات شیخینؓ جب کسی کو خلافت کے متعلق کسی کام پر مامور کرنا چاہتے تھے تو (پہلے) یہ تحقیق کر لیتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو مسلمانوں کے کسی کام پر کبھی مامور کیا ہے (یا نہیں) اگر (اس شخص کو) ایسا پاتے تو اپنا عزم پورا کرتے (اور اس شخص کو اس کام پر مقرر فرماتے) ورنہ موقوف رکھتے۔ اس قسم کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔

اور منجملہ لوازم خلافتِ خاصہ کے ایک یہ ہے کہ جو کچھ خدائے عزّ وجل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وعدہ فرمایا ہے (ان میں سے) بعض وعدے اس خلیفہ کے ہاتھ پر پورے ہوں۔

خلافت خاصہ کی یہ علامت خلافت منعقد ہو جانے کے بعد معلوم ہوتی ہے خلافت کے قبل معلوم نہیں ہو سکتی۔ بخلاف دوسری علامتوں کے (کہ وہ خلافت کے پہلے معلوم ہو جاتی ہیں) یہ (علامت بھی خلافت خاصہ کی) خلفاء (اربعہ) میں موجود ہے (مثلاً) آیۂ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ... الخ میں نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مذکور ہے۔ اور آیۂ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ الخ میں ان (خلفاء) کے ہاتھ سے اور ان کی کوشش کے موافق دین کی تقویت، تائید اور شوکت اور کافروں کی طرف سے اطمینان کا حاصل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور آیۂ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ۔ الخ۔ میں شہروں کے فتح ہونے اور اقالیم معمورہ میں اسلام کے شائع ہونے کی طرف اشارہ ہے اور آیۂ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ میں یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت پر (اسلام کا) غالب ہونا بیان کیا گیا ہے اور یہ سب امور خلفائے ثلٰثہ کے زمانہ میں پائے گئے۔ اور آیۂ مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ۔ الخ میں مرتدوں سے جنگ کرنا (خلافتِ خاصہ کی علامت) بیان کیا گیا ہے اور اس کا ظہور صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں ہوا اور آیۂ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ میں فارس و روم سے جنگ کرنے کے لئے اعلانِ عام دے کر لشکر جمع کرنا بیان کیا گیا ہے اس کا وقوع مشائخ ثلٰثہ[۱] کے زمانہ میں ہوا اور آیۂ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ میں قرآن کا مصاحف میں جمع کرنا مذکور ہے اور یہ (بھی) مشائخِ ثلٰثہ کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا۔ اور حدیث قدسی اِنَّ اللّٰهَ مقت عربهم وعجمهم... الخ میں عجم میں جنگ کرنا مذکور ہے اور اس کا ظہور خلفائے ثلٰثہ کے عہد میں ہوا۔ اور حدیث[۲] هلك كسرٰى فلا كسرٰى بعده وهلك قیصر فلا قیصر بعده میں اور حدیث[۳] لتفتحن كنوز كسرٰى میں فارس و روم کا فتح ہونا اور اس کا

۱؎ مشائخ ثلٰثہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہیں اور شیخینؓ کا لفظ جب کتبِ حدیث و سیر و تاریخ وغیرہ میں آئے تو اس سے مراد حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ ہوتے ہیں اور جب یہ لفظ کتبِ اصول حدیث وغیرہ میں ہو تو مراد اس سے امام بخاریؒ و امام مسلمؒ ہوتے ہیں اور جب کتبِ فقہ حنفیہ میں ہو تو مراد امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ ہوتے ہیں ۱۲ ۲؎ ترجمہ کسریٰ یعنی شاہ فارس ہلاک ہو گیا یعنی عنقریب ہلاک ہو جائیگا پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا یعنی سلطنت اس کے خاندان سے نکل جائیگی اور قیصر ہلاک ہو گیا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا ۳؎ ترجمہ تم لوگ ضرور ضرور شاہ فارس کے خزانوں کو فتح کروگے ۱۲

ظہور (بھی) خلفائے ثلثہ کے عہد میں ہوا۔ اور حدیث لَئِنْ اَدْرَکْتُھُمْ لَاَقْتُلَنَّھُمْ قَتْلَ عَادٍ[1] میں اور دوسری حدیث یلی قتلھم اولی الفریقین[2] میں خوارج سے جنگ کرنا مذکور ہے اور اس کا وقوع حضرت مرتضیٰ رض کے عہد میں ہوا۔

مرتدین کے خلاف جنگ

اس حادثہ کی شرح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانہ میں عرب کے تین گروہ مرتد ہو گئے اور ہر گروہ میں سے ایک ایک شخص دعوائے نبوت کرتا ہوا اٹھا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی اور ایک فتنۂ عظیم برپا ہو گیا۔

اس کے بعد ارتداد کا فتنہ نہایت بلند ہوا۔ حرمین اور قریۂ جواثی کے سوا اکثر عرب مرتد ہو گئے اور ایک فرقہ نے زکوٰۃ موقوف کر دی۔ اس فرقہ کی بابت فقہائے صحابہ میں باہم مباحثہ ہوا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں ان کا قتل جائز نہیں ہے۔ انہی لوگوں میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (یا خلیفۂ رسول اللہ) آپ کیونکر ان لوگوں سے لڑ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرما چکے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دیں۔ جس نے یہ کہہ دیا میری طرف سے اس کی جان اور مال محفوظ ہے مگر کسی حق کی وجہ سے اور اس کا حساب خدا پر ہے۔ حضرت ابوبکر رض نے جواب دیا اللہ کی قسم میں اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان میں فرق کرے (نماز اگر حق بدن ہے) تو بے شک زکوٰۃ حق مال ہے۔ واللہ اگر وہ ایک بکری کا بچہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے نہ دیں گے تو میں ان سے اس کی بابت لڑوں گا۔ حضرت عمر رض نے کہا پھر میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے[3]۔ اس روایت کو بخاری اور مسلم وغیرہما نے لکھا ہے۔

اور اس تدبیر کی شرح جو خدا تعالیٰ نے اس حادثہ میں مقرر فرمائی تھی یہ ہے کہ جہاد کا ارادہ

---

[1] ترجمہ: بے شک اگر میں خوارج کو پاؤں تو انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد کے لوگ (عذاب سے) مارے گئے تھے یعنی بیخ و بنیاد ان کی فنا کر دوں [2] ترجمہ: خوارج کو وہ فریق قتل کرے گا جو حق کے ساتھ زیادہ قریب ہوگا۔

[3] یعنی یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ اس فرقہ کی تاویل بدیہی البطلان ہے ایسی تاویلوں کی وجہ سے آدمی کفر سے نہیں بچ سکتا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے دل میں بڑے اہتمام کے ساتھ ڈال دیا۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ کے متعلق فرمایا کہ بچنے کی صورت اس فتنہ میں تلوار (اٹھانا) ہے اکثر صحابہؓ اس معاملہ میں متردد تھے یہاں تک کہ فاروقِ اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ سے نرمی کی درخواست کی اور حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ کیا تم جاہلیت میں سختی کرنیوالے اور اسلام میں سستی کرنیوالے بن گئے اور حضرت مرتضیٰؓ سے بھی اس قسم کا سوال وجواب ہوا۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ (ابتدا) میں تمام صحابہؓ مانعین زکوٰۃ سے لڑنے کو بُرا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اہل قبلہ ہیں مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تلوار زیب دوش کی اور تنہا چلے تو پھر سب نے جانے کے سوا کوئی مفر نہ دیکھا (اور کہا یا خلیفۃ رسول اللہ! آپ بیٹھیے ہم جاتے ہیں)۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم ابتداء میں اس (لڑائی) کو بُرا سمجھتے تھے مگر آخر میں ہم نے ابوبکرؓ کی اس معاملہ میں شکر گزاری کی۔ یہ دونوں روائتیں بغوی وغیرہ نے لکھی ہیں۔

حضرت صدیقؓ کے دل میں جو ارادہ (اس معاملہ کے متعلق کارکنانِ قضا وقدر نے) ڈالا وہ مثل ایک چراغ کے تھا کہ جو اس کے سامنے آجاتا تھا روشن ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتیں آمادۂ جہاد ہو گئیں اور سب نے خوب کوشش کی۔ ابوبکر بن عیاشؓ کہتے تھے کہ میں نے ابوحصین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بعد پیغمبروں کے کوئی شخص ابوبکرؓ سے افضل پیدا نہیں ہوا۔ اہل ردت سے لڑنے میں انہوں نے وہ کام کیا جو ایک نبی کرتا۔ اس روایت کو بغوی نے لکھا ہے۔ (ابوحصین) کا یہ قول اشارہ ہے اس ارادۂ الٰہیہ کے قبول کرنے کی طرف جو صدیق رضی اللہ عنہ کے نفسِ نفیس میں منتقش ہو گیا تھا اور انہی کے دل سے تمام مسلمانوں کے دل میں ارادۂ جہاد پیدا ہوا۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے قاسم بن محمد سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابوبکرؓ پر وہ مصیبت پڑ گئی کہ اگر پہاڑوں پر پڑتی تو ان کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔ نفاق تمام اہل مدینہ میں پھیل گیا اور اہل عرب مرتد ہو گئے مگر خدا کی قسم ان لوگوں نے ایک نقطہ میں بھی اختلاف کیا تو میرے والد اس کو مٹانے اور اسلام کو اس سے بے نیاز کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی (حضرت عمرؓ کی شان میں) کہا کرتی تھیں کہ جو شخص عمرؓ بن خطاب کو دیکھ لیتا وہ سمجھ لیتا کہ وہ اسلام کے لئے سرمایۂ بے نیازی بنائے گئے ہیں اللہ کی قسم بڑے

صاحب الرائے اور یکتائے روزگار تھے۔ ہر کام پر انہوں نے اس کام کے قابل آدمی مقرر کر رکھے تھے۔

جب یہ سب باتیں ہم بیان کر چکے تو اب جاننا چاہیئے کہ شیخین کا قرآنِ عظیم کو صاحف میں جمع کرنا قرآن کی اس حفاظت کا ذریعہ بنا جس کو خدا تعالےٰ نے اپنے ذمہ لازم کیا تھا اور جس کا وعدہ فرمایا تھا۔ پس درحقیقت یہ جمع کرنا خدا کا کام تھا اور اسی کے وعدہ کا انجاز تھا جو شیخین کے ہاتھ سے ظاہر ہوا (لہٰذا شیخین بمنزلہ جارحۃ الہٰی ہوتے) اور یہ بات (یعنی جارحۂ الہٰی ہونا) خلافتِ خاصہ کے لوازم سے ہے۔

اب ہم اس فصل کو ایک باریک نکتے پر ختم کرتے ہیں

(وہ نکتۂ باریک یہ ہے کہ) اہلِ حق کے نزدیک نبوت کسبی چیز نہیں ہے کہ نفسانی اور بدنی ریاضتوں سے اس کو حاصل کر سکیں، نہ پیدائشی چیز ہے کہ (کارکنانِ قضاو قدر نے) نفسِ پیغمبر کو آفرینش کے وقت نفسِ قدسی بنا دیا ہو جس کی وجہ سے خواہ مخواہ (بالاضطرار) پیغمبر سے ایسے ہی افعال صادر ہوں جو تقدس کے مناسب ہوں بلکہ (نبوت ایک اعلیٰ درجہ کا مرتبہ ہے جو عین وقت پر عنایت ہوتا ہے اس مرتبہ کے عنایت ہونے کے اسباب و شرائط یہ ہیں کہ) جب دنیا کی حالت ایسی ہو جائے کہ حکمتِ الٰہیہ اس بات کا تقاضا کرنے لگے کہ خدا تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے بنی آدم کی اصلاح کا اور ان کی کج رفتاریوں کو راست کرنے کا ارادہ فرمائے اس طرح کہ جو شخص بنی آدم میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور عالی ہمت اور راست باز ہو اس کے دل میں اپنا ارادہ ڈالے تاکہ وہ ان علوم و اعمال کا (جن میں بنی آدم کی اصلاح ہوگی) حکم دے اور حجت و برہان سے ان کو ملزم کرے اگر وہ لوگ مان جائیں فبہا اور اگر نہ مانیں تو ان سے زبانی یا سیفی جہاد کرے یہاں تک کہ سعادتمند لوگ بدنصیبوں سے ممتاز ہو جائیں اور دنیا نور ہدایت سے منور ہو جائے (دنیا کا (اس حالت پر آجانا) اس خاص کیفیت (یعنی اصلاح بنی آدم کے متعلق ارادہ خداوندی کے قائم ہونے) کو مقتضی ہوتا ہے اور یہ مقتضی) ہونا ایسا (ضروری) ہے جیسے صغریٰ اور کبریٰ کا (کسی شخص کے ذہن میں) جمع ہونا اس بات کو مقتضی ہوتا ہے کہ نتیجہ اس شخص کے نفس پر فائز ہو جائے۔ یا پانی کا گرم کرنا اس بات کو مقتضی ہوتا ہے کہ وہ پانی ہوا بن کر اڑ جائے المختصر (جب (حالت، دنیا اس کو

مقتضی ہوتی ہے تو تقضائے الٰہی سات آسمانوں کے اُوپر سے ملأ اعلیٰ میں اترتی ہے اور ملأ اعلیٰ سب اس رنگ سے رنگین ہوجاتے ہیں اور بے حساب برکتیں ملاء اعلیٰ کی اس نفسِ قدسی پر (جس کے نبی بنانے کا ارادہ ہے) نازل ہوتی ہیں اور ملاء اعلیٰ کے لوگ اس نفسِ قدسی کے سامنے مناسب شکلوں میں متشکل ہو کر آتے ہیں اور علوم ظاہری و باطنی وغیرہ اس نفس میں ڈالتے ہیں اور یہ نفسِ قدسی اُس غیر مادی تدبیر سے جو سات آسمانوں کے اُوپر سے اتر کر سدرۃ المنتہیٰ میں احکام مثالیہ کے لباس میں جلوہ گر ہو کر ملاء اعلیٰ میں شہرت پا کر زمین میں اُتری ہے واقف ہو جاتا ہے اور (پھر) وہی تدبیر اس وحی متلو یا غیر متلو کے ذریعے سے جو عالم مجرد سے اس ارادۂ (الٰہی متعلق باصلاح عالم) کے ساتھ نازل ہوئی ہے ملأ اعلیٰ کے مناسب لباس پہننے کے بعد دوبارہ الفاظ و حروفِ ظاہری کا لباس زیب تن کر کے اس پیغمبر کے دل میں اترتی ہے۔ اس وقت اصلاح شریعت میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا اور اُس کو تبلیغ احکام کا حکم دیا اور اس پر وحی نازل کی۔ خلاصہ یہ کہ نبوت ایک صفت ہے جو ارادۂ بعثتِ پیغمبر (بنا بر اصلاح عالم) کے سبب سے (تعین وقت پر شخص مقصود میں) پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی پیدائشی چیز نہیں ہے نہ کوئی کسبی چیز ہے۔ ہاں (یہ ضرور ہے کہ کارپردازانِ قضا و قدر) یہ دولت نہیں دیتے مگر اس شخص کو جس کا نفس نفسِ قدسی ہو اور اصل پیدائش میں ملاء اعلیٰ میں اس کا شمار ہو اور قوائے ملکیہ جو اس میں ہیں نہایت درجہ ظاہر اور غالب ہوں اور اس کی صفائی اور صلاحیت اور سعادت اور اس کا جسمانی مزاج نہایت معتدل ہو۔ طبیعت اس کی حد درجہ قوی ہو مگر قلب کی مطیع ہو۔ قلب اس کا نہایت متین اور دلیر ہو مگر عقل کا فرمانبردار ہو اور عقل اس کی نہایت تیز اور صحیح ہو مگر ملاء اعلیٰ کی مطیع ہو بلکہ انہی میں سے ایک فرد اور ان کا آئینہ ہو، اس کی قوتِ عاقلہ ملاء اعلیٰ کے ادراک کے مشابہ ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ وحی کو قبول کرتا ہے اور اس کی عملی طاقت نہایت صلاحیت میں ہوتی ہے۔ اسی سبب سے عصمت اس کی صفت ہوتی ہے۔ یہ باتیں نبوت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ عادت الٰہی یوں ہی قائم ہے کہ نبوت نہیں عنایت ہوتی مگر ایسے ہی شخص کو جس کو کارکنانِ قضا و قدر نے ایسا پیدا کیا ہو اور بہت سے نفوسِ قدسیہ والے ایسے ہوتے ہیں جن میں یہ بعض اوصاف یا کل اوصاف پائے جاتے ہیں مگر نبوت ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ مثل مشہور ہے ؎

گور نہ گرفت مگر آنکہ دوید   نہ ہر آنکہ دوید گور گرفت

اور ایک عربی شاعر اسی مضمون کو کہتا ہے ؎

وما کل من یسعیٰ یصید غزالۃً   ولکن من صاد الغزالۃ قد سعیٰ

(غرض یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ہر نفس قدسیہ والے کو نبوت مل جائے) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس نفس میں قائم کرے رسالت اپنی۔

جس طرح نبوت کسبی یا پیدائشی چیز نہیں ہے اس طرح پیغمبر کی خلافت خاصہ بھی کسبی اور پیدائشی چیز نہیں ہے (بلکہ وہی) ارادۂ الٰہی جو سات آسمانوں کے اوپر سے ہدایت پیغمبر کو لوگوں میں جاری کرنے اور نور پیغمبر کو کامل کرنے اور اس کے دین کو غالب کرنے اور جو وعدے پیغمبر سے ہوئے ہیں ان کے پورا کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے ایک داعیہ خلیفہ کے دل میں پیدا کرتا ہے (اس داعیہ کا پیدا ہونا ہی خلافتِ خاصہ ہے تو داعیہ نہ کسبی ہے نہ پیدائشی) پیغمبر کے حواری جن کے دل میں دینِ پیغمبر کی مدد کرنے کا داعیہ افاضاتِ غیبیہ کی وجہ سے جاگزیں ہو ہزاروں ہوں مگر یہ خلیفہ (ان میں) بمنزلۂ دل کے ہوتا ہے اور باقی سب لوگ بمنزلۂ ہاتھ پیر کے۔ سب سے پہلے داعیہ الٰہیہ کے حلول کرنے کا مقام خلیفہ کا دل ہے۔ پھر خلیفہ کے دل سے وہ داعیہ {مثل روشنی چراغ کے کہ (چراغ سے نکل کر) دیواروں میں لگے ہوئے آئینوں میں چھپ جاتی ہے} دوسروں (کے دل) میں اترتا ہے اور یہ سب باتیں حدس[ا] قریب المآخذ سے معلوم ہو جاتی ہیں گویا ایک بدیہی چیز ہے بلکہ (ایسا سمجھو کہ) آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔

(جس طرح نبی کی تعریف کے یہ) الفاظ " نبی وہ ہے جو شریعتِ الٰہیہ کی تبلیغ پر مامور ہو" ایک ظاہری صورت رکھتے ہیں اور ایک باطنی۔ ظاہری صورت ان کی شریعت کا لوگوں میں پہنچا دینا ہے

[ا] حدس اس بات کو کہتے ہیں جس کے معلوم کرنے میں فکر کی ضرورت نہ ہو بلکہ مقدمات سے مطالب کی طرف دفعۃً ذہن منتقل ہو گیا ہو انہی مقدمات کو حدس کا ماخذ کہتے ہیں۔ یہ مقدمات اگر ایسے ہیں کہ ہر شخص ان کا ادراک کر لیتا ہے تو حدس قریب المآخذ ہو گا ورنہ بعید المآخذ۔ حدس قریب المآخذ کی مثال یہ ہے کہ چاند کی روشنی کی کمی بیشی آفتاب کے قرب و بُعد سے دیکھ کر ہم نے یہ معلوم کیا کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوتی ہے۔

اور باطنی صورت اُن کی وُہ داعیۂ قویہ ہے جو اس کے دل کے درمیان سے جوش کرتا ہے۔ اسی طرح (خلیفۂ خاص کی تعریف کے یہ) الفاظ "خلیفہ وُہ ہے جو نبی کی شریعت کو لوگوں میں جاری کرے اور اس کے ہاتھ پر خدا کے وُہ وعدے جو اُس کے نبی کے ساتھ تھے پورے ہوں" ایک ظاہری صورت رکھتے ہیں اور ایک باطنی۔ ظاہری صورت ان کی احکام نبی کا نافذ کرنا اور باطنی صورت ان کی وُہ داعیۂ قویہ ہے جو بواسطۂ پیغمبر کے اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا ہے بلکہ اس کے دل کی جڑ سے جوش مارتا رہتا ہے۔

ایسا شخص اس قابل ہوتا ہے کہ اس داعیہ کو جو سات آسمانوں کے اُوپر سے ملاءِ اعلیٰ کے رنگ کا ملبوس پہن کر اُترا ہے اپنے جوہرِ نفس میں اٹھا لے اور اس داعیہ کی وجہ سے دینِ پیغمبر کا اجراء اور اس کے وعدوں کا ایفاء کرے۔ (الغرض) یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ یہ خلافتِ خاصہ بقیہ ایامِ نبوت ہے۔ یہ خلافتِ خاصہ ولایت کے اقسام میں سب سے زیادہ کمالاتِ انبیاء سے مشابہت رکھتی ہے نبی کے ساتھ بحیثیت نبوت مشابہ ہونا اسی قسم پر صادق آتا ہے۔

یہ سب اوصاف جو ہم نے بیان کئے خلافتِ خاصہ کے لازم عام ہیں (کیونکہ) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ یہ تمام اوصاف رکھتا ہے مگر ارادۂ الٰہیہ اس کی خلافت کے متعلق قائم نہ ہوا اور تدبیرِ غیب نے اس کو اس مسندِ عالی پر نہ بٹھلایا (یعنی یہ داعیہ اس کے دل میں نہ ڈالا)۔ اور سبب بعض کاملوں کی تخصیص کا (کہ بعض کاملوں کی خلافت کے) ساتھ ارادۂ الٰہیہ (متعلق ہوا بعض) کے (ساتھ نہ ہوا) منجملہ ان امور کے ہے جن کو علومِ بشریہ احاطہ نہیں کر سکتے (جس طرح کہ بعض مفہمین[۱] کو نبوت کے ساتھ خاص کرنا بعض کو اس سے محروم رکھنا منجملہ ان امور کے ہے کہ عام لوگوں کا ادراک اس کے قریب تک نہیں جا سکتا) سوا اس کے کہ "یہ شخص جو خلیفہ بنایا گیا ہے دو طرح کی فضیلت اپنی تمام رعیت پر رکھتا ہے ایک (فضیلت اس کی) بعد خلیفہ بن جانے کے (معلوم ہوتی ہے وُہ یہ) کہ ریاست عالم کی (کارکنانِ قضا و قدر نے) اس کو دی اوروں کو نہ دی قائم مقام پیغمبر کا اس کو بنایا اوروں کو نہ بنایا۔ اور دوسری (فضیلت اس کی) خلیفہ بننے سے پہلے (بھی معلوم ہوتی ہے) (کہ) فعل حکیم کا

---

[۱] مفہمین جمع ہے مفہم کی۔ مفہم اس شخص کو کہتے ہیں جس میں نبی بننے کے قابل اوصاف پائے جائیں۔

حکمت سے خالی نہیں ہوتا (چہ جائیکہ حکیم اعلیٰ کا فعل جلّ برہانہٗ) وُہ یہ کہ یہ شخص بہ نسبت ان لوگوں کے جو خلافت کی قابلیت نہیں رکھتے فضیلتِ کُلّی رکھتا ہے اور بہ نسبت ان لوگوں کے جو خلافتِ خاصہ کی قابلیت رکھتے ہیں (یعنی خاص اصحاب پیغمبر) فضیلت جزئی رکھتا ہے مگر ایسی کہ قریب فضیلت کلی کے ہوتی ہے۔

اور اگر اس شخص میں (جس کو تدبیرِ غیب نے خلافتِ پیغمبر کی مسند پر بٹھلایا ہے) سوا حسنِ سیاست اور اہلِ اسلام کی تالیفِ قلب میں دستگاہ کامل رکھنے کے دوسرا کوئی وصف نہ ہو تو وُہ بھی (خلیفہ خاص ہے کیونکہ ایسا) بہت ہوتا ہے۔ الغرض داعیۂ الٰہیہ کا اس کے دل میں پایا جانا اور کلمۂ خدا کا اس کے ہاتھ سے بلند ہونا اصل ہے اور دوسرے لوازم فرع ہیں۔

(حتیٰ کہ) جو اوصاف خلافت کے لوازم میں شمار کئے گئے ہیں ان کا (کسی شخص میں) زیادہ پایا جانا درصورتیکہ وُہ داعیہ اس کے دل میں نہ دیں اور دینِ حق کا اجراء اس کے ہاتھ سے نہ کرائیں اس شخص کو بالائے مسندِ خلافتِ پیغمبر) نہیں بٹھلا سکتا اور اگر وُہ داعیہ کسی کے دِل میں دیں اور دین کو اس کے ہاتھ سے غالب کرائیں اور یہ لوازم اس میں (زیادہ نہیں بلکہ) صرف اس مقدار پر جس کے بغیر یہ داعیہ نزول نہیں کرتا موجود ہوں تو یہ شخص خلیفہ (خاص پیغمبر) ہو جائے گا۔ اور یہ جو ہم نے بیان کیا کہ قضائے الٰہی پہلے ملأ اعلیٰ میں اترتی ہے اس کی شاہد محبت ڈالنے کی حدیث ہے (وہ یہ کہ) امام مالکؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے جبریلؑ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست رکھو چنانچہ جبریلؑ بھی اسکو دوست رکھنے لگتے ہیں اور پھر جبریلؑ تمام آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ نے فلاں شخص کو دوست رکھا ہے لہٰذا تم لوگ بھی اسے دوست رکھو چنانچہ تمام آسمان والے اسکو دوست رکھنے لگتے ہیں پھر اللہ اس کی مقبولیت زمین پر اتارتا ہے۔

(خلفائے راشدین کی محبت اسی راہ سے قلوب بنی آدم میں اتاری گئی ہے اور وہ خدا کی محبت کا کھلا نشان ہے)

صحابہ کرامؓ و خلفائے راشدینؓ کے متعلق ضروری عقائد

از مولانا عبدالشکور لکھنوی

عقیدہ ۱: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بہت بڑی چیز ہے۔ اس امت میں صحابہ کرام کا رتبہ سب سے بڑا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوگئی۔ مابعد والوں میں بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

ف: صحابہ کرامؓ کی تعداد غزوۂ بدر میں تین سو چودہ تھی اور حدیبیہ میں پندرہ سو، فتح مکہ میں دس ہزار، حنین میں بارہ ہزار، حجۃ الوداع یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج میں چالیس ہزار، غزوۂ تبوک میں ستر ہزار، بوقت وفات نبویؐ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور جن صحابہ کرامؓ سے کتب حدیث میں روایات منقول ہیں ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار ہے۔

عقیدہ ۲: صحابہ کرامؓ میں مہاجرین و انصار کا مرتبہ باقی صحابہ سے زیادہ ہے اور مہاجرین و انصار میں اہل حدیبیہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اہل حدیبیہ میں اہل بدر اور اہل بدر میں چاروں خلفاء کا رتبہ سب سے زیادہ ہے اور چاروں خلفاء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پھر حضرت عمر فاروقؓ کا مرتبہ سب سے فائق ہے۔

ف: مہاجرین ان صحابہ کرام کو کہتے ہیں جنھوں نے خدا اور رسول کے لیے اپنے وطن مکہ معظمہ کو چھوڑ دیا جن کی مجموعی تعداد ایک سو چودہ تھی اور انصار ان صحابہ کرام کو کہتے ہیں جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مہاجرین کو اپنے شہر میں جگہ دی اور ہر طرح مدد کی۔

عقیدہ ۳: چاروں خلفاء کا افضل امت ہونا خلافت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اگر بالفرض بجائے ان کے دوسرے حضرات خلافت کے لیے منتخب ہو جاتے تو بھی یہ حضرات افضل امت مانے جاتے۔

عقیدہ ۴ : خلیفۂ رسول مثل رسول کے معصوم نہیں ہوتا نہ اس کی اطاعت ہر کام میں مثل رسول کی اطاعت کے واجب ہوتی ہے۔ بالفرض کوئی خلیفہ سہوًا یا عمدًا کوئی حکم شریعت کے خلاف دے تو اس حکم میں اس کی اطاعت نہ کی جائے گی عصمت خاصۂ نبوت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو معصوم ماننا عقیدۂ نبوت کے خلاف ہے۔

عقیدہ ۵ : خلیفۂ رسول کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دین میں نئے احکام دے۔ نہ اس کو کسی چیز کے حلال وحرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے بلکہ اس کا صرف یہ کام ہے۔ کہ قرآن وحدیث پر لوگوں کو عمل کرائے۔ احکام شرعیہ کو نافذ کرے اور انتظامی امور کو سرانجام دے۔

عقیدہ ۶ : خلیفۂ رسول کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ذمہ ہے جس طرح امام نماز کا مقرر کرنا مقتدیوں کے ذمہ ہوتا ہے۔

ف : اہلسنت والجماعت جو خلفائے راشدین کی خلافت کو منجانب اللہ مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں خلفاء مہاجرین میں سے ہیں اور مہاجرین میں اہل بیت خلافت کا ہونا اور جو ان میں سے خلیفہ ہو جائے اس کی خلافت کا پسندیدۂ خدا ہونا قرآن مجید میں وارد ہو چکا ہے۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ یا تینوں خلفاء کی خلافت کو منصوص کہنا بایں معنی نہیں ہے۔ خدا یا رسول نے ان کو خلیفہ کر دیا تھا بلکہ بایں معنی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو خلافت دینے کا وعدہ فرمایا اور خلیفہ موعود کے متعلق کچھ علامات اور کچھ پیشین گوئیاں ارشاد فرمائیں جو ان تینوں خلفاء میں پائی گئیں اور ان تینوں خلافتوں کے نہ ماننے کے بعد ان آیتوں کے صادق ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں علیٰ ہذا احادیث نبویہ میں بھی ان تینوں خلفاء کے متعلق پیشین گوئیاں بہت ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق تو ان پیشین گوئیوں وغیرہ کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی آخری بیماری میں اپنی جگہ پر امام نماز بنا دیا تھا۔

عقیدہ ۷: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں حضرت خدیجہؓ۔ حضرت زینب بنت خذیمہ ان دونوں کی وفات آپؐ کے سامنے ہی ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت حفصہؓ۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ۔ حضرت زینبؓ بنت جحش۔ حضرت اُمِ سلمہؓ۔ حضرت صفیہؓ۔ حضرت سودہؓ۔ حضرت میمونہؓ۔ حضرت جویریہؓ سب بیبیاں خدا اور رسولؐ کی برگزیدہ اور تمام ایمان والوں کی ماں ہیں اور سارے جہان کی ایمان والی عورتوں سے افضل ہیں۔ ان میں بھی حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کا رتبہ زیادہ ہے۔

عقیدہ ۸: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ حضرت زینب جن کا نکاح حضرت ابُوالعاصؓ سے ہُوا۔ حضرت ام کلثومؓ اور حضرت رقیہؓ۔ ان دونوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذُوالنورینؓ کے ساتھ ہُوا ــــ حضرت فاطمہؓ جن کا نکاح حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ ہُوا۔ یہ چاروں صاحبزادیاں بڑی برگزیدہ اور صاحب فضائل تھیں اور ان چاروں میں حضرت فاطمہؓ کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔ وہ اپنی ماؤں کے سوا سب جنتی بیبیوں کی سردار ہیں۔

عقیدہ ۹: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دس چچاؤں میں صرف حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ ایمان لائے تھے۔ ان دونوں کے فضائل بہت زیادہ ہیں اور حضرت حمزہؓ کا مرتبہ خصوصیت کے ساتھ زیادہ ہے۔ ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدالشہداء کا خطاب دیا تھا جب کہ وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تھے اور آپؐ کی پانچ پھوپھیوں میں سے صرف حضرت صفیہؓ مشرف باسلام ہوئیں۔

عقیدہ ۱۰: صحابہ کرام کے مشاجرات یعنی اُن کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام ہے مگر بضرورت شرعی و بہ نیت نیک اور جن صحابہ کرام میں باہم کوئی جھگڑا ہُوا تو ہمیں دونوں فریق سے حسن ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے۔ جس طرح دو پیغمبروں کے درمیان اگر کوئی بات اس قسم کی ہو جائے تو ہم کسی کو بُرا نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں پر ایمان لانا نص قرآنی سے ہم پر فرض ہے۔

○

خالد محمود

خلفائے راشدین

چار ہیں پانچ نہیں

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی اَمّا بَعد

خلفائے راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار مسلسل اور بلافصل از نبوت جانشینوں کا یکجا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد خلفائے راشدین و مہدیین کے طریقوں کو لازم پکڑنا ــــ ساری امت مسلمہ شروع سے ہی خلافت راشدہ کو تتمہ مصطفوی سمجھتی آئی ہے یہ راشدین و مہدیین کون ہیں؟ سلف کی اصطلاح میں حضرات شیخین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) اور حضرات ختنین (حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) ہیں۔ ان سب کی خلافت ایک دوسرے سے بلافصل مسلسل تھی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چوبیس سال کے فصل سے قائم نہیں ہوئی پہلے خلفاء کے تسلسل سے بلافصل قائم ہوئی اہل سنت کے ہاں چوبیس سال کی بالفصل خلافت کا عقیدہ بالکل غلط ہے۔

بعض دوستوں نے تقاضا کیا تھا کہ اس کتاب میں سیدنا حضرت حسنؓ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی بطور پانچویں خلیفہ راشد کے ہونا چاہیے۔ وہ بھی ــــ خلفائے راشدین میں سے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا چھ ماہ کا دور خلافت ان تیس سالوں میں داخل ہے۔ جسے خلافت نبوت کہا جاتا ہے یہ تیس سال خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں داخل ہیں۔ اور ہم بجا طور پر انہیں خلافت راشدہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن حضرت حسنؓ چونکہ خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور خلیفہ نہ رہے تھے اس لیے خلفائے راشدین صرف چار ہی رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے العبرۃ بالخواتیم کہ دین میں آخر کے حالات کا اعتبار ہوتا ہے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

بھی اگر قمیصِ خلافت اتار دیتے تو خلافت راشدہ کی اصطلاح حضرات شیخین تک محدود رہتی حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری ایک تاریخی سنگ میل ہے۔ جس نے خلفائے راشدین کے لیے ایک حد فاصل قائم کر دی ہے۔ خلیفہ راشد وہ ہے جس کی وفات خلافت پر ہوئی ہو یہ خلافت تامہ ہے۔ خلافت راشدہ خلافت کاملہ کی ایک صفت ہے جن علماء نے حضرت حسنؓ کو ان خلفاء میں شمار کیا ہے سو وہ صرف اس لیے کہ ان کا دور خلافت راشدہ کے تیس سالوں میں داخل ہے۔ ورنہ انہیں اس سے انکار نہیں کہ اصطلاحاً خلفائے راشدین یہ پہلے چار بزرگ ہی ہیں۔

امام نووی (۶۷۶ھ) خلافت راشدہ کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں۔

فانہ لم یکن فی ثلثین سنۃ الا الخلفاء الراشدون الاربعۃ والاشھر التی بویع فیھا الحسن بن علی۔ شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۱۹

ترجمہ۔ بے شک ان تیس سالوں میں صرف چار خلفائے راشدین (کی مدت خلافت ہے) اور وہ (چھ مہینے) جن میں حضرت حسنؓ بن علیؓ کی بیعت کی گئی تھی اس میں داخل ہیں۔

دیکھیے اس میں حضرت حسنؓ کے دور خلافت کو تو خلافت راشدہ میں شمار کیا گیا ہے لیکن انہیں خلیفہ راشد کہہ کر پانچ خلفائے راشدین نہیں بتلائے گئے خلفائے راشدین صرف ان چار کو ہی کہا ہے۔

جس طرح ہدایت کا تقابل ضلالت اور گمراہی سے ہے رشد کا تقابل غوایت ہے۔

وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا پ ۹ الاعراف

ترجمہ۔ اگر وہ دیکھیں رستہ رشد کا تو وہ اسے راہ نہیں بناتے اور اگر دیکھیں رستہ غوایت کا تو اسے ٹھہرا لیتے ہیں راہ۔

خلفائے راشدین و مہدیین وہ بلند پایہ انسان تھے جنہیں خداوند کریم نے جانشینانِ رسالت کے طور پر کام کرنے کے لیے چنا تھا۔ سو ان کے خلافتی فیصلے ہر بھول اور

بھٹک سے محفوظ رہے یہ حضرات خود تو معصوم نہ تھے لیکن ان کا دورِ خلافت بلاشبہ اللہ کی حفاظت کے سائے میں گزرا تھا۔ اور یہ بات بلاشبہ غلط ہے کہ اس دور میں جاہلیت کی دبی چنگاریاں پھر سے چمک اٹھی تھیں حضور کے فیضِ رسالت سے جاہلیت کی آگ بجھی تھی دبی نہ تھی۔ چنگاری پھر سے تب سلگتی ہے جب پہلے سے پوری بجھی نہ ہو۔

اپنی ذات اور اپنے اعمال میں تو سب صحابہؓ راشدون ہیں اولٰئك هم الراشدون (۲۶/۷ الحجرات) لیکن حکومتی ذمہ داریوں کو رشد و ہدایت سے نبھانے اور ہر ایک کو اس کا حق دلانے میں جس حسن تدبیر اصابت رائے اور جرأت مندانہ عزم کی ضرورت ہو سکتی ہے ضروری نہیں کہ ملت کا ہر نیک فرد اس سے اسی طرح عہدہ برا ہو جس طرح حضرات خلفائے راشدین عزائم امور میں ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوئے ——— میدان جہاد میں ہر جانباز مومن انتہائے اخلاص سے لڑتا ہے لیکن کمانڈ کرنے کا کام تو ترتیب دینے اور فوجوں کو لڑانے کیلیے جس حسن تدبیر اصابت ظن اور جرأت مندانہ اقدام کی ضرورت ہوتی ہے کیا یہ ضروری ہے کہ ہر لڑنے والے جانبازمیں یہ صفات اس طرح موجود ہوں جس طرح حضرت ابو عبیدہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت خالد بن ولید میں تھیں اور وہ ہر میدان میں اللہ کی تلوار بن کر چمکتے تھے۔ اگر ایک صحابی ایک درجے میں ہوتا تو حضور کو اتنے صحابہ کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کو مانگ کر لینے کی کیا ضرورت تھی؟

خدا کی زمین پر خدا کی ایسی بادشاہت قائم کرنا جیسی اُس کی بادشاہت آسمانوں پر ہے یہ ہمت اور سعادت جن بزرگوں کے نام لکھی تھی وہ خلفائے راشدین ہیں یہ نہ صرف راشدین ہیں بلکہ مہدیین بھی تھے اور حضور نے خود خبر دی تھی کہ آپؐ کے جانشین وہ مہدیین دونوں صفتوں والے ہونگے۔ یہ نہیں ہوگا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی امت آپ کے رستے سے بھٹک جائے رشد و ہدایت کا تسلسل سے قائم رہنا آپ نے اس کی خبر دی تھی اور تاریخ گواہ ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا اور خلفائے راشدین رشد و ہدایت کے ماہتاب بن کر چمکے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا۔

من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي و

وسنة الخلفاء الراشدين المهديين[1]۔

ترجمہ: تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ سو تم میرے طریقے اور خلفائے راشدین ومہدیین کے طریقوں کو لازم پکڑنا۔

حافظ جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود میں لکھتے ہیں۔

هذا من الاخبار بالغيب من خلافة الائمة اربعة ابی بكر وعمر وعثمان وعلی رضی الله عنهم

ترجمہ: یہ حدیث آئمہ اربعہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی خلافت کی ایک غیبی خبر تھی۔

یعنی آپ نے اس میں بتلایا ہے کہ آپ کے بعد آپ کا نظام جاری رہے گا۔ آپ کے جانشین آپ کے مطابق چلیں گے وہ راشدین اور مہدیین ہونگے اور دنیا نے دیکھا کہ واقعی آپ کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ آپ کے سنن کے مطابق چلے اور چاروں ایک دوسرے سے مسلسل تھے

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) ان چار حضرات کا شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) اور ختنین (حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں

من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الختنين[2]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کی مسلکی علامت ابوبکرؓ وعمرؓ کو جمیع امت پر افضل جاننا اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو دل سے پسند کرنا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی افضلیت قطعی درجے کی ہے اور یہ تمام صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہے اور تواتر سے منقول ہے۔ حضرت عثمانؓ کی افضلیت یہ بھی برحق ہے لیکن یہ تواتر سے منقول نہیں ان کے بعد حضرت علیؓ تمام امت سے افضل ہیں۔ لیکن انکی فضیلت بھی تواتر سے منقول نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار میں

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ ۶۳۵ [2] ماخوذ از مکتوبات امام ربانی جلد اوّل صـ ۳۳۰

مسلمانوں میں جو باہمی اختلافات چلے ان میں تمام کدورتوں اور اختلافات کو برسرطاق رکھتے ہوئے انکی محبت اور انکی حضور خاتم النبیین سے دامادی کی نسبت اہل حق کے عقیدے کا مرکزی نقطہ ہے۔ حضرت امام اعظمؒ ان دونوں حضرات کی محبت کو اسی طرح واجب قرار دیتے ہیں جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پوری امت پر افضلیت کے قائل ہیں۔

حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کی تعبیر صرف چاروں کو آگے لا رہی ہے۔ خلفائے راشدین میں اگر کوئی پانچواں نام بھی ہوتا تو اسے بھی اس ترتیب میں افضلیت ملتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین نے ان چار حضرات کو فضائل و مناقب میں اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے اور کوئی سیدنا حضرت حسنؓ کو یہاں پانچویں نمبر میں ذکر نہیں کرتا انکی فضیلت اور شان حضرت حسینؓ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس میں خلافت کا کوئی موضوع نہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت حسنؓ سیدنا حضرت حسینؓ سے افضل ہیں اور امت میں دوبارہ جوڑ پیدا کرنے میں آپ کا ایک نمایاں کردار ہے اور اس معنے کے اعتبار سے بھی آپ سید ہیں۔ پوری قوم کے سردار ہیں

محدثین کی روش

دوسری صدی ہجری کی شہادت آپ کے سامنے آچکی ہے اگلے محدثین اس باب میں کس طرح چلے ہیں اس کیلیے تیسری صدی کے اکابر محدثین کو دیکھیے۔ یہ صحیح بخاری کا کتاب المناقب سامنے ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مناقب کے ابواب مسلسل ہیں اور اسی ترتیب سے ہیں ان کے بعد مناقب جعفر بن ابی طالب کا باب ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے مناقب ہیں۔ سیدنا حضرت حسنؓ پانچویں خلیفہ راشد ہوتے تو حضرت علیؓ کے بعد انکے مناقب کا باب ہوتا۔ صحیح مسلم کو لیجیے اس کی کتاب الفضائل میں چاروں خلفائے راشدین کے ابواب فضائل مسلسل ہیں حضرت علیؓ کے بعد پھر حضرت سعد بن ابی وقاص کے فضائل کا باب ہے پھر حضرت طلحہؓ و زبیر کے فضائل ہیں پھر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے فضائل ہیں اور انکے بعد حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے فضائل کا ذکر ہے۔ جامع ترمذی کے ابواب المناقب میں خلفائے اربعہ

کے مناقب اسی ترتیب سے ہیں پھر حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مناقب کا بیان ہے حضرات حسنین کریمین کے مناقب اور بھی آگے جا کر ہیں۔ یہ تیسری صدی ہجری کے محدثین کا تذکرہ ہے کوئی محدث حضرت علیؓ کے بعد متصلاً سیدنا حضرت حسنؓ کا تذکرہ نہیں کرتا۔ اب کیسے باور کیا جائے کہ حضرت حسنؓ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ آئیے اب چوتھی صدی میں چلیں امام طحاویؒ لکھتے ہیں

ونثبت الخلافة بعد رسول صلى الله عليه وسلم اولاً لابى بكر الصديق رضى الله تعالى عنه وتفضيلاً له وتقديماً له على جميع الامة ثم لعمر بن الخطاب ثم لعثمان ثم لعلى بن ابى طالب وهم الخلفاء الرشدون والائمة المهديون[1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے ابوبکر صدیقؓ کی خلافت ثابت کرتے ہیں بایں طور کہ آپ کو تمام امت پر فضیلت اور تقدیم حاصل ہے پھر یہ خلافت حضرت عمرؓ بن الخطاب کیلیے ثابت کرتے ہیں پھر حضرت عثمانؓ کیلیئے اور پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کیلیئے ثابت کرتے ہیں اور یہی خلفائے راشدین اور آئمہ مہدیین ہیں۔

اب آپ ہی بتائیے یہاں ان چاروں کے بعد پانچواں نام کہاں ہے؟ خلفائے راشدین کیا یہی چاروں اصحاب نہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت حسنؓ کے ایام خلافت راشدہ کے دن تھے لیکن —— آپ کی خلافت سے علیحدگی آپ کو خلفائے راشدین کی فہرست میں نہ لا سکی اور امت نے صرف انہی چار کو اس عنوان میں تسلیم کیا ہے۔ امام ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) بھی لکھتے ہیں۔

ونتولى سائر اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ونكف عما شجر بينهم وندين الله بان الائمة الاربعة خلفاء راشدون مهديون لا يوازيهم فى الفضل غيرهم[2]

---

[1] شرح عقیدہ طحاویہ ص [2] کتاب الابانہ ص۲۴ طبع ریاض

ترجمہ: اور ہم سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں جو ہوئے ہیں ان سے اپنی زبان اور قلم کو روکتے ہیں اور ہم خدا تعالیٰ کے حضور اقرار کرتے ہیں کہ یہ چاروں آئمہ ہی خلفائے راشدین ومہدیین تھے کوئی انکی فضیلت میں ان سے برابری نہیں کرسکتا۔ اب پانچویں صدی میں چلئے امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں

اب ہم آپ کو پانچویں صدی میں لیے چلتے ہیں امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں۔

ان الامام الحق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم۔ احیاء العلوم جلد اصـــ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق حضرت ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ۔ اللہ تعالیٰ ان چاروں سے راضی ہوا۔

فاما الخلفاء الرشدون فهم افضل من غيرهم و ترتيبهم فی الفضل عند اهل السنة كترتيبهم فی الامامة وقد اجمعوا علی تقديم ابی بكر ثم نص ابو بكر علی عمر ثم اجمعوا بعده علی عثمان ثم علی رضی اللہ عنهم وليس يظن منهم الخيانة فی دين الله لغرض من الاغراض۔ الاقتصاد فی الاعتقاد صـ۱۴۰

سیدنا حضرت حسنؓ کو اگر پانچواں خلیفہ راشد مانا جائے تو انکی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی افضلیت ماننا پڑے گی۔ اب چھٹی صدی میں چلئے

اب ہم آپ کو چھٹی صدی میں لے چلتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) لکھتے ہیں۔

وافضل هؤلاء العشرة الابرار الخلفاء الراشدون الاربعة الاخيار وافضل الاربعة ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالٰی عنهم ولهؤلاء الاربعة الخلافة بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلثون سنة

ترجمہ: ان دس نیک افراد میں سے سب سے اچھے اور افضل خلفائے راشدین ہیں اور ان چار میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر

حضرت علیؓ ۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا ۔ اور ان چاروں نے تیس سال حکومت کی ۔

چھٹی صدی کی شہادت

قاضی عیاض مالکی (۵۴۴ھ) بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چار اصحاب کا لفظ نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان چاروں بزرگوں کا ذکر بایں طور کہ یہ ایک ہیں اور مسلسل ہیں ان میں عام تھا یہ صحابہ میں افضل ترین امت تھے ۔ حضورؐ نے فرمایا

ان اللہ اختار اصحابی علی جمیع العالمین سوی النبیین والمرسلین واختار لی منھم اربعۃ ابوبکر و عمر و عثمان و علیا فجعلھم خیر اصحابی وفی اصحابی کلھم خیر الشفاء جلد ۲ ص ۱۱۹

ترجمہ : ۔ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو جملہ جہانوں پر ماسوائے نبیوں اور رسولوں کے برگزیدہ کیا اور ان میں سے میرے لیے چار کو چن لیا یہ ابوبکرؓ ، عمرؓ ، عثمانؓ ، علیؓ ہیں ۔ اللہ نے انکو میرے لیے بہترین ساتھی بنایا اور ویسے میرے سب صحابہ میں خیر ہے ۔

امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) بھی آیت استخلاف کا مصداق صرف چار حضرات کو بیان کرتے ہیں صحابہ میں سے جن حضرات کو حکومت کرنے کا موقع ملا ان میں صرف یہی چار تھے جو اس آیت کے نزول کے وقت ایمان لائے ہوئے تھے آپ تفسیر کبیر جلد ص ۲۵ پر لکھتے ہیں ۔

دلت الایۃ علی امامۃ الائمۃ الاربعۃ وذالک لانہ تعالیٰ وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من الحاضرین فی زمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو المراد بقولہ لیستخلفنھم فی الارض

ترجمہ : ۔ یہ آیت چار خلفاء کی امامت ثابت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ ان لوگوں سے کیا تھا حضورؐ کے سامنے اس وقت موجود تھے اور ایمان لائے ہوئے تھے اور انہوں نے نیک اعمال (ہجرت) کئے تھے خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائیگا اس سے مراد یہی لوگ ہیں

فثبت بھذا اصحۃ امامۃ الائمۃ الاربعۃ وبطل قول الرافضۃ الطاعنین علی ابی بکر و عمر و عثمان و علی بطلان قول الخوارج الطاعنین علی عثمان و علی

ترجمہ : ۔ اس آیت سے چاروں آئمہ کی امامت صحیح ثابت ہوتی ہے ۔ اور رافضی جو حضرت ابوبکرؓ

حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ پر زبان کھولتے ہیں انکی بات باطل ٹھہرتی ہے اور خارجی جو حضرت علیؓ کی خلافت پر زبان کھولتے ہیں انکی بات بھی باطل قرار پاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

امام نووی (۶۷۶ھ) اس دور کے جلیل القدر محدث ہیں۔ آپ نے حدیث کہ میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی کا اعتبار کیا ہے اور بارہ حکمرانوں کی خبر کو بھی صحیح قرار دیا ہے آپ دونوں کے تعارض کو اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تیس سالہ خلافت سے مراد خلافت علی منہاج النبوۃ ہے؎ یہ واقعی تیس سال تک رہی اس میں خلفائے راشدین اور حضرت حسنؓ بن علیؓ کے ایام خلافت پورے ہوئے۔ آپ اس بحث میں خلفائے راشدین کا لفظ صریح لفظوں میں ان ان حضرات کے لیے خاص کرتے ہیں اور تیس کی گنتی پوری کرنے کیلیے حضرت حسنؓ کے اشہر خلافت (چھ ماہ) کو ان میں جمع کرتے ہیں مگر پانچ خلفائے راشدین نہیں بتلاتے۔

فانہ لم یکن فی ثلثین سنۃ الا الخلفاء الراشدون الاربعۃ والاشہر التی بویع فیہا الحسن بن علی؎

؎ فی بعض الروایات خلافۃ النبوۃ بعدی ثلثون سنۃ۔ شرح صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۱۱۹

؎ ایضاً صـ ۱۱۹ ورواہ الامام احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی من حدیث سعید بن جمہان عن سفینۃ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صـ ۳۰۸ قال الحافظ فی الفتح صححہ ابن حبان وغیرہ (فتح الباری جلد ۱۳ صـ ۱۸۲) حضرت شاہ ولی اللہ تیس سال خلافت کی حدیث کو مستفیض فرمایا ہے (دیکھئے ازالۃ الخلفاء ۲ صـ ۲۰۲) حدیث کے راوی سعید بن جمہان کو یحییٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا ہے (دیکھئے میزان الاعتدال) اگر کسی نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے تو اس کی مراد صحیح لذاتہ ہوگی اسکے معتبر اور مقبول ہونے میں کسی نے انکار نہیں کیا۔

اللہ نے آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات پ۱۹ النور،
میں جن لوگوں کو خلافت پر لانے کا وعدہ کیا تھا وہ اس نے پورا کیا انہیں اس دین میں تمکین
دی جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ان کے خوف کو امن میں بدلا۔ وہ اللہ کی عبادت
میں لگے رہے انہوں نے شرک سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اتنی نعمتیں ان پر برسائیں
اب جو ان پر ان انعامات کا انکار کرے ان سے بڑا فاسق اور ظالم کون ہوگا۔ ساتویں صدی
کے جلیل القدر امام ابوالبرکات النسفی (۷۱۰ھ) لکھتے ہیں۔

اول من کفر هذا النعمة قتلة عثمان فاقتلوا بعدما کانوا اخوانا
وزال عنهم الخوف والآية اوضح دلیل علی صحة الخلفاء الراشدین
رضی اللہ عنهم لان المستخلفین الذین امنوا وعملوا الصلحت هم[1]

ترجمہ: سب سے پہلے اس نعمت کی جن لوگوں نے ناشکری کی وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف
اٹھنے والے قاتلین ہیں انہوں نے مسلمانوں کے بھائی بھائی ہو جانے کے بعد خانہ جنگی کی اور
آیت استخلاف خلفائے راشدین کی صحت خلافت کی بڑی واضح دلیل ہے کیونکہ خلافت
پانے والے جو اس وقت ایمان لا چکے تھے اور نیک عمل تھے یہی لوگ تو تھے۔

کیا یہاں کسی پانچویں خلیفہ راشد کا ذکر ہے ؟ کیا آیت استخلاف صرف ان چار حضرات کو ہی
اس وعدے کا مصداق نہیں ٹھہراتی۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ آیت استخلاف
صرف ان چار حضرات کو ہی متضمن ہے یہی لوگ نزول آیت کے وقت ایمان لائے ہوئے تھے
اور یہی اسلام کے لیے قربانیاں دے چکے تھے اور اس کی تائید حضورؐ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے
کہ خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال تک رہے گی۔

هذه الآية تتضمن خلافة ابی بکر وعمر وعثمان وعلی لانهم اهل الایمان
وعملوا الصلحت وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلافة
بعدی ثلثون سنة والی هذا القول ذهب ابن العربی فی احکامه واختاره[2]

---

[1] مدارک التنزیل جلد ۳ ص۱۵۲ طبع لبنان۔ [2] تفسیر قرطبی جلد ۲ ص۲۹۷

آٹھویں صدی کی شہادت

حافظ ابن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ) ان حضرات کا تذکرہ کرتے ہوتے جن پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ استخلاف پورا کیا لکھتے ہیں :-

وقد وجد منهم اربعة على الولاء وهم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم ثم كانت بعدهم فترة ثم وجد منهم من شاء الله[۱]

ترجمہ :- اور چار ان میں سے علی الاتصال خلافت پر پائے گئے اور وہ ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ اور پھر علیؓ ہیں پھر انکے بعد یہ اتصال رک گیا۔ پھر انمیں وہ لوگ بھی پائے گئے جو حکماً انمیں شامل نہیں۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) حضرت علیؓ کو آخر الخلفا الراشدین لکھتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسنؓ کو ان دنوں خلفائے راشدین میں شمار نہ کیا جاتا تھا خلافت راشدہ انہی حضرات کے لیے موعود تھی جو آیت استخلاف کے نزول کے وقت مشرف باسلام ہو چکے تھے اور اعمال صالحہ ہجرت وغیرہ کر چکے تھے۔

وعلى آخر الخلفاء الراشدين الذين ولايتهم خلافة نبوة ورحمة[۲]

ترجمہ :- اور حضرت علیؓ آخری خلیفہ راشد تھے جن کی سلطنت نبوت اور رحمت کی خلافت تھی

خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) مؤلف مشکوٰۃ نے بھی دور اول کے محدثین کے طریقے پر چاروں خلفائے راشدین کے مناقب علی الترتیب ذکر کیے ہیں۔ پھر عشرہ مبشرہ کے مناقب لائے ہیں حضرت حسنؓ کو خلفائے راشدین کے ساتھ نہیں حضرت حسینؓ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نویں صدی کی شہادت

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) کی جلالت قدر اور شان اجتہاد سے کون واقف نہیں اگر اس موضوع میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی آپ سیدنا حضرت حسنؓ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو منزد پانچویں خلیفہ راشدین کے طور پر ذکر کر دیتے اور آپ کے تفردات میں ایک اور اضافہ ہو جاتا لیکن آپ نے سر مو اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں پائی۔ آپ نے فرمایا

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صـ ۳۰۱ [۲] منہاج السنۃ جلد ۴ صـ ۱۲۱

ان الخلیفۃ الحق بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ ثم عمر ثم عثمان ثم علی والتفضیل علی ھذا الترتیب [1]

اب آئیے آپ کو ذرا دسویں صدی میں لے چلیں امام سیوطی (۹۱۱ ھ) کی عبارت مرقاۃ الصعود کی کے اس کتاب سے آپ ص۵۳ پر ملاحظہ کر آئے ہیں [2]

گیارھویں صدی کی شہادت

حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الفثانیؒ (۱۰۳۵ھ) عقائد اہل سنت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلواۃ والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیقؓ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از ان حضرت عمر فاروقؓ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از اں حضرت عثمانؓ ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از اں حضرت علیؓ بن ابی طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہ و افضلیت ایشاں بہ ترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است [3]۔

ترجمہ:۔ امام برحق اور جسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کہا جا سکے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہوا۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ ذوالنورین ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہوا۔ انکے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب ہیں اللہ کی رضا آپکے شامل حال ہو ان حضرات کی افضلیت انکی ترتیب کے مطابق ہے ہاں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی افضلیت قطعی ہے جو امت پر صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے۔ (مکتوبات جلد ۲ ص۴۵) [4]

یہ جو فرمایا کہ ائمہ برحق کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ اسے آپ نے دوسرے مقام پر خلفائے راشدین کے عنوان سے ذکر کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے

---

[1] المسائرہ ص۔ [2] حاشیہ ابی داؤد جلد ۲ ص۲۳۵۔ [3] مکتوبات جلد ۲ ص۱۳۰ لکھنؤ مکتوب نمبر [4] افضلیت شیخین صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے امام شافعیؒ اس کی تصریح کرتے ہیں امام ابوالحسن الاشعری کہتے ہیں ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیۃ الامۃ قطعی قال الذھبی وقد تواتر عن علی فی خلافتہ وکرسی مملکتہ بین الجم الغفیر من شیعتہ ان ابابکر و عمر افضل الامۃ (مکتوبات جلد ۱ ص۳۲) حضرت علیؓ سے اسی سے زیادہ حضرات نے آپکے اس اعلان کو روایت کیا

کہ عقائد اہلسنت میں خلفائے راشدین یہی ہیں۔ حضرت امام ربانی لکھتے ہیں۔

وترتیب درمیان خلفائے راشدین ترتیب خلافت است [۱]۔

ترجمہ: خلفائے راشدین کے مابین افضلیت خلافت کی ترتیب سے ہے۔

سیدنا حضرت حسنؓ کو آپ نے اس ترتیب میں ذکر نہیں کیا باوجودیکہ آپ کے ایام خلافت تیس سال میں شمار پاتے ہیں اور وہ واقعی خلافت راشدہ کے دن تھے مگر چونکہ یہ خلافت کاملہ نہ تھی آپ اس سے دستبردار ہو گئے تھے اس لیے خلفائے راشدین کی اصطلاح انہی چار تک محدود رہی۔ اور جب اس کے ساتھ آیت استخلاف کو ملائیں تو یہ الٰہی فیصلہ اور کھل کر سامنے آتا ہے کہ خلفائے راشدین وہی ہیں جن پر اس آیت میں دیا گیا وعدہ پورا ہوا اور وہی سابقین اولین تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آئے اور نزول آیت کے وقت اسلام لائے ہوئے تھے۔

محدث شہیر ملا علی قاری (۱۴۰۱ھ) خلفائے اربعہ کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

قیل هم الخلفاء الاربعة ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی الله تعالی عنهم لانه علیه الصلوٰة والسلام قال الخلافة بعدی ثلثون سنة وقد انتهی بخلافة علی کرم الله وجهه [۲]

ترجمہ: کہا گیا وہ خلفائے اربعہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا کیونکہ حضورؐ نے فرمایا تھا خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی اور وہ خلافت حضرت علیؓ پر ختم ہوئی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں۔

ومراد بخلفائے راشدین خلفائے اربعہ دانستہ اند

اب آپ ہی کہیں ان چار کے ساتھ کیا کسی پانچویں کا ذکر ہے؟ سیدنا حضرت حسنؓ کی جلالت قدر سے کسی کو انکار نہیں لیکن آپ خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے۔

---

[۱] مکتوبات جلد اوّل مکتوب ۲۶۶: [۲] ص ۳۲۹ : [۲] شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۴۲۔

بارہویں صدی کی شہادت

مجدد مائۃ دوازہم حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رقمطراز ہیں۔

"ابوبکر صدیق امام حق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم ثم تم الخلافۃ[1]"

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ اور پھر خلافت راشدہ اپنے انتہا کو جا پہنچی۔

"وآنچہ متصل وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع شد خلافت خلفائے اربعہ بود پس خلافت ایشاں خلافت نبوت ورحمت باشد[2]۔"

ترجمہ:۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متصل بعد عمل میں آئی وہ خلفائے اربعہ کی خلافت تھی۔ سوان چاروں کی خلافت خلافتِ نبوت و رحمت شمار ہوتی ہے۔

تیرھویں صدی کی شہادت

حضرت امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں۔

"بالجملہ نزد اہلسنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تا سی سال امتداد یافت وبصلح امام حسنؓ کہ پانزدہم ماہ جمادی الاولی در ۴۱ھ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیرفت ونزد ایشاں ترتیب خلافت بروجہ حق وصواب است تقدیم ماحقہ التاخیر درآں رہ نیافتہ پس بعد از رحلت پیغمبر ابوبکر صدیقؓ امام برحق بود[3]"

ترجمہ:۔ اہل سنت کے ہاں یہ طے شدہ عقائد میں سے ہے کہ امامت حقہ (خلافت راشدہ) بلاشبہ تیس سال تک ہی گئی اور حضرت امام حسنؓ کی صلح ۴۱ھ ۱۵ جمادی الاولی کو ہوئی پر ختم ہو گئی۔ اہلسنت کے ہاں ترتیب خلافت حق و صواب پر واقع ہوئی ہے جس کی فضیلت بعد میں ہو اسے پہلے خلیفہ بنا دیا جائے یہ بات ہرگز نہیں ہوئی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امام برحق حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہوئے ہیں۔

---

[1] تفہیمات الٰہیہ جلد ا ص ۱۳۸ [2] ازالۃ الخفا جلد ۲ ص ۲۰۲ [3] تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۸۳

حضرت حسنؓ کے خلافت سے دستبردار ہونے کی ایک یہ وجہ بھی آپ نے لکھی ہے
حضرت امام دانستہ بود کہ زمان خلافت منقضی شدہ ...... اگر من متصدی ریاست خواہم
شد چوں مقدر نیست منتظم نخواہد شد .... از ریاست آں وقت کنارہ گرفت
وتفویض امر بمعاویہؓ نمود کہ لائق ریاست آں وقت بود۔ تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۸۳

ترجمہ: حضرت امام جانتے تھے کہ خلافت کی تیس سالہ مدت ہو چکی ہے..... اگر میں
مزید خلافت کے درپے رہوں چونکہ تقدیر کا فیصلہ ہے سلطنت ایک نہ ہو سکے گی.....
آپ نے اس وقت خلافت سے کنارہ کشی کر لی اور سلطنت معاویہؓ کے سپرد کر دی کیونکہ
اس وقت قیادت کے لائق آپ ہی تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کہ خلافتِ نبوت تیس سال تک رہے گی۔ حضرت حسنؓ
کو معلوم تھی اور وہ جانتے تھے کہ اب تیس سال پورے ہو گئے ہیں۔ وہ درپے خلافت
نہ رہے۔ دستبردار ہو گئے اور اس مدت تیس سال میں صرف چار حضرات ہی کامل خلیفہ
ہوئے اور فضیلت بھی صرف انہی چار میں ترتیب وار دائر ہوئی اور امت نے بالاتفاق
انہیں ہی خلفائے راشدین کہا اور جو ان چار کو ملنے اسے اہل سنت ٹھہرایا۔ کسی نے
نہ کہا کہ پانچویں درجے کی فضیلت حضرت حسنؓ کی ہے اور یہ کہ خلفائے راشدین پنجتن ہیں۔
تیرہویں صدی کے آخر میں حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) اور حضرت مولانا
محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) اپنے اسلاف کی راہ پر چلے ہیں اور آیت استخلاف کا مصداق
انہوں نے بھی چار خلفائے راشدین کو ہی قرار دیا ہے۔ سہارنپوری لکھتے ہیں۔

وفی شرح السنة قال ابو منصور البغدادی اصحابنا مجمعون
علی ان افضلهم الخلفاء الاربعة علی الترتیب المذکور ثم تمام
العشرة ثم اهل بدر   حاشیہ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۱۵

ترجمہ: ابو منصور بغدادی کہتے ہیں ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ صحابہ میں سب
سے افضل علی الترتیب خلفائے اربعہ ہیں پھر عشرہ مبشرہ اور پھر اہل بدر۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔

غور کیجئے خلفائے اربعہ کے بعد عشرہ مبشرہ کا درجہ ہے ۔ ابو منصور بغدادی میں ہوئے ہیں محدث سہارنپوری تیرہویں صدی کے اواخر میں ان سے نقل کر رہے ہیں کہ اس امت میں افضل ترین حضرات خلفائے اربعہ ہوئے ہیں ۔ کوئی شخص پانچ خلفاء کا تذکرہ نہیں کرتا اور کوئی شخص اس کا مدعی نظر نہیں آتا کہ جو خلیفہ خلافت چھوڑ دے ۔ تاریخ اسے خلفائے کاملین جگہ دے ۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اجوبہ اربعین ص۱۸۳ پر لکھتے ہیں

اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار کو سمجھتے ہیں [2] ۔ یہاں برحق سے مراد خلافت موعودہ ہے جس کا اس وقت کے مومنین کو وعدہ دیا گیا تھا ۔ وہ انہی چار کو ملی ۔ حضرت حسنؓ کو ملی تو تھی لیکن وہ ایک علاقائی امارت تھی اپنے عقد میں پوری مملکت اسلامی کیلئے نہ تھی ۔ تاہم آپ اس کو پورا نہ کر سکے اور اس سے دستبردار ہوگئے ۔ ان ایام کو خلافت راشدہ میں شمار کرنے کے باوجود خلفائے راشدین چار ہی ذکر کیے جاتے ہیں اور پانچواں نام ان سے علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں

خلفائے راشدین تو ان کے نزدیک (اہلسنت کے نزدیک) پانچ ہیں چار یار اور ایک امام حسنؓ [1]

دیکھیے یہاں چار کا لفظ ان کے لیے یکجا ذکر کیا ہے اور پانچویں خلیفہ بایں طور ان سے ملحق ہیں کہ ان کے ایام خلافت بھی راشدہ میں شمار ہیں ۔

چودھویں صدی کی شہادت

(۱۳۲۹ھ) مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ منظر الاسلام بریلی کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۳۲۹ھ میں ہوا ۔ مولانا کے معتمد خصوصی قاضی خلیل الدین نے جو حافظ تخلص کرتے تھے مولانا کے سامنے خلفائے راشدین کے حضور یہ نذرانہ پیش کیا ۔

ہیں ارکان اسلام اصحاب چاروں — کہ چاروں نے ترتیب سے کی خلافت
وہ صدیقؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ — جو پیرو ہو سب کا وہ ہے اہلسنت [2]

---

[1] الاسولۃ الکاملہ ص۳۹ ۔ [2] آئینہ سو. ص۱۸۹ نظام ... ۱۳۳۶ ۔

اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ خلفائے اربعہ کی پیروی کا اقرار اہلسنت کا ہمیشہ سے امتیازی نشان رہا ہے۔

مفتی اعظم اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنائے گئے اس لیے یہ خلیفہ اول ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ دوسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ تیسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور چار یار کہتے ہیں تعلیم الاسلام حصہ ۳ ص ۱۸

چاروں حضرات حق کا نشان بنے

ابھی صحابہ موجود تھے کہ تشیع اور خوارج کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے یہود نے ابتدا میں تشیع کو صرف سیاسی جماعت کی شکل دی تھی۔ لیکن خوارج شروع سے ہی ایک مذہبی اختلاف لے کر اٹھے تھے ان دنوں اہل حق انہی چار حضرات کی عقیدت سے پہچانے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن خباب (د ۳۷ھ) کو خارجیوں نے گھیر لیا اور پوچھا من انت؟ (تو کون ہے؟) انہوں نے کہا کہ میں صحابی رسول عبداللہ بن خباب ہوں انہوں نے پھر ان سے چاروں کے بارے میں پوچھا۔ حافظ ابن اثیر لکھتے ہیں۔ فسئلوہ عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۵۰ حضرت عبداللہ بن خباب نے چاروں کے خیر ہونے کی شہادت دی۔ انہوں نے اس پر انہیں قتل کر دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل حق کا نشان ان چاروں کی عقیدت تھی اسلام کی یہ چودہ صدیوں کی شہادت آپ کے سامنے ہے۔

(علامہ خالد محمود

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نمبر

۱۹۶۲ء

○

هفت روزه "دعوت" لاهور

صدیقؓ اوّلیں ہیں خلافت کے تاجدار　　بعد ان کے عمرؓ و عثمانؓ، حیدرؓ ہیں بالیقین

اللہ اللہ ان کی عظمت اور شانِ سربلند　　انبیاء کے بعد ان کا کوئی بھی ہمسر نہیں

مشعلِ خلافتِ صدیقی

اور ——— اداریہ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۲ء

پاکستان کی خارجہ پالیسی

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امّا بعد!

بڑی طاقتوں کی باہمی دوڑ نے پاکستان کے امورِ خارجہ کو حوصلہ آزما حالات سے دوچار کر رکھا ہے، یہ تاریخِ پاکستان کا نازک ترین موڑ ہے، ضرورت ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی کا ہمارے آزاد نظریۂ پاکستان سے کہیں تصادم نہ ہو، یہ احساس آج پاکستان کے ہر بہی خواہ کی اولین توجہ کا مرکز ہے، بعض حلقوں پر یاس کے بادل چھائے ہوئے ہیں تو بعض نئے رستے کی آخری منزل پر نظر کیے بغیر کروٹ بدلنے کے خواہاں ہیں، عجیب کش مکش کا دور ہے کہ سہ

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

حالات اور اسباب پر نگاہ کریں تو جواب اور ملتا ہے، زمانے کی چکی اپنی پوری ایٹمی قوت سے چل رہی ہے اور اس کے سامنے فولادی رگیں بھی کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ رہی ہیں، ان حالات میں اگر کہیں روشنی کی کرن دکھائی دیتی ہے اور ایک مسلمان اگر کہیں کوئی لمحہ سکون محسوس کرتا ہے تو وہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے دورِ خلافت کی خارجہ پالیسی ہے۔

آنحضرتؐ کی وفاتِ شریف کے بعد مسلمان ایک عجیب کش مکش میں مبتلا تھے، حضورؐ کی جدائی کے غم میں اکثر صحابہؓ کا خیال تھا کہ اسامہؓ بن زید کے لشکر کی روانگی روک لی جائے، ختمِ نبوت کے منکرین متعدد محاذوں سے اسلام پر یلغار کر رہے ہیں، مالیاتی نظام اور اقتصادی حالت کو فتنۂ انکارِ زکوٰۃ کے ساتھ پامال کیا جا رہا ہے اور شمعِ رسالت کے پردہ پوش ہونے سے خود مسلمانوں کے دل بھی انسانی فطرت کے زخموں سے چور ہیں، اسلامی مملکت کا چھوٹا سا قطعہ ہر چہار طرف سے فتنوں سے گھرا ہوا ہے اور قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں جو صدیوں کے تمدن

کی وارث ہیں، پہلے ہی سے دانت پیس رہی ہیں۔ ان نازک حالات میں بیشتر مسلمان اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے جس میں کہ آج ہم مبتلا ہیں، اسباب کی دُنیا یاس کا پیغام دیتی تھی لیکن حضرت صدیقِ اکبرؓ نے عظیم ترین قوتِ ایمان کے ساتھ اور استقلال واستقامت کے ایک پہاڑ کی صورت میں ہر ممکن کو ناممکن بنا دیا اور جب دُوسرے مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں تو سب نے دیکھا کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ حق پر تھے اور یہ محسوس ہو گیا کہ ایمان کی قوت اور استقامت کا جذبہ پہاڑوں کو بھی موم کر دیتا ہے۔

ضرورت ہے کہ عصرِ حاضر کی سیاسی کشمکش میں ہم خلافتِ صدیقی کی مشعل سے روشنی حاصل کریں اور ایمان، اتحاد اور تنظیم کے محکم اصولوں سے اپنی سیاسی زندگی کے تاریک خاکوں میں رنگ بھریں۔۔۔۔ یاد رکھیئے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے کسی شرط پر کسی غیر اسلامی طاقت کے ساتھ کوئی سودا نہیں کیا اور کسی ایک دشمن کو مارنے کے لیے کسی دوسرے دشمن سے کبھی راز داری نہیں کی نہ کسی دوسرے دشمن کو اپنے اندر گھسنے دیا اور نہ ہی خود کسی دوسری گود میں جا گرے حالانکہ اسباب اُس وقت بھی کچھ مسلمانوں کے حق میں نہ تھے۔ یہ صرف ایمان اور خدا تعالیٰ پر اعتماد تھا جس نے قدم قدم پر حضرت صدیقِ اکبرؓ کو سہارا دیا، اور جب حالات نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا تو سلطنتِ اسلامی کا ذرہ ذرہ صدیقِ اکبرؓ کے نورِ ایمان اور نظرِ فراست سے جگمگا اُٹھا۔ ہمیں اپنی بے حسی پر بہت افسوس ہے کہ سیرتِ صدیقی کو عملی زندگی میں لانا اور یہاں نظامِ خلافتِ راشدہ قائم کرنا تو درکنار ہمیں اس پہلی اسلامی سلطنت کے ابتدائی خدوخال کا بھی پتہ نہیں جس کے قائد سے بہتر انسان پر ماسوائے انبیاء کے آج تک آفتاب طلوع نہیں ہوا۔

دنیا کے بیشتر ممالک اس وقت دُنیا کی دو سپر طاقتوں میں گھرے ہوئے ہیں، پاکستان اپنے قیام میں ان میں سے کسی کا محتاج نہیں رہا، اس کا وجود اُس سپر طاقت کے سہارے قائم ہوا ہے جو ان سپر طاقتوں سے بالا اور انفس و آفاق کا اُجالا ہے، دنیا کی ہر بڑی سے بڑی طاقت اس کے آگے زیر ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ایک اسی کو بقا ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے معرضِ تغیر میں ہے۔

اگر ہم اپنے بقا و استحکام کے لیے امریکہ کا سہارا لیں تو امریکہ اپنی امداد کے عوض کیا ہم سے یہ توقع نہ رکھے گا کہ ہم یہاں اسلامی قدروں کو فروغ نہ دیں نہ یہاں اسلامی حدود نافذ کریں اور نہ اسلام کا غیر سودی نظام معیشت یہاں اپنی بہار دکھا سکے۔

یہ صحیح ہے کہ کوئی ملک کسی دوسرے ملک کے داخلی امور میں دخل نہیں دیتا لیکن یہ بات صرف کہنے کی حد تک ہے، بڑی طاقتوں نے اس کے پس پشت "بنیادی انسانی حقوق" کی ایک ایسی کھڑکی کھول رکھی ہے کہ جب چاہیں اس کے راستے وہ چھوٹے ملکوں کی خود مختاری کو متاثر کر سکیں۔

اسی طرح اگر ہم روس اور چین کے سہارے اپنا استحکام چاہیں تو کیا ہمیں معلوم نہیں کہ ان طاقتوں کا اشتراکی نظام صرف ان کا ایک داخلی مسئلہ نہیں بلکہ یہ ان کی ایک عالمی دعوت ہے جسے وہ پوری دنیا میں جلوہ پیرا دیکھنا چاہتے ہیں، وہ جب بھی ہمیں کوئی سہارا دیں گے اس کے عوض وہ ہم سے کچھ توقعات ضرور وابستہ کریں گے جس کی کم از کم صورت یہ ہوگی کہ ہم اپنے اسلامی نظریہ حیات میں کچھ دبے رہیں اور اس ملک کی ان جماعتوں پر کوئی پابندی نہ لگا سکیں جو یہاں اشتراکی نظام معیشت لانا چاہتی ہیں۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ ہم عالمی تطورات میں اپنی آزاد خارجہ پالیسی کو ہر حال میں قائم رکھیں، امریکہ کا استعماری نظام اگر ان کا ایک داخلی مسئلہ نہیں اُن کی ایک عالمی دعوت ہے۔ روس کا اشتراکی نظریہ عمل اس کا داخلی مسئلہ نہیں اُس کی ایک عالمی دعوت ہے تو اسلامی نظام حیات بھی ہمارا ایک داخلی مسئلہ نہیں ہماری ایک عالمی اور آفاقی دعوت ہے۔ ہمیں دائیں بائیں کے درمیان ایک اپنی راہ قائم رکھنی ہے اور اس کی ایک ہی عملی صورت ہے کہ ہمارا سیاسی رُخ کسی غیر اسلامی نظریہ حیات سے موالات کا نہ ہو، ہر قدم پر ہم یہی سوچیں کہ ہم اس سفر میں جس ارادے اور عزم سے چلے تھے اس میں ہم کہاں تک آگے بڑھے ہیں، ہماری کسی ملک سے دوستی بھی اپنے نظریہ حیات کی وفاداری کے لیے ہو اور کسی کی دشمنی بھی محض اسی لیے ہو کہ وہ ہمیں اپنی راہ چلنے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اور حق کی راہ میں ایک بڑی روک ہے۔

یہ آزاد خارجہ پالیسی ہمیں اسلام کی پہلی خلافت نے دی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے ہر دشمن کو دشمن سمجھا اور بیک وقت ہر ایک کے خلاف محاذ آرا رہے، کسی ایک طرف جھکنے کے لیے مصلحت کی چادر زیب تن نہیں کی۔ یہ پالیسی افراد اور وقتی لمحات سے تو متعلق ہو سکتی ہے لیکن سلطنتیں اور حکومتیں مصلحتوں کے زیر سایہ نہیں چلتیں۔

ضرورت ہے کہ ہم پہلی خلافتِ اسلامی کو نظریۂ پاکستان کا پہلا سنگِ میل سمجھیں اور اسی سمت ہمارا تمام ملکی سفر ہو۔ اپنے عوام میں اس آزاد خارجہ پالیسی کا شعور پیدا کریں جو ہمیں حضرت صدیقِ اکبرؓ نے دی، کامل اسلام اپنی پوری بہار کے ساتھ اسی دور میں چلا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام مکمل ہوا اور اکمال دین کے جلدی بعد آپ کا سفرِ آخرت پیش آگیا۔ سلطنتِ اسلامی مکمل اسلام کے ساتھ کیسے چلی، دنیا نے اس کی بہار دورِ خلافتِ راشدہ میں دیکھی ——— افسوس کہ آج ہم اپنے اس پہلے محسن کو بھلا بیٹھے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس دورِ آخر میں بھی ہمیں اسی مشعل کی ضرورت ہے جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہماری زندگی کے خاکوں میں صداقت اور جرأت کا ایمانی رنگ بھرا تھا۔

اس میں کافی حد تک ذمہ داری ہماری حکومت کی بھی ہے، آج جبکہ آنحضرتؐ کی یاد کے سلسلہ میں ۱۲ ربیع الاول کی تقریب اور شہیدِ کربلا حضرت امام حسینؓ کے سلسلہ میں محرم الحرام کی تقریبات باقاعدہ طور پر سرکاری چھٹی کے ساتھ منائی جاتی ہیں اور حکومتِ پاکستان کے ریڈیو ان مواقع پر ان عظیم ہستیوں کے تذکار کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ محسنِ انسانیت کے سب سے پہلے رفیق، سلطنتِ اسلامیہ کے سب سے پہلے خلیفہ اور خلافتِ راشدہ کے سب سے پہلے چراغ سے ہماری آنکھیں یکسر بند ہیں۔ ہماری حکومت کا فرض ہے کہ یومِ صدیقِ اکبرؓ سرکاری چھٹی کے ساتھ باقاعدہ طور پر منائے اور اس دن ریڈیو (اور ٹیلیویژن) کی نشریات سب اسی یارِ غارِ مصطفٰے کے ذکرِ عمل کے لیے وقف ہوں اور سب انہی کے حضور میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کریں۔

مثل مشہور ہے کہ جب تک بچہ نہ روئے ماں بھی دودھ نہیں دیتی، اہلسنت کے مکاتبِ فکر کا فرض ہے کہ اپنے اندرونی اور فروعی سارے اختلافات کو یکسر نظر انداز کرتے

ہوئے ان مشترک تقریبات پر اپنے اتحادِ ملی کا ثبوت دیں اور سب مشترکہ آواز کے ساتھ بھی اور اپنے علیحدہ علیحدہ پلیٹ فارم پر بھی مطالبہ کریں کہ یوم صدیق اکبرؓ سرکاری اہتمام کے ساتھ باقاعدہ چھٹی اور باقاعدہ ریڈیو اور ٹیلیویژن نشریات کے ساتھ منایا جایا کرے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان تقریبات کا اس طرح تعین کوئی شرعی درجہ نہیں رکھتا لیکن اکابر اسلام کے ایسے مہتم بالشان تذکروں کے بغیر ہم اپنی قومی زندگی سے عہدہ برا بھی تو نہیں ہو سکتے۔ بالخصوص جبکہ ان مقدس ہستیوں پر چھینٹے پھینکنے والی قوتیں متعدد محاذوں سے مصروف یلغار ہوں اور اپنے مخصوص نظریات کی اشاعت میں روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہوں تو اس مصلحت فکری کا تقاضا ہے کہ ہم بھی کچھ اپنی ذمہ داری محسوس کریں ؎

نام نیکِ رفتگاں ضائع مکن　　　تا بماند نام نیکت برقرار

"دعوت" کا یہ صدیق اکبرؓ نمبر اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے آپ دیکھیں گے کہ ہم نے اس ہیں وقت کے ہر تارِ مضراب رکھنے کی کوشش کی ہے اور اپنی بساط کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ کی حیاتِ طیبہ کے چند ابواب اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں ہمیں اعتراف ہے کہ ان چند تحریرات سے امتِ مسلمہ کے اس عظیم ترین انسان کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکا لیکن وہ کتنے ہی کارہائے نمایاں ہیں جن کا نقشِ اول نقشِ ثانی کا پیغام ہوتا ہے۔

ربّ العزت نے یاوری فرمائی اور احباب کا پورا تعاون شاملِ حال رہا تو انشاءاللہ العزیز ذوالحجہ کے آخری ہفتے یا محرم کے پہلے ہفتے میں فاروقِ اعظمؓ نمبر بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہو گا۔ ربّ العزت ادارۂ "دعوت" کو اس وعدے کے پورا کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ ؏

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد　　　خالد محمود

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

بھیجا گیا جو پہلی خلافت کے واسطے
تختِ رسولؐ جس کو ملا آپ ہی تو ہیں

جس نے صداقتوں کے نہ بجھنے دیئے چراغ
ہر وار جس نے ہنس کے سہا آپ ہی تو ہیں

جس کے لبوں نے پھول تراشے گلاب کے
ڈھانپے ہیں جس نے سر وہ ردا آپ ہی تو ہیں

ہر باغیِ رسولؐ و صلوٰۃ و زکوٰۃ سے
پہلا جہاد جس نے کیا آپ ہی تو ہیں

جس نے نیا کفن بھی نہ ہرگز کیا قبول
پیغمبروں کا عکسِ عُلیٰ آپ ہی تو ہیں

جاہلِ ان کا ہو شخص کہ ہو قادیان کا
اُس کے ہر اک مرض کی دوا آپ ہی تو ہیں

کرتی ہے یاد جن کی رفاقت کو غارِ ثور
دو میں سے ایک مردِ خدا آپ ہی تو ہیں

حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کا قبولِ اسلام

عمدۃ المحققین حضرت مولانا سید امین الحق صاحبؒ فاضل دیوبند
سابق خطیب جامع مسجد شیخوپورہ

اسلام انقیاد اور تسلیم کا دُوسرا نام ہے اور حضورؐ کے تمام صحابہ انقیاد اور تسلیم کا نمونہ ہیں، مگر جب یہ سوال ہوتا ہے کہ ان میں سب سے پہلے اسلام کا شرف کس نے حاصل کیا۔ تو اگر مرتبہ میں تقدم، خصائل محمودہ میں برتری اور مکارمِ اخلاق میں شرفِ افضلیت کا سوال ہے تو اس کا ایک اور ایک ہی جواب ہے کہ اسلام کا تقاضا سب سے زیادہ حضرت ابوبکرؓ نے پورا کیا اور کمالات نبوت کے قرب اور مشابہت سے سب سے زیادہ حضرت ابوبکرؓ مشرف ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا مقام اور رتبہ سب سے پہلے اور سب سے بلند ہے اس کیلئے یہی شہادت کافی ہے کہ آپ کے طبعی اور فطری اخلاق اور اوصاف جو "ابن دغنہ" کی زبان سے منقول ہیں وہ وہی مکارم اور اخلاق ہیں جن کو حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کے اوصاف میں بیان فرمایا ہے۔

اگر یہ سوال ہوتا ہے کہ صحابہ میں زمانہ کے لحاظ سے سب سے پہلے اسلام کا شرف کس نے حاصل کیا تو اس کے جوابات مختلف ہیں۔ نوویؒ نے تہذیب الاسماء میں ثعلبیؒ سے علماء کا یہ اجماع نقل کیا ہے کہ اسلام لانے میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت ابوبکرؓ پہلے اسلام لائے یا حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے اور حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت علیؓ دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے۔

علمائے محتاطین کا قول ہے کہ احرار بالغوں میں ابوبکرؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ اور عورتوں

ہیں حضرت خدیجہؓ اور موالی میں حضرت زیدؓ اور غلاموں میں حضرت بلالؓ پہلے مسلمان ہیں۔ ابن کثیرؒ نے اور سیوطیؒ نے اپنی تاریخوں میں لکھا ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ اسلام لاتے میں پہلے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان تینوں حضرات سے یہی توقع ہو سکتی ہے کہ اسلام لاتے میں ان سے کوئی دوسرا آگے نہیں بڑھا ہے، اس لیے کہ حضرت خدیجہؓ حرم محترم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب و روز کی سیرت آپ کے سامنے ہے اور حضرت ابوبکرؓ رسول سے فیضیاب خدمت ہیں اور حضرت علیؓ نبوت کے آغوش تربیت میں پل رہے تھے، یہی حضرات ہیں جو حضورؐ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔

یہی حضرات آنحضرت کے حضور میں ہمہ تن اعتقاد تھے اور حضرت ابوبکرؓ کو تو پہلے سے حضرت خدیجہؓ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اطمینان اور اذعان حاصل تھا۔ ان حضرات کو جس وقت بھی نبوت کی خبر اور دعوت پہنچی ہے اس پر اسی وقت لبیک کہتے ہیں، اس دعوت اور اطلاع کے تقدم و تاخر کی بناء پر یہ بحث چل نکلی اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے تقدم اسلام میں اہل علم کے اقوال مختلف ہو گئے جو اپنے اپنے مواقع میں مذکور ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال اور چند ماہ چھوٹے ہیں حضرت ابوبکرؓ اپنی سیرت میں پاکیزہ خصائل کے حامل، عزائم میں بلند اور ارادوں میں نیک تھے۔ حضرت ابوبکرؓ رحمدل، نرم خو اور مزاج شناس نبوت تھے۔ عاقبت اندیشی، فکر و نظر کی بلندی کے لحاظ سے اہل مکہ میں ممتاز اور معروف تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو قلب سلیم ودیعت ہوا تھا۔ آپ اپنی قوم کے اکثر گمراہ کن اعتقادات اور رسوم و عادات سے شروع سے ہی الگ رہتے تھے۔ اہل مکہ کو شراب سے عشق تھا، مگر حضرت ابوبکرؓ نے جاہلیت میں بھی شراب کا ایک قطرہ نہیں چکھا۔ اہل مکہ میں حضرت ابوبکرؓ کے اخلاق و محامد کا خواص کے ساتھ عام لوگوں پر بھی اثر تھا۔ اور حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت ابوبکرؓ کے اثر سے ہی اسلام لائے تھے اور انہی حضرات کی وجہ سے دوسرے لوگوں میں اسلام کا چرچا پھیلا۔ حضرت ابوبکرؓ کا قیام مکہ کے اُس محلہ میں تھا جہاں حضرت خدیجہؓ اور دوسرے بڑے بڑے

تاجر رہتے تھے۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح کرنے کے بعد حضورؐ بھی اسی گھر میں تشریف رکھتے تھے اور ہجرت تک اسی مکان میں رہے ہیں مسجد حرام کے بعد مکہ میں یہ گھر تمام مواضع سے بہتر ہے۔ قرب مکان اور جوار کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ سے زیادہ رابطہ پیدا ہُوا اور بعثت سے پہلے بھی حضرت ابوبکرؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گہری دوستی تھی۔ جیسا کہ ریاض النضرۃ میں حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ اور ابن شرجیل کی روایات میں مذکور ہے، بعثت سے پہلے حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے ساتھ اکثر سفروں میں بھی اکٹھے رہے ہیں اور آپ نے نبوت کی آیات اور رسالت کی علامات کو حضورؐ کے دعوئ رسالت سے بھی پہلے اپنی چشم مشاہدہ سے دیکھا ہے۔ جیسا کہ ریاض النضرۃ میں حضرت ابن عباسؓ کے اثر اور حضرت میمونؓ کے اس جواب میں کہ حضرت علیؓ کی ولادت سے بھی پہلے حضرت ابوبکرؓ کو حضور کی نبوت کا یقین تھا مذکور ہے یہ ایسے امور ہیں جو حضرت صدیق اکبرؓ کے سب سے پہلے دعوت اسلام کو لبیک کہنے کی ایک قوی شہادت ہیں اور آپ کے اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے توجہ فرمانے کی اپیل کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ سے ملنے کے لیے چلے تھے اور ملاقات کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا "ابوبکرؓ! میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے بشیر اور نذیر بنایا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کو مجھ میں پورا کیا، میں تمہیں اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں"! ابوبکر صدیقؓ نے بغیر کسی تامل اور تاخیر کے حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"میں نے جس کسی پر اسلام پیش کیا تو وہ کچھ نہ کچھ ضرور جھجکا ہے مگر ابوبکرؓ نے میری دعوت کو سُنا اور فوراً ایمان لائے"

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اسلام لانے کے لیے پہلے سے اسلام کی دعوت کے منتظر تھے۔ حضرت علیؓ اپنی جگہ قدیم الاسلام ضرور ہیں مگر اسلام کی دعوت قبول کرنے میں آپ کو ابوطالب کی اجازت لینے کا انتظار رہا ہے۔ جیسا کہ ابن کثیرؒ نے ابن اسحٰقؒ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے کہ بعثت کے اگلے روز یعنی سہ شنبہ کے روز حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اور حضرت خدیجہؓ کو نماز پڑھتے دیکھا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ حضورؐ نے آپ کو اسلام کی طرف بلایا تو حضرت علیؓ نے جواب میں کہا یہ ایک نئی شے ہے جب تک میں اپنے باپ ابوطالب سے اس کا ذکر نہ کروں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا، حضورؐ پر یہ بات شاق گذری کہ کسی پر آپ کا راز فاش ہو جائے اور فرمایا :-

"اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس کا ذکر کسی سے مت کرنا"

ابھی رات گذرنے نہیں پائی تھی کہ حضرت علیؓ کے دل میں اسلام ڈالا گیا اور چہارشنبہ کے روز حضرت علیؓ اسلام لے آئے۔

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ بعثت کے تیسرے روز حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصائل حمیدہ، خلائق کی ہمدردی اور دعوت و تبلیغ کے اہم جذبات کے پیش نظر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ بعثت کے یہ دو روز حضورؐ نے خاموشی کے ساتھ گذارے ہوں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ بعثت سے پہلے جیسا کہ ابن شرجیلؓ کی مذکورہ روایت میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے نبوت کے اسرار سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ پر ظاہر فرماتے تھے۔ اب کون سا ایسا امر مانع تھا کہ دو دن یا اس سے زیادہ کے وقفہ میں رسول اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو بعثت کی اطلاع نہ دی ہو اور دعوتِ اسلام سے بے خبر رکھا ہو۔ اگر رسول اللہ کے نزدیک بعثت سے پہلے نبوت کے اسرار اور آثار سے ابوبکرؓ کو خبر دینے میں تاخیر کرنا مناسب نہیں تھا تو بعثت کے ساتھ اور بعثت کے پہلے ہی مرحلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کی دعوت سے حضرت ابوبکرؓ کو کیوں مشکور نہ فرمایا ہوگا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کے قضیہ میں ارشاد فرمایا:-

"کیا میں سب سے پہلے اسلام نہیں لایا ہوں"؟ اور صحابہ کے اس مجمع میں ابوبکرؓ کے اس فرمانے کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہؓ کو حضرت ابوبکرؓ کا اول الاسلام ہونا معلوم اور مسلم تھا۔

ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں اور ابن حجرؒ نے اصابہ میں ذکر کیا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "میں تم سے پہلے اسلام لایا ہوں" ابن حجرؒ نے لکھا ہے اس روایت

کے رجال ثقہ ہیں حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کے قدیم الاسلام ہونے کا انکار نہیں کیا ہے ۔
ابن جریرؒ ، ابن عبدالبرؒ اور حاکمؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن عبسہؓ بعثت کے بہت ہی ابتداء میں کہ ابھی رسول اللہ چھپے ہوئے تھے مکہ میں آئے اور حضورؐ سے کہا " آپ کیا ہیں ؟ " حضور نے ارشاد فرمایا " میں نبی ہوں ، مجھے اللہ نے رسالت دے کر بھیجا ہے "۔ حضرت عبسہؓ نے کہا " آپ کی نبوت پر ایمان لانے میں کون آپ کی تابعداری کرتے ہیں "۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا " ایک ابوبکرؓ اور دوسرے بلالؓ "...... حاکمؒ کے ساتھ حافظ ذہبیؒ نے بھی یہ لکھا ہے کہ اس روایت کی سند صحیح ہے ۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اس وقت تک یہ دو ہی مردِ مومن ہیں جو اسلام لانے میں رسول اللہ کے رفیق ہیں ـــ خالد ابن سعیدؓ سابقون الاولون صحابہؓ میں سے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے سمجھانے اور شوق دلانے پر اسلام لائے ہیں ـــــــ ابن جریرؒ اور ابن عبدالبرؒ نے ضمرہ بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ خالد بن سعیدؓ حضرت ابوبکرؓ کے متصل ساتھ اسلام لائے ہیں ۔ ابن جریرؒ نے عمر ابن شبہؒ سے یہ روایت کی کہ خالد ابن سعیدؓ فرماتے ہیں " میں حضرت علیؓ سے پہلے اسلام لایا ہوں "۔ حضرت خالدؓ کا صدیق اکبرؓ کے بعد مسلمان ہونا اور حضرت علیؓ سے پہلے اسلام لانا یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ سے اسلام لانے میں پہلے ہیں ۔ جامع ترمذی میں مذکور ہے کہ عمرو ابن مرہؒ نے ابی حمزہؒ کی اس روایت کو کہ حضرت علیؓ پہلے اسلام لائے ہیں ابراہیم نخعیؒ سے ذکر کیا تو ابراہیم نخعیؒ نے اس روایت کا انکار کیا اور فرمایا " اسلام لانے والوں میں حضرت علیؓ سے ابوبکرؓ پہلے اسلام لائے ہیں "۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ۔ بخاریؒ نے سعد ابن ابی وقاصؓ کے مناقب اور اسلام میں سے روایت کیا ہے ، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں " میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اسلام کا تیسرا شخص تھا " اور فرمایا " جو شخص اسلام لایا ہے وہ اس دن اسلام لایا جس دن میں مسلمان ہوا اور بیشک میں سات دن تک اس حالت میں رہا کہ میں اسلام کا تیسرا تھا "۔ بخاریؒ کی مراد حضرت سعدؓ کے اس قول کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حضرت سعدؓ قدیم الاسلام اور اسلام لانے میں تیسرے شخص ہیں ۔ حضرت سعدؓ اپنے اس ارشاد میں بظاہر کہتے ہیں کہ آپ کے

اسلام لانے سے پہلے صرف دو ہی اسلام لائے ہیں۔ شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حضرت سعدؓ سے پہلے اسلام لانے والے حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ حضرت سعدؓ کو سات دن تک اپنے تیسرے مسلمان ہونے پر علم اور یقین ہے اگرچہ حضرت سعدؓ کے اسلام لانے کے دن کوئی اور بھی اسلام لائے ہوں مگر سات دن تک حضرت سعدؓ کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع نہیں ہوئی ہے، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ کے اسلام لانے کے دن یا اس کے قریب کے کسی دن میں اسلام لانے والوں کی اطلاع حضرت سعدؓ کو ہوئی ہو اور آپ پھر بھی سات دن تک اپنے آپ کو تیسرا مسلمان ہی سمجھتے ہوں۔ امام بخاریؒ حضرت سعدؓ کے قول میں آپ کی یہی مراد سمجھتے ہیں کہ قدیم الاسلام مسلمانوں میں حضرت سعدؓ کا اسلام لانے میں تیسرا مرتبہ ہے ورنہ حضرت سعدؓ کے قول کی تشریح میں امام بخاریؒ کسی ایسے فقرہ کا اضافہ فرماتے جس سے حضرت سعدؓ کے قول کی کوئی اور تفسیر ہو جاتی اور وہ مفہوم ظاہر اور واضح ہو جاتا جس کو امام بخاریؒ نے آپ کے قول کے نقل کرنے میں ظاہر کرنا چاہا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ کے اسلام لانے کے دن حضرت سعدؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص اسلام نہیں لایا اور سات دن تک کسی صاحب کے اسلام لانے کی اطلاع حضرت سعدؓ کو نہیں ہوئی اس لیے حضرت سعدؓ اپنے آپ کو تیسرا مسلمان سمجھتے رہے۔ جیسا کہ حاکمؒ نے حضرت سعدؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں:۔

"جس دن میں اسلام لایا ہوں اس دن کوئی اسلام نہیں لایا اور اسی طرح سات دن تک میں اسلام کا تیسرا رہا ہوں"

حاکم اور ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اگر حضرت سعدؓ کو اپنے اسلام لانے کے وقت دوسرے حضرات کے اسلام لانے کی اطلاع نہیں ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہو کہ اس وقت اکثر صحابہؓ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ کے اسلام لانے کے بعد سات دن تک بھی یہی دستور قائم رہا ہے تو پھر حضرت سعدؓ سات دن کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کیسے اور کہاں سے بتلاتے ہیں۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ حضرت سعدؓ اسلام لانے کے دن

اوران دنوں میں ان حضرات صحابہؓ کے اسلام لانے کو جانتے تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو چھپانا چاہا اوران دنوں میں بھی وہ حضرات صحابہؓ جنہوں نے اپنے اسلام کو چھپانے کی کوشش کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے اسلام سے متعارف تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سعدؓ کے اسلام لانے کا دن اس تاریخ سے پہلے ہے جس تاریخ میں حضرت عمارؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے ساتھ اسلام لانے میں پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ابوبکرؓ کے سوا کوئی اور نہیں تھا، اس صورت میں بھی اسلام میں حضرت سعدؓ کا تیسرا ہونا اور حضرت ابوبکرؓ کا اول الاسلام ہونا مسلّم ہونا چاہیے اور حضرت عمارؓ کی حدیث کا حضرت سعدؓ کی حدیث سے تعارض بھی نہیں ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوبکرؓ کے اسلام اور مناقب میں مذکور ہے۔ حضرت عمارؓ فرماتے ہیں ـــــ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے ساتھ پانچ غلاموں، دو عورتوں اور حضرت ابوبکرؓ کے سوا کوئی اور مسلمان نہیں تھا ـــــ"، حضرت عمارؓ کے اس قول کے نقل کرنے میں بخاری کی مراد یہ ہے کہ یہ مذکورہ حضرات قدیم الاسلام ہیں اور ان حضرات کے اسمائے گرامی میں ابوبکر صدیقؓ کا نام نامی بھی تھا، مسلمانوں کی اس قدیم اور پہلی فہرست میں چونکہ حضرت ابوبکرؓ کا نام مذکور ہے اور حضرت علیؓ کا نام نہیں، اس لیے حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ سے اسلام لانے میں مقدم ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت عمارؓ اور حضرت صہیبؓ دونوں ایک وقت ان دنوں میں اسلام لائے ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر تشریف لے گئے تھے اور خفیہ خفیہ اسلام کی تبلیغ اور دعوت میں مشغول تھے اور حضرت عمارؓ کے اسلام لانے کے دنوں میں مسلمانوں کی تعداد تیس ۳۰ سے آگے بڑھ گئی تھی۔ جیسا کہ نووی رحؒ نے "تہذیب الاسماء" میں اور ابن عبدالبرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے۔ حاکم روایت کرتے ہیں کہ عثمانؓ ابن ارقمؓ فرماتے ہیں، "میں ساتویں اسلام لانے والے کا بیٹا ہوں، اور میرے باپ کا گھر صفا کے اوپر تھا، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور اسلام لانے کی دعوت دیتے تھے اور جب اسلام لانے والوں کی تعداد تیس سے آگے بڑھ گئی تھی۔ اوران قدیم الاسلام صحابہ میں ایسے حضرات صحابہؓ شامل ہیں جو احرار بالغ ہیں۔ اور ارقمؓ

کے گھر میں حضورؐ کے تشریف لے جانے سے پیشتر اور حضرت عمارؓ کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لائے ہیں، جیسا ابو عبیدہؓ، عثمان ابن مظعونؓ، ابو سلمہ ابن عبد الاسدؓ، عبد الرحمٰن ابن عوفؓ، عبیدہ ابن الحرثؓ"

ابن حجرؒ نے اصابہ میں ابو عبیدہؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے: یہ مذکورہ حضرات صحابہؓ حضرت ارقمؓ کے گھر میں تشریف لے جانے سے پہلے اسلام لائے ہیں اور حضرت عمارؓ کے اسلام لانے سے پیشتر قدیم الاسلام حضرات صحابہؓ میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جنہوں نے جرأت اور دلیری کے ساتھ اپنے اسلام کے اظہار کا اقدام کیا ہے اور مشرکین مکہ کی سخت اذیتوں کو نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔ مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ جن کے اسلام لانے کا واقعہ اور حرم کے اندر مشرکین مکہ کی تعداد کی تفصیل بخاری اور مسلم دونوں میں مذکور ہے۔

کرمانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمارؓ نے اپنے اسلام کے لانے سے پہلے حضورؐ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ اسلام لانے میں مذکورہ حضرات کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور حضرت عمارؓ نے اس سابق واقعہ اور حال کی حکایت اپنے اسلام لانے کے بعد کی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمارؓ نے اپنے اسلام لانے سے پہلے حضورؐ کو اس وقت اور ایسے حال میں دیکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے سوا حضرت علیؓ اس وقت کے اسلام لانے والوں میں ابھی شامل نہیں تھے۔

ابن حجرؒ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: جمہور کو اتفاق ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اسلام لائے ہیں۔

اور ابن اسحٰقؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضورؐ کی بعثت اور حضورؐ کی زبان سے پہلے یقین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ابو بکرؓ کو اسلام کی طرف بلایا تو پہلے وقت میں اسلام کی طرف ابو بکرؓ ہی دوڑتے ہوئے آئے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ قدیم الاسلام صحابہؓ میں باہمی ایک دوسرے پر اسلام کے زمانی تقدم کو اس قدر فضیلت نہیں ہے جس پر تمام مراتب اور درجات کو مرتب کیا جائے بلکہ

اسلام میں کارہائے نبوت کی انجام دہی میں اسلام کی دعوت اور تبلیغ میں جس صحابیؓ کے جذبات سب سے زیادہ پختہ اور روشن ہوں تو اس کے مقام اور رتبہ کی بلندی اور اولیت میں تو کسی قسم کا کوئی شک باقی نہیں رہتا خواہ اسلام لانے کا موقع اس کو کچھ بعد ہی میں کیوں نہ ملا ہو۔ مثلاً حضورؐ کی نبوت زمانہ کے اعتبار سے متاخر ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول الانبیاء ہونے میں بھی شک نہیں ہے۔ حضورؐ سے پہلے بڑی تعداد میں اللہ کے فرمانبردار انبیاء گذرے ہیں، مگر قرآن شریف میں حضورؐ کے اول المسلمین ہونے کا ارشاد ہے۔ ہمارے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں مقتدا اور پیشوا ہیں اور دونوں آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی اتباع اللہ کی رضا ہے۔ اس قسم کے مباحث میں کسی ایک پہلو پر اصرار کرنا اُن کے فضائل میں کسی خاص فضیلت کا اضافہ بھی نہیں کرتا اور نہ اس قسم کے خصائص میں اُن کی شخصیت پوری چمکتی ہے، جیسا کہ کعبہ کے اندر حضرت علیؓ کی ولادت پر بے جا اصرار کیا جاتا ہے اور اس پر خاص فضیلت کی بنیاد کھڑی کی جاتی ہے۔ علماء نے تو اس واقعہ کا انکار بھی کیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سچ ثابت ہو تو اس میں حضرت علیؓ کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں ہے اور اگر یہ مخصوص بھی ہو تو اس میں کوئی خاص فضیلت نہیں۔

چنانچہ محمد جاد اللہ مخزومیؒ نے "الجامع اللطیف" میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی جائے ولادت وہ مقام ہے جو پہاڑ کے قریب اوپر کی جانب سے مولد نبویؐ کے مقابل ہے اور شعب علیؓ کے نام سے مشہور ہے۔ اہلِ مکہ کو اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کی جائے ولادت شعب علی ہے اور اس کے دروازہ کے پاس ایک پتھر پر لکھا ہوا ہے: "یہ امیر المومنین حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی پیدائش کی جگہ ہے۔"

نوویؒ نے "تہذیب الاسماء" میں لکھا ہے "حکیم ابن حزامؓ کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں اور حکیم ابن حزامؓ کے علاوہ کسی دوسرے کی ولادت کو کعبہ کے اندر کوئی بھی نہیں جانتا اور یہ جو روایت کی جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کی ولادت کعبہ میں ہوئی ہے ثابت نہیں ہے، علماء اس کو ضعیف کہتے ہیں۔"

علامہ مناویؒ "جامع صغیر" کی شرح "فیض القدیر" میں اور حاکمؒ "مستدرک" میں لکھتے ہیں کہ "حکیم ابن حزامؒ کعبہ میں پیدا ہوئے، ایک سو بیس سال آپ کی عمر تھی، آپ نے ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں گذار کر اپنی عمر کو پورا کیا ہے۔" اگر کعبہ کے اندر ولادت کوئی خاص اہم فضیلت حاصل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اہم فضائل میں اللہ کی تقدیر میں حضورؐ کی ولادت بھی کعبہ کے اندر مقدر ہوتی۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؓ کے دوسرے اہم فضائل بیشمار ہیں جن میں اسلام کے زمانی تقدم اور کعبہ میں ولادت سے اضافہ نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے بھائی ہیں، سیدۃ النساء کے رفیق حیات ہیں، بنی ہاشم میں پہلے خلیفہ ہیں، عشرہ مبشرہ میں اور اصحابِ شوریٰ میں ایک ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرۃ العینین امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے والد ہیں، خلفائے راشدین اور علماء ربانیین میں سے ہیں۔ تاریخ اسلام کے اُن مشہور شجاعوں، معروف زاہدوں میں سے ایک ہیں جن پر ہماری تاریخ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ ایسی بزرگ شخصیتوں کے کمالات ظاہر کرنے کے لیے ایسی بے سند یا ضعیف الاعتقاد باتوں کو لانا اُن کی شخصیاتِ کریمہ کو خود بلا وجہ بحث میں لے آنا ہے اس لیے ایسے امور سے بچنا لازمی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

لے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کعبہ میں پیدائش موجب طعن نہ سمجھی جائے کہ انہوں نے پیدا ہوتے ہی کعبہ کی بے ادبی کی۔ اللہ کے گھر عبادت کے لئے ہیں بچے جننے کے لئے نہیں بچے کی ماں نفاس سے پاک ہوتی ہے۔ بچہ بھی غسل کے بعد پاک ہوتا ہے۔ انسان ناپاک ہو تو اُسے مسجد میں داخل نہیں کرتے۔ جواباً گزارش ہے کہ حکیم بن حزام کی والدہ اس ارادے سے وہاں نہ آئی تھیں کہ بچہ کعبہ میں پیدا ہو اور کعبہ کی بے حرمتی ہو۔ وہ طواف کے لئے آئی ہوں گی اور ایسی صورت اچانک پیدا ہو گئی ہو گی۔

اگر کعبہ میں پیدائش کوئی نیک کام ہوتا تو آج بھی لوگ اپنی بیویوں کو اس کام کے لئے مسجدوں میں لے جاتے۔ یاد رکھیے۔ ان مسجدوں کا تقدس کعبہ کے سائے میں قائم ہے جو بات یہاں اچھی نہیں۔ وہ وہاں اچھی نہیں سمجھی جا سکتی۔ افسوس کہ خارجیوں نے یہ عیب حضرت علیؓ کے نام بھی لگا دیا۔ حالانکہ وہ وہاں پیدا نہ ہوئے تھے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کس منصب پر

پروفیسر علامہ خالد محمود

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

کتنی بڑی رقم کیوں نہ ہو پہلے ایک اکائی تھی جس سے اعداد و شمار بڑھتے گئے اور یہ رقم بن گئی۔ آج دنیا میں مسلمان کروڑوں اور اربوں ہیں، لیکن ان کی گنتی کہاں سے شروع ہوئی، یہ ایک تاریخی سوال ہے اور اس امت کی تاریخ جاننے کی ایک فطری راہ ہے جس طرح حضورؐ قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ قصرِ امت کی پہلی اینٹ ہیں جن سے اسلام کی گنتی شروع ہوئی اور پھر مسلمان بڑھتے ہی گئے ـــــ مسلمات کی گنتی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے شروع ہوئی ـــــ مسلموں کا آغاز حضرت ابوبکرؓ سے ہوا۔ بچوں کو بھی ساتھ لے لیں تو ان میں سب سے پہلے ساتھ چلنے والے حضرت علی مرتضیٰؓ تھے۔ بات یہاں آکر ٹھہری کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اب اکیلے نہ رہے اور یہ قافلہ آگے چلتا ہی گیا، ہر موڑ پر اسے تازہ خون ملتا رہا اور بڑے بڑے بُری قسم کے لوگ داخل دائرہ اسلام ہوئے یہاں تک کہ کفر کی فولادی رگیں بھی پگھل کر رہ گئیں، اس تازہ بہار پر حضرت ابوبکرؓ بھی کہتے ہوں گے ـــ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں　　یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

تاریخ انبیاء پر نظر کیجئے ہر نبی اپنے سے پہلوں کی تصدیق کرتا رہا اور آئندہ آنے والوں کی خبر دیتا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے پہلے سب نبیوں کی تصدیق کی لیکن آئندہ کسی آنے والے کی بشارت نہ دی۔

اس کی بجائے قیامت کی خبر دی فرمایا "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں"۔ اس کا حاصل یہ تھا کہ میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا، میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت۔ حاصل یہ کہ میرے بعد قیامت ہے کوئی اور اُمت نہیں۔

اب حضورؐ کسی آئندہ آنے والے نبی کی خبر نہیں دے رہے اور نہ آپؐ کسی کے مُبشّر ٹھہرے، تو آپ کا مُصدق کون ہو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰؑ کے مُصدق تھے اور حضورؐ کے مُبشّر ــــــ اور حضورؐ پہلے سب نبیوں کے مصدق ہوئے، مگر کسی کے مُبشّر نہ بنے، یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ حضورؐ پر باب نبوت بند ہو گیا تھا۔ اب حضورؐ کے بعد کوئی اور نبی پیدا نہ ہوگا ــــــ جب آپ کسی کے مُبشّر نہیں تو آپ کا مصدق کوئی نبی کیسے ہو سکتا تھا، مصدق تو وہی ہوتا ہے جس کی بشارت اس تصدیق پانے والے نے پہلے دی ہو۔

ختمِ نبوت کے باعث آپ کسی آسمانی مصدق کے تصدیق نہ لے سکے، سوال پیدا ہوا کہ جب پچھلے ہر نبی کا کوئی نہ کوئی مصدق ٹھہرا تو حضورؐ جو سب سے ارفع و اعلیٰ اور افضل و اکمل رسول تھے آپؐ کا کوئی مصدق کیوں نہ ہو؟ جواب یہ ہے کہ ختمِ نبوت کی وجہ سے حالات بدل چکے تھے ــــــ اب (۱) مصدق کی بجائے صدیق کا منصب تجویز ہوا، حضورؐ کی تصدیق اب مُصدق نہیں صدیق کرے گا۔ صدیق نبی نہ ہوگا لیکن نبوت کے ساتھ اس طرح چلے گا جس طرح سایہ اصل کے ساتھ چلتا ہے نبی ہجرت بھی کرے گا تو سایہ ساتھ ساتھ رہے گا، نبی گنبدِ خضریٰ میں ٹھہرے تو تو یہ پرتو کمالاتِ نبوت ساتھ ہوگا، یہ صدیق ہونے کا منصب کسے ملا؟ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ــــــ اُس پہلے مسلمان کو جس نے حضورؐ کی سب سے پہلے تصدیق کی ــــــ

اس تفصیل میں اس سوال کا جواب بھی مل گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو تصدیقِ رسالت کے لیے کسی معجزہ کی ضرورت کیوں نہ پڑی، وجہ یہ ہے کہ وہ تو پیدا ہی اس لیے ہوئے تھے کہ آپؐ کے لیے مصدق کا کام کریں، ان کا تو مقصدِ وجود ہی حضورؐ کی

تصدیق کرنا تھا، جس طرح کوئی چیز اپنے جوہرِ ذات سے جدا نہیں ہو سکتی، حضرت ابوبکر صدیقؓ تصدیقِ رسالت کی ذمہ داری سے ایک لمحہ کے لیے بھی دُور نہ رہ سکتے تھے ——— ادھر شمعِ رسالت چمکی اُدھر سینۂ صدیق میں اُتری ——— نبوت اور صدیقیت اس طرح ساتھ ساتھ چلیں جیسے فاعل اور قابل ساتھ ساتھ چلتے ہیں، سورج روشنی دینے میں فاعلی قوت رکھتا ہے تو چاند اس سے منور ہونے میں قابل کے درجہ میں ہے، حضرت ابوبکرؓ تصدیقِ رسالت میں فاعل اور قابل کے اسی درجہ پر تھے۔ دُوسرے صحابۂ کرامؓ نے حضورؐ کی تصدیق کی تو بتقاضائے علم، حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کی تصدیق کی بتقاضائے فطرت ——— کیونکہ آپ کی تخلیق ہی اسی کام کے لیے ہوئی تھی۔

سورج پردے کے پیچھے چلا جائے تو دنیا چاند سے مستنیر ہوتی ہے اور وہ بھی حقیقت میں آفتاب کا ہی فیض ہوتا ہے۔ حضورؐ کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ اس چاند کے گرد جمع ہوئے اور ایسے جمع ہوئے جیسے چاند کے گرد ستاروں کا ہالہ ہوتا ہے ——— چاند کبھی دن کو بھی نظر آجاتا ہے لیکن سورج کے اکرام میں وہ روشن نہیں ہوتا کیونکہ یہ دورِ آفتاب ہے اس میں چاندنی کیسے ہو، جونہی سورج پردے کے پیچھے ہوا وہی چاند اب دمک اٹھتا ہے ——— حضرت ابوبکر صدیقؓ اس دورِ خلافت میں ایسے چمکے کہ علم و عزیمت میں دُنیا نے ان کا مثل نہ دیکھا ——— جس طرح چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے صدیق کا ہر قدم نبوت کے ساتھ ساتھ اُٹھتا رہا۔ والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا۔

یہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا مظاہرہ تھا، صدیق اتنا بھی گوارا نہیں کرتا کہ لشکرِ اُسامہ کے سامان کی جو گرہیں حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے باندھیں انہیں وہ مدینہ منورہ میں ہی کھول دے، نہیں وہ کھلیں گی تو اُسی میدانِ جہاد میں جہاں ان کے کھلنے کا ارادہ نبوت نے کیا تھا۔ صدیق کا تو کام یہ ہے کہ اس کا ہر قدم نبوت کے ساتھ اُٹھے اور وہ ہر بات میں نبی کی تصدیق کرتا جائے۔

سچ بولنے اور سچائی کے ساتھ ہمیشہ چلنے سے انسان صدیق کے مقام میں داخل ہوتا ہے وہ سچ کا اس طرح خوگر ہوتا ہے کہ جھوٹ اس سے بن نہیں پڑتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انّ الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا [۱]

(ترجمہ) بیشک انسان سچ بولتے چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق تصدیق رسالت میں سب پر سبقت لے جاتا ہے اور دوسرے سب اس کے نقش قدم پر چلتے ہیں امام فخر الدین الرازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں۔

ان الصدیق اسم لمن سبق الی تصدیق الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فصار فی ذلک قدوۃ لسائر الناس [۲]

(ترجمہ) صدیق اس کا نام ہے جو تصدیق رسالت میں سب پر سبقت لے جائے اس طرح وہ (صدیق) سب لوگوں کا پیشوا ہو جاتا ہے۔

گندھک آگ میں پوری طرح روشن ہو جاتی ہے نبی صدیق کے ساتھ پوری تابانی میں ہوتا ہے اور صدیق اس درجے میں ساتھ ہوتا ہے کہ اس سے بدوں تصدیق کے کچھ بن نہیں پڑتا شک بھولے سے بھی اس کے دل میں راہ نہیں پاتا فضل رسالت ہر وقت اس پر جلوہ ریز ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسمیں اور نبی میں کوئی اور مقام حائل نہیں لسان العرب میں صدیق کے معنی اس طرح لکھتے ہیں:۔

کل من صدق بکل امر اللہ لا یتخالجہ فی شئی منہ شک وصدق النبی فھو صدیق [۳]

(ترجمہ) ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اس طرح تصدیق کرے کہ اس کے کسی حصہ میں شک کو راہ نہ ملے اور وہ نبی پاک کی پوری تصدیق کرے اسے صدیق کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح فرماتے ہیں:۔

وذلک لتعاقب ورود انوار الوحی من نفس النبیؐ الی نفس الصدیق فکلما تکرر التاثیر والتاثر والفعل والانفعال حصل الفناء والفداء ولما کان کمالہ

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۹۰۰ [۲] تفسیر کبیر جلد ۳ صہ ۳۸۰ [۳] لسان العرب جلد ۱۲ صہ ۶۴۔

الذی ھو غایۃ مقصودہ بصحبۃ النبیؐ وباستماع کلامہ لاجرم کان اکثرھولہ صحبۃ ومن علامۃ الصدیق ان یکون اعبرالناس للرویا وذلک لماجبل علیہ من تلقی الامور الغیبیۃ بادنی سبب [1]

(ترجمہ) اور یہ بات اس لیے ہے کہ انوار وحی نبی کی ذات سے صدیق کی ذات پر پے در پے پڑتے ہیں اور پھر جس قدر تاثیر (اثر دینے) وتاثر (اثر لینے) کا تکرار ہوتا رہتا ہے صدیق میں (نبی کی ذات میں) فنا ہونے اور اس پر فدا ہونے کے جذبات ابھرتے ہیں اور جب اس کا کمال نبی کی صحبت مجلس اور اس کے استماع سے غایت کو پہنچا ہے تو ضروری ہے کہ اس کی صحبت (نبی سے) سب سے بڑھ کر ہو۔ اور صدیقؓ کی یہ علامت ہے کہ اسے خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس کی جبلت ہوتی ہے کہ معمولی سے سبب سے اس پر امور غیبی کھلنے لگیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے جب خواب کی تعبیر پوچھنے گئے تو آپ کو صدیق کہہ کر پکارا گیا۔

یوسف ایہا الصدیق افتنا فی سبع بقرات سمان یاکلھن سبع عجاف [2]

(ترجمہ) اے یوسف صدیق ہمیں تعبیر دیجیے کہ سات موٹی گائیں سات دُبلی گائوں کو کھا رہی ہیں۔

یہاں صدیق سے مراد صدق مجسم ہے جہاں تصدیق ہی تصدیق ہے سامنے حقیقت ہی حقیقت ہے اور صدیقؓ کے دل میں کسی دوسرے احتمال کو دخل نہیں حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:۔

صدیق اپنے قلب کو سرًا ظاہرًا اور باطنًا اپنے آپ کو ہر پہلو سے رسولؐ کے سپرد کر چکا ہوتا ہے علم عقیدہ حال آداب و اخلاق محبت اور تعلقات اپنی پسند اور ناپسند ہر بات میں وہ رسول کے تابع ہوتا ہے اس کو نہ تحدیث کی ضرورت ہے (کہ باہر سے کچھ ملے) نہ کشف الہام کا انتظار (کہ اندر سے کچھ کھلے) [3]

محدثین پر بلار اعلیٰ سے روشنی اترتی ہے اور یہ مقام حضرت عمرؓ کا تھا اور متوسمین کے سامنے سے پردے اٹھتے ہیں (اور یہ مقام حضرت عثمان کا تھا) لیکن صدیقین صدق دوام سے علم الیقینی پاتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ علم الیقینی صرف انبیاء اور صدیقین کو ہی حاصل ہوتا ہے اس اعتبار سے صدیقیت نبوت سے متصل ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ صدیقوں کے پیشوا تھے اور یہ صدیقیت کی کھڑکی ہے جس میں جھانکنے والے کو اندر انوار نبوت نظر آتے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۹۳۔ [2] پ ۱۲ یوسف ع آیت [3] دیکھئے مدارج السالکین جلد ۱ ص ۴۰۔

آئینہ کے سامنے شمع لے جائیں تو اسے قبول کرنا آئینے کے ارادہ پر موقوف نہیں ہوتا، یہ اس کی فطرت ہے کہ اسے فوراً اپنے اندر منعکس کرلے۔ صدیقؓ کا سینہ بمنزلۂ آئینہ تھا۔ کہ شمع رسالت سامنے آتے ہی اس میں جلوہ گر ہو گئی، اللہ رب العزت نے جو نور آپ کے قلب میں ڈالا آپ نے وہ اس آئینہ میں اتار دیا ــــــ اچھی غذا کو معدہ فطری طور پر قبول کرتا ہے اور مکھی کو فوراً اُگل دیتا ہے ــــــ صدیق کی فطرت ہر صحیح بات کو قبول کرتی ہے اور ہر غلط بات سے انکار کرتی ہے۔ جس طرح انبیاء معصوم ہوتے ہیں صدیق نیت، قول اور عمل کی ہر غلطی سے محفوظ ہوتے ہیں، صادق وہ جو سچ بولے اور صدیق وہ جس سے جھوٹ کبھی صادر نہ ہو۔

اپنے تو اپنے رہے دشمنوں کو بھی اعتراف تھا

جنگِ اُحد کے موقع پر یہ غلط بات چل نکلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فوری تردید فرمائی، اُدھر سے صدا آئی "کیا تم میں ابوبکرؓ ہیں؟" آپ بھی خاموش رہے، پھر اُدھر سے آواز آئی، کیا تم میں خطاب کا بیٹا ہے؟ اب حضرت عمرؓ چپ نہ رہ سکے اور کہا، اے اللہ کے دشمن حضورؐ بھی ہیں اور ابوبکرؓ بھی ہیں ــــــ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دشمنوں کو بھی پتہ تھا کہ اگر حضورؐ واقعی شہید ہو گئے ہوں تو اب کون قوم کو سنبھال سکے گا، اب اسے مارو، اور اگر ابوبکرؓ بھی مارے جا چکے ہیں تو اب مسلمانوں کی کمان کون کر سکے گا ــــــ اس واقعہ سے سیرتِ نبوت کا یہ پہلو کھل کر سامنے آتا ہے کہ آپؐ نے اپنے جانشین اور نائبین اس طرح اس طرح تیار کر رکھے تھے کہ اچانک وقت رحلت آجائے تو مسلمان بغیر راہنما کے نہ رہ سکیں، کامیاب رہنما وہ ہوتا ہے جو آئندہ کمان سنبھالنے والوں کو ساتھ ساتھ رکھے، حضورؐ کی اس سیرت سازی کا اپنے تو اپنے دشمنوں کو بھی پتہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کی قیادت اب کون کر سکیں گے۔

آفتاب کے پردے کے پیچھے چلے جانے کے بعد چاند کا مقام ہے کہ وہ پوری تابانی سے چمکے اور ستاروں میں ممتاز ہوکر رہے اور پھر یہ بات بھی ہر کسی کو معلوم ہے کہ چاند کی روشنی آفتاب کا ہی فیض ہے اور وہ اسی سے ہر دم اور ہر لحظہ مستنیر رہتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضورؐ کے اعلانِ نبوت کے تیئیس سالہ دور سے پہلے کے ساتھی ہیں اور ان تیئیس سال کے بعد بھی آپ حضورؐ کے رفیق مزار ہیں اور ظاہر ہے کہ قیامت کو جب قبریں کھلیں گی تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی اٹھیں گے۔ ایک جگہ دفن ہونا بتلاتا ہے کہ ایک ہی خاکِ پاک سے ان حضرات کی تخلیق ہوئی، ایک ہی جگہ دفن ہوئے اور ایک ہی جگہ سے یہ اٹھیں گے، ان کے ساتھ اس وصف میں اگر کوئی اور شامل ہے تو صرف دو ہستیاں ہیں ایک حضرت عمرؓ اور دوسرے حضرت عیسیٰ بن مریم۔

ان شیخین کریمین کی رفعتِ شان کا کوئی کیا اندازہ کر سکے جو دو اولوالعزم پیغمبروں کے درمیان سے اٹھیں گے۔ یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں پیغمبر نہیں مگر اللہ رب العزت نے انہیں پیغمبروں میں جگہ دے رکھی ہے، نبوت کے تمام دروازے بند ہو چکے، صرف صدیقیت کی ایک کھڑکی کھلی رہی اِس کے بغیر کوئی مقامِ نبوت میں جھانک نہیں سکتا یا اس اُمت کے ایک محدّث (حضرت عمرؓ) رہے جن سے خدا ہمکلام ہوتا رہا بغیر اس کے کہ آپ نبوت پائیں ـــــ ارادۂ الٰہی عجیب شان سے آپ کے دل میں اُترتا تھا کہ پہلے تمنا آپ کے سینہ میں اُٹھتی اور پھر وحی الٰہی اس کی موافقت کرتی ـــــ کتنے ہی مقامات ہیں جن میں وحی الٰہی نے آپ کی بات کی موافقت کی ـــــ اب آپ سوچیں اس شخصیت کا علمی عملی اور روحانی مقام کیا ہوگا جس کے بارے میں یہ محدّثِ اُمت (حضرت عمرؓ) کہیں کہ وہ اپنی ایک رات اور ایک دن کی نیکیاں مجھے دے دیں اور میری زندگی کی پوری نیکیاں مجھ سے لے لیں تو یہ سودا میرے لیے بہت سستا ہوگا ـــــ

هٰذا ما سنح لی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کوئی پیدا نہ ہوگا ایسا انساں روزِ محشر تک
سبھی اُس کے مقلد ہیں عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ تک

اسی کے ساتھ چل کر ہم اُتر سکتے ہیں جنت میں
یہی تیرنا پہنچاتا ہے محبت کے سمندر تک

جہاں جبریل دستک بھی نہ دے سکتا تھا بن پوچھے
اُسی گھر میں چلا جاتا وہ دو عالم کے رہبر تک

مری نظریں بچھی ہیں اُس کے رستے میں عقیدت سے
کھڑے ہیں باادب جس کیلئے کرنوں کے لشکر تک

ابھی اُسکی امامت کا نشہ ٹوٹا نہیں انجم
ابھی اُسکی تلاوت میں ہیں گم محراب و منبر تک

اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں

حضرت ابوبکرؓ کی نظر میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جس دن سریر آرائے خلافت ہوئے آپ نے مسجدِ نبوی میں ایک خطبہ دیا، خطبہ کیا تھا اِسلامی حکومت کا ایک چارٹر تھا جس میں آپ نے وہ تمام اصول جن پر سلطنتِ اسلامی قائم ہوتی ہے، نہایت خوش اسلوبی سے بیان فرما دیئے، خطبۂ مسنونہ کے بعد آپ نے فرمایا۔

اما بعد! ایہا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ولکن نزل القران وسن النبی السنن فعلمنا فعلمنا اعلموا ان اکیس الکیس التقوی وان احمق الحمق الفجور وان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ منہ الحق وان اضعفکم عندی القوی حتی اخذ لہ بحقہ۔ ایہا الناس انما انا متبع ولست بمبتدعٍ فان اَحسنتُ فَاَعِینُونِی وَاِن زغتُ فقوّمونی[۱]

(ترجمہ) لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اور قرآنِ کریم اُترا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنتیں قائم کیں، ہمیں آپؐ نے پڑھایا اور ہم جان گئے، جان لو بہترین دانائی اللہ کا خوف ہے اور سب سے بڑی بیوقوفی فسق وفجور

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۳ صـ۱۸۳ کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ صـ۵

ہے، اور بیشک تم میں قوی ترین آدمی میرے سامنے کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل نہ کرلوں اور تمہارا کمزور ترین آدمی بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اس کو دلوانہ دوں، اے لوگو! میں پہلی راہ پر چلنے والا ہوں نئی راہ نکالنے والا نہیں، اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے صحیح لائن پر لے آؤ!!

آپ نے اس خطبہ میں یہ بھی فرمایا:۔

"یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اُس کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں"[1]

(۱) پہلی بات آپ نے یہ فرمائی ہیں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں۔ یعنی خود حاکم نہیں بنا اس کے لیے مجھے چُنا گیا ہے ـــــ اسلامی سربراہ عوام کے انتخاب سے سامنے آتا ہے، تسلط اور طاقت سے نہیں۔ اسلام کا مزاج حکومت یہ ہے کہ جو کسی عہدے کا طالب ہو اسے یہ ذمہ داری نہ دی جائے، ہاں کسی کے دل میں اس کی خواہش اور تمنا ہو تو اس پر قانون اور اخلاق کی کوئی گرفت نہیں حضورؐ کی بیماری کے دنوں میں بعض بنی ہاشم خلافت کے خواہاں تھے لیکن انہوں نے اس سلسلہ میں زبان یا عمل سے کوئی قدم نہیں اٹھایا، اس سے نہ اُن کے تقویٰ میں کوئی فرق آیا نہ اس سے اُن کی شخصیت مجروح ہوئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنے لیے کبھی اس کا تصور بھی نہ کیا تھا، ردائے خلافت

---

[1] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی جلد ا ص۱۳۲ مطبوعہ کراچی

آپ کو پہنائی گئی تو آپ نے اعلان فرما دیا، میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں اور تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔

(۲) دوسری لائق توجہ بات آپ کا یہ جُملہ ہے کہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آپ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے حضورؐ کی خدمت میں اس طرح ساتھ رہے جیسے سایہ اصل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، حضورؐ کی بیماری کے دنوں میں آپ کا نماز پڑھانا آپ کی علمی شان کی کھُلی بُرہان ہے، قرآنِ کریم میں آپ کو ثانی اثنین میں ذکر کیا گیا، ان سب وجوہِ خیر کے باوجود آپ کا یہ کہنا کہ میں سب میں سے بہتر نہیں ہوں محض انکساری نہیں ایک دُور رَس تعبیر کا حامل ہے۔ یہ سب کمالات جو آپ کی ذات میں عطاءِ الٰہی تھے، یہ سب آپ کے ذاتی کمالات تھے جن میں سے کوئی بھی حکومت کی اساس نہیں بنتا۔ اگر کوئی شخص نیک ہے، نمازی ہے، تو یہ اس کی ایک ذاتی خوبی ہے ضروری نہیں کہ وہ حکومت کا بھی اہل ہو۔ اگر کوئی بڑا عالم ہے، قرآنِ کریم کا مفسر ہے تو ضروری نہیں کہ وہ فوج کی کمان بھی کر سکے۔ آپ نے اپنے تمام کمالاتِ ذاتیہ کو ایک طرف رکھتے ہوئے اعلان فرمایا کہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اس میں آپ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ حکومت کسی کو اس کے ذاتی کمالات پر نہ دی جائے نہ اُسے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھے۔ یہ ایک خدمت ہے کوئی ثمرہ نہیں، ایک محنت ہے، ایک ذمہ داری ہے، ایک پوری قوم کی پہرہ داری ہے، اس کا فیصلہ علوِ ذات یا ذاتی کمالات پر نہیں، اس کا مدار قوت قائم رکھنے اور عدل و انصاف قائم کرنے پر ہے اور اس ذمہ داری میں سب ایک جیسے نہیں جس کو بھی چُن لیا جائے وہی سربراہ ہے۔ موضوعِ خلافت میں ذاتی کمالات کو لانا اس کی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بالکل نفی کر دی۔

(۳) آپ نے اپنے نظامِ حکومت کی اساس قرآن اور سُنت کو قرار دیا، اس سے پتہ چلا کہ قرآنِ کریم اس وقت مکمل اور محفوظ موجود تھا گو یکجا نہ ہو اور حضورؐ کی سُنن بھی محفوظ موجود

تھیں ان میں کوئی مغالطہ اور اختلاف نہ تھا۔ سُنت صرف حضورؐ کے زمانے تک حُجت شریعت نہ تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے حضورؐ کے بعد بھی اسی طرح حُجتِ شرعی جانا ہے جس طرح کہ وہ پہلے حضورؐ کے عہد میں تھی۔ قرآنِ کریم اوپر سے اُترا اور سُنتیں حضورؐ نے خود قائم فرمائیں، آپ نے صحابہ کو اس کی تعلیم بھی دی اور اصحابِؓ رسولؐ اس علم کو پا گئے، اب اب شریعت میں کوئی اُلجھاؤ نہ رہا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ بھی بتلا گئے کہ حضورؐ کے طریقِ تعلیم میں کوئی خفا نہ تھا علم کی بارش سب پر برابر برستی تھی اور ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اس سے مستفیض ہوتا تھا، فیضانِ نبوت سب کے لیے عام تھا، تاریخ میں اس تصور کو کوئی جگہ نہیں کہ آپ اپنے چند عزیزوں کو علیحدہ تعلیم دیتے تھے اور باقی امت اس سے محروم رہتی تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے علمنا فَعلِمنا (حضورؐ نے ہم صحابہ کو علم کی دولت دی اور ہم اسے پا گئے) کہہ کر بتلا دیا کہ حضورؐ کے ظاہر و باطن میں فرق نہ تھا، علم کا فیضان عام تھا جو پالے اُس کی برات تھی۔

(۴) شریعت اور قانون کا مدار ظاہر پر ہے لیکن دین کی روح تقویٰ اور اللہ کے خوف میں ہے، حضرت ابوبکرؓ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ صرف نفاذِ شریعت سے کام نہ چلے گا، جب تک قلوب خدا کے آگے نہ جھکے ہوں، وہ ہوشیار آدمی جو دُنیا میں ہیرا پھیری سے اپنے لیے کوئی حق ثابت کرتا ہے قانون اس کو یہ حق دے بھی دے تو وہ اپنے آپ کو کامیاب نہ سمجھے، وہ ہوشیار نہیں بڑا بیوقوف ہے، جب آخری حساب کے دن ہر بات کھل جائے گی تو یہ کوئی دانائی نہیں کہ اس پر چند دن پردہ پڑا رہے، دانائی اسی میں ہے کہ دلوں میں اللہ کا خوف موجود رہے ـــــ جس طرح یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ نفاذِ شریعت کرے یہ بھی اس کے ذمہ ہے کہ فسق و فجور پیدا کرنے کے جملہ ذرائع کی روک تھام کرے اور تقویٰ و طہارت کی راہیں اُمت کے لیے آسان کرے۔

(۵) آپ نے حکومت کی بنیاد اس قوت کو قرار دیا جو ظالم سے مظلوم کو حق

دلوا سکے، قوی سے قوی شخص حکومت کی قوت کے آگے کمزور ہو اور اگر حکومت اپنی مملکت کے اندر ذی اثر غنڈوں، ڈاکوؤں اور بدمعاشوں سے ڈرے نہ قاتلوں کو پکڑ سکے اور نہ قاتلوں کا پتہ لگا سکے تو یہ حکومت اپنے جوہر ذات سے محروم ہے، وہ حکومت ہی کیا جو مصلحتوں سے دبے اور غنڈوں سے ڈرے، حکومت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ حکومت کرنے کی اس کے پاس طاقت ہو۔

پھر یہ بھی ہے کہ حکومت طاقت کے اس نشہ میں مخمور نہ ہو اُسے پتہ ہو کہ رعیت کا کمزور ترین فرد کل آخری حساب کے دن ان حکمرانوں کے گلے میں پھندا ڈالنے والا قوی ترین فرد ہوگا جس کے آگے فراعنہ وقت ظالم اور جابر حکمرانوں کی آنکھ بھی اُٹھ سکے گی۔

خلافتِ راشدہ عرب میں سب سے پہلی انسانی حکومت تھی، حضورؐ کے عہد میں زیادہ آسمانی فیصلے چلتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اس خطبہ میں حکومت کی بنیاد اس قوت کو قرار دیا جس کے ساتھ حقوق الٰہیہ اور حقوقِ انسانیہ کے گرد پہرہ دیا جا سکے، سربراہ کی نظر میں ہر قوی کمزور ہو اور ہر کمزور قوی، یہاں تک کہ عدل و انصاف کے پلڑے میں ہر شخص اپنا حق لے سکے۔

(۶) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خطبہ میں اعلان فرمایا کہ میں مطلق العنان حکمران نہ ہوں گا مجھے حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنا ہے، نئی راہیں نہیں بنانی۔ انما انا متبع ولست بمبتدع۔ اس سے سبق ملا کہ مسلمانوں کو اپنے پیشواؤں پر نظر رکھنی چاہیئے کہ وہ متبع سُنت ہیں یا مبتدع ـــــ مبتدع یہ کہہ کر حرج کیا ہے؟ نئی راہیں قائم کرے گا اور یہ نہ سمجھے گا کہ اس سے بڑا حرج کیا ہوگا کہ انسان اپنے پہلوں کے نقشِ قدم پر نہ رہے۔

(۷) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں حدودِ احسان میں رہوں تو میری اعانت کرو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے صحیح لائن پر لگا دو۔ اس سے پتہ

چلا کہ اسلام میں حکمران کی اطاعت انہی حدود میں ہے کہ وہ حکم میں اللہ اور اس کے رسول کے مطابق رہے، اولی الامر کی اطاعت مطلق نہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ماتحت رہیں تو انکی اطاعت کیجئے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام میں سربراہ معصوم نہیں، معصوم ہونا صرف نبیوں کی شان ہے، حاکم کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ وہ کہاں تک اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی تابعداری بجا لا رہا ہے۔

(۸) آپ نے بتلایا کہ مسلمانوں کی قومی زندگی تیغ و سنان سے ہے۔ جب تک ان میں عملِ جہاد رہے یہ ایک معزز قوم بن کر رہیں گے اور جب یہ بدکاری کی زندگی اختیار کریں، طاؤس و رباب کے عیش میں اپنے اصولوں کو کھو دیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر ہر طرف سے مصائب کے دروازے کھول دے گا، جب اس قوم میں جہاد نہ رہے گا (جیسا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول پر ہوگا) تو پھر یہ دُنیا بھی باقی نہ رہے گی۔ یہ دنیا کا آخر ہوگا اور قیامت کی گھڑی ہو گی۔ اقبالؔ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ بات ان الفاظ میں نقل کی ہے ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
ہے تیغ و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

(۹) آپ نے یہ جو فرمایا کہ اگر میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں، یہ اس لیے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت ہرگز روا نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اسلامی سربراہ گو عوام کے انتخاب سے منتخب ہوتا ہے مگر اُسے حقوقِ حکومت خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ملتے ہیں عوام کی طرف سے نہیں۔ بابِ الحقوق اور عملِ حکومت میں وہ عوام کے تابع نہ ہوگا، جب تک وہ اسلام پر کاربند رہے عوام اسے حکومت سے اُتار نہ سکیں گے نہ وہ اس کے لیے طاقت کا سرچشمہ ہوں گے کہ جب چاہا کسی کو لے آئے اور جب چاہا کسی کو اُتار دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اسلام کے اسی حق حکومت

پر اپنی جان قربان کی اور مغربی فکر کی جمہوریت کو جو عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیتی ہے نظامِ خلافت میں گھسنے نہ دیا، جان جانِ آفرین پر قربان کی پر اسلامی اصولِ حکومت کو مغربی جمہوریت پر قربان نہ کیا ـــــــ اس اسلامی حقِ حکومت کی نشاندہی پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی کی تھی۔

(۱۰) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اس خطبے کا آغاز خطبہ مسنونہ کے بعد لفظ اَیُّھَا النَّاس سے کیا ہے (اے لوگو کہا ہے) انسانوں کے کسی ایک طبقے کو خطاب نہیں کیا ـــ یہ بھی نہیں کہا اے مسلمانو! گو اُس وقت وہاں مسلمان ہی آباد تھے، لیکن مسلمان سربراہ بحیثیت حکمران اپنی تمام رعایا کا وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سب کا نگران ہوتا ہے، وہ جس طرح مسلمانوں کی تمام ضروریاتِ زندگی کا ذمہ دار ہے غیر مسلم اقلیتوں کے جملہ حقوق کا تحفظ بھی اسی کے ذمہ ہے حضرت صدیقِ اکبرؓ جانتے تھے کہ اُن کی یہ آواز ایک دن پورے عالمِ اسلام کا چارٹر بنے گی، سو آپ نے پہلے دن ہی یہ مضمون اس ایک لفظ میں لپیٹ دیا کہ اسلام میں سربراہ سب لوگوں کا ذمہ دار ہے کسی ایک طبقے کا نہیں۔

آپ نے اس خطبہ میں مہاجرین و انصار کی بھی کوئی تفریق نہ کی، خلافت پر آنے سے پہلے تو یہ باتیں قابلِ غور ہو سکتی ہیں اور ہوئیں لیکن خلافت پر آنے کے بعد سب لوگ بحیثیتِ رعیت حکومت کی نظر میں ایک سے ہیں۔

پاکستان میں کوئی پارٹی ری پبلکن ہو یا مسلم لیگ اگر حکومت بنائے تو اس کے وزراء اگر مسلم لیگیوں کے ہی کام آئیں اور اُن کی رعیت میں دوسرے سیاسی لظریئے کے لوگ اپنے بنیادی حقوق ہی نہ پا سکیں تو اس طرح کی حکومت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک ہرگز عادل نہ ہو گی۔ مسلم لیگی وزراء اگر کہیں کہ ہم کو ووٹ مسلم لیگیوں نے دیئے تھے اس لیے ہم انہی کے کام کریں گے اور ماتحت افسروں کو بھی انہی کی بات پورا کرنے کی ہدایات دیں گے تو ایسی حکومت حقوقِ رعیت کے مسئلہ پر ایک ظالمانہ تسلط ہو گی، انہیں کہا جائے گا کہ وزارت کا حلف

اٹھانے کے بعد اب تم صرف اپنی پارٹی کے نہیں پورے ملک یا پورے صوبے کے جملہ عوام کی جملہ ضروریات کے ذمہ دار ہو۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

تاریخ کے طلبہ کے لیے لمحۂ فکریہ

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پہلے خطبۂ خلافت کا ایک ایک لفظ آپ کے سامنے آچکا ہے، اس کے مضامین بھی آپ پر پوری طرح کھل چکے ہیں، اب آپ ذرا اس پس منظر کا تصور باندھیں جو ایک طبقے نے حضرت صدیق اکبرؓ کے خلاف درجۂ تصدیق میں قائم کر رکھا ہے ——— وہ یہ کہ خلافت اصل میں حضرت علیؓ کی منصوص تھی، حضورؐ نے انہیں کھلے بندوں غدیر خم پر اپنا ولی عہد بنایا، بار بار ان کی خلافت کا اعلان کیا اور انہیں اپنا وصی نامزد کیا، دوسرے صحابہ نے زبردستی خلافت پر قبضہ کر لیا اور ظلم و تشدّد سے حکومت کی تانیں کس لیں۔

اب آپ ذرا غور فرمائیں، ظلم و تشدّد کی حکومت کا ترجمان کیا کہہ سکتا ہے کہ "اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں" کیا اس سے بڑی کوئی نافرمانی ہو سکتی ہے کہ حضورؐ تو حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنائیں اور یہ حضرات ظلم و تشدّد سے ان کی حکومت پر قبضہ کر لیں، خدارا سوچیں کہ ظالم حکمران قوم کے سامنے علم و تقویٰ کا کیا وہ تصور پیش کر سکتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیش کیا اور فرمایا سب سے بڑی دانائی اللہ کا خوف ہے اور سب سے بڑی بیوقوفی اللہ کی نافرمانی ہے ——— پھر لوگوں کا اپنا علم حکمران کے بارے میں یہ ہو کہ وہ بزور حکومت پر قابض ہے تو کیا وہ اس سربراہ سے اس قسم کی تقویٰ و طہارت کی باتیں کیا بغیر تردّد اور بوجھ کے سُن سکیں گے؟ ہرگز نہیں۔

حاضرین نے جس سکون و طمانیت سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ خطبہ سُنا اور جس پاکیزہ ماحول میں اس کی کرنیں پھر ساری دُنیا میں پھیلیں اس سے یہ نقش پوری پختگی سے دل و دماغ میں قائم ہوتا ہے کہ آپ کی حکومت ایک

عادلانہ نظام خلافت تھا جس میں علم و عمل اور تقویٰ و طہارت کے جملہ وجوہ وانساب قائم تھے ——— آج بھی جو حکومت اسلامی نقوش پر قائم ہونا چاہے اسے حضرت صدیق اکبرؓ کے ان دس اصولوں کو پیش نظر رکھنے سے چارہ نہیں جو الٰہی حکومت کے خلافتی نشان ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کھول کر بیان کر دیا، اب قیامت تک جو بھی عدل و انصاف کی حکومت بنے اور جہاں بھی ان نظریات پر بہار آئے اس کا سہرا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سر ہوگا جنہوں نے پہلی دفعہ اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کا یہ پورا نقشہ پیش کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں طے کرنے کے لئے کوئی سب کمیٹی تشکیل نہ دی تھی۔ نہ آپ کے سامنے کسی گروپ نے کوئی دستوری سفارشات پیش کی تھیں۔ آپ نے فی البدیہہ یہ خطبہ دیا اور حکومت کا اسلامی چارٹر چند جملوں میں قوم کے سامنے پیش کر دیا۔ اب رہتی دنیا تک اس کی تفسیریں ہوتی رہیں گی اور دانشور اس بحرِ بیکراں سے موتی نکالتے رہیں گے۔

حکومتِ اسلامی کے وسیع چارٹر کو چند جملوں میں لے آنا آپ کی علمی پختگی کا پتہ دیتا ہے اور آپ کی اس پر استقامت آپ کے عزم و عمل کی خبر دیتی ہے۔ عرب پہلے سے کسی نظامِ حکومت سے آشنا نہ تھے۔ عہد نبوت کے بعد یہ پہلی حکومت ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کی گئی اور آپ کا انتخاب اچانک عمل میں آیا، لیکن آپ کے علم پختہ اور عزم آہنی نے سلطنت کی ہر مشکل آپ کے آگے آسان کر دی۔

اس خطبہ میں حضرت علی مرتضیٰ بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی اس سے انکار نہیں کیا کہ مظلوم کی دادرسی حکومت کا فرض ہے۔ آپ اپنی خلافت میں اگر قاتلین عثمانؓ پر ہاتھ نہ ڈال سکے اور مظلوم کی دادرسی نہ کر سکے تو مجبوری حالات کا ایک اقتضاء تھا اور حالات پر قابو پانے کے لئے ایک اجتہاد تھا۔ یہ نہیں کہ آپ اُسے حکومت کی ذمہ داری نہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو کچھ فرمایا، تمام صحابہ اس سے حرف بحرف متفق تھے۔

والله اعلم بالصواب وعلمہٗ اتم واحکم فی کل باب

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کتنا قوی تھا عزم فضیلت نگاہ کا
رہنے دیا بھرم نہ کسی کج کلاہ کا

آیا نہ دِل میں خوف کسی بھی مقام پر
چھوڑا کبھی نہ ساتھ رسالتؐ پناہ کا

کرتا تھا خود سوار وہ اِک اِک سوار کو
وہ قائدِ جری تھا خدا کی سپاہ کا

کعبہ رہا ہمیشہ نِگاہوں کے رُوبرُو
بہکا سکا نہ اس کو تصوّر گناہ کا

فتنوں کو دفن کر کے لیا دم زمین پر
پرچم اُٹھا کے آپ چلا لَا اِلٰہ کا

آتی ہیں اُس کے پاس حِرا کی محبتیں
منصب مِلا ہے اُس کو نبی کے گواہ کا

مہکا گیا وہ مغرب و مشرق کے فاصلے
جھونکا دُھلا ہوا تھا محبت کی راہ کا

حضرت خلیفۂ اوّل کے مختصر حالات

حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس بات پر تمام محدثین اور مفسرین اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اس دنیائے ناپائیدار میں جسقدر مدت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گذاری ہے اُسی قدر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے گذاری ہے۔ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۶۳ برس ہوئی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رض کی عمر بھی ۶۳ برس ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت باسعادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رض کی ولادت آنحضور کی ولادت سے اتنا ہی پیچھے ہوگی جتنا کہ آپ حضور کے بعد سریر آرائے خلافت رہے جو تقریباً دو سال چار مہینے ہوتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے تین حصے کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا حصہ ولادت سے لے کر اسلام قبول کرنے تک کا ہے۔ دوسرا حصہ قبولِ اسلام سے لے کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وفات تک کا ہے، تیسرا حصہ وفاتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر آپ کی رُوح کے پرواز تک کا ہے۔

پہلا حصہ

اس حصے سے متعلق صرف چند چیزیں دستیاب ہوئی ہیں:۔

① حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستانہ تعلقات تھے اور جس طرح کہ دوستی عموماً میل ملاپ اور ملاقات کا باعث ہوا کرتی ہے، یہ دونوں بزرگ اس زمانہ میں بھی ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے، بلکہ تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں بکثرت جاتے تھے اور آنحضور

صلی اللہ علیہ وسلم بھی خانۂ صدیق میں عموماً تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حسب دستور اہل مکہ تجارتی کاروبار شروع کیا اور کپڑے کی تجارت میں خوب نام پیدا کیا۔

(۳) بغرض تجارت آپ کئی دفعہ شام گئے، ایک دفعہ وہاں آپ کی ملاقات بحیرا راہب سے بھی ہوئی۔ بحیرا راہب چونکہ دور دور تک مشہور تھا اور لوگ اس سے خوابوں کی تعبیر پوچھنے کیلئے بڑے بڑے سفر کر کے آتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی بحیرا راہب کے سامنے اپنا ایک خواب بیان کیا:۔

رَاٰی الْقَمَرَ نَزَلَ اِلٰی مَکَّۃَ فَدَخَلَ فِیْ کُلِّ بَیْتٍ مِّنْہُ شُعْبَۃٌ ثُمَّ کَانَ جَمِیْعُہٗ فِیْ حَجْرِہٖ فَقَصَّہَا عَلٰی بَعْضِ اَھْلِ الْکِتَابِ فَعَبَّرَھَا لَہٗ بِاَنَّہٗ یَتَّبِعُ النَّبِیَّ الْمُنْتَظَرَ الَّذِیْ قَدْ ظَلَّ زَمَانُہٗ وَاَنَّہٗ یَکُوْنُ اَسْعَدَ النَّاسِ اِلَیْہِ[1] (ترجمہ) "حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب دیکھا کہ مکہ شریف میں چاند اُتر آیا ہے اور ہر ایک گھر میں اس کی ایک ایک شاخ پہنچ گئی ہے، پھر چاند کے تمام حصے اکٹھے ہو کر ابوبکرؓ کی گود میں آگئے ہیں۔ آپ نے اپنا یہ خواب اہل کتاب میں سے بعض علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے تعبیر میں کہا کہ تو اُس نبی کی تابعداری کرے گا جس کی انتظار کا زمانہ ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ بہت قریب آچکا ہے اور تو اُس نبی کے قرب کی سب لوگوں کی نسبت زیادہ سعادت پائے گا ۔۔۔۔"

صاحب سیرت حلبیہ علی بن برہان الدین حلبی کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے جس عالم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خواب بیان کیا تھا وہ بحیرا راہب تھا۔

(۴) ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغرض تجارت یمن کے علاقہ میں گئے، وہاں ایک عالم سے ملاقات ہوئی جو قبیلہ ازد سے تھا اور کتب سماویہ کا علم رکھتا تھا۔ اس ازدی عالم نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا میں تجھے مکہ شریف کا باشندہ خیال کرتا ہوں، حضرت ابوبکرؓ نے اثبات میں جواب دیا، پھر اس ازدی عالم نے کہا میں تجھے قریشی خیال کرتا ہوں، آپ نے اس کے جواب میں بھی ہاں فرمایا، پھر اس ازدی عالم نے کہا میں تجھے تیمی یعنی بنو تیم میں سے خیال کرتا ہوں، اس کے جواب میں بھی حضرت ابوبکرؓ نے ہاں فرمایا

---

[1] سیرت حلبیہ جلد اوّل صفحہ ۲۱۰

چوتھی دفعہ اس عالم نے کہا کہ اب صرف ایک بات باقی رہ گئی ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تُو اپنے پیٹ سے کپڑا اتار دے، حضرت ابوبکرؓ نے انکار کیا، کافی تکرار کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اُتارا تو اس عالم نے کہا کہ واقعی تو وہی ہے جس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے، پہلی کتابوں میں چوتھی علامت ناف کے اوپر خال سیاہ لکھا ہوا ہے، یہ چاروں علامتیں اس شخص کی ہیں جو نبی آخر الزمان پر سب سے پہلے ایمان لائے گا اور اس کا بھاری معاون ہوگا اور اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا جانشین ہوگا۔

⑤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش میں صاحبِ عزت اور صاحبِ دولت تھے، رؤسائے قریش میں سب سے زیادہ صاحبِ اخلاق تھے۔ دُنیاوی مہمات میں قریش آپ سے مشورہ طلب کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے، اور اس قدر صاحبِ سخاوت تھے کہ ناواقف لوگوں کی حاجت روائی میں ضرب المثل تھے، تمام قریش کے محبوب تھے اور تعبیرِ خواب میں اپنی نظیر آپ تھے۔ امام محمد بن سیرینؒ فرمایا کرتے تھے کَانَ اَبُوْبَکْرٍ اِعْبَرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یعنی ابوبکرؓ تمام امت میں تعبیرِ خواب کے لحاظ سے مقدم تھے اور فائق تھے۔

⑥ عرب کے علوم وفنون میں علم انساب کو جو درجہ حاصل تھا وہ کسی دُوسرے علم وفن کو حاصل نہ تھا تمام عرب میں اس علم کو بڑا قبول حاصل تھا۔ کتب سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ انساب میں حضرت ابوبکرؓ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ عرب میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم الانساب میں کمال پیدا کیا تھا مگر وہ بھی حضرت ابوبکر صدیق کو اپنا استاذ تسلیم کرتے تھے۔[۱]

⑦ عرب میں حرب فجار کے نام سے کئی جنگیں ہوئی ہیں، سب سے آخری جنگ کے وقت آنحضورؐ کی عمر شریف بیس برس کی تھی، اس جنگ سے واپسی پر قریشِ مکہ نے مشورہ کیا کہ آئندہ جنگ بند کر دینا چاہیئے کیونکہ جنگ نے عرب کا ستیاناس کر دیا تھا۔ جنگ کی بندش کی صورت یہ تجویز کی کہ ظالم کی امداد نہ کی جائے اور مظلوم کی امداد کو فرض قرار دیا جائے۔ اس کے لیے ایک انجمن بنائی گئی جس کا نام حلف الفضول تجویز کیا گیا، اس انجمن کی ممبری کی شرط یہ تھی کہ ظالم سے بیزاری اور مظلوم کی

---

[۱] اطمینانِ قلب کے لیے دیکھو "سیرتِ حلبیہ جلد اوّل صفحہ ۳۰۹"

حمایت کی جائے۔ اس انجمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی شامل ہوئے تھے، آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس انجمن کی بعثت کے بعد بھی بہت تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اب بھی مجھے حلف الفضول میں شمولیت کی دعوت دی جائے تو میں ہر قیمت پر اس کو قبول کروں گا۔

(۸) کتب سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مکہ شہر میں ایک مہمان خانہ تعمیر کیا تھا۔ جس میں اُترنے والے مسافروں کو طعام و قیام کی سہولت ہوتی تھی اور ان سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔[۱]

(۹) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے قبولِ اسلام سے پہلے بھی کبھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی۔

اِنَّ اَبَابَکْرٍ لَمْ یَسْجُدْ لِصَنَمٍ قَطُّ وَقَدْ عَدَّ ابْنُ الْجَوْزِیِّ مِمَّنْ رَفَضَ عِبَادَۃَ الْاَصْنَامِ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَیْ لَمْ یَاْتِ بِھَا اَبَا بَکْرِ الصِّدِّیْقَ وَزَیْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلٍ وَوَرَقَۃَ بْنَ نَوْفَلٍ وَعُبَیْدَ اللّٰہِ بْنَ جَحْشٍ وَعُثْمَانَ بْنَ الْحُوَیْرِثِ وَرُبَابَ ابْنَ الْبَرَاءِ وَاَسْعَدَ بْنَ کُرَیْبٍ الْحِمْیَرِیَّ وَقُسَّ ابْنَ سَاعِدَۃَ الْاَیَادِیَّ وَاَبَاقَیْسِ ابْنَ صِرْمَۃَ۔[۲]

(ترجمہ) "تحقیق کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اور ابنِ جوزی نے ابو بکر صدیقؓ کو اور زیدؒ بن عمرو بن نفیل کو اور ورقہؒ بن نوفل کو اور عبیداللہؒ بن جحش کو اور عثمانؒ بن حویرث کو اور ربابؒ بن براء اور اسعدؒ بن کریب حمیری کو اور قسؒ بن ساعدہ ایادی کو اور ابو قیسؒ بن صرمہ کو اُن لوگوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے جاہلیت میں بھی بتوں کی عبادت نہیں کی تھی"۔

نوٹ: سیرتِ حلبیہ کی پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قبل از اسلام بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اور دوسری روایت جو محدث ابن جوزی نے نقل کی ہے اُس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ جاہلیت میں غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے والوں میں پہلا نمبر ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ان میں بعد از اسلام ایسا شرک موجود تھا جو چیونٹی کی چال چلتا تھا وہ صحیح نہیں۔ جو لوگ قبل از اسلام شرک کی تمام اقسام سے نفرت رکھتے تھے یہ کیسے

---

[۱] دیکھو سیرت حلبیہ جلد اول ص ۳۰۹ [۲] ایضاً ص ۳۰۵

ہو سکتا ہے کہ وہ بعد از قبولِ اسلام اس نجاست سے ملوث ہو جائیں؟

(۱۰) عربی زبان میں دِیَتْ خون بہا کو یعنی خون کی قیمت کو کہتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں خون بہا مقرر کرنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ تھا، خون کے مقدمے آپ کے پاس آتے تھے، آپ ہی ان مقدمات میں جو فیصلہ کرتے تھے وہ قریشِ مکہ کو منظور ہوتا تھا جس شخص پر خون کی قیمت ادا کرنا واجب ہو جاتی تھی اگر وہ فوراً ادا نہ کر سکتا تو اس کی ضمانت کے لیے صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ بغیر اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ تمام قریش اور ساکنانِ حرم آپ کو راست گو اور صاحبِ امانت جانتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔

وَكَانَ اِلَيْهِ الدِّيَاتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ اِذَا حَمَلَ شَيْئًا صَدَّقَتْهُ قُرَيْشٌ وَ اَمْضَوْا حُمَالَتَهٗ وَحَمَالَةَ مَنْ قَامَ اِنِ احْتَمَلَهَا غَيْرُهٗ خَذَلُوْهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوْهُ [1]

ترجمہ: "اور خون بہا کی تشخیص اور تعیین حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے ذمہ تھی، آپ جس بوجھ کو اٹھا لیتے تھے قریش اس کی تصدیق کرتے تھے۔ اور آپ کی اور آپ کے ساتھ ضمانت میں شریک ہونے والے کی ضمانت کو جاری کرتے تھے اور اگر کوئی اور شخص خون بہا کی ضمانت اٹھاتا تو قریش شرمندہ کرتے تھے اور تصدیق نہیں کرتے تھے۔" (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)

نوٹ:۔ یہ دس باتیں ہیں، ان میں غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ایسی جامع کمالات ہستی کا اسلام کے اندر داخل ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپ کے اسلام کے اندر داخل ہونے سے اسلام کے اندر داخل ہونے کے واسطے کوئی ہچکچاہٹ باقی نہ رہی بلکہ قاضی نور اللہ شوستری کے بیان کے مطابق آپ ہی کے اسلام قبول کرنے پر تمام قریش کے قبول اسلام کا مدار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا ہے تو قریشِ مکہ کے بڑے بڑے معزز آدمی اسلام کی طرف جھک آئے جیسا حضرت عثمان بن عفان اور زبیر بن العوام اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ وغیرہم۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

دُوسرا حصّہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل از اسلام دوستی اور محبت تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ دعوائے نبوت اور اظہار رسالت سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کو وہ نبی خیال کرتے تھے جس کی آمد کی انتظار تھی۔

وَاَخْرَجَ اَبُوْنُعَیْمٍ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَۃِ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اٰمَنَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ النُّبُوَّۃِ اَیْ عَلِمَ اَنَّہُ النَّبِیُّ الْمُنْتَظَرُ [1]

(ترجمہ) ــ ”اور ابونعیم نے بعض صحابہؓ سے روایت کی ہے کہ ابوبکرؓ نبوت سے پہلے آنحضورؐ پر ایمان لائے تھے۔ مراد یہ ہے کہ وہ آنحضور کو نبی منتظر یقین کرتے تھے“۔

نوٹ :۔ ناظرین کرام کو نبوت سے پہلے ایمان لانے پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ شامی راہب بحیرا اور ملک یمن کے ازدی عالم کی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات اور گفتگو پہلے نقل کی جاچکی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ واقعی حضرت ابوبکرؓ آنحضور کو دعوائے نبوت سے پہلے ہونے والا پیغمبر گمان کرتے تھے۔ اس سے سب سے پہلے ایمان لانے والے کا مسئلہ صاف ہوگیا ارباب تاریخ سب سے پہلے ایمان لانے والے کے بارے میں طویل گفتگو کرتے ہیں اور مختلف روایات کو ایک خاص دستور کے مطابق تطبیق دینے کی سعی مشکور کرتے ہیں، خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ لیکن جب ابونعیم صاحب ”حلیۃ الاولیاء“ کی روایت بالا کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور صحیح تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تو بلا اختلاف سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ٹھہرتے ہیں کیونکہ جن بزرگوں کی اوّلیت کی روایات آتی ہیں وہ صرف چار بزرگ ہیں۔

(۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ (۲) حضرت علی المرتضیٰ (۳) حضرت زید بن حارثہ (۴) حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ۔

اور یہ سب روایات دعوائے نبوت اور اظہارِ رسالت کے بعد کی ہیں، لیکن ان چاروں

---

[1] دیکھو سیرت حلبیہ جلد اوّل صفحہ ۳۱۰

بزرگوں میں سے صرف حضرت صدیق اکبرؓ ایک ہستی ہیں جن کے دعویٰ نبوت سے پہلے ایمان لانے کی روایت کتب حدیث میں پائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کانوں میں دعویٰ نبوت پہنچا تو آپ نے کوئی انکار نہیں کیا بلکہ تردد بھی ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ خدا کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا کَلَّمْتُ اَحَدًا فِی الْاِسْلَامِ اِلَّا اَبٰی عَلَیَّ، وَرَاجَعَنِیْ فِی الْکَلَامِ اِلَّا ابْنَ اَبِیْ قُحَافَۃَ فَاِنِّیْ لَمْ اُکَلِّمْہُ فِیْ شَیْئٍ اِلَّا قَبِلَہٗ وَاسْتَقَامَ عَلَیْہِ[1] (ترجمہ) "میں نے اسلام کے بارے میں جس سے بھی گفتگو کی اس نے سوال و جواب کیا مگر ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر نے کیونکہ میں نے اس سے جو بات بھی کہی اس نے قبول کر لی اور اس بات پر مضبوطی سے قائم رہا۔"

تاریخ و سیرت کا طالب علم جب اس موقع پر پہنچتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے اور اس قدر تسلیم و رضا اس کی سمجھ سے بالاتر ہو جاتی ہے مگر جو شخص اس نکتے کو سمجھ لیتا ہے جو ابھی مذکور ہوا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضور کو خدا کا رسول گمان کرتے تھے تو پھر حیرانی اور تعجب کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

غارِ حرا

مکہ معظمہ کی پہاڑیوں میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کا نام حرا ہے، اس میں ایک روپوش ہو جانے کی جگہ ہے جس کا نام غارِ حرا ہے، وہ شہرِ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، آنحضور لوگوں کے تعلقات سے نفور تھے، دنیا اور دنیا داروں سے کنارہ کشی آپ کو بہت پسند آتی تھی۔ اس لیے اس غار میں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے، کچھ خوراک بھی ساتھ لے جاتے تھے جب وہ خوراک ختم ہو جاتی تھی تو آپ اپنے گھر تشریف لاتے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ پھر اور خوراک مہیا کر کے آپ کو روانہ کر دیتیں، یہ سلسلہ مہینوں تک چلتا رہا۔ آخر الامر ایک رات آنحضورؐ اسی مقدس غار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو نبوت

---

[1] دیکھو سیرتِ حلبیہ جلد اول صفحہ ۳۱۰

کی خوشخبری سنائی اور سورۃ العلق کی ابتدائی آیات خدا تعالیٰ کی جانب سے آنحضور کو پہنچائیں۔

جب کل جہاں کے لیے حرا میں عرش سے پیام آیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم غار حرا سے اُٹھ کر شہر مکہ میں تشریف لاتے ہیں اور اپنے پرانے دوست ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ سے ملاقات ہوتی ہے اور اطلاع دیتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا ہے تو حضرت ابوبکرؓ فوراً اقرار کرتے ہیں کہ آپ بیشک خدا کے رسول ہیں اور بندگی کے قابل اُس ایک خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عمر کے چالیس برس پورے ہو چکے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کی عمر کے چالیس برس ابھی پورے نہیں ہوئے تھے بلکہ تقریباً اڑھائی برس کم تھے جس قدر نبوت کی شہرت ہوتی گئی اُسی قدر ساتھ ساتھ اِس نوجوان کی رفاقت اور نصرت بھی مشہور ہوتی گئی بلکہ بعض قریش کہنے لگے کہ محمدؐ نے نبوت کا دعویٰ از خود نہیں کیا بلکہ یہی ابو قحافہ کا بیٹا ہے جو اس سے تمام کارروائی کروا رہا ہے۔ قریش کا یہ خیال جہاں حضرت ابوبکرؓ کی اسلام سے نصرت اور ہمدردی کا پردہ اٹھاتا ہے اُنکی یہ رائے بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر یہ شخص محمد کی امداد نہ کرے تو اس نئے مذہب میں کوئی انسان بھی داخل نہ ہو۔ گو قریش حضرت ابوبکرؓ سے محبت رکھتے تھے مگر جب آپ نے علی الاعلان حضورؐ کی حمایت شروع کر دی تو جس طرح یہ لوگ آپ کے دشمن ہو گئے اسی طرح وہ حضرت ابوبکرؓ کے بھی درپے آزار ہوئے۔ تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنے میں یہ دونوں بزرگ مساوی قدم ہیں۔ قریش نے جیسا کہ حضورؐ کو دُکھ دینے میں کچھ کمی نہیں کی، ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایذائیں پہنچاتے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

اوائل اسلام کا زمانہ تھا کہ آپ نے لوگوں کو علی الاعلان دعوت دینِ اسلام دی، اور ایک پُرجوش تقریر کی۔ اسلام کے اندر یہ پہلا خطبہ تھا اور ابوبکر صدیقؓ پہلے خطیب تھے۔ قریشِ مکہ اس تقریر کو برداشت نہ کر سکے اور اس خطیب کو اس قدر پیٹا کہ بیہوش ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں کو اس کی موت کا یقین ہو گیا۔ آپ کے والد ماجد ابو قحافہ اور دوسرے بنی تیم آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے، سب نے کوشش کی کہ گفتگو کرے مگر بیہوشی نے طول پکڑا، یہاں تک کہ بقیہ تمام دن بیہوشی میں گذر گیا، شام کے وقت حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو بولے حضرت محمدؐ کہاں ہیں؟ خدا کے رسول کہاں ہیں! میرے محبوب کہاں ہیں؟ لوگوں نے توجہ پھیرنے کے لیے بہت کوشش کی اور دوسری باتوں

میں لگانے کے واسطے بہت زور مارا مگر حضرت ابوبکرؓ برابر کہتے جاتے تھے خدا کے رسول کہاں ہیں؟ آخر آپ کی والدہ نے کہا کہ مجھے تیرے دوست کا علم نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی والدہ سے کہا کہ اُم جمیل کے پاس جا کر خدا کے رسول کا پتہ لے، وہ اُم جمیل کے پاس گئیں اور حضورؐ کا پتہ دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ میں نہ ہی ابوبکرؓ کو جانتی ہوں اور نہ ہی محمدؐ کو پہچانتی ہوں پھر وہی اُم جمیل کہنے لگی کہ اگر تو چاہتی ہے تو میں تیرے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ نے کہا کہ ضرور آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔ چنانچہ اُم جمیل ان کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لائیں، جب حضرت ابوبکرؓ کو ایسی حالت میں پایا تو بے اختیار چیخ اُٹھیں اور کہا کہ جن لوگوں نے تیرے ساتھ ایسا بُرا سلوک کیا ہے وہ سخت بے فرمان ہیں اور مجھے امید قوی ہے کہ خدا تعالیٰ ان نافرمانوں سے بدلہ لے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُم جمیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا، اُس نے جواب دیا کہ آپ کی والدہ صاحبہ موجود ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، میری والدہ کا کوئی فکر نہ کرو، امراد یہ تھی کہ راز کو فاش نہیں کرے گی، اُم جمیل نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بخیر و عافیت دارِ ارقم میں موجود ہیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ میں جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کر لیتا کھانے کو ہاتھ نہ لگاؤں گا اور پانی کو منہ نہ لگاؤں گا، آپ کی والدہ شریفہ کہتی ہیں کہ پھر ہم نے انتظار کیا، یہاں تک کہ گلیوں، بازاروں میں لوگوں کی آمد و رفت بند ہو گئی اور ہم ابوبکرؓ کو حضورؐ کی خدمت میں لے چلے، راستے میں ابوبکرؓ مجھ پر ٹیک لگا کر چلتا تھا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ قریشِ مکہ کی زد و کوب کا اندازہ یہاں سے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ پاؤں میں اتنی طاقت نہ رہی تھی جو دوسرے پر تکیہ کی حاجت نہ ہو۔ خیر بہر حال آپ ارقم کے گھر پہنچے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر حضرت ابوبکرؓ کی اس حالت کا گہرا اثر ہوا، آپ نے ابوبکرؓ کو گلے لگا لیا اور پیشانی کو چوما اور آپ کی آنکھوں نے از راہِ قدر دانی ابوبکرؓ پر وہ موتی نچھاور کیے جو دل کی گہرائیوں سے برآمد ہوئے تھے اور ظاہر بین لوگوں کی نگاہوں میں آنسو کہلاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض گذاری اے خدا کے رسول! میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں، مجھے اور کوئی تکلیف باقی نہیں، آپؐ کے دیدار

سے ہی سب تکلیفیں دُور ہوگئی ہیں مگر افسوس کہ قریش نے میرا چہرہ زخمی کر دیا ہے، دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ ان چہرے کے زخموں کو اچھا کر دیں، نیز میری والدہ مجھ پر بڑی مہربان ہے دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اسے ہدایت دے اور دوزخ کی آگ سے بچالے اُسی وقت آنحضورؐ نے دُعا کی اور آپ کی والدہ فی الفور اسلام لے آئیں۔

ابوبکر صدیقؓ اور شعب ابی طالب

۷ ھ نبوی میں قریش مکہ نے اس قطع تعلق اور بائیکاٹ کا اعلان کیا جو دُنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سلام کلام، لین دین، رشتہ ناطہ سب موقوف کر دیئے گئے اور آنحضورؐ کو معہ بنو ہاشم کے شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ اس نازک وقت میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضورؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ شعب ابی طالب میں حضرت ابوبکرؓ کا بنو ہاشم کے ہمراہ محصور رہنا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر حضرت ابوطالب خود گواہ ہیں جس وقت حضرت ابوطالب محاصرہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی شعب ابی طالب سے نکلے ہیں حضرت ابوطالب نے ایک طویل قصیدہ سپرد قلم فرمایا ہے جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

هُمُ رَجَعُوا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِيًا
وَسَرَّ اَبُوْبَكْرٍ بِهَا وَ مُحَمَّدٌ [1]

(ترجمہ) قریشیوں نے بیضا کے بیٹے سہل کو خوش کر کے واپس کیا۔
اور ابوبکرؓ اور محمدؐ دونوں اس پر خوش ہو گئے۔

نوٹ:۔ تاریخ اور سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سہل بن بیضا قریش کے صحیفہ کو پھاڑنا چاہتا تھا اور اس کو ضائع کر کے بنو ہاشم کو واپس مکہ شہر میں بسانے کا پروگرام رکھتا تھا۔ جب اس ظالم صحیفہ کے پھاڑ ڈالنے پر پانچ سردار مکہ متفق ہو گئے اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا تو سہل بن بیضا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، اس کو حضرت ابی طالب نے اپنے اس

---

[1] دیکھو ناسخ التواریخ جلد ۲ از کتاب اوّل ص ۶۲۲

شعر میں واضح کیا کہ سہل بن بیضا کامیابی کی وجہ سے خوش ہو گیا اور ابوبکرؓ اور محمدؐ تمام بنو ہاشم کے محاصرہ سے نجات پانے کی وجہ سے خوش ہو گئے معلوم ہوا جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعب ابی طالب میں محصور تھے، ٹھیک اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں قید تھے اور قید و بند کی صعوبت برداشت کرنے میں دونوں برابر کے شریک تھے۔ اگرچہ محاصرہ سے نجات پانے کے بعد کچھ قریشی بزرگ آپ کو تکلیف دینے سے باز آ گئے تھے مگر پھر بھی اکثریت ظالموں ہی کی تھی اور مسلمانوں کو برابر تنگ کیا جاتا تھا۔

معراج اور ابوبکر صدیقؓ

سنہ ۱۲ نبوت رجب کی ۲۷ ویں رات کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خداوند تبارک و تعالےٰ نے تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آپ نے بہشت اور دوزخ کا معائنہ فرمایا۔ صبح کے وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا یہ عجیب و غریب سفر بیان کیا تو کفار نے ہنسی مخول میں دھر لیا اور خوب مذاق بنایا، جس کے اثر سے بعض مسلمان بھی محفوظ نہ رہ سکے، مگر کیا شان ہے ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کی کہ سنتے ہی ایسی تصدیق کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے صدیق کا لقب پایا۔ اس موقع کی یاد میں ابو محجن ثقفی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دو شعر قابلِ دید ہیں ؎

وَسُمِّیتَ صِدِّیقًا وَکُلُّ مُھَاجِرٍ — سِوَاکَ یُسَمّٰی بِاسْمِہٖ غَیْرُ مُنْکَرٍ
سَبَقْتَ اِلَی الْاِسْلَامِ وَاللّٰہُ شَاھِدٌ — وَکُنْتَ جَلِیْسًا بِالْعَرِیْشِ الْمُشْھَرٖ[۱]

(ترجمہ) "اور تمہارا نام صدیق رکھا گیا اور تمہارے سوا جس قدر مہاجر ہیں اپنے اپنے نام سے بلائے جاتے تھے اس بات کا کوئی منکر نہیں ہے ---- اور تو ہی ہے کہ دوڑ کر اسلام کی طرف آیا اور اس پر خدا گواہ ہے اور تو ہی پیغمبر کا عریشِ بدر میں ہمنشیں تھا۔"

---

[۱] دیکھو عنوان النجابۃ ص ۱۷

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ہجرت

حضورؐ نے ۱۳؁ نبوت کا ہلالِ ربیع الاول اُس رات دیکھا جس رات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہو چکا تھا۔ ہجرت وطن کے چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔ خداوند تبارک و تعالیٰ کے حکم سے آپ وطن کے ترک کر دینے پر مستعد ہو گئے۔ دارالندوہ یعنی مجلسِ مشاورت میں فیصلہ ہُوا تھا کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک آدمی منتخب کر لیا جائے۔ اور یہ سب منتخب شدہ اشخاص محمدؐ پر یکبارگی حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں تاکہ اس خون کا بوجھ تمام قبائل عرب پر پڑ جائے اور بنو ہاشم اس خون کا بدلہ لینے سے عاجز رہ جائیں۔ اس فیصلہ کے فوراً بعد انتخاب عمل میں آیا اور حسبِ قرارداد حضورؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ عرب لوگ زنانہ مکان میں داخل ہونا معیوب سمجھتے تھے اسلیے باہر ٹھہرے رہے تاکہ آپؐ جونہی اپنے مکان سے نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ جب کسی کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اپنی قدرتِ کاملہ کے عجیب و غریب نمونے دکھاتے ہیں۔ حضور پُرنور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم میری جگہ پر سو جاؤ اور صبح اہلِ مکہ کی امانتیں اُن کے حوالہ کر کے میرے پاس یثرب پہنچ جاؤ، چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر آرام کے ساتھ سو گئے اور آنحضورؐ کے گھر سے نکلنے کے وقت ابوجہل، ابولہب، حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث، اُمیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، دروازے پر آپؐ کے قتل کرنے کیلئے موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی، جب آپ

پر پہنچے تو خداوند تعالیٰ نے ان سب

کی آنکھوں سے حضورؐ کو دیکھنے کی طاقت سلب کر لی، وہ لوگ جاگتے رہے اور سب کچھ دیکھتے رہے مگر آنحضورؐ کو دیکھ نہ سکے۔ بفضلِ تعالیٰ آنحضور سیدھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر سے آپ ثانی اثنین ہو کے نکلے تو راستے میں سامنے سے ابوجہل دکھائی دیا، خدا تعالیٰ نے ابوجہل کی آنکھوں پر قبضہ کر لیا کہ نہ اُس کو ابوبکر صدیق نظر آئے اور نہ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھنے میں آئے۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ خَرَجْتُ مِنَ الْخَوْخَةِ مُتَنَكِّرًا فَكَانَ

اَوَّلُ مَنْ تَقِيَنِیْ اَبُوْجَهْلٍ، فَاَعْمَى اللّٰهُ بَصَرَهٗ عَنِّیْ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرٍ حَتّٰی مَضَیْنَا۔[1]

(ترجمہ) "حضورؐ نے فرمایا کہ میں ابوبکرؓ کے گھر سے غیر معروف دریچے سے نکلا تو سب سے پہلے جو شخص میرے سامنے آیا وہ ابوجہل تھا پس خدا تعالیٰ نے اس کی نگاہ کو مجھ سے اور ابوبکرؓ سے روک دیا اور ہم دونوں چلتے رہے۔"

رات کا وقت تھا، پتھریلی زمینوں سے گذرنا تھا، دونوں مسافر پاؤں میں پاپوش نہیں رکھتے تھے بلکہ پابرہنہ سفر کر رہے تھے اور زمین پر پاؤں پورا نہیں رکھتے تھے بلکہ ایڑیاں زمین سے دور رکھتے تھے صرف پاؤں کی انگلیوں کے بل چل رہے تھے تاکہ کھوج لگانے والوں کو پتہ نہ چل سکے۔ اس صورت میں پائے مبارک کا زخمی ہونا قرین قیاس تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو کندھے پر اٹھالیا اور خوب زور سے دوڑ کر اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔

فَمَشٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَتَهٗ عَلٰى اَطْرَافِ اَصَابِعِهٖ لِئَلَّا يَظْهَرَ اَثَرُ رِجْلَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى حَفِيَتْ رِجْلَاهُ فَلَمَّا رَاٰهُمَا اَبُوْبَكْرٍ قَدْ حَفِيَتَا حَمَلَهٗ عَلٰى كَاهِلِهٖ وَجَعَلَ يَشْتَدُّ بِهٖ حَتّٰى اَتٰى فَمَ الْغَارِ فَاَنْزَلَهٗ[2] (ترجمہ) "پس حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس رات انگلیوں کے بل چلتے رہے تاکہ زمین پر پاؤں کے نقوش ظاہر نہ ہوں یہانتک کہ آپ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے پھر جب ابوبکرؓ نے یہ حالت دیکھی تو اپنے کندھے پر سوار کرلیا اور حضورؐ کو اٹھا کر دوڑنے لگے یہانتک کہ آپ کو اس غار کے دروازے پر جا اتارا"۔

نوٹ: جس پہاڑی کی چوٹی پر یہ مقدس غار ہے اس کی شکل بیل سے ملتی جلتی ہے۔ اس واسطے اس کو ثور کے نام سے پکارتے ہیں۔ عربی زبان میں بیل کو ثور کہا جاتا ہے۔ یہ غار مکہ شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ پہاڑی پر چڑھنا بجائے خود ایک سخت مشکل کام ہے مگر وزن اٹھا کر چڑھنا تو ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو بوجھ اٹھایا اور اٹھا کر پہاڑی پر چڑھے تو اس کی نظیر صفحاتِ تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ اس سفر میں کس کو ساتھ رکھوں؟

---

[1] سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۳۶ [2] ایضاً

تو جواب آیا تھا کہ ابوبکرؓ کو ساتھ رکھو۔[1]

خداوند کریم جانتے تھے کہ ایسے مشکل اوقات میں جس اخلاص کی ضرورت ہے وہ صرف اس تیمی جوان میں ہے، اس لیے اس نے رفیقِ ہجرت آپ کو منتخب کیا۔ میرے نزدیک یہی انتخابِ الٰہی انتخابِ خلافت ہے اور مہاجرین اور انصار نے جو ابوبکر صدیقؓ کو حضورؐ کا خلیفہ انتخاب کیا تو یہ اسی انتخاب کا ثمرہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک ایسا ہی کٹھن سفر درپیش ہوا تھا تو یوشع بن نون کو رفیقِ سفر بنایا تھا جیسا کہ سورۃ کہف میں مذکور ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا۔ اور آپ کے بعد وہی رفیقِ سفر یوشع بن نون خلیفہ بنے تھے، پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مہاجرین اور انصار کسی دوسرے بزرگ کو خلیفہ منتخب کرتے؟ یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اور انصار میں سے اکثر حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے وقت آیتِ غار کی تلاوت کی۔

اس غار میں تین دن رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ خلوت گزیں رہے ہیں۔ قریشِ مکہ کو جب علی الصباح معلوم ہوا کہ جس کی ہمیں طلب ہے وہ تو ہاتھ سے نکل گیا ہے، تو سَو اونٹ کے بھاری انعام کا اشتہار دے دیا کہ جو شخص محمدؐ اور ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ سرخ انعام میں دیئے جائیں گے۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لیے مکہ کی پہاڑیوں میں بڑے بڑے بہادر پہلوان چکر کاٹنے لگے، یہاں تک کہ ایک جماعت تلاش کرتے کرتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی جس میں یہ دونوں غریب الوطن روپوش تھے مگر جس خدا نے مکہ شہر میں کفار کی آنکھوں سے ان دونوں بزرگوں کو دیکھنے کی قوت سلب کر لی تھی وہ خدا مکہ سے تین میل دور پہاڑی پر ان کی آنکھوں کو شرفِ دیدارِ پیغمبرؐ اور رفیقِ پیغمبرؐ سے کب مشرف کرتا تھا۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک لطیفہ اصل بات دل کی ہے جو حضورؐ کو اور آپ کے اس رفیق کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتے تھے یعنی دل سے ان کو بُرا جانتے تھے، خدا تعالیٰ نے ان کو

---

[1] دیکھیے تفسیر امام حسن عسکریؒ ص ۱۶۴ برحاشیہ تفسیر قمی

ظاہری آنکھوں سے بھی محروم کر دیا۔ جب حضور نبی کریمؐ اپنے گھر سے نکلے تو کفار کے پاس سے گذرے
تھے مگر وہ دیکھ نہ سکے تھے، اسی طرح جب آنحضورؐ اور ابو بکر صدیقؓ ابو بکرؓ کے گھر کے دریچہ سے نکلے
تو ابو جہل کے پاس سے گذرے تھے مگر اُس کو دونوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا، اور اب وہ
غار کے اوپر پھر رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ثانی اثنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ خدا کے
رسول! اگر وہ اپنے پاؤں کے نیچے نظر کریں تو ہمیں دیکھ لیں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اے ابو بکرؓ!
مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا یعنی تیرا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا خدا
ہو۔ مطلب حضورؐ کا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے اُن کی آنکھوں سے ہمیں دیکھنے کی طاقت سلب کر لی ہے
یہ لوگ ہمیں ہرگز نہ دیکھ سکیں گے۔

وہاں ایک درخت اور مکڑی کے جالے کو دیکھ کر سب کے سب کہنے لگے کہ یہ درخت
اور مکڑی کا جالا تو محمد کے پیدا ہونے سے بھی پہلے کا ہے چلو کہیں اور جگہ سے تلاش کرو۔ کتب سیرت
بتلاتی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹا دن کو پھرتا پھراتا بکریاں چراتا ادھر آجاتا تھا اور ان دونوں خلوت نشینوں
کو بکریوں کا دودھ پلا جاتا تھا اور رات کے اندھیرے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی اسماءؓ گھر سے روانہ
ہوتی اور کھانا کھلا کر واپس چلی جاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سفر میں حضورؐ کی خدمت جس قدر ابو بکرؓ
اور اس کے گھرانے سے صادر ہوئی ہے اور کسی فردِ بشر سے نہیں ہوئی۔ اسی لیے حضور فرماتے تھے کہ
جس کسی نے مجھ پر احسان کیا ہے میں نے دنیا ہی میں اس کا بدلہ دے دیا ہے مگر ایک ابو بکرؓ ایسا
شخص ہے کہ اُس کے احسانوں کا بدلہ مجھ سے ادا نہیں ہو سکا، خدا تعالیٰ ہی قیامت کے دن اسے بدلہ
دے گا اور فردوس بریں میں اس کو جگہ عطا کرے گا۔ تین دن رات اس غارِ ثور میں گذار کر حضور نبی کریم
اور ابو بکر صدیقؓ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سراقہ بن مالک کا قصہ

سراقہ بن مالک کا بیان ہے (جس کو صاحب سیرتِ حلبیہ نے جلد ۲ ص ۴۵ پر لکھا ہے) کہ
قریشِ مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد یا ابو بکرؓ کو گرفتار کر کے یا قتل کر کے ہمارے پاس لائے گا
اُس کو ایک سو اونٹ انعام دیا جائے، اور جو شخص دونوں کو گرفتار کر کے یا قتل کر کے لائے گا اُس کو

دو سو اونٹ انعام ملے گا۔اس قدر بھاری انعام نے سراقہ بن مالک کو اپنی جگہ پر بیٹھنے نہ دیا اُس نے گھوڑے پر زین ڈالی اور نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے مکہ معظمہ پہنچا اور انعام کی تصدیق کے بعد یثرب کی طرف گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا اور اتفاقاً محمدؐ اور ابوبکرؓ کو پہنچ گیا۔ غار سے روانگی کے بعد آپؐ کے پاس دو اُونٹ تھے، ایک اونٹ پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سوار تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے اور دُوسرے اونٹ پر حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ اور راہ بتلانے والا شخص سوار تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُونٹ کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے اِدھر اُدھر آگے پیچھے مُڑ کر نہ دیکھتے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر طرف نگاہ رکھتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے مُڑ کر دیکھا سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار ہے اور قریب پہنچ گیا ہے۔ سراقہ نے بھی اس قافلہ کو پہچان لیا اور دو سو اُونٹ کے دستیاب ہونے کی اُمیدیں مضبوط ہو گئیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی یارسول اللہ! دشمن آ پہنچا، آنحضورؐ نے یہاں بھی فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا مراد یہ تھی کہ جس طرح غار کے دہانے پر دشمن پہنچ گئے تھے اور خدا تعالیٰ نے امداد فرمائی تھی اسی طرح یہاں بھی خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا غم نہ کر ہمارا امن فوت نہیں ہوا۔ بس آنحضورؐ کی زبان سے یہ فقرہ نکلا ہی تھا کہ سراقہ بن مالک کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے بہت زور مارا مگر گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکل نہ سکے، آخر سمجھ گیا کہ میں جس کے آزار کے درپے ہوں۔ اُسی کی دعا کا یہ اثر ہے اور بیشک خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے، عرض کی کہ بیشک آپ خدا کے رسول ہیں دعا کریں کہ خدا تعالیٰ میرے گھوڑے کو چھوڑ دیں، مَیں آپ کا کوئی نقصان نہ کروں گا، بلکہ دُوسرے لوگوں کو بھی کہتا جاؤں گا کہ تمہارا مطلوب اِدھر نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے دربار میں عرض کی اور اس گھوڑے کو خدا کی زمین نے چھوڑ دیا۔ جب سراقہ کو آپ کی صداقت اور خداوندی حمایت کا یقین ہو گیا۔ گو اُس وقت وہ اسلام میں ظاہراً داخل نہ ہُوا لیکن اسلام اس کے قلب کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں عرض گذار ہوا کہ جس وقت خدا تعالیٰ آپ کو تمام عرب پر حکومت دیویں مجھے اس وقت امان ملنی چاہیئے۔ آنحضورؐ نے اقرار کیا۔ سراقہ نے اسی وقت امان لکھنے کو کہا آنحضورؐ نے عامر بن فہیرہ سے لکھ دینے کا ارشاد کیا۔ جب عامر بن فہیرہ لکھنے لگے تو سراقہ نے کہا کہ ازراہِ کرم ابوبکر سے لکھوا دیجیے۔ آپ

نے ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ تم لکھ دو۔ حسب الارشاد حضرت ابوبکر صدیق نے امان نامہ لکھ دیا اور سراقہ بن مالک اگرچہ دو سو اونٹ حاصل نہ سکا مگر جو چیز اس نے حاصل کی اس پر ہزاروں کیا لاکھوں اونٹ قربان کئے جا سکتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب آنحضورؐ حنین کی جنگ سے فارغ ہوئے تو سراقہ آپ کی ملاقات کے لئے موضع جعرانہ میں حاضر ہوا۔ جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہ تھے وہ سراقہ بن مالک کو ڈانٹتے رہے اور خدا کے رسول کے نزدیک جانے نہ دیتے تھے۔ سراقہ کہتا ہے کہ میں کسی طرح حضورؐ سے نزدیک ہو گیا اور اپنے داہنے ہاتھ میں وہ امان نامہ لے کر بلند کیا اور بلند آواز سے گزارش کی کہ خدا کے رسول! یہ وہ امان نامہ ہے جو آپؐ نے لکھوا دیا تھا اور میں سراقہ بن مالک ہوں۔ آنحضورؐ نے مرحبا سے جواب دیا اور فرمایا کہ آج کا دن وفا کا دن ہے اور آج کا دن بشارت کا دن ہے۔ میرے نزدیک آجا۔ میں نزدیک ہو گیا اور اسلام قبول کیا۔ کسی شاعر نے اسی قسم کے مواقع کے لئے کہا ہے اور سچ کہا ہے ؎

خود بخود آں مہ دلدار بہ برمے آید
نہ بزور و نہ بزاری نہ بزرمے آید

ایک نکتہ سراقہ بن مالک کے اس قصہ میں آیا ہے کہ عامر بن فہیرہ امان نامہ لکھنے لگا تو اس نے بجائے اس کے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لکھوانے سے متعلق گذارش کی۔ اور آپ نے بحکم نبوت امان نامہ لکھ دیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ بات سوچنے کے قابل ہے۔ میری ناقص رائے میں اس کی وجہ وہ اتحاد ہے جو حضور انور اور صدیق اکبر میں تھا۔ جس کی وجہ سے سراقہ کا ذہن خلافت کی جانب منتقل ہو گیا نیز گزر چکا ہے کہ تمام عرب میں حضرت ابوبکر صدیق معزز و مکرم تھے ہو سکتا ہے کہ سراقہ کی گذارش کی وجہ یہ دوسری چیز ہو۔ بہر حال سراقہ کی یہ کارروائی ابوبکر صدیق کی منقبت اور فضیلت سے خالی نہیں ہے۔

بریدہ بن الحصیب اسلمی کا قبولِ اسلام

مدینہ شریف جاتے ہوئے راستے میں بریدہ اسلمی سے ملاقات ہوئی۔ بریدہ نے بھی سنا تھا کہ جو شخص محمدؐ اور ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے قریش مکہ کے حوالے کریگا وہ دو سو اونٹ انعام لے گا۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے بریدہ اسلمی مع استی ۸۰ نوجوانوں کے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ خدا کی قدرت

ایسی ہوئی کہ بریدہ کی حضورؐ سے ملاقات ہوگئی۔ آنحضورؐ نے نام پوچھا۔ ملاقاتی نے کہا کہ میرا نام بریدہ ہے آنحضورؐ نے ابوبکر صدیقؓ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے خلاف جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی ہو جائے گی اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر حضورؐ نے پوچھا تو کس قوم سے ہے؟ جواب میں کہا کہ میں اسلم سے ہوں جو سہم کی اولاد میں سے تھا۔ یہ جواب سُن کر حضورؐ نے فرمایا کہ ہم کفارِ مکہ کے شر سے بچ گئے ہیں۔ اے ابوبکرؓ تیرا حصہ نکل آیا ہے۔ اس کے بعد بریدہ نے آپ کا نام پوچھا۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں محمد ہوں عبداللہ کا بیٹا ہوں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔ خدا کا رسول ہوں۔ بریدہ نے فوراً کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ بریدہ کا اسلام لانا تھا کہ اس کے تمام ساتھی کلمہ اسلام پڑھتے ہوئے اسلام میں داخل ہوگئے۔

نکتہ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی حرص رکھتے تھے اس دنیا میں اور کوئی مقصد نہ تھا اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اسلام کی ترقی کو اپنا نصب العین جانتے تھے۔ اسی واسطے آنحضورؐ نے بریدہ اور اس کے ہمراہیوں کو جو تعداد میں ۸۰ سے کم نہ تھے ابوبکر کا حصہ بتلایا اور فرمایا کہ خَرَجَ سَهْمُكَ يَا اَبَابَكْرٍ یعنی اے ابوبکر! یہ تیرا حصہ ہے جو اپنے گھروں سے نکل کے آیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ لوگ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ اور آنحضور کو مدینہ منورہ میں پہنچا کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔

مدینہ منورہ میں داخلہ

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳ نبوت، سوموار کے دن علی الصباح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مع ابوبکرؓ قبا سے روانہ ہوکر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جس جگہ آپؐ نے نزولِ اجلال فرمایا وہاں انصار مدینہ ملاقات کے لئے حاضر ہونے لگے۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے ابھی تک آنحضور کو دیکھا ہوا نہ تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اگرچہ عمر میں آنحضور سے چھوٹے تھے مگر داڑھی اور سر میں سفید بال آگئے تھے بخلاف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آپ کے سر اور داڑھی مبارک میں کوئی ایک بال بھی سفید نہ آیا تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ مہاجرین میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسے تھے جن کے سفید بال آگئے تھے ان کے علاوہ کسی مہاجر کے سفید بال نہیں آئے ہوئے تھے۔ پس جن لوگوں نے

آنحضورؐ کو دیکھا ہُوا نہ تھا وہ سفید بالوں کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مصافحہ کرنے کے لیے جُھکتے تو آپ فوراً ملاقاتی کا ہاتھ پکڑ کر آنحضورؐ کی طرف پھیر دیتے۔ مدینہ منورہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ مدینہ منورہ کے قدیم باشندوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے آپ کی ملاقات کا اشتیاق نہ ہُوا ہو، اس وجہ سے یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور سُورج کی شعاعیں حرارت پیدا کرنے لگ گئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر آنحضورؐ کے اوپر تان کر سایہ بنایا تاکہ آپؐ سُورج کی گرمی سے بچ جائیں اور ملاقاتیوں کو جو شبہ ہو رہا تھا وہ بھی دُور ہو جائے، ہر کوئی سمجھ لے گا کہ جو سایہ کر رہا ہے یہ غلام ہے اور جس کے سر پر سایہ کیے ہوئے ہے وہ آقائے دوجہان ہے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

مدینہ منورہ میں جب مسجد کے لیے زمین خرید لی گئی اور اس زمین کو صاف کر لیا گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد رکھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ارشاد فرمایا کہ میری اینٹ کے ساتھ تم ایک اینٹ رکھ دو۔ پھر حضرت عمرؓ بن الخطاب سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ایک اینٹ اٹھا کر ابوبکر صدیقؓ کی اینٹ کے ساتھ رکھ دو۔ پھر حضرت عثمانؓ بن عفان سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ایک اینٹ اٹھا کر عمرؓ بن الخطاب کی اینٹ کے ساتھ رکھ دو۔ اس کے بعد تمام لوگوں کو اینٹیں لانے کا حکم دے دیا۔ علمائے حدیث نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی کی بنیاد میں جو کارروائی عمل میں آئی تھی، خلافتِ نبوت کی طرف اشارہ تھا۔ بلکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب تینوں بزرگ اینٹیں رکھ چکے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے بعد میرے جانشین ہوں گے۔[1]

سوال:۔ اگر مسجدِ نبوی کی بنیاد میں یہ کارروائی خلافت کیلئے تھی تو پھر حضرت علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہ سے کیوں اینٹ نہ رکھوائی؟

جواب:۔ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تمام اہلِ اسلام میں مسلّم ہے مگر کچھ دیر اس

---

[1] دیکھو سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۱

میں اختلاف ہُوا تھا، اس اختلاف کے باعث چوتھی اینٹ متصلاً ساتھ نہ رکھی گئی تھی۔ برخلاف اس کے مذکورہ بالا تینوں بزرگوں کی خلافت کا انکار کرنے والے کافی تعداد میں ہیں، ان کی خلافت اجماعی تھی اس لیے آنحضورؐ نے اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کی طرف اشارہ ضروری سمجھا اور خلیفۂ چہارم کی خلافت کی توضیح کی ضرورت نہ سمجھی حضرت حسنؓ کی صلح کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت بھی اجماعی ہوگئی تھی اور اب خارجیوں کے سوا اس کا کوئی منکر نہیں ہے۔

عریشِ بدر اور حضرت ابوبکرؓ

۱۲ رمضان شریف ۲ھ کو مدینہ منورہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ تین سو تیرہ غازیوں کے کفار کی اس فوج کی مدافعت کے لیے نکلے جو مکہ معظمہ سے مسلمانوں کے استیصال اور بیخ کنی کے واسطے روانہ ہوئی تھی۔ مقام بدر میں دونوں جماعتوں کا اجتماع ہوگیا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس میدان میں صحابۂ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک چھوٹا سا چھپر بنایا تاکہ آپ اس میں خدا کی عبادت کریں اور آرام پائیں اور باقی تمام لشکر میدان میں کفر کا مقابلہ کرے۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ آنحضورؐ کی حفاظت کیلئے کوئی آدمی اس چھپر میں رہنا چاہیئے اگر دشمن حملہ کرے تو مدافعت کرے۔ اس موقع پر میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بیان پیش کرتا ہوں:۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لِجَمْعٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ اَشْجَعِ النَّاسِ قَالُوْا اَنْتَ! قَالَ رض اَشْجَعُ النَّاسِ اَبُوْبَكْرٍ، لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ جَعَلْنَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرِيْشًا فَقُلْنَا مَنْ يَّكُوْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِئَلَّا يَهْوِيَ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَوَاللّٰهِ مَا دَنٰى مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوْبَكْرٍ شَاهِرًا بِالسَّيْفِ عَلٰى رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَهْوِيْ اِلَيْهِ اَحَدٌ اِلَّا اَهْوٰى اِلَيْهِ[1] ـــــ (ترجمہ) حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے صحابہؓ سے پوچھا تمام مسلمانوں سے زیادہ بہادر کون ہے؟ جواب آیا کہ آپ سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ حضرت علیؓ نے

---

[1] دیکھو سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۱۶۶

فرمایا سب سے زیادہ بہادر ابوبکرؓ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بدر کے میدان میں ہم نے خدا کے رسول کے لیے ایک چھپر بنایا تھا، اور کہا تھا کہ کون ہے جو اس چھپر میں خدا کے رسول کے ساتھ رہے؟ تاکہ کوئی مشرک اس چھپر کا قصد نہ کرے۔ پس خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص اس ڈیوٹی کے لیے تیار نہ تھا سوائے ابوبکرؓ کے، آپ نے تلوار کھینچ کر حضور کے سر اقدس پر پہرہ دیا، جو مشرک ادھر حملے کا ارادہ کرتا تھا حضرت ابوبکرؓ مدافعت کے لیے کمربستہ تھے۔"

نوٹ: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اَشْجَعُ النَّاس کے لقب سے یاد کیا ہے۔

امارتِ سریہ

سنہ ۶ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک فوجی دستے کا امیر بنایا گیا۔ بنوفزارہ میں ایک عورت تھی جس کا نام تھا ام قرفہ ـــ اس عورت کا خاندان کثیر تعداد نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ ساری قوم اس عورت کو اپنا سردار تسلیم کرتی تھی۔ اس عورت ام قرفہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی، آنحضورؐ کا نام سنتی تو دل کھول کر گالیاں دیتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی یارسول اللہ! خبر آئی ہے کہ ام قرفہ اپنی قوم کو لڑائی کے لیے تیار کر رہی ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ وادی القریٰ میں جا کر بنوفزارہ کی سرکوبی کریں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تقریباً ایک سو آدمی ہمراہ لے کر بنوفزارہ پر جا پہنچے بنوفزارہ کے لوگ لشکرِ اسلام دیکھ کر مقابلہ کی طاقت نہ لا کر بھاگ نکلے، ام قرفہ کو قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ رمضان شریف میں پیش آیا۔

بیعتِ رضوان

اسی سنہ ۶ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے تشریف لے گئے، قریش مکہ نے خانہ کعبہ کی زیارت سے روک دیا، آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہلِ مکہ کے ہاں بطور سفیر روانہ کیا گیا، انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ایک مکان میں بند کر دیا، لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ حضرت عثمانؓ

قتل کر دیئے گئے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ سب کے سب از سر نو میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ ہم حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لیں گے، اگرچہ اس میں موت بھی آجائے، اور اگر وہ زندہ ہے تو چھڑا کے لائیں گے۔۔۔ اگرچہ موت کا سامنا کرنا پڑے۔ اس وقت آپ کے ہمراہ پندرہ سو جان نثاروں کی ایک جماعت تھی، سب نے بیعت کی، خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنی رضامندی کا اعلان کیا اور قرآن میں فرمایا کہ جنہوں نے اس درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے یقیناً خدا تعالیٰ ان سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ پانے والوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام سرفہرست ہے۔

امارتِ حج

۹ھ کے حج مبارک کے لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ تین سو آدمی ہمراہ لے کر حضرت ابوبکر صدیقؓ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے سورۃ برأت کی تبلیغ بھی ضروری تھی، نیز جن جن قبائل سے معاہدے تھے اُن میں سے اکثر کے معاہدے ختم ہو چکے تھے اِس چیز کی اطلاع دینا ضروری تھی۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ دو تین منزلیں نکل چکے تو جبرئیل امین آئے اور حکم دیا کہ معاہدہ ختم کرنے کے لیے اپنا قریبی رشتہ دار روانہ کریں۔ آنحضورؐ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو پیچھے سے روانہ کر دیا۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کیفیت دریافت کی۔ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ آپ امیر رہیں گے اور میں ماتحت رہوں گا۔ چنانچہ ۹ھ کا حج حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ماتحتی میں کیا گیا۔ اور سورۃ برأت کی تبلیغ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمائی کہ معاہدہ کرنا یا اسے ختم کرنا ایک ایسی چیز تھی جس کو بادشاہ خود انجام دیتے یا ان کے نہایت قریبی رشتہ دار انجام دیتے تھے۔ آنحضورؐ نے اس چیز کی طرف التفات نہ فرمائی تھی، خدا تعالیٰ نے جبرئیل کو بھیجا کہ معاہدے کے ختم کرنے کیلئے کوئی اپنا عزیز روانہ کرو، چنانچہ حضرت علیؓ کی روانگی عمل میں آئی۔ اگر حضرت ابوبکرؓ میں اہلیت نہ ہوتی تو امیرِ حج ہی کاہے کو بنائے جاتے؟

ایک نکتہ سورۃ برأت میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک فضیلت بیان کی گئی ہے جو آیتِ غار

میں مذکور ہے۔ اگر اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ براءت کی تبلیغ کرتے تو اپنی زبان سے اپنی تعریف کے مشابہ ہوتی۔ اس لیے خداوند علیم و حکیم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قریبی رشتہ دار کو حکم دیا کہ وہ اس سورۃ کی مجامع حج میں تبلیغ کرے۔ چنانچہ بحکم رسولِ خدا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس سورت کی ایسی تبلیغ کی جو رہتی دُنیا تک یادگار رہے گی، اس میں زبان حضرت علیؓ کی تھی اور مدح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی۔

مرضِ وفات و امامت ابی بکرؓ

۱۱ھ کے ماہ صفر کی ۲۸ ویں تاریخ کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بیمار ہوئے چونکہ اس بیماری سے آنحضورؐ جانبر نہ ہو سکے تھے اس لیے اس کو مرضِ وفات کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے جب تک آپ کے جسم مبارک میں طاقت تھی خود مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے رہے، لیکن جب بدنی طاقتوں نے جواب دے دیا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامتِ نماز کا حکم دیا۔ عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورؐ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائی ہیں مگر سیرت نگار حضرات میں سے جو صاحبِ تحقیق ہیں اُن کا کہنا ہے کہ اکیس ۲۱ نمازیں صدیق اکبرؓ نے بحکم پیغمبرؐ لوگوں کو پڑھائی ہیں ہاں ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں افاقہ کے رُونما ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تھے اور ابوبکر صدیقؓ کے بائیں پہلو میں بیٹھ کر تمام لوگوں کو خود نماز پڑھائی۔ اس صورت میں حضورؐ امام بن گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مقتدی بن گئے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ جہر سے نماز پڑھا رہے تھے، اس لیے آپؐ نے قرأت وہاں سے شروع کی جہاں تک صدیق اکبرؓ پہنچ چکے تھے۔ اور ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں حضورؐ نے پردہ اٹھا کر مسلمانوں کی جماعت کا نظارہ کیا تھا اور قلبی خوشی کے سبب سے دندان مبارک ظاہر ہو گئے تھے اور نبوی تجلی سے صفیں درہم برہم ہونے کو تھیں کہ پردہ ڈال دیا اور آپ واپس بستر شریف پر تشریف لے گئے۔ اور ان ہی نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں آنحضورؐ مسجد شریف جا کر جماعت میں شامل ہوئے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بدستور امام جماعت رہے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ قَاعِدًا فِیْ مَرْضِہٖ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ[1] (ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں خدا کے رسول نے اپنی اس بیماری میں جس میں وفات ہوئی ابوبکرؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی"۔

نوٹ:۔ البدایۃ والنہایۃ کے صفحہ مذکورہ پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت موجود ہے، اور صاحب سیرت حلبیہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے:۔

ثَبَتَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی خَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ مُقْتَدِیًا بِہٖ فِیْ مَرْضِہٖ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَمْ یُنْکِرْ ھٰذَا اِلَّا جَاھِلٌ لَاعِلْمَ لَہٗ بِالرِّوَایَۃِ[2]

(ترجمہ) "یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض وفات میں ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے اقتدا کر کے تین دفعہ نماز پڑھی ہے اور اس بات کا انکار وہی شخص کرے گا جو علم روایات سے جاہل ہو"۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا امامتِ صدیق اکبرؓ کے لیے اس قدر اہتمام حکمت سے خالی نہیں، اس امامت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کے ساتھ ساتھ قلم و دوات کے ارشادِ نبوت کو بھی سامنے رکھ لیا جائے، اہل علم حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے کہ قلم دوات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمائی جب ایک خادم نے گذارش کی کہ ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے، تو دوسری طرف مطالبہ نہیں فرمایا، بلکہ تین دن تک اور زندہ رہے اور دوبارہ تذکرہ بھی نہ کیا اور امامت کے معاملہ میں تاکیدات پر تاکیدات ہو رہی تھیں۔ اتفاقاً مرض وفات ہی کے ایام میں کسی ایک نماز کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق موجود نہ تھے، حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب سے کہہ دیا کہ تم نماز پڑھا دو، حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت شروع کی تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سنتے ہی فرمایا نہیں، نہیں، نہیں ابو قحافہ کے بیٹے کے علاوہ کوئی امامت نہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ مطبوعہ قاہرہ جلد ۵ ص ۲۳۴ [2] دیکھو سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۳۸۷

کرائے، چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسی وقت نماز توڑ دی اور ابوبکر صدیقؓ کو بلا کر نبوی مصلے پر کھڑا کیا۔

وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهٖ ذٰلِكَ يَوْمًا لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ زَمْعَةَ بْنِ الْاَسْوَدِ مُرِ النَّاسَ فَلْيُصَلُّوْا اَيْ صَلٰوةَ الصُّبْحِ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ غَائِبًا، فَقَدَّمَ عَبْدُ اللّٰهِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ صَوْتَهٗ اَخْرَجَ رَاْسَهُ الشَّرِيْفَ حَتّٰى اَطْلَعَهٗ لِلنَّاسِ مِنْ حُجْرَتِهٖ ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا، لَا، لَا، ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ لِيُصَلِّ بِهِمُ ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ فَانْتَقَضَتِ الصُّفُوْفُ وَانْصَرَفَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَيْ مِنَ الصَّلٰوةِ فَمَا بَرِحَ الْقَوْمُ حَتّٰى طَلَعَ ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ، فَتَقَدَّمَ وَصَلّٰى بِالنَّاسِ الصُّبْحَ۔[1]

(ترجمہ) "ایک دن آنحضورؐ نے اپنی اسی بیماری میں عبداللہ بن زمعہؓ سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ نماز صبح پڑھ لیں، اور چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ موجود نہ تھے، عبداللہ بن زمعہؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے کہہ دیا کہ تم لوگوں کو نماز پڑھا دو، پس جب آنحضورؐ نے عمرؓ کی آواز سنی تو حجرہ شریفہ سے اپنا سر مبارک نکالا اور تین دفعہ فرمایا نہیں نہیں نہیں نماز ابوقحافہ کے بیٹے کے سوا کوئی نہ پڑھائے پس صفیں ٹوٹ گئیں، اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نماز سے ہٹ گئے پھر لوگ وہاں ہی ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ابوقحافہ کا بیٹا آیا اور نبوی مصلے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی"۔

مرض الوفات کی امامتِ صدیقؓ کو معمولی اور سرسری نگاہوں سے ہرگز نہ دیکھیں، اس میں سینکڑوں حکمتیں پوشیدہ ہیں، ہزاروں سربستہ راز ہیں جنہیں ابھی تک کسی اہلِ علم نے چھوا تک نہیں۔ تمامی اہلِ اسلام کا جب یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ امامتِ نماز کے لیے سب سے اعلم کی ضرورت ہے، تو پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کیوں نہ اعلم الناس تسلیم کر لیا جائے، اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ قرآنِ حکیم جس کو سب سے زیادہ محفوظ ہو اُس کو امام بنانا چاہیے۔ تو پھر کیوں نہ ابوبکر صدیقؓ کو قرآنِ حکیم کا سب سے بڑا حافظ تسلیم کیا جائے؟ نیز مانی ہوئی بات ہے کہ امامت کے لیے موزوں وہ شخص ہوتا ہے جو سب

---

[1] دیکھو سیرتِ حلبیہ جلد سوم صفحہ ۳۸۷

سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو تو بنا بریں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کیوں نہ اَوْرَعُ النَّاسِ تسلیم کیا جائے؟ اور جس کی اقتداء تمام پیغمبروں نے کی بلکہ ہزاروں سال جس کی اقتداء کی تمنا پیغمبرانِ خدا کے قلوب میں موجزن رہی، وہ جس کی اقتداء کرے اُس کی شان کے کیا کہنے؟ پوچھا جاتا ہے کہ افضلیت کے عقیدے کے دلائل کیا ہیں؟ اگر کوئی صاحب بصیرت اور اطلاع اسی امامت میں غور کرے تو اطمینانِ قلب کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

تیسرا حصّہ

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ سوموار کے دن پہلے پہر فوت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ۱۲-۱۳ ربیع الاول دو دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوتی رہی، ۱۴ ربیع الاول بدھ کی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو امیر مقرر کرنے کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور اطاعتِ امیر کے لیے آپ کے ارشادات بیشمار ہیں۔ کتبِ حدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے کوئی زندگی نہیں ہے، یہاں تک کہ آپ نے دو مسلمانوں کو بھی سفر میں امیر مقرر کرنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ دو میں سے ایک کو امیر مقرر کرنا ضروری ہے جن لوگوں کو آپ نے زندگی بھر امیر مقرر کرنے کی اس قدر تاکید کی تھی وہ آپ کے انتقال کے وقت اس فریضہ سے کب غافل ہو سکتے تھے؟ بالخصوص جب اس بات کو بھی ذہن میں رکھ دیا جائے کہ عرب کے بدوی قبائل اور اُن کے سردار ابھی تک پورے پورے مسلمان نہیں ہوئے تھے، اسلام کی تعلیم ابھی تک ان کے رگ و ریشہ میں پیوست نہیں ہوئی تھی اور پرانی جاہلیت کی آزادی کی لہر کچھ نہ کچھ ان کے دماغوں میں باقی تھی۔ اس لیے خطرہ تھا کہ حضورؐ کی وفات کی خبر کے منتشر ہوتے ہی کہیں بغاوت نہ ہو جائے، جس پر قبضہ پانا نظم و نسق کے بغیر ناممکن ہو جاتا ہے، اور نظم و نسق قائم کرنا بغیر قوتِ حاکمہ کے دشوار بلکہ محال ہوتا ہے پس اس میں تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔ اور دفنِ پیغمبر میں دیر کرنے سے کوئی دینی یا دنیاوی نقصان رونما ہونے والا نہیں تھا۔ تدفین میں جو عجلت کی روایات آئی ہیں، ان کی وجہ باتفاق علماء کرام لاش میں تغیر و تبدل ہے اور چونکہ آنحضورؐ کا جسدِ مبارک

اس خطرہ سے محفوظ تھا اس لیے تدفین میں عجلت کی کوئی ضرورت نہ تھی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاسیات میں جہاں پہنچتے ہیں وہاں تک رسائی آدم کے تمام فرزندوں کیلئے کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آپ جو اعلان کر رہے تھے کہ حضورؐ فوت نہیں ہوئے اور جو کوئی ایسی بات کہے گا میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ قبائل عرب کے سرداروں کو حضورؐ کی وفات کا امیر کے انتخاب سے پہلے علم نہیں ہونا چاہیئے، اسی لیے حضرت عمرؓ بن خطاب انتخاب خلیفہ کے بعد فرما رہے تھے کہ میں نے جو بات کل کہی تھی وہ نہ تو قرآن میں تھی اور نہ ہی وہ بات مجھے خدا کے رسول نے فرمائی تھی، مطلب یہ تھا کہ وہ ایک سیاسی بات تھی۔

وفاتِ نبوی کے ساتھ ہی ثقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع صحابہ ہُوا۔ بعض انصار نے کہا کہ خلیفہ انصار میں سے ہونا چاہیئے۔ اور بعض مہاجرین نے کہا کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہونا چاہیئے، اور کسی نے کہا کہ دو امیر ہوں گے، ایک مہاجرین میں سے اور دوسرا انصار میں سے، ابھی پختہ اور فیصلہ کی بات نہیں ہوئی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک حدیث پیش کی جس کا مضمون یہ تھا کہ میرے بعد میرے خلیفے قریش میں سے ہوں گے۔ اس حدیث کا مجمع میں آنا تھا کہ سب اختلاف ختم ہو گئے، اس حدیث کے انکار میں کسی کے منہ سے ایک حرف بھی نہ نکلا۔ جب حدیث تسلیم کر لی گئی تو آپ ہی نے ابوعبیدہؓ اور عمرؓ بن خطاب کے نام پیش کیے اور فرمایا کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہو امیر مقرر کر لو، مگر حضرت عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے متفقہ طور پر کہا کہ جس کو خدا تعالیٰ نے ثانی اثنین کا لقب دیا ہے اور جس کو خدا کے رسول نے اپنے مصلے پر کھڑا کیا ہے اُس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی کیا مجال کہ بیعت لے لے؟ یہ کہا اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ نے بیعت کر دی۔ بس پھر کیا تھا تمام مجمع ٹوٹ پڑا اور حاضرینِ مجلس میں سے کوئی بھی بیعت کیے بغیر نہ رہ گیا صرف ایک سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت نہ کی مگر چونکہ وہ بدری نہ تھے اس لیے اس بات کی پرواہ نہ کی گئی۔

سعد بن عبادہؓ کا رجوع بھی ثابت ہے، جیسا کہ البدایہ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سعد بن عبادہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

وَقَدْ عَلِمْتَ یَا سَعْدُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاَنْتَ قَاعِدٌ قُرَیْشٌ وُلَاۃُ ھٰذَا الْاَمْرِ، فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِبَرِّھِمْ وَفَاجِرُھُمْ تَبَعٌ لِفَاجِرِھِمْ فَقَالَ لَہٗ سَعْدٌ نَحْنُ الْوُزَرَاءُ وَاَنْتُمُ الْاُمَرَاءُ[1] (ترجمہ) "خدا کی قسم اے سعد تو جانتا ہے کہ خدا کے رسول نے اُس وقت فرمایا جبکہ تو آپ کے پاس بیٹھا ہُوا تھا کہ اس حکومت کے والی قریش میں سے ہوں گے، پس اچھے لوگ قریش میں سے نیکوکار کی تابعداری کریں گے اور بدکار لوگ قریش میں سے بدکار کی تابعداری کریں گے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ اے ابوبکرؓ تو نے سچ کہا ہم وزیر ہوا کریں گے اور تم لوگ امیر رہو"۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے سردار آدمی تھے، انصار میں ان کی بڑی عزت تھی سخاوت انہیں میراث میں ملی تھی۔ خدا کی قدرت کہ بدر کی جنگ میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ آپ کا مذکورہ بالا بیان جس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق ٹپک رہی ہے، قرینِ قیاس ہے۔

سوال:۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے نبی کریمؐ کی وفات سے چھ ماہ بعد ابوبکر صدیقؓ کے یہاں بیعت کی تھی، اندریں صورت اجماعِ اُمت کہاں رہ گیا۔

جواب:۔ تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ حضرت علیؓ نے سوموار ہی کے دن بیعت کر لی تھی جس کے پہلے پہر حضورؐ کی وفات ہوئی تھی۔ حافظ ابن کثیرؒ کی تاریخ سے بھی ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے وفاتِ نبوی سے دُوسرے دن یعنی منگل کے دن صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی:۔

وَصَعِدَ اَبُوْبَکْرٍ الْمِنْبَرَ فَنَظَرَ فِیْ وُجُوْہِ الْقَوْمِ فَلَمْ یَرَی الزُّبَیْرَ، قَالَ، فَدَعَا الزُّبَیْرَ فَجَاءَ۔ قَالَ قُلْتُ ابْنَ عَمَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَدْتَ اَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ؟ قَالَ لَا تَثْرِیْبَ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَقَامَ فَبَایَعَہٗ۔ ثُمَّ نَظَرَ فِیْ وُجُوْہِ الْقَوْمِ فَلَمْ یَرَ عَلِیًّا فَدَعَا بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ قَالَ قُلْتُ اِبْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَتَنَہٗ عَلٰی اِبْنَتِہٖ اَرَدْتَ اَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صفحہ ۲۴۷

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ، فَبَايَعَهٗ ــــــ[له] (ترجمہ) "پس حضرت ابوبکرؓ مسجدِ نبوی میں منبر پر بیٹھے اور لوگوں کے چہروں پر نگاہ ڈالی تو حضرت زبیر بن العوامؓ کو نہ دیکھا پس آپ کو بُلا بھیجا، وہ آ گئے تو فرمایا میں کہتا ہوں کہ آپ حضورؐ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں، کیا آپ کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کے اتفاق کو توڑ ڈالیں؟ حضرت زبیرؓ نے جواب میں فرمایا کہ اے خدا کے رسول کے خلیفہ! اس طرح نہیں ہوگا۔ پس اسی وقت کھڑے ہو گئے اور بیعت کر لی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دوبارہ حاضرینِ مسجد میں نظر دوڑائی تو حضرت علیؓ کو نہ پایا، پس آپ کو بُلا بھیجا جب تشریف لائے تو فرمایا میں کہتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول کے چچا کے فرزند ہیں اور حضورؐ کے داماد بھی ہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اتفاق ٹوٹ جائے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا اے خلیفہ رسولِ خدا اس طرح نہیں ہوگا اور فوراً بیعت کر لی" ــــــ

اس روایت نے خوب واضح کر دیا کہ مسجدِ نبوی میں دوسرے دن ہی علیؓ اور زبیرؓ نے برضا و رغبت بیعت کر لی تھی۔ باقی رہ گئی چھ ماہ والی روایت، تو شارحینِ حدیث نے اس کو تجدیدِ بیعت کے سلسلے میں داخل کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر شامیؒ لکھتے ہیں:۔

وَاَمَّا مَا يَأْتِيْ مِنْ مُبَايَعَتِهٖ اِيَّاهُ بَعْدَ مَوْتِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَذٰلِكَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّهَا بَيْعَةٌ ثَانِيَةٌ[له] ــــــ (ترجمہ) "اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے یہاں وفاتِ فاطمہؓ کے بعد بیعت کی تھی تو وہ دوسری بیعت تھی" ــــــ

چونکہ چھ ماہ والی حدیث بہت سی روایات کے خلاف ہے، اور اربابِ تاریخ بھی اس کے خلاف ہیں، اسلئے بعض محققین نے اسکے ضعف کا قول کیا ہے اگرچہ یہ روایت صحیحین میں ہے:۔

وَمِمَّا يُؤَيِّدُ الضُّعْفَ مَا جَاءَ اَنَّ عَلِيًّا وَّاَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا جَاءَا الزِّيَارَةَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ بِسِتَّةِ اَيَّامٍ۔ فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَقَدَّمْ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ مَا كُنْتُ لِاَتَقَدَّمَ رَجُلًا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ يَقُوْلُ فِيْهِ۔ عَلِيٌّ

له البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صفحہ ۲۴۸ ۔ له ایضاً

مِنّی بِمَنزِلَتِی مِن رَّبِّی[۱] (ترجمہ) اور چھ ماہ والی روایت کی کمزوری کی تائید کرتی ہے یہ بات کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں نبی کریم صلعم کی وفات سے چھ دن بعد حضورؐ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ پس حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا آگے چلو اے خلیفہ رسولؐ خدا، اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے لیے مناسب نہیں ہے کہ ایسے مرد کے آگے چلوں جس کے حق میں خدا کے رسولؐ سے سن چکا ہوں کہ علیؓ کا اور میرا تعلق وہ ہے جو میرا اور میرے رب کا تعلق ہے"۔ یعنی اس کا مجھ سے اخلاص ہر شبہ سے بالا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اَجمَعَ النَّاسُ عَلٰی خِلَافَۃِ اَبِی بَکرٍ رضی اللہ عنہ لِاَنَّھُم لَم یَجِدُوا تَحتَ اَدِیمِ السَّمَآءِ خَیرًا مِّن اَبِی بَکرٍ[۲] (ترجمہ) "تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اس لیے اتفاق کر لیا تھا کہ اس آسمان کے نیچے ابوبکر صدیقؓ سے بہتر کوئی آدمی نہیں دستیاب نہ تھا"۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور نماز جنازہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہ کرامؓ جب تعیینِ خلیفہ کے فریضہ سے فارغ ہو گئے تو نماز جنازہ کی طرف متوجہ ہوئے تمام مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ آپ اس نماز میں امامت کے فرائض انجام دیں مگر آپ نے فرمایا کہ آنحضورؐ زندگی میں امام تھے اب موت کے بعد بھی وہی امام ہیں کسی دوسرے امام کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ حجرۂ شریفہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے طے پایا کہ دس دس آدمی حجرہ میں داخل ہو کر نماز پڑھتے جائیں اور نکلتے جائیں۔ پہلی صف جو اس نماز کے لیے حجرہ شریفہ میں تھی اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے۔ سب نے چار تکبیروں سے آنحضورؐ پر نماز جنازہ پڑھی[۳]

صاحب سیرتِ حلبیہ نے تنہا دعویٰ کیا ہے کہ آنحضورؐ کی نماز جنازہ بلا امام یعنی تنہا تنہا پڑھے جانے پر تمام مؤرخین کا اجماع ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱؎ سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۰ ۲؎ ایضاً ص ۳۹۱ ۳؎ ایضاً ص ۲۹۴

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دفن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

جب تمام مسلمان کیا مرد کیا عورتیں کیا بوڑھے کیا جوان کیا آزاد اور کیا غلام نماز جنازہ سے فارغ ہو چکے تو دفنِ رسول کے بارے مشورہ کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا کے رسول جہاں فوت ہوتے ہیں وہاں ہی دفن کیے جاتے ہیں، میں نے یہ بات خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ پس تمام صحابہ کرام نے اس بات کو تسلیم کر لیا اور حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں آنحضورؐ کو صبح صادق ہونے سے پہلے دفن کر دیا گیا۔ ہر ایک قاعدے سے کچھ نہ کچھ مستثنیات ہوتے ہیں۔ دفنِ انبیاء علیہم السلام کے مذکورہ بالا قاعدے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ آپ اور بہت سی باتوں میں دوسرے پیغمبروں سے جدا ہیں اسی طرح دفن کے مسئلہ میں بھی جدا ہیں۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی جگہ حضورؐ کے پاس معین ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی موت کسی دوسری جگہ پر ہوگی، چاہے مدینہ شہر میں ہو اور چاہے مدینہ سے باہر ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور لشکر اسامہؓ کی روانگی

شام کے علاقوں میں حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارے گئے تھے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جذبۂ انتقام سے سرشار تھے اور اپنے والد کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہم کے واسطے سات سو مجاہد تیار کیے اور ان کی امارت حضرت اسامہؓ کے سپرد فرمائی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ان سات سو مجاہدین میں شامل تھے۔ پھر جب آنحضورؐ کی بیماری شدت اختیار کر گئی، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کے لیے خود ہی مستثنیٰ فرما دیا۔ اسے "البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ ص ۳۰۴" پر دیکھا جا سکتا ہے، بیماری کی شدت اور طول کی وجہ سے حضرت اسامہؓ متوقف ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

اس وقت جو مصیبت صحابۂ کرامؓ پر نازل ہوئی وہ اس کی نظیر سے اس سے پہلے آشنا نہ ہوئے تھے، یہ مصیبت ان کے لیے بے نظیر مصیبت تھی۔ جس کے لیے وطن چھوڑے، گھر بار چھوڑے، جائیدادیں اور

کاروبار ترک کیے، عزیز و اقارب سے کنارہ کشی اختیار کی اُس کی جُدائی کا صدمہ حدِ بیان سے یقیناً باہر ہے، اندریں حالات صحابہ کرام کا انتخابِ خلیفہ کے فریضہ سے عہدہ برآ ہونا ایک کرامت ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا واضح معجزہ ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دستِ حق پرست پر تمام مہاجرین اور انصار بیعت کر چکے تو آپ نے سب سے پہلے لشکرِ اسامہؓ کی روانگی کا ارادہ کیا، اکثر صحابہ کرام نے خصوصاً حضرت عمرؓ نے عرض گذاری کہ یہ وقت اتنے بڑے لشکر کی روانگی کا نہیں ہے کیونکہ مدینہ کے ارد گرد کے دیہاتی سردار باغی ہو رہے ہیں اور مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں مناسب ہے کہ پہلے نزدیکی خطرات کا خیال کیا جائے، پھر جب امن قائم ہو جائے گا تو بلقائے شام کی جانب لشکرِ اسامہؓ کو روانہ کر دیا جائے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکار کیا اور فرمایا کہ جس لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلقائے شام کے لیے تیار کیا ہے میں اُس کو ہرگز نہیں روک سکتا اگرچہ اس لشکر کے روانہ ہو جانے کے بعد میری بوٹی بوٹی ہو جائے اور پرندے اور درندے ایک ایک بوٹی کر کے کھا جائیں۔ اگر تمام مسلمان مجھے چھوڑ جائیں اور میں تنہا رہ جاؤں تو بھی میں حسب فرمودہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اُسامہؓ کو اُدھر ہی روانہ کروں گا جدھر کا آپ نے حکم دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی لشکرِ اُسامہؓ کی روانگی سے متعلق استقامت آنکھ والے کیلئے ایک زندہ کرامت ہے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ جو کام بھی کرتے حضرت عمرؓ کے مشورے پر کرتے تھے اس واقعہ میں اُن کے لیے عبرت کے کافی سامان موجود ہیں، کیونکہ حضرت عمرؓ کے روکنے پر بھی آپ نہیں رُکے اور لشکرِ اُسامہ کو روانہ کر کے دم لیا۔ وہ نظارہ بھی قابلِ دید تھا جب مقام جرف میں خود حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لے گئے اور حضرت اُسامہؓ کو سوار کیا اور لشکر کو چلنے کا حکم دیا۔ حضرت اُسامہؓ اونٹ پر سوار ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے ساتھ پاپیادہ چل رہے ہیں اور نصیحتیں ارشاد فرما رہے ہیں۔ حضرت اُسامہؓ عرض کرتے ہیں کہ اے خلیفۂ رسولُ خدا یا آپ بھی سوار ہو جائیں اور یا میں بھی اُونٹ سے اُتر کر پاپیادہ چلوں۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا نہ تم سواری سے اُترو گے اور نہ ہی میں سواری پر بیٹھوں گا، بس آپ اتنی مہربانی کریں کہ عمرؓ بن خطاب کو میرے پاس رہنے کی اجازت بخشیں۔ چنانچہ حضرت اُسامہؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہما واپس

مدینہ منورہ لوٹ آئے اور حضرت اسامہؓ اپنے لشکر کو لے کر بلقائے شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس نازک وقت میں لشکر کی روانگی سے ملک میں رعب چھا گیا۔ جہاں جہاں سے یہ لشکر گذرتا تھا لوگ آپس میں کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں میں کچھ کمزوری ہوتی تو وہ اس وقت مدینہ منورہ سے اس قدر دور کے علاقہ میں لشکر نہ بھیجتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس فوجی طاقت کافی ہے۔ اس خیال نے بہت سے قبائل کی اصلاح کر دی۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور مسئلہ ختم نبوت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہوتے ہی جو چیز بصورتِ فتنہ سامنے آئی وہ مدعیانِ نبوت کی کھیپ تھی۔ یمن کے علاقہ میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ داغ دیا، اور یمامہ کے علاقہ میں مسیلمہ نے رسالت کا دعویٰ کر دیا، اور سجاح دختر حارث نے جزیرہ میں نبوت کا دعویٰ کر دیا، اور طلیحہ اسدی نے بنو اسد اور بنو طی میں اپنی نبوت کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ مسئلہ ختم نبوت کوئی معمولی مسئلہ نہ تھا۔ قرآنِ حکیم نے وضاحت سے اعلان کر دیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی انسان کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا، سب نے تمام مدعیانِ نبوت سے جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ تمام مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے الگ الگ لشکر نامزد کیے گئے، اور چند ہی ایام میں تمام لشکر فتح مندی کے جھنڈے لہراتے ہوئے واپس ہوئے ۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد ہر آں کس تف زند ریشش بسوزد

مدعیانِ نبوت کے قلع قمع کے بعد کفار سے مقابلہ کا ارادہ کیا، چنانچہ عراق کی جانب حضرت خالدؓ ابن ولید کو ایک بھاری لشکر سمیت روانہ کیا، عراق کے بہت سے مضافات آپ نے فتح کیے، خورنق اور سدیر اور نجف کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور اہلِ اسلام کو فتح ہوئی نیز بنوازتیج اور کلواذی کے باشندوں نے مغلوبانہ صلح کی۔ اہلِ انبار سے بھی شدید جنگ ہوئی جس میں خدا تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فتحمندی عطا فرمائی۔ پھر عین التمر میں لڑائی ہوئی اور حسبِ دستور سیف اللہ خالد بن ولیدؓ کو کامیابی ہوئی۔ اسی طرح دومۃ الجندل پر گھمسان کا رن پڑا اور اہلِ اسلام کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد

عمیدا ور نفیع اور فراض پر جنگ ہوئی اور حضرت خالدؓ کو فتح ہوئی۔ اس کے بعد شام کے ملک میں رومیوں سے لڑائی کا انتظام کیا اور اہلِ اسلام عظیم الشان فتح سے ہمکنار ہوئے۔ بہر حال لشکر صدیقی جدھر بھی گئے، فتحمندی نے اُن کے قدم چومے، کسی ایک محاذ پر بھی شکست سے دوچار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ بغیر اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ غارِ ثور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ سے فرمادیا تھا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی معیتِ خداوندی جو خاص امداد سے عبارت ہے میرے اور تیرے دونوں کے ساتھ ہے۔ ذائقۂ موت سے کوئی فردِ بشر مستثنیٰ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی ساتویں تاریخ کو بیمار ہوئے اور ۲۲ تاریخ کو ۱۵ دن بیمار رہ کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥

آپ کی نمازِ جنازہ میں اہلبیتِ نبوی کے تمام ممبر شامل تھے۔ اس کے بعد آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک میں دفن کیا گیا جو روئے زمین پر ہی نہیں۔ جہاں تک مکانیات کا دائرہ پھیلا ہے۔ روضۂ نبوت سے بہتر و برتر کوئی جگہ نہیں۔ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی مکین نہیں۔ روضۂ نبوت کی گود سے برتر کائنات میں کوئی مکان نہیں[1]

اسی پر نور مٹی سے تین نفوس قدسیہ پیدا ہوئے[2] اور اسی میں دفن ہوئے۔ یہیں سب سے پہلے حضورؐ کی قبر مبارک کھلے گی۔ پھر حضرت ابوبکر اُٹھیں گے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ کتنا یہ منظر عجیب ہوگا اور کس قدر یہ حضرات خوش نصیب ہوں گے ؎

یاران نگاہ کنید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

---

[1] انا وابوبکر وعمر خلقنا من تربة واحدة وفیها ندفن۔ رواہ الخطیب فی کتاب المتفق والمفترق نقلہ الشیخ احمد رضا فی فتاوی افریقہ ص ۹۹۔

[2] علمائے دیوبند کا یہی عقیدہ ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۱۸ پر اس پر مفصل بحث کی ہے۔ المہند علی المفند میں اس عقیدہ پر پچاس سے زیادہ اکابر علماء دیوبند کے دستخط ہیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ

قرآن کی روشنی میں

از امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ

حق تعالیٰ کے اس انعام کا شکر کس زبان و قلم سے ادا کیا جائے کہ اس نے اپنے کلام پاک کی تفسیر کی توفیق اس ناکارہ کو عطا فرمائی اور قرآن مجید کی خدمت میں مشغول کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہٗ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم

(پ ۶، س مائدہ، رکوع ۱۱، آیت ۵۴)

اے ایمان والو اگر مرتد ہو جائے گا کوئی تم میں اپنے دین سے تو بہت جلد آمادہ کر دے گا اللہ ایک ایسی قوم کو جو اللہ کی محبوب اور اللہ کی محب ہو گی تواضع کرنے والی ہو گی ایمان والوں کے مقابلہ میں سختی کرنے والی ہو گی کافروں پر جہاد کرے گی راہِ خدا میں اور نہ ڈرے گی ملامت سے کسی ملامت کرنے والے کی، یہ اللہ کی بخشش ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا اور دانا ہے۔

اس آیت قتال مرتدین پر ایک نظر ڈالو کہ کس طرح خداوند عالم غیب نے ایک آئندہ آنے والے ہولناک واقعہ کی پیشینگوئی فرمائی اور اپنے جلال و جبروت کا کس طرح اظہار کیا۔ کہ اے مسلمانو! جو لوگ تم میں سے مرتد ہو جائیں گے خدا نے ان کے قلع قمع کرنے کیلئے

عالمِ غیب میں یہ تدبیر مقرر کی ہے کہ خاصانِ خدا کی ایک جماعت ان کے قتال پر منجانب اللہ برانگیختہ کی جائے گی اور وہ ان کی سرکوبی کردے گی۔

کیفیت اس واقعہ کی یوں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں عرب میں تین قبیلے مرتد ہوگئے اور ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص مدعی نبوت اُٹھ کھڑا ہوا اور ان لوگوں نے بڑا فساد برپا کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو یہ فتنہ بہت بڑھ گیا۔ سوا حرمین شریفین اور شہر جواثی کے جو بحرین کے مضافات میں ہے اکثر مقامات کے لوگ مرتد ہوگئے اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور کہہ دیا کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو زکوٰۃ لینے کا اختیار نہیں ہے۔ ایک طرف تو مسلمانوں پر یہ قیامتِ کبریٰ کہ رسول ربّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم جن کا منہ دیکھ کر جیتے تھے ان کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، دوسری طرف یہ آفت کہ فتنۂ ارتداد روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ تیسری طرف رسولِ خدا کی یہ وصیت کہ اُسامہ کا لشکر بجانب شام مسلمانوں کا انتقام لینے کے لیے روانہ کردیا جائے۔ حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے کہ جن کی قوتِ قلبیہ نے اُس وقت رنگ دکھلایا اور کوہِ استقامت بن کر تمام پریشانیوں کو انہوں نے جھیلا اور چند ہی روز میں مطلعِ اسلام پر جو غبار آگیا تھا اُس کو صاف کردیا۔

حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ نے جس وقت ان مرتدین سے قتال کا ارادہ فرمایا، بعضے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس امر میں ان سے اختلاف کیا۔ بعض لوگ تو یہ کہتے تھے کہ ان سے قتال کرنا ہی نہ چاہیئے اور بعض کا یہ قول تھا کہ اس وقت مصلحت نہیں ہے یہ وقت اسلام کیلئے نہایت نازک ہے اس وقت تالیفِ قلوب سے کام لینا چاہیئے۔ اس طور پر آیت میں جس ملامت کا ذکر ہے وہ ملامت پیش آگئی اور اپنوں کی ملامت بہت زیادہ ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ نے اس ملامت کی کچھ پرواہ نہ کی اور اپنا کام پورا کردیا۔ لا یخافون لومۃ لائم کی تصدیق ہوگئی۔

اس ملامت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے اختلاف کیا اور نرمی کی صلاح دی جس پر حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ نے دو جلال بھرے الفاظ فرمائے کہ آج انکو

سنکر بدن کانپ جاتاہے۔ فرمایا اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام۔ اے عمرؓ تم جاہلیت میں تو بڑے تند مزاج تھے اسلام میں ایسے نرم بن گئے، اور فرمایا تم الدین وانقطع الوحی أینقص وانا حی۔ دین کامل ہوچکا، وحی الٰہی بند ہوگئی، کیا دین پر زوال آئے اور میں زندہ ہوں۔ یعنی میری زندگی میں دین پر یہ آفت آئے یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ قصہ مشکوٰۃ میں منقول ہے۔

راقم سطور کہتا ہے کہ میں جب حضرت صدیقؓ کے اس کلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے ایک عجیب بات اس میں نظر آتی ہے۔ غور سے دیکھو یہ لفظ کہ میری زندگی میں دین ناقص ہوجائے، کیسا کلمہ ہے۔ اس کلمہ کے کہنے کا کس کو حق ہوسکتا ہے۔ کوئی شخص مرجائے اور اس کا صرف ایک اکلوتا بیٹا ہو وہ بیشک کہہ سکتا ہے کہ میری زندگی میں میرے باپ کا مال لٹ جائے لیکن اگر کسی شخص کے متعدد اولاد ہوں تو ان میں سے کوئی ایک اس کلمہ کو نہیں کہہ سکتا کہ میری زندگی میں میرے باپ کا مال لٹے، اگر کہے گا تو یوں کہے گا کہ ہم لوگوں کی زندگی میں۔

یہ کلمہ حضرت صدیقؓ کا بتلا رہا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی وارث آپ کے اکلوتے روحانی فرزند ہی ایک تھے اس لیے ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ میری زندگی میں دین پر آفت آئے؟ اکلوتا بیٹا موجود اس کی نظر کے سامنے اس کے باپ کی بڑی محنت وجانفشانی سے جو باغ تیار ہوا تھا وہ کاٹ ڈالا جائے۔ یقیناً حضرت صدیقؓ کا ادعا اسلام پر ایسا ہی تھا اور انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے بعد کام بھی ایسے ہی کیے، لوگوں نے انہی کو خلیفۂ رسول اللہ کہا۔ ان کے بعد پھر کوئی خلیفہ اس نام سے نہیں پکارا گیا بلکہ خلفائے مابعد امیر المومنین کہے گئے۔ امیر المومنین کا لفظ بطور تواضع کے ایک کم درجہ کا لفظ سمجھ کر حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے لیے تجویز کیا تھا جس کو آج طغرائے امتیاز سمجھ کر حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ کے اس کارنامہ یعنی قتالِ مرتدین کو انجام کار میں تمام صحابہؓ نے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت صدیقؓ میری تمام عمر کی

عبادت لے لیں اور مجھے صرف اپنی ایک رات اور اپنے ایک دن کی عبادت دے دیں۔ اما لیلۃ فلیلۃ الغار واما یومہ فیوم الردۃ یعنی رات سے مراد شبِ غار ہے اور دن سے مراد فتنۂ ارتداد کا دن ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: قام فی الردۃ مقام الانبیاء۔ یعنی فتنۂ ارتداد میں حضرتِ صدیقؓ نے وہ کام کیا جو پیغمبروں کے کرنے کا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: کرھناہ فی الابتداء وحمدناہ علی الانتھاء یعنی ہم لوگوں نے ابتداء میں تو قتالِ مرتدین کو ناپسند کیا تھا مگر انجام دیکھ کر پھر ہم سب حضرتِ صدیقؓ کے شکر گذار ہوئے۔

مَنْ یَّرْتَدَّ۔ ارتداد کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی یعنی واقعی طور پر کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد دینِ اسلام سے پھر جائے یہ ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ دوسری آیتوں میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ دوسرا ارتداد صوری کہ ظاہر میں لوگوں کے دیکھنے میں ایک شخص مسلمان ہوا اس کے بعد دینِ اسلام سے پھر گیا جہاں کہیں ارتداد کا لفظ بولا جاتا ہے یہی ارتداد صوری مراد ہوتا ہے۔

فسوف یاتی اللہ خدا کے لانے کا یہاں بھی وہی مطلب ہے جو آیتِ استخلاف میں خدا کے خلیفہ بنانے کا بیان ہو چکا۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ خدا اس قوم کو عدم سے وجود میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں لائے گا یا کوئی آواز غیب سے آئے گی کہ یہ لوگ خدا کے لائے ہوئے ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ خدا ان کو اس کام پر آمادہ کرے گا، ان کے دل میں ارادہ اس کام کا مضبوطی کے ساتھ قائم کر دے گا۔

یحبھم ویحبونہٗ پہلے خدا نے یہ فرمایا کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں۔ اس میں تنز یہ ہے کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے پہلے خدا کو اس سے محبت ہوتی ہے۔ اگر خدا کو اس سے محبت نہ ہو تو خدا اس کو اتنی بڑی نعمت نہ دے خدا جس کو چاہتا ہے اس کو یہ نعمت دیتا ہے۔

اذلۃٍ علی المؤمنین یہ ویسا ہی ہے جیسے سورۃ فتح میں فرمایا اشداء علی الکفار

رحماء بینھم، مسلمانوں سے نرمی و محبت کرنے کو یہاں اذلہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا وہاں رحماء کے لفظ سے کفار پر سختی کرنے کو یہاں اعزۃ کے لفظ سے بیان فرمایا، وہاں اشداء کے لفظ سے ذٰلك فضل الله جس قوم کا اوپر بیان ہوا اُس کے اوصاف کی غیر معمولی عظمت اس کلمہ میں بیان فرمائی گئی کہ یہ خدا کی بخشش ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا کے یہاں کچھ کمی نہیں ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص کس انعام کا مستحق ہے۔ ولیکم بمعنی دوست

راکعون، رکوع کے معنے لغت میں جھکنا، عاجزی کرنا۔ نماز کے ایک رُکن خاص کو بھی رکوع کہتے ہیں۔ یہاں وہی لغوی معنی مراد ہیں۔

یہ آیت نہایت صفائی اور کامل وضاحت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ برحق ہونے پر اور نیز ان کے اور ان کے ساتھیوں کے اعلیٰ ترین کمالات پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں جس قوم یعنی جماعت کا بیان ہے وہ مُرتدوں پر اس کے مسلط کرنے کا وعدہ ہے۔ اس جماعت کی چھ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ جماعت خدا کی محبوب ہے۔

دوم یہ کہ وہ خدا کی محب ہے۔

سوم یہ کہ وہ مسلمانوں پر مہربان و متواضع ہے۔

چہارم یہ کہ وہ کافروں پر سخت ہے۔

پنجم یہ کہ وہ راہِ خدا میں جہاد کرتی ہے۔

ششم یہ کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتی۔

اب غور کرو کہ یہ صفاتِ کمالیہ کس رتبہ کی ہیں، آیا شریعتِ الٰہیہ میں اب ان سے مافوق بھی کوئی رتبہ ہوسکتا ہے؟

جب تک فتنۂ ارتداد کا ظہور نہ ہوا تھا اُس وقت تک پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ اس آیت میں کس جماعت کی تعریف بیان ہو رہی ہے۔ مگر فتنۂ ارتداد کے ظاہر ہونے کے بعد اور حضرتِ صدیقؓ کے دستِ حق پرست سے اس فتنہ کا استیصال مشاہدہ کرنے کے بعد سب

کی آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہو گیا کہ آیت میں تعریف حضرت صدیق اور ان کے رفقاء کی ہے۔ حضرت صدیقؓ اور ان کے طفیل میں ان کے رفقاء خدا کے محبوب و محب ہیں اور جب وہ خدا کے محبوب و محب ہوئے تو ان کی خلافت برحق ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، سوا اس کے کہ جس کا ایمان قرآن شریف پر نہ ہو۔ اگر کوئی کہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے حق میں ہے انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں مرتدوں سے جنگ کی ہے، تو جواب اس کا چند وجوہ سے ہے:۔

اول ۱:۔ یہ کہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جن لوگوں سے جنگ کی ان میں کوئی مرتد نہ تھا، سب مسلمان تھے۔ چنانچہ اہلِ شام کے متعلق حضرت علیؓ کا فرمان "نہج البلاغہ" میں موجود ہے جس میں صاف تصریح اہلِ شام کے نہ صرف مومن بلکہ مومن کامل ہونے کی ہے۔ حضرت علیؓ نے اس میں لکھا ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ (دیکھو نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم دوم)

دوم ۲:۔ یہ کہ اگر موافق اصول موضوعہ شیعہ تسلیم کر لیا جائے کہ صحابۂ کرامؓ مرتد تھے اور حضرت علیؓ کی لڑائی مرتدوں سے تھی (نعوذ باللہ من ذلک) تو حضرات خلفائے ثلاثہ سے کیوں جنگ نہ ہوئی۔ حالانکہ آیت کا مقتضا یہ ہے کہ بوقت نزولِ آیت جس قدر کلمہ گو تھے ان میں سے جب کوئی مرتد ہوگا اُس کا قتال ضرور ہوگا، بعض مرتدوں سے قتال ہو، یہ آیت کی تکذیب ہے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کے حق میں یہ آیت نہیں ہو سکتی۔

سوم ۳:۔ یہ کہ آیت بتلا رہی ہے کہ قتالِ مرتدین میں وہ جماعت کامیاب ہوگی، فتنۂ ارتداد کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ اپنی لڑائیوں میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ یوماً فیوماً ان کے مخالفین کا زور بڑھتا گیا۔ لہٰذا یہ آیت حضرت علیؓ کی شان میں کسی طرح نہیں ہو سکتی۔

چہارم ۴:۔ یہ کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں آیت کے موعودہ اوصاف باتفاقِ فریقین نہ تھے۔ نہج البلاغہ میں بہت سے خطبے ہیں جن میں حضرت علیؓ نے اپنے اصحاب کی بزدلی اور جہاد سے اُن کا پیچھے ہٹنا بیان فرمایا ہے۔ پھر بھلا ایسے لوگوں کے حق میں یہ آیت کیسے ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام مہدی کے وقت میں اس آیت کی پیشینگوئی پوری ہوگی تو اسکے بھی کئی جواب ہیں۔

اوّل :- یہ کہ آیت لفظ منکم بتلا رہی ہے کہ یہ پیشین گوئی صرف زمانۂ نزول کے لیے ہے یعنی اس وقت کے لوگوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اس کیلئے آیت مذکورہ وعید ہے اور قطع نظر لفظ منکم سے اگر آیت کو عام کر دیا جائے تو مشاہدہ کے خلاف لازم آئے گا۔ آج جو لوگ مرتد ہو رہے ہیں کون سی قوم ان پر مسلط ہوتی ہے۔

دوم :- یہ کہ بفرضِ محال بلا دلیل ہم آیت کو زمانۂ نزول کے ساتھ خاص نہ رکھیں تو بھی زمانہ نزول ضرور مراد ہو گا۔ آیت میں بطور شرط و جزاء کے بیان ہوا ہے۔ لہٰذا اگر ہزار بار فتنہ ارتداد پیدا ہو تو ہر مرتبہ مرتدین پر قوم موصوف کا تسلط ہونا چاہیئے اور یہ مسلم ہے کہ آخر عہدِ نبوی اور خلافتِ اولیٰ میں بعض عرب قبائل مرتد ہوئے، لہٰذا اُن پر قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا۔ پس امام مہدی کے وقت کے لیے مخصوص کرنا آیت کی تکذیب ہے۔

المختصر حضراتِ شیعہ اس آیت کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔ تاویل اگر ہو سکتی تھی تو یہ اس زمانہ میں فتنۂ ارتداد کے وقوع سے انکار کرتے مگر متواتر واقعات کا انکار امکان سے باہر ہے۔ ان کے مؤرخین اور مفسرین اس کو تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ تفسیر "منہج الصادقین" وغیرہ کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے۔

ف :- اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ بنانے کا حکم نہیں دیا۔ حکم دینے کے بعد بندوں کو اختیار باقی رہتا ہے کہ اس حکم پر عمل کریں یا نہ کریں بلکہ آیت استخلاف و آیۂ تمکین کی طرح اس آیت میں بھی خداوند علیم و خبیر نے ایک پیشین گوئی فرمائی اور اس پیشین گوئی کے ضمن میں خلیفۂ برحق کے علامات بیان فرمائے ہیں اور اس تقرر کے عالم غیب سے ظہور پذیر ہونے کا وعدہ فرمایا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا۔ واقعی جو

اہتمام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں تھا اس کا یہی تقاضا تھا کہ آپ کے بعد آپ کی خلافتِ راشدہ کا انتظام عالم غیب سے ہوتا بندوں کے ہاتھ میں اس کے انجام دینے کی باگ نہ دی جاتی۔ گو عالم غیب کا انتظام بھی انہیں بندوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوا، مگر اس صورت میں بندے مرادِ حق کے لیے صرف آلہ بن گئے جو خدا کی رضا تھی وہی ظہور میں آیا اور اس کے خلاف کا ظہور رہونا ناممکن ہوگیا۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

یارانِ مصطفےٰ تھے زمانے کے شیر نر — دو ان میں تھے حضورؐ کے داماد دو خسر
ہر دم رضائے حق تھا فقط مطمحِ نظر! — ترجیح اس کو دیتے تھے اپنے مفاد پر
ہر ایک دوسرے کی وِلا میں اسیر تھا

بوبکرؓ تھے چراغ تو مسجد عمرؓ خطاب — محراب جو غنیؓ تھے تو منبر تھے بوترابؓ
مردود ہے کہے جو غلط تھا یہ انتخاب — ان کی مثال تھی نہ کوئی اور نہ تھا جواب
جو بھی تھا جس مقام پہ تھا بے نظیر تھا

کیا تھا رسولؐ پاک کو اس کا نہ کچھ پتا؟ — ان میں سے کون اچھا ہے اور کون ہے بُرا؟
ان سے بچو خدا نے بھی ان کو نہ یہ کہا؟ — گستاخ! دل میں بہر خدا سوچ تو ذرا
قربت نبیؐ سے تھی جسے وہ کب حقیر تھا

امت کے پیشوا تھے ابوبکرؓ اور عمرؓ — حضرت علیؓ کو ان سے محبت تھی اس قدر
رکھے تھے اپنے بچوں کے نام ان کے نام پر — طاعت بھی دل سے کرتے رہے انکی عمر بھر
اے مدعی! یہ اسوۂ حضرت امیرؓ تھا

اخترؔ غرض تھے دونوں پیمبرؐ کے خاص یار — ان کے قدوم پاک پہ کرتے تھے جاں نثار
مرکر بھی جب حضورؐ سے قربت تھی ناگوار — بنتا نہ کیوں حضورؐ کے پہلو میں پھر مزار
"پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا"

اخترؔ واصفی

حضرت ابوبکر صدیق قرآن کی روشنی میں

علامہ خالد محمود

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی خاتم کی تصدیق کے لیے پیدا کیا تھا اور آپ نے اس تصدیق کا حق ادا کر دیا قرآن کریم تصدیق رسالت کی اس سعادت کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون [1]

(ترجمہ) اور جو آیا لے کر سچی بات، اور سچ مانا جس نے اس کو، وہی لوگ ہیں تقویٰ والے۔

حضرت عبدالقادر محدث دہلوی رح لکھتے ہیں۔

جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی۔اور جس نے سچ مانا۔وہ مومن ہے

یہاں نحویوں نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ صدق بہ سے پہلے الذی محذوف مانا جائے اور اس کا صلہ باقی رکھا جائے تو یہ کلام عرب میں پایا نہیں جاتا ہم یہاں حذف موصول سے استدلال نہیں کر رہے یہ باب الاقتصار علی بعض افراد العام کے قبیل سے ہے۔

جس نے سچ مانا اور حضور کی تصدیق کی بقول حضرت عطا ۱۱۷ھ اس میں حضور کے سب پیرو آگئے کیونکہ خبر اولٰئک ھم المتقون جمع ہے اور ان میں کامل ترین فرد حضرت ابوبکر ہیں ابوالعالیہ (۹۰ھ) نے تصریح کی ہے کہ یہاں جاء بالصدق سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدق بہ سے مراد حضرت ابوبکر رض ہیں اور یہ صرف ابوالعالیہ نہیں کہتے علیہ، کلبی اور ایک جماعت مفسرین یہی کہتی ہے [2] چھٹی صدی کا مشہور شیعی مفسر ابو علی الطبرسی بھی لکھتا ہے

قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدق بہ ابوبکر عن ابی العالیہ والکلبی [3]

امام رازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:۔

فالذی جاء بالصدق محمد صلی اللہ علیہ وسلم والذی صدق بہ ھو ابوبکر وھذا القول مروی عن علی بن ابی طالب علیہ السلام

---

[1] پ۲۴ الزمر ع ۴ آیت ۳۳ [2] روح المعانی ص۳/۲۴ [3] مجمع البیان جلد ۸ صہ ۴۹۸۔

وجماعة من المفسرین [1]

(ترجمہ) جو شخص آیا سچائی کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ ابوبکر ہیں اور یہ بات حضرت علیؓ سے مروی ہے اور مفسرین زیادہ اسی طرف گئے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت ابوبکر صدیق کے ایمان اور آپ کی تصدیق رسالت کی خبر ہے خدا کو منظور ہوا کہ اب اس تصدیق کے ساتھ آپ کا عمل بھی نکھارے ارشاد الٰہی ہوتا ہے:۔

فاما من اعطٰی واتقٰی وصدق بالحسنٰی فسنیسرہ للیسرٰی [2]

(ترجمہ) سو جس نے مال دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق کی ہم اس کے لیے راحت تک پہنچنا آسان کر دیں گے۔

یہ کس کی خبر دی جا رہی ہے؟ حضرت ابوبکر کی — آپ کا یہ مال دینا محض رضائے الٰہی کے لیے تھا کسی احسان کا بدلہ چکانے کے لیے نہ تھا خالص رضائے الٰہی کی تمنا تھی جس کے لیے یہ پل نکھر رہا تھا سو فرمایا۔

وما لاحد عندہ من نعمة تجزٰی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلٰی ۝

ولسوف یرضٰی [3]

(ترجمہ) اور نہیں اس پر کسی کا احسان جسکا بدلہ دیا جا رہا ہو مگر یہی ہے کہ وہ اپنے رب اعلیٰ کی رضا پانے اور وہ آگے راضی ہو جائے یہ آیات کس کی مدح کر رہی ہیں وہ ہستی کون ہے جو خالص رضائے مولیٰ کی طلب اور دیدار الٰہی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا تھا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔

اگرچہ مضمون آیات کا عام ہے لیکن روایات کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ ان آخری آیات کا نزول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہوا ...... یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے نہ بے نصیب اس بندے کے جس کے اتقیٰ ہونے کی تصدیق آسمان سے ہو اور خود حضرت حق سے اس کو ولسوف یرضٰی کی بشارت سنائی جائے ولسوف یرضٰی کی بشارت ایک انعکاس ہے اس بشارت عظمیٰ کا جو آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آ رہی ہے

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲۶ صہ ۲۰۹   [2] پ ۳۰ سورہ والیل آیت ۷   [3] پ ۳۰ الیل آیت ۲۱۔

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ [1]

شیعی مفسر ابوعلی الطبرسی لکھتا ہے۔

عن ابن الزبیر قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشتری الممالیک الذین اسلموا مثل بلال و عامر . . . والاولیٰ ان تکون الآیات محمولۃ علی عمومہا فی کل من یعطی حق اللہ من مالہ [2]

(ترجمہ) ابوالزبیر سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کے بارے میں اتری آپ ان غلاموں کو جو مسلمان ہوتے جیسے کہ بلال اور عامر مسلمان ہوئے خرید کر آزاد کیا کرتے تھے . . . بہتر یہ ہے کہ آیت کو اپنے عموم پر رکھا جائے اور یہ ہر اس شخص کو شامل رہے جو اپنے مال سے اللہ کا حق ادا کرتا رہے ۔

امام رازی لکھتے ہیں

اجمع المفسرون منا علی ان المراد منہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [3]

(ترجمہ) ہمارے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقیٰ سے یہاں مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں ۔

پھر لکھتے ہیں :-

ان المراد من ھٰذا الاتقی ھو افضل الخلق فاذا کان کذلک وجب ان یکون المراد ھو ابوبکر [4]

لفظ اتقیٰ سے یہاں مراد افضل الخلق (بعد الانبیاء) ہیں جب بات یوں ہے تو ضروری ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہوں۔

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ ھ) بھی لکھتے ہیں :-

قد ذکر غیر واحد من المفسرین ان ھٰذہ الآیات نزلت فی ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حتی ان بعضھم حکی الاجماع من المفسرین علی ذلک ولا شک انہ داخل فیہا و اولی الامۃ بعمومہا فان لفظہا لفظ العموم [5]

---

[1] فوائد القرآن ص ۸۷۷ [2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۰۲ [3] تفسیر کبیر جلد ۳۱ ص ۲۰۴ [4] ایضاً [5] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۵۲۱۔

(ترجمہ) ایک نہیں کئی مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکرؓ کے حق میں اتری ہیں بعض مفسرین نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اس فضیلت میں داخل ہیں اور پوری امت میں سب سے زیادہ اس عموم کے وہی حقدار ہیں۔

۲۔ آپ کے اس عمل انفاق فی سبیل اللہ میں افضلیت کس طرح لپٹی ہے اس کے لیے قرآن کریم کی یہ شہادت بھی لیجئے:۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ۔ لہ

(ترجمہ) برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور لڑائی کی ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کرتے اور جہاد کرنے میں حصہ لیا ویسے حسنیٰ (خوبی) کا وعدہ اللہ کا ہر ایک صحابی سے ہے۔

حضرت ابوبکر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مال خرچ کرنا اور ان کے ساتھ اپنی جان لگا دینا تاریخی بدیہیات میں سے ہے امام رازی لکھتے ہیں:۔

نزلت ھذہ الآیۃ فی ابی بکر لانہ کان اول من انفق المال علی رسول اللہ فی سبیل اللہ ؎

(ترجمہ) یہ آیت حضرت ابوبکر کے فضل میں اتری ہے کیونکہ آپ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مال خرچ کیا۔

حضرت ابوبکر ایک دفعہ پھٹے پرانے کپڑوں میں تھے کہ حضورؐ کے پاس حضرت جبریلؑ آئے اور آپ نے حضورؐ سے حضرت ابوبکرؓ کی اس خستہ حالی کے بارے میں پوچھا آپ نے اس آیت کے اسلوب پر ان کے انفاق کی خبر دی اور اسکے ساتھ قبل الفتح کی قید ذکر کی فرمایا:۔

انفق مالہ علیّ قبل الفتح۔

(ترجمہ) اس نے فتح سے پہلے مجھ پر دولت خرچ کی ہے ؎

لہ پ ۲۷ الحدید ع ۱ ؎ تفسیر کبیر جلد ۲۹ صہ ۲۱۹ ۔ ؎ ایضاً

۴۔ وہ مال جو صحیح طریقے پر خرچ ہو اللہ کی راہ میں لگ جائے وہ نرا مال نہیں فضل ہے خدا جس پر کردے حضرت ابوبکر صدیق رض کا مال اس شان کا تھا کہ قرآن کریم میں اسے فضل کہا گیا ہے۔

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ۔ [۱]

(ترجمہ) اور قسم نہ کھایں تم میں سے فضل والے اور کشائش والے ۔

حضرت عائشہ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہوگئے ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں قصہ افک سے پہلے حضرت صدیق اکبر ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے جب قصہ ختم ہوا اور حضرت عائشہ رض کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر رض نے قسم کھا لی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کرونگا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح لکھتے ہیں :۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھایں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہییں [۲]

اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

الا تحبون ان یغفر اللہ لکم : کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے ؟

حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رض نے سنا کہا۔

بلیٰ یا ربنا انا نحب : بیشک اے پروردگار ہم ضرور چاہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر رض نے قسم کا کفارہ دیا اور حضرت مسطح کی امداد دگنی کردی آپ اپنے اس عمل سے وہ شان پا گئے جسے قرآن کریم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے آپ اولوا الفضل میں ذکر کیے گئے آپ کا مال فضل ٹھہرا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر مغفرت و رحمت کی چادر بھی ڈال دی ۔ روح المعانی میں ہے :۔

وصح ان ابابکر لما سمع الایۃ قال بلیٰ واللہ یا ربنا انا لنحب ان تغفر لنا واعاد لہ نفقتہ وفی روایۃ انہ صار یعطیہ ضعفی ما

---

[۱] پ ۱۸ النور ع ۳ نمبر ۲۲ [۲] فوائد القرآن ص ۴۵۷ ۔

کان یعطیہ اولاً [1]

(ترجمہ) یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت سنی تو کہا بخدا کیوں نہیں اے ہمارے رب ہم تو چاہتے ہیں کہ تو ہماری مغفرت کر دے۔ پھر یہ خرچ دوبارہ دینا شروع کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے جتنا دیتے تھے اب دوگنا دینے لگے۔

۵۔ صرف انفاق نہیں آپ نے قتال میں بھی وہ فضیلت پائی جو آیت لا یستوی منکم من أنفق قبل الفتح وقاتل میں مذکورہ ہے بدر کے دن آپ نے اپنے بیٹے کو دعوت مبارزت دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس سے روک دیا اور فرمایا۔

متعنا بنفسک یا ابابکر ما تعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی وبصری۔ [2]

(ترجمہ) اے ابابکر ہمیں اپنی ذات سے متمتع رکھ تو جانتا ہے کہ تو میرے لیے میرا کان ہے اور میرے لیے میری آنکھ ہے۔

اس پر قرآن پاک نے ان لوگوں کے صادق الایمان ہونے کی اس طرح شہادت دی۔

لا تجد قوماً یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ط ویدخلھم جنٰت تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ط رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ ط الا ان حزب اللہ ھم المفلحون [3]

(ترجمہ) جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ہوئے ہیں ان میں تو کسی کو نہ پائے گا کہ وہ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی گو وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی یا اپنے کنبے کے۔ ان کے دلوں میں اللہ نے جما دیا ہے ایمان اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے۔ اور داخل کرے گا ان کو ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی لوگ

---

[1] روح المعانی جلد ۱۸ ص ۱۲۵ [2] ایضاً جلد ۲۸ ص ۳۷ [3] پ ۲۸ المجادلہ ع ۳

ہیں اللہ کا گروہ اور جو اللہ کا گروہ میں وہی مراد کو پہنچیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت صدیق اکبرؓ اور دوسرے صحابہ کی مدح کی ہے ان کے ایمان اور یقین کی گواہی دی ہے ان کے اعمال اور قربانیوں کو نکھارا اور سنوارا ہے اور بتایا ہے کہ یہی لوگ ساحل مراد پر اترنے والے ہیں۔

اس وقت ہم ان پانچ آیات پر اکتفا کرتے ہیں ان کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا روحانی علمی عملی اور اخروی مقام بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

یہ حضرت ابوبکر کا قرآن کی روشنی میں یہ مختصر تعارف ہے قرآن کی روشنی آپ پر کسقدر پھیلی اور اتری ہوئی تھی یہ ایک مستقل باب ہے ربط آیات سے استخراج استدلال کرتے کو دیکھے مسائل محسوس صورتوں میں سامنے آلگتے اور یوں معلوم ہوتا قرآن ابھی اتر رہا ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب انصار نے امارت چاہی اور کہا خلیفہ ہم میں سے ہو تو حضرت ابوبکرؓ نے سورہ حشر کی یہ آیت پڑھی اور پوچھا بتاؤ اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ تم (انصار) یا ہم (مہاجرین)؟ وہ آیت یہ ہے۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون پ۲۸ الحشر آیت ۸۔

انصار نے جواب دیا اس سے مراد تو آپ (مہاجرین) ہی ہیں — حضرت ابوبکرؓ نے کہا تو اس آیت کی رو سے ہم صادقون ہیں اور تمہیں حکم ہے کہ تم صادقون کے ساتھ ہو جاؤ اس پر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین پ۱۱ التوبہ ع ۱۵۔ آیت ۱۱۹۔

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ہو جاؤ صادقون کے ساتھ۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امارت اصل میں مہاجرین میں ہو اور انصار ان کے ساتھ رہیں امراء مکہ والوں میں سے ہوں اور وزراء مدینہ والوں میں سے۔ مواہب الرحمن میں ہے —— پس مومنوں کو حکم دیا کہ صادقین کے ساتھ رہو پس تم کو ہمارے ساتھ رہنے کا حکم ہے اور یہ نہیں کہ ہم تمہارے ساتھ رہیں [1]

دیکھئے حضرت ابوبکر صدیق نے کس لطیف پیرایہ میں مسئلہ نزاع کو چند منٹوں میں حل کر دیا یہ مجمع عام میں واضح ہوا کہ قرآن پر آپ کی نظر کتنی گہری تھی۔ آپ قرآن کی روشنی میں کیسے چلتے تھے استدلال اس کی ایک مثال ہے۔

---

[1] دیکھئے تفسیر مواہب الرحمن پ۱۱ جلد ۱۱ صہ ۵۶

از حضرت مولانا قاری عبدالعزیز صاحب شوکت

صدیق اکبرؓ

سلام اے ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کے حامل
سلام اے خاتمِ صدق و صداقت عاشقِ کامل

سلام اے جانشینِ اولین شاہِ دو عالم
سلام اے اسوۂ کامل ترین خواجۂ اعظم

سلام اے خوئے تسلیم و رضا کے کعبۂ روشن،
ترا سینہ ہے عکسِ وَالضُّحیٰ کے نور کا مسکن

سلام اے سرگروہِ راشدین اے نجمِ تابندہ
ترے اقوال رخشندہ ترے اعمال پائندہ

سلام اے سیّد الاصحاب اے محبوبِ پیغمبرؐ
تری سیرت جنابِ مصطفیٰؐ کی سیرتِ اطہر

سلام اے سرورِ کونین کے پُر شوق شیدائی،
تری تصدیق سے باغِ رسالت میں بہار آئی،

سلام اے آیۂ ایثار کی تفسیرِ حقانی
تری چشمِ کرم کی بیکسوں میں تھی فراوانی

تری توصیف میں نازل ہوئیں آیاتِ قرآنی
ترے احسان کے ممنون تھے مولائے عدنانیؐ

خدا کا خوف تیرے ہر رگ و ریشہ میں تھا طاری
زبانِ قلب پر تھا نامِ باری ہر گھڑی جاری

ترے ذوقِ محبت کو شرف اللہ نے بخشا
کہ حاصل ہے حضورِ دائمی تجھ کو پیمبرؐ کا

ہوئی جب دشمنانِ دین کی یلغار ملّت پر
سنبھالا پرچمِ اسلام تیرے عزم نے بڑھ کر

یہ تیرے صبر و استقلالِ پیہم کا کرشمہ تھا
کہ شیرازہ بکھر کر پھر منظم تھا مسلماں کا

ترے دم سے نظامِ اہلِ سنت نے جِلا پائی
نفاق و کفر و بدعت کو سیاہ بختی کی موت آئی

تری ہستی کا ہر ذرہ رہِ ملت میں کام آیا
لٹا کر مال و جاں ہونٹوں پہ بس اللہ کا نام آیا

رسالت کی زباں تجھ کو اخی فی الدین فرمائے
معاند ہے ترے اخلاص میں جو اب بھی شک لائے

نہ سمجھا جس نگاہِ کور نے تیری حقیقت کو
وہ کیا سمجھے گا آقائے دو عالم کی شریعت کو

جنابِ حیدرؓ و فاروقؓ اور عثمانؓ نے مانا
ترے اوجِ فضیلت کو سبھی قرآن نے مانا

نہ ہو دل میں نشاں کچھ بھی اگر تیری محبت کا
ترے شوقِ کا ایماں اپنی منزل پا نہیں سکتا

سلام اے ساقئ کوثر کے فیضِ عام کے ساقی
ترا ذکرِ حسن ہے دو جہاں میں جاری و باقی

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ احادیث کی روشنی میں

حضرت مولانا عبدالرحمٰن مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اما بعد! حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقام قرآن کریم کی روشنی میں ۔ یہ مضمون پہلے آچکا ہے اب مقام صدیق احادیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم اور مشکوٰۃ میں صحابہ میں سب سے پہلا باب فضائل آپ کا ہی ہے اور احادیث اس باب میں تواتر کے درجے کو پہنچ چکی ہیں۔

معلوم رہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام عبداللہ ہے صدیق اور عتیق لقب ہیں۔ صدیق اس لیے کہ انہوں نے واقعہ معراج کی تصدیق کی۔ اور عتیق اس لیے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسے انسان کو دیکھنا چاہتا ہے جو نار جہنم سے آزاد اور بے فکر ہو چکا ہے وہ ابوبکر کو دیکھ لے۔

ایمان لانے کے بعد دعوت اسلام میں آنحضرتؐ آپ سے عظیم الشان مدد ملی اور اکثر صحابہ اکابر جن کے کارنامے تاریخ اسلام میں نمایاں ہیں انہی کے اثر سے مسلمان ہوئے انہوں نے دین پاک کی حمایت کی، اللہ کی رضا جوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد میں بہت سا مال صرف کر دیا، جو غلام مسلمان ہو جاتے اور ان کے سنگدل آقا ان پر سختیاں کرتے آپ ان میں سے اکثر کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت محمد بن حنفیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل شخص کون ہے؟ فرمایا ابوبکرؓ۔ میں نے کہا ان کے بعد! فرمایا عمرؓ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور کے بعد تمام امت سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ احادیث سے حضرت ابوبکرؓ

کی فضیلت کی چار وجوہات معلوم ہوتی ہیں:۔

(۱) اُمت میں مرتبۂ عُلیا پانا، صدیقیت اسی سے مراد ہے۔
(۲) ابتدائے اسلام میں حضرت سرورِ عالمؐ کی اعانت کرنا۔
(۳) نبوت کے کاموں کو اتمام تک پہنچانا اور کامیابی پانا۔
(۴) آخرت میں عُلوِ مرتبہ پانا۔

یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عملی قوت اور عقلی قوت حضرات انبیاء علیہم السلام کی عملی و عقلی قوت سے مشابہ تھی۔

علامہ اقبال مرحوم نے ایک رُباعی حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں لکھی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح آپ کی محبت سے اسلام کا کھیت پروان چڑھتا رہا ؎

آں اَمَنّ النّاس بر مولائے ما — آں کلیدِ اوّل سینائے ما
ہمتِ اُو کشتِ ملت را چو ابر — ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

(۱) ابوبکر خیر الناس الا ان یکون نبیؐ[۱]	ابوبکرؓ سوائے نبیوں کے سب انسانوں سے افضل ہیں، باستثناء عیسٰی بن مریم۔
(۲) ارحم امتی بامتی ابوبکر[۲]	میری امت میں میری اُمت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں۔
(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اوّل من تنشق الارض عنہ ثم ابوبکرؓ ثم عمرؓ[۳]	حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین کشادہ ہو گی پھر ابوبکرؓ کے پھر عمرؓ کے اوپر سے۔

[۱] معجم طبرانی شریف [۲] ترمذی شریف، موطا امام محمد [۳] ترمذی شریف، مستدرک حاکم۔

(۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت صاحبی علی الحوض وانت صاحبی فی الغار۔[1]	حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے اے ابوبکرؓ تم حوضِ کوثر پر میرے رفیق ہو اور تم غار میں بھی میرے رفیق تھے۔

(۵) حضورؐ مرضِ وفات میں جب خود مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو ارشاد فرمایا:۔

مُروا ابا بکر فلیصل بالناس[2]	ابوبکرؓ کو میری طرف سے حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔
(۶) ما اوحی الی شیئ الا صببتہ فی صدر ابی بکر[3]	جو وحی مجھ پر نازل فرمائی گئی میں نے اس کو ابوبکرؓ کے سینہ میں نچوڑ دیا ہے۔
(۷) ما فضلکم ابوبکر بفضل صوم ولا صلوٰۃ ولکن بشیئ وقر بصدرہٖ۔[4]	ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کو تم پر نماز یا روزہ کی وجہ سے تفضیلت نہیں ہے بلکہ یہ فضیلت ایک باوقار چیز کی وجہ سے ہے جو اُن کے سینہ میں ڈالی گئی ہے۔ (قوتِ ایمانی اور محبّتِ نبوی)

(۸) آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے جس شخص کے سامنے بھی اسلام پیش کیا، اُس میں جھجک ضرور دیکھی سوائے ابوبکرؓ کے جنہوں نے بلا تردد اس کو تسلیم کرلیا۔

۹ھ میں آنحضرتؐ نے انہی کو امیر الحاج بنایا اور جب آنحضرت مرض الموت میں گرفتار ہوئے تو اپنی بجائے ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

ابوبکرؓ کی صداقت

بخاری شریف میں حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت	یقین جانو کہ اللہ سبحانہٗ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم لوگوں نے مجھے کہا کہ جھوٹ

---

[1] ترمذی [2] بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ [3] الریاض النضرۃ [4] ایضاً

وواسانی بنفسه وماله فهل انتم تارکون لی صاحبی۔

کہتے ہو صرف ابوبکرؓ نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں دیکھ رہی نہیں) انہوں نے اپنی جان اور مال سے میری غمخواری کی تو کیا تم میرے ساتھی کو مجھ پر چھوڑ دینا چاہتے ہو۔

حضرت ابوبکرؓ آنحضرت کے وزیر ہیں

ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہر نبی کے دو وزیر اہلِ آسمان سے اور دو وزیر اہلِ زمین سے ہوتے ہیں، میرے وزیر اہلِ آسمان سے جبریل اور میکائیل ہیں، اور اہلِ زمین سے ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (اگر آسمان والے بے وفا نہیں تو زمین والے کیسے بے وفا ہو سکتے تھے)

حوالجات از مشکوٰۃ شریف در مناقب صدیقؓ

(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں حضور پاک نے ارشاد فرمایا سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکرؓ کی خدمت اور مال کا ہے۔ اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو جانی دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے حضور والا نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو خاص ولی دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا مگر ابوبکرؓ میرا بھائی اور ساتھی ہے اور خدا تعالےٰ نے تمہارے ساتھی (یعنی میری ذات) کو خاص دوست بنالیا ہے۔

(۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مرض کی حالت میں مجھ سے رسولِ گرامیؐ نے فرمایا اپنے بھائی کو اور اپنے والد یعنی ابوبکرؓ کو بلاؤ۔ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں کوئی خلافت کی آرزو کرنے والا آرزو نہ کرنے لگے اور کہیں کوئی کہنے والا چہ میگوئیاں نہ کرنے لگے (مگر خیر رہنے دو) خدا تعالیٰ اور مسلمان سوائے ابوبکرؓ کے کسی کی خلافت کو نہ مانیں گے۔

(۴) حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں ایک عورت نے خدمتِ گرامیؐ میں حاضر ہو کر کسی معاملہ کے متعلق کچھ گفتگو کی، رسولِ اقدسؐ نے اس کو حکم دیا کہ پھر دوبارہ میرے

پاس آنا، اُس نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں پھر آؤں اور آپ نہ ملیں تو کیا کروں، فرمایا اگر میں نہ ملوں تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔ (نہ ملنے سے مراد اُس عورت کی حضورؐ کی وفات تھی)

⑤ حضرت عمروؓ بن عاص کہتے ہیں ذات السلاسل والے لشکر کا سپہ سالار مجھے حضورؐ نے مقرر فرمایا۔ میں (رخصت ہونے کے لیے) خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا سب سے زیادہ محبوب آپؐ کے نزدیک کون شخص ہے، فرمایا عائشہؓ، میں نے عرض کیا کہ مردوں میں سے، فرمایا عائشہؓ کا باپ، میں نے عرض کیا اُن کے بعد! فرمایا عمرؓ، پھر حضورؐ نے (استفسار کے جواب میں) چند آدمیوں کو شمار کیا۔ بالآخر میں خود ہی اس اندیشہ سے چُپ ہو گیا کہ کہیں مجھ کو سب سے آخر میں نہ کر دیں۔

⑥ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے افضل اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ کو پیارے ہیں۔

⑦ حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں حضور اقدس نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا تم غار میں بھی میرے ساتھی تھے اور حوض پر بھی میرے ساتھی ہو گے۔

⑧ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضور والا نے ارشاد فرمایا جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں اُن کی امامت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور کو نہ کرنی چاہیئے۔

⑨ حضرت عمرؓ کہتے ہیں ایک بار رسول پاکؐ نے ہم کو صدقہ دینے کا حکم دیا، اتفاق سے اس حکم کے وقت میرے پاس مال موجود تھا، میں نے کہا اگر میں ابوبکرؓ سے سبقت لے جا سکا تو آج سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں نصف مال لے کر خدمتِ عالی میں حاضر ہوا، رسولِ پاکؐ نے فرمایا اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی اور، ابوبکرؓ اپنا کل مال لے کر آئے تھے، حضورؐ نے اُن سے فرمایا ابوبکرؓ! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا خدا اور خدا کا رسول، میں نے یہ سُن کر دل میں کہا کہ اب میں کبھی ابوبکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

⑩ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں ایک روز ابوبکرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سرکارِ عالی نے فرمایا تم دوزخ سے خدا کے آزاد کردہ ہو، اسی روز سے

حضرت ابوبکرؓ کا نام عتیق ہو گیا۔ عتیق اسے کہتے ہیں جو رہائی پا چکا ہو)

(۱۱) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں رسول پاکؐ نے فرمایا سب سے پہلے میں قبر سے اٹھایا جاؤں گا پھر ابوبکرؓ پھر عمرؓ، پھر میں بقیع کے مدفونوں کی طرف جاؤں گا وہ اُن کو اٹھا کر میرے ساتھ کر دیا جائے گا۔ (وہاں حضرت عثمانؓ مدفون ہیں)

(۱۲) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ایک بار رسولِ پاک نے فرمایا میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے میرا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی، یہ سُنکر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی آپؐ کے ساتھ ہوتا تو میں بھی دیکھ سکتا، فرمایا ابوبکرؓ! تم تو سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گے۔

(۱۳) حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر آیا آپ رونے لگے اور فرمایا میں بس بات کو دل سے پسند کرتا ہوں کہ میرے کل اعمال ابوبکرؓ کے ایک شبانہ روز کے اعمال کے برابر ہو جائیں۔ رات سے مراد میری وہ رات ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ حضورؐ گرامی کے ہمرکاب غارِ ثور کی طرف چلے تھے جب غار پر پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم آپ اندر نہ جائیں میں جاتا ہوں، اگر اس کے اندر کچھ ہوگا تو آپؐ بچ جائیں گے اور جو کچھ گزند ہونا ہے مجھے ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اندر داخل ہوئے غار کو صاف کیا ایک طرف چند سوراخ نظر آئے اُن کو اپنا تہبند پھاڑ کر بند کیا پھر بھی دو سوراخ رہ گئے تو دونوں پاؤں سے ان کے دھانے بند کر دیئے پھر رسول پاک سے کہا اب اندر تشریف لے آیئے، حضور والا اندر تشریف لے گئے اور ابوبکرؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے کہ ابوبکرؓ کے پاؤں میں سوراخ کے اندر سے سانپ نے کاٹ لیا مگر حضورؐ والا کی بیداری کے خوف سے ابوبکرؓ نے حرکت نہ کی، جب آنسو رسول پاک کے چہرہ پر ٹپکے، آپؐ نے بیدار ہو کر فرمایا ابوبکرؓ کیا بات ہے؟ ابوبکرؓ نے عرض کیا حضورؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے، حضورؐ والا نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا، ابوبکرؓ کی تکلیف جاتی رہی، مدت کے بعد پھر اس کا دورہ پڑا

اور یہی اُن کی وفات کا سبب ہُوا۔

اور دن سے مراد میری وہ دن ہے کہ جس دن آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو اہلِ عرب مُرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکٰوۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر اونٹ کا ایک زانو بند بھی یہ لوگ مجھے نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، میں نے کہا اے رسول اللہ کے خلیفہ! لوگوں سے نرمی اور الفت سے پیش آیئے، فرمایا جاہلیت میں تو تُو بڑا سخت اور غصہ ور تھا، اب کیا اسلام میں بُزدل اور نامرد بنتا ہے؟ بات یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا اب دین کامل ہو چکا اب کیا میری زندگی میں دین میں نقصان آسکتا ہے؟

مسلمان ہونے سے پہلے بھی آپ رئیسِ قریش تھے اور دولتمند تاجر، ریاست اور دولت کے ساتھ حُسنِ اخلاق، ہمدردی، وسعتِ معلومات، دانشمندی اور معاملہ فہمی میں صاحبِ امتیاز تھے، ان ہی صفات کے اثر سے قوم میں محبوب و معتمد تھے۔ آپ زمانہ جاہلیت میں بھی ایک سلیم الطبع، غمخوار، دانشمند اور زندہ دل انسان تھے جس انسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین ہمدم و رفیق بن سکتا ہے۔

شرفِ اسلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی زندگی اطاعت و استقامت کا مرقع ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ گھر میں تھا وہ سب لا کر حاضر کر دیا۔

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد آنحضرتؐ کی رحلت تک پروانہ وار شمعِ رسالت پر قربان و نثار تھے، تمام غزوات میں شمشیر بکف ہمرکاب رہے، بدر میں جو شانِ شجاعت دکھائی اُس نے حضرت علیؓ کی زبانِ مبارک سے آپ کو اشجع الناس کا خطاب دلوایا۔

ابوبکرؓ کے درجاتِ عالیہ

مسند حضرت امام احمد بن حنبل، ترمذی شریف اور مسند ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

ان اھل الدرجات العلی لیرٰھم من ھو اسفل	یقین جانو کہ درجاتِ عالیہ میں جو لوگ ہوں گے اُن کے نیچے کے درجہ والے اس طرح

منهم كما ترون الكوكب الدري فی أفق السماء وان ابا بكر وعمر منهم وأنعما۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۹)

دیکھیں گے جیسا کہ تم ایک روشن ستارہ کو آسمان کے کنارے دیکھتے ہو اور یقیناً ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما انہیں میں سے ہیں، اور سب سے بہتر ہیں۔

صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے اجتماعی صفات

① حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں رسولِ پاک نے ارشاد فرمایا کہ اہلِ جنت علّیین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ چمکدار ستاروں کو آسمان کے کناروں پر دیکھتے ہو اور ابوبکرؓ و عمرؓ یقیناً علّیین والوں میں سے ہوں گے بلکہ تمام علّیین والوں میں سے مرتبہ میں بڑھکر ہونگے۔

② حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں ایک روز رسولِ پاکؐ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیے ہوئے کاشانۂ نبوت سے برآمد ہوئے اور مسجد میں تشریف لائے اس وقت ایک صاحب حضورؐ کے دائیں طرف اور دوسرے بائیں طرف تھے، سرکارِ عالی نے فرمایا اسی طرح قیامت کے دن ہم قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

③ حضرت عبداللہ ابن اخطبؓ کہتے ہیں حضور والا نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا یہ میرے گوش و چشم ہیں۔

④ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں ایک بار چاندنی رات تھی اور حضورؐ کا سرِ مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں؟ فرمایا ہاں عمرؓ کی، میں نے عرض کیا ابوبکرؓ کی نیکیوں کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکرؓ کی ایک (رات کی) نیکی کے برابر ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ احادیث کی روشنی میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

علامہ خالد محمود صاحب

۱۔ عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدھم فی امر اللہ عمر واصدقھم حیاء عثمان بن عفان واعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل وافرضھم زید بن ثابت۔۔۔۔ الحدیث [1]

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر ہے اور اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہے حیا میں سب سے زیادہ صادق عثمان ہے اور حلال و حرام (کی حدود) کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ ہے اور علم وراثت پر سب سے زیادہ بالغ نظر زید بن ثابت اور سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ابی بن کعب ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے۔

امام احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے معمر نے قتادہ سے مرسل روایت کرتے ہوئے آخر میں یہ الفاظ بھی روایت کئے ہیں

واقضاھم علی — اور بہترین فیصلہ کرنے والا علی ہے [2]

حضورؐ اکرم سے احادیث روایت کرنے میں سب صحابہ برابر ہیں اور سب عادل ہیں الصحابۃ کلھم عدول کسی کی دیانت اور اخلاص میں شک نہیں کیا جا سکتا جب سب برابر ہوئے تو ان صفات مختلفہ کا حاصل کیا جو اس حدیث میں مختلف صحابہ میں بتلائی گئیں؟ معلوم ہوتا ہے حضورؐ امت کو صحابہ کے سپرد کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ تم نے ہر قسم کی رہنمائی ان سے لینی ہے جس باب میں تم ضرورتمند ہو گے ان روشن ستاروں کی روشنی میں چل سکو گے۔

یہ نہیں فرمایا کہ ہر باب میں تم میری حدیث ڈھونڈو حلال و حرام کی حدود میں حضرت معاذ بن جبل کو رہنما بتلایا حضرت معاذ بن جبل مجتہدین صحابہ میں سے تھے اور حضورؐ سے اپنے مجتہد ہونے کی سند پاتے ہوتے

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۵۹۰ طبع لکھنؤ   [2] مشکوٰۃ صہ ۵۶۶

ہوئے تھے ان کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کسی مسئلے پر تمہیں صریح حدیث نبوی نہ ملے تو فقہ میں ان کی طرف رجوع کرو وہ حلال وحرام میں مغز شریعت پائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مسائل وراثت میں حضرت زید بن ثابت پر شریعت کا مغز کھل چکا ہے تم ان ابواب میں ان کی طرف رجوع کرو۔

نظام تمہارا کیا ہوگا؟ نظام خلافت اور خلافت کے مقام پر کون ہوگا؟ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت ابوبکر کو سب پر رحم کرنے والا فرمایا۔ رحم کون کرتا ہے بڑا چھوٹے پر یا چھوٹا بڑے پر؟ باغی رعایا پر یا رعایا راعی پر؟ باپ بچوں پر یا بچے باپ پر؟ ظاہر ہے کہ بڑا ہی چھوٹوں پر رحم کرے گا جسے کوئی قوت اور اختیار حاصل نہ ہو وہ کیا کسی پر رحم کر سکے گا بالا دست ہی زیر دستوں کے لیے راحم یا ظالم ہوتے ہیں احادیث سے یہی پتہ چلتا ہے کہ رحم کی ممنت چھوٹوں پر کی جاتی ہے حضرت انس بن مالک رض (۹۱ھ) حضور نے فرمایا۔

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا[1]

(ترجمہ) جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہم میں سے جو بڑے ہیں ان کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں حضرت عبداللہ بن عمرو (۶۷ھ) کہتے ہیں حضور نے فرمایا

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[2]

ترجمہ تم زمین والوں پر (نچلوں پر) رحم کرو تم پر (آسمان والا) اوپر والا رحم کرے گا۔

یہ دعا بھی کسی سے بھولی نہیں اللھم لا تسلط علینا من لا یرحمنا

اے اللہ ہم پر وہ حکمران مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کر سکیں

ان روایات کی روشنی میں ہم جب حدیث کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں ارحم امتی بامتی ابوبکر تو کسی کو انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضور حضرت ابوبکر کے اس مقام کی خبر دے رہے ہیں جب حضور کی امت ان کے ہاتھ میں ہوگی ان کا نظام ان کے سپرد ہوگا آپ اپنے زیر دستوں پر رحم کا معاملہ کریں گے کیا یہ آپ کی خلافت کی خبر نہیں؟ حضور نے اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی خبر دی ہے امت کا اگر ایک فرد بھی حضرت ابوبکر رض کی رعیت سے باہر ہو تو آپ حضور کی ساری امت (ایک ایک فرد) کے لیے راحم نہیں ٹھہرے سو ارحم امتی بامتی میں صرف آپ کی خلافت کی خبر نہیں خلافت

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۱۴ [2] ایضاً صہ ۱۴

بلا فصل کا پتہ دیا گیا ہے۔

اس روایت میں اقضاھم علی کے الفاظ پر غور کرنا ہے قضا کا تعلق عدلیہ سے ہے انتظامیہ سے نہیں خلافت ایک انتظامی ذمہ داری ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلی تین خلافتوں میں فصل خصومات اور عدلیہ کی ذمہ داریوں پر رہے اور بحمد اللہ ان ذمہ داریوں سے احسن طور پر عہدہ برا ہوئے لیکن جب خود خلیفہ ہوئے تو آپ نے قاضی شریح جیسے دوسرے حضرات کو عدلیہ کی ذمہ داری سونپی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے مناسب حال عدلیہ کا کام بتایا انتظامیہ کا نہیں سو یہ بات باور نہیں کی جا سکتی کہ حضور نے آپ کو اپنا خلیفہ بلا فصل بنایا ہو اگر ایسا ہوتا تو آپ انہیں عدلیہ کے سربراہ بنا کر انتظامیہ سے کبھی کلیۃً فارغ نہ کرتے سو یہ صحیح نہیں کہ حضور نے غدیر خم کے مقام پر آپ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا

۲۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے ایام علالت میں آپ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کسی موضوع پر بات کی آپ نے اسے پھر آنے کے لیے کہا اس نے کہا اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں آپ نے فرمایا ۔

ان لم تجدینی فأتی ابا بکر [1]

(ترجمہ) اگر تو مجھے نہ پائے تو تم ابوبکر کے پاس چلے آنا۔

سربراہ مملکت کی حیثیت سے آپ نے اس کی بات سننی تھی اور اس کی تکلیف کا سدباب کرنا تھا وہ کوئی مسئلہ پوچھنے نہ آئی تھی کیونکہ مسئلہ بتانے میں تاخیر روا نہیں تھی آپ نے اسے حضرت ابوبکر کے پاس آنے کا حکم دیا بشرطیکہ حضورؐ اس وقت اس جہان فانی میں نہ ہوں یہ حضرت ابوبکر کی خلافت بلا فصل کی خبر ہے کہ حضورؐ کے بعد متصلاً حضرت ابوبکر ہی خلیفہ ہوں گے اور یہی خلافت بلا فصل ہے ۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

لو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکنه اخی وصاحبی وقد اتخذ اللہ صاحبکم خلیلاً [2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۵۱۶ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۷۳۔ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۷۳ صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۵۱۶۔

(ترجمہ) اگر میں کسی کو اپنے رب کے سوا اپنا خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن وہ تو میرا بھائی اور ساتھی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس ساتھی کو (مجھے) اپنا خلیل بنالیا ہوا ہے

خلت وہ رابطہ ہے جسمیں کوئی فاصل اور حائل نہ ہو جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے مابین کوئی اور درجہ فاصل نہیں آپ بلا فصل اس کے تمام تر ہیں خدا کے بعد حضور کے قریب ترین حضرت ابوبکر ہیں رابطہ خلت اوپر قائم ہے نیچے خلافت بلافصل ہے اور وہ حضرت ابوبکر کے لیے ہے آپ نے فرمایا خدا کے سوا میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو وہ ابوبکر ہیں اب ان سے میری اسلامی اخوت اور صحبت نبوت ہے اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۴۔ حضرت حذیفہ بن یمان (۳۵ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا ادری ماقدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین بعدی ـــ واشار الی ابی بکر وعمر واھتدوا بھدی عمار وماحدثکم ابن مسعود فصدقوہ[1]

(ترجمہ) میں نہیں جانتا تم میں کب تک رہوں سو تم ان کی پیروی کرنا جو میرے بعد (میرے جانشین) ہوں گے ـــ اور آپ نے یہ کہتے ہوئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرف اشارہ کیا۔ اور عمار کے طریقے پر چلنا اور جو بات تمہیں عبداللہ بن مسعود بتائیں اس کی تصدیق کرنا۔

آپ نے اپنے جانشینوں کی خبر دیتے ہوئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرف اشارہ فرمایا ـــ دیکھنے والے نے کہا یہ اشارہ حضرت ابوبکر اور عمر کی طرف تھا پہلے اس نے حضرت ابوبکر کا نام لیا معلوم ہوا، ابتدا اشارہ ان سے تھی حضور نے ان دونوں بزرگوں کو اپنے اس دنیا میں رہنے سے متصل کیا یعنی آپ کے بعد ابوبکر اور ان کے بعد عمر ان کے جانشین ہوں گے

یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ کی خلافت بلافصل پر ایک قوی اشارہ ہے حضرت عمارؓ کے طریقے پر رہنے کی تاکید اس لیے کی کہ جب خلافت میں اختلاف ہو جائے جیسا کہ حضرت علیؓ کی خلافت میں ہوا تو تم یہ دیکھنا کہ عمار کدھر ہیں اور ان کے طریقے پر رہنا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی تصدیق سے مراد ان کے علم کی تصدیق ہے ـــ تمام صحابہ حضور سے روایت کرنے میں صادق اور واجب التصدیق ہیں۔

---

[1] جامع ترمذی ۲ صہ ۲۰۷۔

پھر اس حضرت عبداللہ بن مسعود کی خصوصی تصدیق کا مطلب کیا ہے؟ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود کی لفظی روایت کی تصدیق نہیں (وہ تو سب صحابہ کے لیے لازم ہے) ان کی عملی روایت کی تصدیق مراد ہے کہ وہ حضورؐ کے عمل کا نمونہ پیش کرنے کے لیے آپ کے عمل کی تصویر کھینچیں تو امت اسے بھی عمل ثبوت سمجھتے ہوئے اسی طرح قبول کرے اس پر چلے اور اسے سنت نبوی یقین کرے

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا وَاتخذ اللہ ابراھیم خلیلا[1] اور آپ خُلّت الٰہی پا گئے اس کا باعث آپ کا رحیم المزاج ہونا تھا آپ ہر وقت خشیت الٰہی سے معمور اور رضائے الٰہی میں مسرور رہتے قرآن کریم آپ کی اس حالت کو اوّاہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔

ان ابراھیم لحلیم اوّاہ منیب پ ۱۲ ھود آیت ۷۵۔

(ترجمہ) بیشک ابراہیم تحمل والا نہایت نرم دل اور رجوع میں رہنے والا تھا۔

ایک دوسری جگہ فرمایا: ان ابراھیم لاوّاہ حلیم[2] بیشک ابراہیم بڑا نرم دل اور تحمل کرنے والا تھا۔ مشہور تابعی مفسر حضرت قتادہ (۱۱۰ھ) اوّاہ کا معنی رحیم بعباد اللہ (اللہ کے بندوں پر رحمت مجسم) کرتے ہیں[3] قرآن کریم میں اور کسی پیغمبر کے لیے یہ لفظ نہیں آیا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں رحمۃ للعالمین تمام جہانوں کے لیے رحمت مجسم فرمایا اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ آپ کا قدم حضرت حضرت ابراہیم کے قدم پر پڑا اور آپ ان کے مزاج میں ڈھلے ہوئے تھے یہی مزاج ادھر امتی بامتی کے ساتھ حضرت ابوبکر کا بنا، آپ میں یہ صفت ابراہیمی (اوّاہ) اتنی اور حضرت علی مرتضیٰ نے حضرت ابوبکر کو اوّاہ فرمایا[4] (یعنی آپ درد مند اور رحم دل رکھنے والے تھے۔

اس وحدت مزاج کا تقاضا تھا کہ آپ (حضرت ابوبکر) بھی مقام خلت پر سرفراز کیے جائیں اللہ کا جو پیار حضرت ابراہیم کے ساتھ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی پیار حضرت ابوبکر کے ساتھ ہو رہی خلت مصطفوی تو آپ اسیں اللہ تعالیٰ سے واصل ہو چکے تھے اللہ کے بعد آپ کی نظر میں کوئی تھا تو وہ ابوبکر تھے اور دل میں کوئی تھا تو وہ ابوبکر تھے سفر میں ساتھ تھا تو وہ ابوبکر تھے قبر سے اتصال تھا تو وہ ابوبکر تھے آپ نے اس ربط باہمی کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا:۔

الا انی ابرأ الیٰ کل خلیل من خلتہ ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلاً

(ترجمہ) میں اپنے رب کے لیے ہر خلت چھوڑ چکا ہوں اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن میں اپنا یہ تعلق اللہ سے قائم کر چکا ہوں۔ ابن ماجہ

---

[1] پ ۵ النساء ع ۱۸ آیت ۱۲۵ [2] پ ۱۱ التوبہ آیت ۱۱۴ [3] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص [4] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۷۱

ظاہر ہے کہ جو شخص اس مقام پر ہو وہ آپ سے بلافصل متصل ہوگا آپ جس طرح اوپر کی جانب بس اللہ سے بلافصل مربوط ہیں ماتحت نظام میں ابوبکر سے بلافصل متعلق ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ سے پوری زندگی اس طرح متعلق رہے جیسے سایہ کبھی اپنے اصل سے جدا نہیں ہوتا ایسا نائب اپنی ہر ادا میں اصل سے متصل ہوگا اور امت کا حق ہے کہ اسے آپکا خلیفہ بلافصل مانے۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم اتانی جبریل فاخذ بیدی فارانی باب الجنة الذی تدخل منه امتی فقال ابوبکر یا رسول الله وددت انی کنت معك حتی انظر الیه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما انك یا ابابکر اول من یدخل الجنة من امتی [1]

(ترجمہ) حضورؐ نے فرمایا میرے پاس جبریل آئے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے (لے جاکر) جنت کا دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی حضرت ابوبکرؓ نے کہا کاش کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا اور جنت کا دروازہ دیکھ پاتا آپ نے فرمایا اے ابوبکر تو میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا سو دروازہ سب سے پہلے تیرے سامنے ہوگا۔

یہ حدیث حضرت ابوبکر کے سابق الایمان ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے جنت کا داخلہ سبقت ایمانی پر ہوگا والسابقون السابقون اولئك المقربون فی جنت نعیم [2]

(ترجمہ) اور سبقت لے جانیوالے ہی آگے آگے ہوں گے وہی لوگ قرب پاتے ہوتے ہیں جنات نعیم میں۔

جنت میں پہلے داخل ہونا آپ کے افضل الامۃ ہونے کی بھی کھلی شہادت ہے خلافت راشدہ کا عہد زمین کا دور جنت ہے جو اس جنت میں پہلے جائے گا وہ اس جنت میں بھی پہلے آئے گا اور اسی کا حق ہوگا کہ وہ آپ کا خلیفہ بلافصل ہو آپ ہر قدم اور ہر مرحلے پر حضورؐ کے ساتھ رہیں گے۔ حشر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے پھر حضرت ابوبکر آپ کے ساتھ بلافصل میدان حشر میں آئیں گے انکے بعد حضرت عمر، حضرت ابوبکر کے ساتھ ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

انا اول من تنشق عنه الارض ثم ابوبکر ثم عمر ثم اٰتی اهل البقیع [3]

(ترجمہ) میں پہلا ہوں جس سے زمین کھلے گی پھر ابوبکر اور پھر عمر آئیں گے پھر میں اہل البقیع

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۶۴۰۔ [2] پ ۲۷ الواقعہ آیت ۱۰ [3] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۶۴۲

(جہاں حضرت عثمان ہیں) کے پاس آؤں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت عمر رض کو ایک ہی مٹی سے تخلیق بخشی تھی اور تینوں کو ایک خمیر سے خلقت ملی تھی سو ضروری تھا کہ کو یہ تینوں ایک ہی جگہ دفن ہوں۔ اور جب قیامت کا بگل بجے تو تینوں ایک ہی گنبد کے سایہ سے نکلیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا و ابوبکر و عمر خلقنا من تربة واحدة فیها ندفن

(ترجمہ) میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہوں گے۔ فتاوٰی افریقیہ ص۹۹

معلوم ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس جس خاک پاک سے بنا صدیق و فاروق بھی اسی مٹی سے بنے تھے اور قرآن کریم میں ہے جس چیز سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے حشر کے دن اٹھائیں گے

ومنها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارةً اخرىٰ (پ ۱۶ طٰہٰ)

(ترجمہ) ہم نے تمہیں اسی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ایک بار ہم پھر تمہیں اٹھائیں گے۔

اس پاک مٹی کا ایک وجود آسمانی حفاظت میں تھا ایک زمینی حفاظت میں کہ باوجود نبی نہ ہونے کے وہ مادہ شر سے محفوظ تھا اور ایک وجود اس سونے کی طرح تھا جس پر گرد چھا گیا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا (اللهم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب) سے وہ گرد اڑ گیا اور سونا چمک اٹھا اور پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ یہ حقیقت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اعمال خیر کا منبع تھے اور حضرت ابوبکر صدیق تمام اعمال خیر کے جامع تھے ظاہر ہے کہ تمام اعمال خیر اسی میں جمع ہوں گے جسمیں مادہ شر کچھ باقی نہ رہا ہو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ کو کہتے سنا۔

من انفق زوجین من شیٔ من الاشیاء فی سبیل اللہ دعی من ابواب یاعبداللہ هٰذا خیر فمن کان من اهل الصلوٰة دعی من باب الصلوٰة ومن کان من اهل الجهاد دعی من باب الجهاد ومن کان من اهل الصدقة دعی من باب الصدقة ومن کان من اهل الصیام دعی من باب الریان۔

(ترجمہ) جس شخص نے دو جوڑے کسی چیز کے اللہ کی راہ میں خرچ کئے وہ جنت کے دروازہ سے پکارا جائے گا "اے اللہ کے بندے یہ خیر ہے" (تیرا وہ عمل موجب خیر ہے) جو شخص نماز والوں میں سے ہوگا جسکی نیکیوں میں امتیازی غلبہ نفل نماز کا ہو) وہ باب الصلوٰۃ سے جنت میں بلایا جائے گا جو جہاد والوں میں سے ہوگا (اسکا امتیازی غلبہ جہاد فی سبیل اللہ ہو) اسے باب الجہاد سے بلایا جائے گا اہل صدقہ باب الصدقہ سے بلائے جائیں گے اور روزوں (کے غلبہ) والے باب الریان سے بلائے جائیں گے

حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا:۔

ماعلیٰ هٰذا الذی یدعیٰ من تلک الابواب من ضرورة وهل یدعی منها کلها احد یا رسول الله

(ترجمہ) اگرچہ ضروری نہیں کہ کوئی ان تمام دروازوں سے بلایا جائے لیکن اے اللہ کے رسول کیا ایسا بھی ہوگا کہ اسے تمام دروازوں سے آواز پڑے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نعم وارجوا ان تکون منهم یا ابابکر صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۵۱۰

(ترجمہ) ہاں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ درجہ اسی کا ہو سکتا ہے جو تمام اعمال خیر کا جامع ہو اور ہر دائرہ عمل میں وہ کمال عمل کی آخری سرحدوں کو عبور کر چکا ہو یہی سے وہ ایسی نسبت پا چکا ہو جو فاعل (جس سے فیض چلے) اور قابل (جس میں وہ فیض جلوہ گر ہو) کی ہو آفتاب اور آئینہ کی ہو اُدھر جود وسخا ہو ادھر طاعت و وفا ہو۔

جو فنا ہوئے غم عشق میں انہیں زندگی کا نہ غم ہوا۔ تیرے ہاتھ میں ہاتھ آگیا تو چراغ راہ کے جل گئے

صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات قدسی آیات کا خمیر ایک مٹی سے تھا اسی میں یہ حضرات دفن ہونے اور اسی سے یہ اٹھیں گے۔ سب سے پہلے حضورؐ کی قبر مبارک کھلے گی پھر حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کی[۱] (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

انسان کی پیدائش مٹی سے ہے خلق الانسان من طین پ۲۱ السجدہ۔ اس پر قرآن کی شہادت ہے عمل تخلیق خدا کے نور سے ہوا لیکن مادہ تخلیق کے مٹی ہونے اور نوع بشری ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے حدیث مذکورہ کہ میں ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی فتاوے افریقہ میں نقل کی ہے[۲]

ایک ہی مٹی سے پیدا ہونا اور اسی میں دفن ہونا یہ خدا کے تکوین کی ایک خبر تھی کہ ایسا ہوگا لیکن اسے اسباب کی دنیا میں آنے کے لیے ضابطے کی ضرورت ہے حضرت عمرؓ نے حضرت ام المومنین سے روضہ میں دفن ہونے کی جو اجازت مانگی وہ اس عمل کی ایک تشریعی راہ ہے گو تکوینی فیصلہ اللہ کے ہاں پہلے سے یہی تھا۔

ان چند احادیث کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق کے مقام قرب وعلا اور شان صدق و صفا کو آسانی سمجھا جا سکتا ہے ہم نے قرآن کریم کی پانچ آیات کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق پر کچھ حقیقتیں، گذارش کی تھیں اب یہ چند احادیث ہدیہ قارئین ہیں جن کے عقیدے حقیقت پسند ہوں تو ان پانچ پانچ سے کبھی بھی روگردانی نہ کریں۔ والله هو الموفق للصواب وعلمه اتم واحکم فی کل باب۔

---

[۱] دیکھیے سنن ابی داود جلد ۲ صہ ۶۴۲ [۲] رواہ الخطیب فی کتاب المتفق والمفترق واقرہ الشیخ احمد رضا

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات

علامہ خالد محمود

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حضرت علی مرتضیٰ قریش کے بطن بنو ہاشم میں سے تھے حضرت ابوبکر صدیق قریش کی ایک کی ایک مختصر شاخ بنو تیم کے فرد تھے دونوں ایک برادری کے نہ تھے مگر سبقت فی الاسلام کے ناطے دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے اور دینی کاموں کے سوا سماجی اور معاشرتی دوائر زندگی میں بھی وہ ایک دوسرے سے خاصے خوشگوار تعلقات رکھتے تھے آپس میں وہ خیر خواہی تھی جو مومنین کو ہی ایک دوسرے سے ہو سکتی ہے۔ انس و مودت کی یہ راہیں آل سبا کے اس تصور کو یکسر ختم کرتی ہیں جو یہ ان حضرات (معاذ اللہ) کو آپس میں عداوت و منافرت کے فاصلے میں گھرے ہوئے بتلاتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت علی کے ساتھ یہ تعلقات حضورؐ کی وفات سے پہلے بھی قائم تھے اور حضور کی وفات کے بعد بھی قائم رہے۔ ان میں مودت و محبت کی یہ فضا برابر قائم تھی اور حضرت علی نے حضرت صدیق اکبر کو ان کی وفات کے بعد بھی جب کبھی اپنے ہاں یاد کیا تو نیکی سے ہی یاد کیا وکفیٰ باللہ شہیدا۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

خلافت سے پہلے کے تعلقات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت فاطمہؓ کی خواستگاری پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی آمادہ کیا تھا اور آپ ہی حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ کو ساتھ لے کر اس بات کے لیے حضرت علی کے پاس پہنچے تھے۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے۔

"پس ابوبکر با عمر و سعد بن معاذ گفت کہ برخیزید بنزد علیؑ رویم و او را تکلیف نمائیم کہ خواستگاری فاطمہ بکند و اگر تنگدستی او را مانع شدہ باشد ما او را دریں باب مدد کنیم[1]

---

[1] جلاء العیون صہ ۱۲۱ بحار الانوار جلد ۱۰ صہ ۳۷۔

(ترجمہ) پس حضرت ابوبکر نے حضرت عمر اور حضرت سعد کو کہا آؤ علی کے پاس چلیں اور اسے آمادہ کریں کہ وہ حضورؐ سے حضرت فاطمہ کا رشتہ مانگیں حضرت علی کو اگر یہ عذر ہوں کہ وہ غریب ہیں تو ہم ان کی مالی امداد کریں۔

یہ صرف نکاح کی ہی تجویز نہیں اسمیں وہ خیر خواہی لپٹی ہے جو ایک برادری اور خاندان کو ایک دوسرے سے ہوتی ہے حضرت ابوبکر کا دل حضرت علی کے لیے کس جذبہ ترحم سے بھرا پڑا تھا کہ ان کے لیے خاتون جنت کا رشتہ تجویز کیا اور اپنے مال وجان سے حضرت علی کے لیے اس منزلت کی تمنا کی جو اس مبارک رشتے سے حضرت علی کو حاصل ہوئی تھی۔

رسالتمآبؐ کی حضرت ابوبکر پر نظر قدر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے اس جذبہ خیر خواہی سے ناواقف نہ تھے جو انہیں اہل بیت رسالت کے بارے میں حاصل تھا سو آپ نے بھی جہیز فاطمہ کے لیے حضرت ابوبکر کو ہی سربراہ بنایا اور انہیں ضروری رقم دی تاکہ سیدہ کے لیے شادی کی اشیاء خریدی جاسکیں محمد بن حسن طوسی (۴۶۰ھ) نقل کرتا ہے۔

ثم قبض رسول الله من الدراهم بكلتا يديه فاعطاها ابابكر و قال ابتع لفاطمة ما يصلحها من ثياب واثاث البيت واردفه بعمار بن ياسر وبعدة من اصحابه فحضروا السوق فكانوا يعرضون الشئ مما يصلح فلا يشترونه حتى يعرضوه على ابي بكر فان استصلحه اشتروه [1]

(ترجمہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے درہم لیے اور حضرت ابوبکر کو دیئے اور کہا فاطمہ کے لیے کپڑے اور گھر کی چیزیں خرید لائیں اور ان کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر اور کئی دوسرے صحابہ کو بھیجا یہ سب حضرات بازار گئے جو چیز مناسب تھی وہ دکھلاتے رہے کوئی چیز نہ خریدتے جب تک وہ حضرت ابوبکر کو نہ دکھا دیں آپ اسے

---

[1] کتاب الامالی جلد ۱ صہ ۳۹ جلاء العیون صہ ۱۴۶ ۔

پسند کرتے تو وہ لے خریدتے تھے۔

ابن شہر آشوب (۵۸۸ھ) بھی لکھتا ہے:

وانفذ عماراً و ابابکر و بلالاً لابتیاع ما یصلحها[1]

ترجمہ: اور آپ نے حضرت عمار کو حضرت ابوبکرؓ کو اور حضرت بلال کو ان چیزوں کی خرید کے لیے بھیجا جو حضرت سیدہ کو چاہیں تھیں

سیدہ کے نکاح کی خبر اور حضرت ابوبکر

حضرت علی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب نکاح کی گفتگو ہو چکی اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آرہے تھے تو رستے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر ملے آپ نے بتلایا کہ آپ کی حضرت فاطمہ سے رشتہ کی بات ہو گئی ہے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر اس کا جو اثر ہوا اسے حضرت علیؓ کی زبان مبارک سے سنیئے:

ففرحا بذلك فرحاً شديداً و رجعا معي الى المسجد فما توسطناه حتى لحق بنا رسول الله وان وجهه يتهلل سروراً و فرحاً[2]

ترجمہ: سو یہ دونوں بہت زیادہ مسرور ہوئے اور دونوں میرے ساتھ مسجد میں آئے ہم مسجد کے درمیان بیٹھے تھے کہ ہمیں حضور اکرمؐ آملے اور آپ کا چہرہ بھی خوشی سے دمک رہا تھا۔

جن حضرات کی حضور نے مجلس نکاح میں شرکت چاہی

یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رستے میں حضرت علی کو ملے تھے اور آپ کے نکاح کی خبر ملنے پر وہ خود ہی حضرت علی کے ساتھ ہو گئے تھے یہاں تک کہ تینوں حضرات مسجد میں آگئے اور پھر وہیں حضورؐ بھی آپہنچے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ حضورؐ جب اپنے گھر سے چلے تھے تو آنحضرت اپنے خادم خاص حضرت انس بن مالک کو حکم دے کر چلے تھے کہ بارہ افراد کو اس مجلس نکاح میں آنے کی دعوت دو پانچ مہاجرین اور چھ انصار حضرت علی سمیت کل بارہ ہو جائیں گے علی بن عیسی الاربلی (۶۸۷ھ) حضرت انس سے روایت کرتا ہے کہ حضورؐ نے مجھے کہا:

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صد ۲۰ [2] المناقب للخوارزمی ص ۲۵۱/۲۵۲ کشف الغمہ جلد ۱ صد ۳۶۳/۳۶۴ بحار الانوار جلد ۱۰ صد ۳۵

فانطلق فادع لی ابابکر وعمر وعثمان وعلیا وطلحة و الزبیر وبعددهم من الانصار[۱]

(ترجمہ) تو جا اور میرے لیے ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور اتنی ہی تعداد میں انصار کو بلا لا

یہ حضرات حضرت سیدہ کے نکاح کے گواہ بنے مہاجرین میں سے جو پانچ حضرات نکاح کے گواہ ہوئے افسوس ہے کہ شیعہ ان ہی سے چار کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معاذاللہ سب منافق تھے حاصل اس کا یہ نکلتا ہے کہ حضرت سیدہ اور حضرت علی کو اپنے نکاح کے لیے مہاجروں میں سے ایک بھی مومن گواہ نہ مل سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملی برادری کا یہی پہ حضرات سرمایہ تھے[۲] اور آپ نے حضرت سیدہ کے نکاح میں انہی کی شرکت چاہی تھی اور انہی کو بلانے کے لیے حضرت انس کو بھیجا تھا اور خدا کی قدرت دیکھیئے کہ ادھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خود ہی حضرت علی کی ہمراہی میں چلے آرہے تھے حضور کا ہی یہ انتخاب تھا جن پر مشتمل حضرت عمرؓ نے اپنی کمیٹی بنائی تھی۔

صحابہ کس ترتیب سے زبان رسالت پر آئے۔

حضور نے ان حضرات کو جب مجلس نکاح میں بلایا تو ترتیب وہی تھی جو آئندہ خلافت میں عمل میں آنے والی تھی (۱) ابوبکر (۲) عمر (۳) عثمان (۴) علی کسے معلوم تھا کہ یہ حضرات اسی ترتیب سے خلفاء راشدین ہوں گے زبان رسالت پر یہ ترتیب یونہی نہ آگئی تھی جب یہ نکاح وحی الٰہی کے سائے میں ہو رہا تھا تو اس کے دیگر پہلو بھی امر الٰہی کے تحت ہی وقوع میں آرہے تھے۔ جب حضور نے سیدہ ام کلثوم حضرت عثمان کے نکاح میں دی تھی اس وقت بھی تو آپ کا عمل وحی الٰہی کے ہی تابع تھا[۳]

والدہ کی وفات پر شریک غم سیدنا حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کی وفات مدینہ منورہ میں آنحضرت

---

[۱] کشف الغمہ جلد اص ۳۷۱ [۲] دو اور بزرگ بھی ان میں شامل ہیں محب الدین الطبری (م ۶۹۴ھ) نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو بھی ان مدعوین میں ذکر کیا ہے ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ ص ۳ [۳] امام بخاری لکھتے ہیں حضور نے فرمایا تھا ما زوجت ام کلثوم من عثمان الا الوحی من السماء: تاریخ کبیر جلد ۲ حصہ اول ص ۲۸ میں نے ام کلثوم عثمان کے نکاح میں وحی سماوی سے دی ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوئی حضورؐ نے انہیں اپنی قمیص مبارک کفن کے لیے دی آپ اس کی قبر میں بھی ہاتھ سے قبر میں میت کو کس کس نے اتارا ؟ محدث طبرانی (۳۶۰ ھ) روایت کرتے ہیں۔

ادخلھا اللحد ھو والعباس وابوبکر الصدیق [1]

(ترجمہ) حضرت علی کی والدہ کو آپ نے حضرت عباس اور حضرت ابوبکرؓ نے قبر میں اتارا۔

آنحضرت، حضرت عباس اور حضرت علی تو سب ہاشمی تھے ایک بطن سے تھے حضرت ابوبکر تو ہاشمی نہ تھے قریش کے بطن بنو تیم میں سے تھے حضرت ابوبکر کا اس انداز میں حضرت علی کے قریب ہونا ان کے باہمی انس و مودت کا پتہ دیتا ہے غم کے مواقع پر حقیقت بولتی ہے دل ایک دوسرے کی طرف کھیچتے ہیں غم کے لمحے منافقت کے سائے میں بسر نہیں ہوتے ان سے حقیقی تعلقات کا پتہ چلتا ہے

<u>حضرت فاطمہ کی وفات پر شریک غسل</u>

حضرت سیدہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کو فکر تھی کہ آپ کا جنازہ کہیں بلا پردہ نہ اٹھایا جائے حضرت ابوبکر صدیق کی اہلیہ اسماء بنت عمیس آپ کی تیمار دار تھیں آپ نے حضرت سیدہ کو تسلی دی اور بتایا کہ میں نے حبشہ میں باپردہ چارپائی کا طریق دیکھا ہے اور حضرت سیدہ کے سامنے چارپائی پر چھپر کھٹ بناکر دکھایا آپ اس پر خوش ہوئیں یہ آخری تبسم تھا جو خواتین نے خاتون جنت کے چہرہ پر دیکھا اور یہ فضیلت خلیفہ وقت حضرت ابوبکر کی اہلیہ کو ملی آپ کا یہ جنازہ پھر اسی طرح رات کی تاریکی میں اٹھایا گیا اور رات کو ہی آپ کو دفن بھی کر دیا گیا۔

حضرت سیدہ کے غسل میں دو عورتیں شریک تھیں ایک خلیفہ وقت حضرت ابوبکر کی بیوی اور دوسری سلمیٰ جو حضورؐ کے غلام ابو رافع کی بیوی تھی حضرت علی ان کی مدد کرنے والے تھے اہل سنت تذکرہ نگاروں نے بی بی سلمیٰ کے تذکرہ میں اس غسل فاطمہ کا ذکر بھی کیا ہے [2] یاد رہے کہ شیعہ علماء نے بھی اس واقعہ غسل کا اعتراف کیا ہے [3]

حضرت ابوبکر اور حضرت علی <u>امام اور مقتدی کے کردار میں</u> :۔ آئیے ان دونوں حضرات کو اب امام اور

---

[1] ۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صہ ۲۵۷ جمع الفوائد ۲ صہ ۳۰۸ [2] دیکھئے الاستیعاب لابن عبد البر جلد ۴ صہ ۳۲۲ اسد الغابہ جلد ۵ صہ ۴۷۸ ۔ [3] دیکھئے کشف الغمہ ۲ صہ ۶۱ طبع جدید

مقتدی کے کردار میں دیکھیں، حضرت علی کس طرح حضرت ابوبکر کی امامت کو تسلیم کرتے تھے۔
امام اور مقتدی میں جو جذبہ عقیدت اور رشتہ مودت قائم ہوتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ میں یہ مودت بھی قائم تھی حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچ وقت کی نماز حضرت ابوبکر کی امامت میں پڑھتے تھے باہمی بات چیت بھی ہوتی اور آپ کبھی حضرت علی سے حضرت سیدہ کی بیمار پرسی بھی کر لیتے حضرت علی کے شاگرد سلیم بن قیس الہلالی کی کتاب نجف اشرف میں چھپ چکی ہے اسمیں ہے :۔

وکان علی یصلی فی المسجد الصلوات الخمس فلما صلی قال لہ ابوبکر وعمر کیف بنت رسول اللہ الی ان ثقلت فسألا عنہا [1]

(ترجمہ) حضرت علی پانچوں وقت کی نماز مسجد نبوی میں پڑھتے تھے آپ جب فارغ ہوتے تو حضرت ابوبکر اور عمر آپ سے حضرت سیدہ کا حال دریافت کرتے یہاں تک کہ آپ میں اٹھنے کی ہمت نہ رہی پھر بھی وہ آپ کے بارے میں پوچھتے رہے۔
اس وقت کے معاشرے میں اس تصور کو راہ نہیں ملتی کہ آپ نماز پنجگانہ جماعت سے نہ پڑھتے ہوں۔ اور مسجد میں بھی آتے ہوں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

وھذا حق فان علی بن ابی طالب لم یفارق الصدیق فی وقت من الاوقات ولم ینقطع فی صلوٰۃ من الصلوات خلفہ [2]

(ترجمہ) اور یہ حق ہے بیشک حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبر کو کسی وقت بھی نہیں چھوڑا اور آپ نے آپ کے پیچھے نمازوں میں کبھی علیحدگی اختیار نہ کی۔
ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔ آپ کے ساتھ نمازوں میں آپ کی موجودگی آثار میں موجود تھے۔

الآثار من شہودہ معہ الصلوات [3]

احمد بن علی طبرسی کتاب الاحتجاج میں آپکی نماز کا نقشہ یوں بیان کرتا ہے۔

قام وتھیا للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلف ابی بکر (کتاب الاحتجاج صـ۵۳)

---

[1] کتاب سلیم بن قیس صـ۲۲۵ طبع حیدریہ نجف اشرف [2] البدایہ جلد ۵ صـ۲۴۹ [3] البدایہ جلد ۶ صـ۳۰۲۔

(ترجمہ) آپ کھڑے ہوئے نماز کا ارادہ کیا مسجد میں آئے اور ابوبکر رض کے پیچھے نماز پڑھی۔

تفسیر علی بن ابراہیم القمی ۳۰۷ھ میں کسی یہودی صفت شخص نے لفظ صلیٰ (اس نے نماز پڑھی) کو لفظ وَقَفَ (وہ کھڑا ہوا) سے بدل دیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کے پیچھے صرف کھڑے ہوئے تھے مقتدی نہ ہوئے تھے جماعت سے نماز نہ پڑھتے تھے نماز اپنی پڑھتے تھے استغفر اللہ العظیم حضرت علی کے عمل کو نفاق میں رنگنے کی یہ حرکت کسی مسلمان کی نہیں ہوسکتی تفسیر قمی کے الفاظ ملاحظہ ہوں، کس دیدہ دلیری سے حضرت علی کی غلط تصویر کشی کی گئی ہے

ثم قام وتهيأ للصلوة وحضر المسجد ووقف خلف ابي بكر وصلى لنفسه

(ترجمہ) پھر آپ اٹھے نماز کا ارادہ کیا اور مسجد میں چلے آئے حضرت ابوبکر کے پیچھے کھڑے ہوئے اور نماز اپنی ہی پڑھی۔ (تفسیر قمی صہ ۲۹۵ طبع قدیم)

یہاں آخر میں صلی لنفسہ کے الفاظ بھی بڑھا دیئے ہیں جو کتاب الاحتجاج میں نہیں ملتے اور یہ اضافہ لفظ صلی کو وقف سے بدلنے کی تائید میں وضع کیا گیا ہے۔

اس عبارت کا لفظ لفظ بتلا رہا ہے کہ عبارت کس طرح بدلی گئی ہے حضرت علی مرتضےٰ کے عمل کو کسی طرح منافقانہ نہیں کہا جاسکتا آپ کا حضرت ابوبکر کی اقتدار کرنا امر مسلم ہے جسکا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی ۴۶۰ نے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ۴۳۶ھ کی کتاب الشافی کی تلخیص کی ہے اسمیں سید مرتضیٰ لکھتا ہے۔

وان ادعى صلوة مظهر اللاقتداء فذلك مسلم لانه الظاهر

(ترجمہ) اور اگر ایسی نماز کا اس نے دعوئے کیا ہے جو آپ کے مقتدی ہونے کو ظاہر کرے تو یہ بات تسلیم شدہ ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے (تلخیص الشافی صہ ۳۵۴)

شیعہ مناظرین بلا انکار تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھتے رہے انکا خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی لکھتا ہے

حضر المسجد وصلى خلف ابي بكر (مراۃ العقول صہ ۳۸۸)

(ترجمہ) پھر وہ اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوگئے۔

پھر ملا مقبول امامی بھی لکھتا ہے۔

پھر وہ اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر کے پیچھے نماز میں کھڑے ہو گئے [1]

حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی۔

ابن شہاب زہری (۱۲۴ھ) کہتے ہیں حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر کی بیعت وفات نبوی کے فوراً بعد نہ کی تھی چھ ماہ بعد کی تھی امام زہری نے وہ دور نہیں پایا جسکی وہ بات کر رہے ہیں انہیں کس نے اس بات کی خبر دی وہ اس کا نام نہیں لیتے تاہم اس روایت سے اتنا پتہ ضرور ملتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت کے لیے آپ پر کوئی جبر نہ کیا گیا تھا اگر ایسا ہوتا تو حضرت علی کی بیعت چھ ماہ بعد نہ ہوتی فوراً ہو جاتی۔ حضرت علی نمازیں تو پہلے دن سے ہی حضرت ابوبکر کے پیچھے پڑھتے تھے کیا یہ ان کی امامت کا اقرار نہ تھا؟ رہی یہ بیعت خلافت سو ہمیں یہ چھ ماہ کی تاخیر بتلا رہی ہے کہ یہ طوع ورضا سے تھی، جبر واکراہ سے نہ تھی اور نہ حضرت علی کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے کہ وہ جبر سے غلط بیعت کر سکتے تھے

روایت تاخیر بیعت کی تحقیق

یہ چھ ماہ بعد بیعت کرنے کی روایت صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۶۰۹ میں عقیل بن خالد عن ابن شہاب سے منقول ہے اصل حدیث کی راویہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ہیں یہ ساری روایت حضرت عائشہ کی ہی ہے یا اس میں اس کے راوی ابن شہاب کا اپنا ادراج بھی ہے اس کے لیے سنن کبریٰ امام بیہقی جلد ۶ صہ ۳۰۰ پر معمر عن ابن شہاب کی یہ روایت دیکھئے۔

قال معمر قلت للزهري كم مكثت فاطمه بعد النبي صلى الله عليه وسلم قال ستة اشهر فقال رجل للزهري فلم يبايعه علي حتى ماتت فاطمه قال ولا احد من بني هاشم

مسند ابی عوانہ جلد ۴ صہ ۱۴۶ میں بھی اسے ابن شہاب کے جواب کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

امام بیہقی لکھتے ہیں:۔

---

[1] ترجمہ ملا مقبول صہ ۴۱۵۔

وقول الزهری فی قعود علی من بیعۃ ابی بکر حتی توفیت فاطمۃ منقطع۔[۱]

(ترجمہ) اور زہری کا یہ قول کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کی بیعت کے لیے (چھ ماہ تک) بیٹھے رہے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ فوت ہوگئیں سند کی رو سے منقطع ہے۔

اور پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں

والذی روی ان علیاً لم یبایع ابابکر ستۃ اشہر لیس من قول عائشہ انما ھو من قول الزہری فادرجہ بعض الرواۃ فی الحدیث عن عائشہ فی قصۃ فاطمۃ دحفظہ معمر بن راشد فرواہ مفصلا و جعلہ من قول الزہری منقطعا[۲]

(ترجمہ) اور یہ بات جو روایت کی گئی ہے کہ علی نے ابوبکر کی بیعت چھ ماہ تک نہ کی تھی حضرت عائشہ کی کہی بات نہیں ہے یہ زہری کا قول ہے جو بعض راویوں نے حضرت عائشہ کی روایت میں داخل کر دیا ہے معمر بن راشد نے اسے یاد رکھا اور اسے تفصیلاً روایت کیا ہے اور اس (چھ ماہ کی تاخیر) کو روایت سے ہٹ کر زہری کی بات کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ شہاب الدین قسطلانی نے بھی امام بیہقی کی اس تحقیق کو قبول کیا ہے۔

وقد صحح ابن حبان وغیرہ من حدیث ابی سعید الخدری وغیرہ انّ علیا بایع ابابکر فی اوّل الامر واما ما وقع فی مسلم عن الزہری ان رجلاً قال لہ لم یبایع علی ابابکر حتی ماتت فاطمۃ قال لاولا احد من بنی ہاشم فقد ضعفہ البیہقی بان الزہری لم یسندہ وان الروایۃ الموصولۃ اصح[۳]

(ترجمہ) اور ابن حبان اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت کو کہ حضرت علی نے اولاً ہی حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی تھی صحیح قرار دیا ہے اور مسلم کی روایت میں جو زہری کی

---

[۱] سنن کبریٰ جلد ۶ صہ ۳۰۰ [۲] الاعتقاد علی مذہب السلف صہ ۱۸۰ مصر [۳] فتح الباری جلد ۷ صہ ۳۹۹ ارشاد الساری ۸ ۱۸۸

بات ہے کہ ایک شخص نے اسے کہا کہ علی نے ابوبکر کی اس وقت تک بیعت نہیں کی جب تک حضرت فاطمہ فوت نہ ہوگئیں اور زہری نے کہا " اور نہ کسی اور ہاشمی نے بیعت کی" سوائے امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے کہ زہری نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی اور جو روایت موصول ہے وہی صحیح ہے

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں

قد اتفق الصحابة رضی الله عنهم علی بیعة الصدیق فی ذلك الوقت حتی علی بن ابی طالب والزبیر[1]

(ترجمہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت پر اتفاق ہوگیا تھا حضرت علی اور حضرت زبیر نے بھی اسی وقت بیعت کرلی تھی۔

روایت ابی سعید الخدری رضؓ:

جب حضرت ابوبکر صدیق کو سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ نامزد کرلیا گیا اور آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور وہاں بیعت عام ہوئی تو سب مہاجرین وانصار نے آپ کی بیعت کی آپ منبر پر تشریف لائے آپ نے دیکھا کہ حضرت زبیر نہیں ہیں آپ نے انہیں بلالیا اور فرمایا :-

ابن عمة رسول الله وحواریه فقام اردت ان تشق عصا المسلمین؟ قال لا تثریب یا خلیفة رسول الله فقام وبایعه[2]

(ترجمہ) اے حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ کے حواری تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کی یکجا طاقت میں رخنہ ڈالو! حضرت زبیر نے کہا نہیں اے خلیفہ رسول خدا کوئی عذر نہیں آپ اٹھے اور بیعت کرلی اسی طرح آپ نے حضرت علی کو بلایا اور اسی طرح بات چیت ہوئی اور پھر حضرت علیؓ نے بھی آپ کی بیعت کرلی[3]

یہ روایت وہیب نے، داؤد بن ابی ہند سے اس نے ابونضرہ سے انہوں نے حضرت سعید سے نقل کی ہے ۔ ابونضرہ سے اسے حریری نے بھی روایت کیا ہے حریری سے علی بن عاصم نے ان سے حضرت سعید بن المسیب کے صاحبزادے قاسم نے اسے نقل کیا ہے[4]

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۵ صہ ۲۴۹ [2] السنن الکبریٰ جلد ۸ صہ ۱۴۳ [3] ایضاً [4] دیکھئے کنز العمال جلد ۳ صہ ۱۴۰۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

هٰذا اسناد صحیح محفوظ من حدیث ابی نضرہ ۔۔۔۔ وفیہ فائدہ جلیلۃ دھی مبایعۃ علی بن ابی طالب اما فی اول الیوم او فی الیوم الثانی من الوفاۃ وھٰذا حق فان علی بن ابی طالب لم یفارق الصدیق فی وقت من الاوقات ولم ینقطع فی صلوۃ من الصلوات خلفہ۔[1]

(ترجمہ) یہ سند صحیح ہے اور ابو نضرہ (جو اسے ابو سعید سے لیتے ہیں) سے پوری طرح محفوظ ہے اسمیں ایک بڑا افادہ ہے اور وہ حضرت علی کا وفات کے پہلے یا دوسرے دن (حضرت ابوبکر کی) بیعت کرنا ہے اور یہ حق ہے حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو کسی وقت بھی نہیں چھوڑا اور آپکے پیچھے نمازیں پڑھنے میں آپ ایک نماز میں بھی علیحدہ نہیں رہے۔

حاکم نے حضرت علی اور حضرت زبیرؓ سے اس موقع پر یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں

ان ابابکر احق الناس بھا انہ لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعرف شرفہ وخیرہ ولقد امرہ رسول اللہ بالصلوٰۃ بالناس وھو حیّ[2]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر بلاشبہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں آپ حضورؐ کے غار کے ساتھی ہیں آپ ثانی اثنین ہیں اور ہم آپ کے شرف کو اور آپ کے خیر ہونے کو جانتے ہیں بیشک آپ کو حضورؐ نے اپنے عین حیات نماز کی امامت کا حکم دیا تھا۔

اسکی سند جید ہے اور یہ الفاظ حضرت علیؓ کی شان کے عین مناسب ہیں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں بھی یہ الفاظ نقل کیے ہیں:۔

انا لنریٰ ابابکر احق الناس بھا انہ لصاحب الغار وانا لنعرف سنّہ وامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ بالصلوٰۃ وھو حیّ[3]

آپ کے اس بیان میں حضرت ابوبکر کی بزرگی عمر کا ایک کھلا اعتراف ہے حضرت علی جن کی عمر اس وقت

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۶ البدایہ ۶ ص ۲۰۲ [3] شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۵۴ تقطیع کلاں

۲۷ سال کے قریب تھی اس نبی کی خلافت کا کیسے تصوّر کر سکتے تھے جو دس ذمہ داری پر چالیس سال کی عمر میں آیا تھا۔

بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی نے اس لیے بیعت میں تاخیر کی کہ آپ پہلے قرآن کریم یاد کرنا چاہتے تھے یہ بات خلاف معقول ہے بیعت کا تعلق نظم سلطنت سے ہے قرآن کریم یاد کرنا ایک علمی خدمت ہے ان میں کوئی تعارض نہیں ان جیسے مدبر انسان سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسی کمزور بات کہے اور بیعت اور جمع قرآن میں تعارف ثابت کرے۔

ثانیاً یہ روایت سنداً منقطع ہے حضرت علی تک متصلاً نہیں پہنچی علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:۔

قال ابن حجر هذا الاثر ضعيف للانقطاع [1]

(ترجمہ) ابن حجر کہتا ہے یہ اثر ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی تک نہیں پہنچتا اس میں انقطاع ہے

حضرت علی خود فرماتے ہیں:۔

فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم نظر المسلمون فى امرهم فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ولى ابابكر امر دينهم فولوه امر دنياهم فبايعه المسلمون وبايعته وكنت اغزو اذا اغزاني واخذ اذا اعطاني وكنت سوطا بين يديه فى اقامة الحدود [2]

(ترجمہ) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، مسلمانوں نے اپنے نظم حکومت میں فکر کی کیا پاتے ہیں کہ حضورؐ نے ان کے دینی کام کی ولایت حضرت ابوبکر کو دی ہے سو انہوں نے اپنے دنیوی کام کی ولایت بھی انہیں ہی سونپ دی سو سب مسلمانوں نے آپ کی بیعت کی اور میں نے بھی کی جب آپ مجھے کسی معرکے میں بھیجتے میں جاتا رہا اور جو کچھ مجھے دیتے میں لیتا رہا میں آپ کے ہاتھ میں ایک کوڑے کی طرح تھا جو اقامت حدود کی ذمہ داری ادا کر رہا ہو۔

آپ کا حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا اتنا واضح اور روشن ہے کہ شیعہ علماء کیا قدما اور کیا متاخرین کوئی اس کا انکار نہ کر سکے انہوں نے گو اسے تقیہ پر محمول کیا تاہم اقرار بیعت سے انہیں کبھی انکار نہیں رہا۔ دینی بات میں تقیہ ہو اور وہ مامور من اللہ کہے یہ بات تسلیم کرنا بہت مشکل ہے۔

---

[1] اتقان جلد ۱ صہ ۵۷ [2] کنز العمال جلد ۶ صہ ۸۲ طبع قدیم۔

محمد بن یعقوب کلینی (۳۲۹ھ) لکھتا ہے

کتب علی علیہ السلام امرہ فبایع مکرھًا حیث لم یجد اعوانًا [1]

اور امام باقر سے نقل کرتا ہے:-

وابوا ان یبایعوا حتی جاؤوا بامیر المومنین علیہ السلام مکرھا فبایع [2]

امامیہ کا علم الہدیٰ شریف مرتضیٰ (۴۳۶ھ) لکھتا ہے:-

فالظاھر الذی لا اشکال فیہ انہ علیہ السلام بایع مستدفعًا للشر وفرارًا من الفتنۃ [3]

(ترجمہ) سو یہ چیز بالکل ظاہر ہے جس میں کوئی اشکال نہیں کہ حضرت علیؓ نے شر کے دفیعہ کے لیے اور فتنہ سے بچنے کے لیے ابوبکرؓ کی بیعت کی۔

کتاب الشافی کی ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی (۴۶۰ھ) نے تلخیص کی ہے اس میں محمد بن حسن طوسی لکھتا ہے:-

ثم مدیدہ فبایعہ [4] پھر آپ نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور آپ کی بیعت کی۔

محمد بن حسن طوسی کی امالی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ پڑھیے:-

فبایعت ابابکر کما بایعتموہ وکرھت ان اشق عصا المسلمین وان افرق جماعتھم ثم ان ابابکر جعلھا لعمر من بعدہ وانتم تعلمون انی اولی الناس برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبالناس من بعدہ فبایعت عمر کما بایعتموہ فوفیت لہ ببیعتہ حتی لما قتل جعلنی سادس ستۃ فدخلت حیث ادخلنی [5]

(ترجمہ) سو میں نے ابوبکر کی اسی طرح بیعت کی جس طرح تم نے کی تھی اور میں نے ناپسند کیا کہ مسلمانوں کی جمعیت میں تفرقہ ڈالوں اور ان کے اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے کروں پھر ابوبکر نے اپنے بعد اسے عمر کو دے دیا اور تم جانتے ہو کہ میں تمام لوگوں میں سے حضور کے زیادہ قریب

---

[1] فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۱۲ الکھنؤ [2] فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۱۱۵ [3] کتاب الشافی صفحہ ۲۹ طبع قدیم
[4] تلخیص الشافی صفحہ ۳۹۸ صفحہ ۳۹۹۔ [5] کتاب الامالی جلد ۲ صفحہ ۱۲۱۔

تھا اور جو آپ کے بعد آئے ان کے بھی میں زیادہ قریب تھا پھر میں نے بھی عمر کی بیعت کی جس طرح تم نے کی یہاں تک کہ میں نے ان کی بیعت کا پورا حق ادا کیا۔ پھر جب آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا آپ نے مجھے چھ کی شوریٰ میں رکھا جہاں بھی آپ نے مجھے داخل کیا میں داخل ہوا۔

شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی امامی (ھ) لکھتے ہے حضرت اسامہ بن زید مدینہ واپس آئے تو آپ نے لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ کے گرد اژدہام کیے ہوئے پایا آپ نے حضرت علیؓ کو بھی وہاں دیکھا اور ان سے پوچھا کیا ہو رہا ہے آپ نے کہا تم دیکھ ہی رہے ہو حضرت اسامہ نے پھر آپ سے پوچھا

فھل بایعتہ [1] کیا آپ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی ہے؟

آپ نے فرمایا نَعَم (ہاں) کرلی ہے۔

شریف رضی (۴۰۴ھ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کا یہ خطبہ نقل کیا ہے:۔

فنظرت فی امری فاذا اطاعتی سبقت بیعتی واذا المیثاق فی عنقی لغیری [2]

(ترجمہ) سو میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا اور میرا ماتحت رہنا میرے امیر ہونے پر سبقت لے گیا اور میری گردن میں دوسرے کی اطاعت کا میثاق لگا تھا۔

اثنا عشری شیعہ اسے تقیہ کی بیعت کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ورنہ میثاق کے کیا معنی۔ آپ سے یہ میثاق کس نے لیا تھا؟ اگر حضور خود انہیں یہ تاکید کر گئے تھے تو پھر اختلاف کیا رہا اور بیعت دل سے نہ ہو تو بھی بیعت ہی ہوتی ہے اور شرعاً امیر بیعت کی تمام ذمہ داریاں لازم آتی ہیں حضرت علیؓ سے ان کے عہد خلافت میں کہا گیا کہ حضرت زبیرؓ نے آپ کی بیعت دل سے نہیں کی اس پر حضرت علیؓ نے بھی اصول بیان کیا کہ بیعت دل سے نہ ہو تو بھی اس پر بیعت کی تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں آپ نے فرمایا:۔

یزعم انہ قد بایع بیدہ ولم یبایع بقلبہ فقد اقر بالبیعۃ وادعی الولیجۃ فلیأت علیھا بامر یعرف والا فلیدخل فیما خرج منہ [3]

(ترجمہ) وہ خیال کرتا ہے کہ اس نے بیعت صرف ہاتھ سے کی دل سے نہیں کی تو یہ بھی تو بیعت کا

---

[1] کتاب الامالی جلد ۲ صہ ۱۲۱۔ [2] کتاب الاحتجاج صہ ۵۰ [3] نہج البلاغہ جلد ۱ صہ ۸۹ [4] ایضاً جلد ۱ صہ ۴۲

اقرار ہی ہے اس نے اب اس ڈیلیجٖ کا دعویٰ کیا ہے اسے پھر اس کا اسی طرح پابند ہونا چاہیئے جو طریق معروف ہو ورنہ جس عہد سے نکلا ہے اسمیں پھر آجائے ۔

معلوم ہوا بیعت بیعت ہے گو دل برداشتہ ہو یہی وجہ ہے کہ بتسیریہ فرقہ کے شیعہ اثنا عشری شیعوں سے اس بات پر متفق نہ ہوسکے کہ حضرت علی کی حضرت ابوبکرؓ سے بیعت بیعت مکرہ تھی اور یہ بات کسی طرح حضرت علی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے اس عوامی عمل کو بیعت مکرہ کہا جائے تیسری صدی کے شیعہ عالم ابومحمد الحسن النوبختی کی کتاب فرق شیعہ (شیعوں کے مختلف فرقوں کے بیان میں) نجف اشرف میں چھپی ہے اس میں ان کے بتسیریہ فرقے کا موقف اس طرح لکھا ہے :

ان علیاً علیہ السلام سلم لھما الامر و رضی بذلک وبایعھما طائعاً غیر مکرہ و ترک حقہ لھما فنحن راضون کما رضی اللہ المسلمین له و لمن بایع لا یحل لنا غیر ذلک ولا یسع منا احداً الا ذلک فان ولایۃ ابی بکر صارت رشداً وھدیٰ تسلیم علی و رضاہ [۱]

(ترجمہ) بیشک حضرت علی علیہ السلام نے خلافت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سپرد کردی اور اس پر راضی رہے ان دونوں کی بیعت کی اور دل سے کی کسی مجبوری سے نہ کی اور آپ اپنے حق سے ان دونوں کے حق میں دست بردار ہوگئے سو ہم بھی راضی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے مسلمانوں کو اس سے اور تمام بیعت کرنے والوں سے راضی رکھا ۔ ہمارے لیے اس کے سوا کچھ کہنا حلال نہیں اور ہم میں سے کسی کے بس میں اس سے زیادہ نہیں بلاشبہ حضرت ابوبکر کی سلطنت رشد و ہدایت تھی کیونکہ حضرت علیؓ نے اسے تسلیم کیا اور اس پر راضی رہے ۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں قدم قدم پر ان کے ساتھ تھے اور آنحضرت ﷺ کے مشن اور پروگرام کی تکمیل میں ہر دو کی پرواز پروانہ وار تھی بات بات پر دونوں جمع ہوتے اور اپنے آقا کے ہر وعدے اور ارشاد کے گرد وفا کا پہرہ دیتے تھے ۔

---

[۱] فرق الشیعہ صہ ۱۲ طبع نجف اشرف ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اپنے ملنے والوں کو یہ تھی کہ آئندہ مجھے نہ پاؤ تو تم ابوبکر کے پاس آنا (وہ میری نیابت میں تمہاری بات سنیں گے) ایک عورت آپ کے پاس ایک معاملہ لے کر آئی آپ نے فرمایا

ان لم تجدینی فأتی ابا بکر[1] تو آئے اور مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی آنا

اس میں حضورؐ نے بتلا دیا کہ میری نیابت اور خلافت ابوبکر کے پاس آئے گی اور اللہ اور مسلمان انہی کو میرا جانشین چنیں گے[2]

حبشی بن جنادہ کہتے ہیں میں حضرت ابوبکر کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اس نے کہا کہ حضورؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے تین دفعہ ہاتھ بھر کر کھجوریں دیں گے مگر آپ کی وفات ہو گئی۔ اس نے یہ صورت حال حضرت ابوبکر کے سامنے رکھی کہ اب اس وعدے کو کون پورا کرے گا آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا۔

اے ابا الحسن یہ شخص کہتا ہے کہ حضورؐ نے اس سے تین مشت کھجوروں کا وعدہ فرمایا تھا آپ اسے تین دفعہ دونوں ہاتھ بھر کر کھجوریں دیں۔

حضرت علیؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوبکر صدیق کی پیش کردہ کھجوروں سے اسے تین دفعہ ہاتھ بھر کر کھجوریں دیں جب آپ تعمیل حکم کر چکے تو آپ نے حضرت علیؓ سے کہا اب ان کھجوروں کو جو آپ نے اسے دی ہیں شمار کریں ہر بار کی کھجوریں ساٹھ عدد نکلیں حضرت ابوبکر نے اس پر فرمایا

صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعته لیلة الهجرة ونحن خارجون من مکة الی المدینة یقول یا ابا بکر کفی وکف علی فی العدالة سواء[3]

(ترجمہ) حضورؐ نے سچ فرمایا میں نے آپ کو ہجرت کی رات جبکہ ہم مکہ سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے کہتے سنا ہے اے ابوبکر میری اور علی کی ہتھیلی کے پیمانے برابر ہیں۔

غور کیجئے اس خلافت میں کس طرح یہ دونوں حضرات آپس میں شیر و شکر تھے حضرت صدیق اکبر کس طرح حضورؐ کے کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے کے پابند تھے اور کس طرح لوگ آپ کو جانشین رسول سمجھ کر آپ کے پاس آتے تھے اور آپ بھی کس فرط عقیدت سے حضورؐ کی طرف سے لی گئی ان ذمہ داریوں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۵۱۶ - [2] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۷۳ [3] کتاب الامالی جلد ۱ صہ ۶۷۔

کو پورا کرتے تھے حضرت علیؓ کی مٹھی سے دلوانا بتلاتا ہے کہ آپ کس طرح قدم قدم پر آپ سے موافق ہونے کی تمنا رکھتے آپ نے اس شخص کو اتنی ہی کھجوریں دیں کہ اگر حضورؐ خود بھی دیتے تو گنتی یہی ہوتی غور کیجئے آپ نے کس طرح حضورؐ کی مٹھی کا پیمانہ بھی اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا اور حضرت علی کو ساتھ لے کر چلنے میں آپ کس طرح حضورؐ سے وفاداری کی لذت محسوس کرتے تھے۔

خلافت صدیقی میں حضرت علی کی مالی امداد

الحمدللہ حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنے سے وہ بادل چھٹ گئے جو انتشار پسندوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ابھار رکھے ہیں اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضرت علی کی یہ بیعت دل سے تھی منافقانہ نہ تھی اس کی تائید ان واقعات سے ہوتی ہے جن میں حضرت علیؓ کا خلیفہ اول سے مالی امداد قبول کرنا آستانہ خلافت پر دلی حاضری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کا گزارہ الاونس فدک کی آمدنی سے آتا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد خلافت میں فدک کی وہی آئینی پوزیشن قائم رکھی جو حضورؐ کے عہد میں تھی کہ اس کی آمدنی حضرت سیدہ کے ہاں پہنچتی رہے یہ اس لیے کہ آپ (حضرت ابوبکر) حضورؐ کے اختیار کردہ طریقہ سے سرمو تجاوز نہ کرنا چاہتے تھے حضرت علی اور حضرت سیدہ کا فدک کی مالی امداد کو قبول کرنا بتلاتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت علی کے مابین ہرگز کوئی مناقشہ یا ناراضگی نہ تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس سلسلہ میں اپنی مالی پالیسی کی اس طرح وضاحت فرمائی۔

انما یاکل ال محمد فی ھذا المال انی واللہ لا اغیر شیاء من صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حالھا التی کانت علیہ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاعملن فی ذلک بما عمل فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [1]

(ترجمہ) بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اسی سے اپنی خوراک پائے گی بخدا میں صدقات رسولؐ کو اس حال سے جس میں وہ حضورؐ کے وقت میں تھے کسی چیز کو اس کے مقام سے نہ بدلوں گا

---

[1] طحاوی شریف جلد ۱ ص ۲۹۸ باب الصدقہ علی بنی ہاشم۔

اور اس میں میرا عمل وہی رہیگا جو ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔
صحیح بخاری کے الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے :-

انما یاکل آل محمد فی ھذا المال واللہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی [1]

(ترجمہ) بیشک حضورؐ کی اولاد اسی سے کمائے گی بخدا مجھے حضورؐ کے اقربا اپنے اقربا سے زیادہ عزیز ہیں کہ میں انہیں اپنے سے ملا رکھوں خیال کیجئے آپ نے یہ الفاظ محض سطحی طور پر نہیں کہے قسم کھا کر کہئے ہیں فرماتے ہیں :-

والذی نفسی بیدہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان اصل من قرابتی [2]

خلافت صدیقی میں اقربار رسول کے منفرم امور کون تھے

یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا مال خمس میں حصہ ہوتا تھا حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بنی ہاشم میں سے تھے اور دونوں اقربار رسول میں سے تھے ان دونوں کے اپنے اپنے گھر تھے اور دونوں کی اپنی اپنی اولاد تھی زید بن حارثہؓ کو بھی حضورؐ نے بیٹا بنا رکھا تھا اصولاً حضرت عباسؓ آپ کے سب سے زیادہ قریبی تھے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سبب حضرت علیؓ اپنے آپ کو سب اقربار رسول میں مقدم سمجھتے تھے اور حضورؐ کے ان قرابتداروں کو جو خمس ملتا وہ آپ ہی حضورؐ کے جملہ اقربار میں تقسیم فرماتے اور یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے بھی آپ کی اس حیثیت کو باقی رکھا اور آپ ہی عہد صدیقی میں خمس اقربار رسول میں تقسیم کرتے تھے۔

حضرت علیؓ نے یہ عہدہ حضورؐ سے مانگ کر لیا تھا

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس اور حضرت زید کو ساتھ لے کر حضورؐ کے پاس پہنچے اور کہا حضور اس مال خمس پر آپ مجھے متولی بنا دیں آپ کے سامنے ہی میں اسے بنو ہاشم میں تقسیم کرنے لگ

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۵۷۶ [2] صحیح بخاری جلد ا صہ ۵۲۶

جاؤں آپ کے بعد کوئی مجھ سے اس کے بارے میں اختلاف نہ کر سکے گا یہ معاملہ چونکہ بنو ہاشم کا اپنا اندرونی معاملہ تھا حضورؐ نے اسے منظور فرما لیا اور حضرت علیؓ حضورؐ کے عہد مبارک میں ہی خمس تقسیم کرنے لگے امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) حضرت علی سے روایت کرتے ہیں

فَقَسَمْتُهُ فی حیاته صلی الله علیه وسلم ثم ولّانیه ابوبکر رضی الله عنه فقسمته

فی حیاته ثم ولّانیه عمرؓ فقسمته فی حیاته ۱؎

(ترجمہ) سو میں ہی اسے حضور کے عہد میں تقسیم کرتا رہا پھر حضرت ابوبکرؓ نے مجھے ان اموال خمس کا متولی بنایا اور میں ہی انہیں آپ کی حیات میں تقسیم کرتا رہا پھر حضرت عمرؓ نے مجھے ان اموال کا والی رکھا اور آپ کے عہد میں بھی میں ہی انہیں تقسیم کرتا رہا۔

ہمیں افسوس ہے کہ پھر حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم ان اموال کی تقسیم اور مصارف میں آپس میں الجھ پڑے اور ان میں سنگین اختلافات پیدا ہو گئے تھے حضرت عمرؓ نے پھر بھی ان میں دخل دینا پسند نہ کیا آپ یہی چاہتے تھے کہ آپ سے حضور اکرمؐ کے عہد مبارک سے سرمو انحراف نہ ہونے پائے یہ اختلافات چلتے رہے یہاں تک کہ حضرت علی حضرت عباس پر غالب آگئے اور حضرت عباسؓ نے اپنا حق چھوڑ دیا پھر یہ اموال حضرت علی کے خاندان میں رہے صحیح بخاری میں ہے:۔

اعرض عنها عباس فكانت هٰذه الصدقة بيد علي ثم كانت بعد علي

بيد حسن بن علي ثم بيد حسين بن علي ثم بيد علي بن الحسين وحسن

بن حسن كلاهما كانا يتداولانها۔ ۲؎

(ترجمہ) حضرت عباس ان سے کنارہ کش ہو گئے اور یہ سب حضرت علیؓ کے ہاتھ لگے آپ کے بعد یہ حضرت حسن کے ہاتھ میں رہے پھر حضرت حسین کے ہاتھ میں اور ان کے بعد حضرت زین العابدین اور حضرت حسن کے بیٹے حسن دونوں کی مشترکہ تولیت میں رہے اور یہ دونوں انہیں وصول کرتے رہے۔

شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید بھی لکھتا ہے:۔

۱؎ کتاب الخراج صہ ۲۰ مسند احمد صہ ۸۵ ۲؎ صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۷۶ ۵ مسند ابی عوانہ جلد ۴ صہ ۱۴۰ اسنن کبریٰ بیہقی جلد ۶ صہ ۲۹۹

فغلب علی عباسا علیها فکانت بید علی ثم کانت بید الحسن ثم کانت بید الحسین ثم بید علی بن الحسین والحسن بن الحسن ¹

(ترجمہ) حضرت علی حضرت عباس پر غالب آگئے اور پھر یہ اموال حضرت علی کے ہاتھ میں رہے پھر حضرت حسن کے ہاتھ میں پھر حضرت حسین کے ہاتھ میں۔

ان مباحث سے یہ بات بالکل کھل جاتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان حضرات اہل بیت کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی تھی اموال خمس برابر ان کی تولیت میں دیئے جاتے رہتے اور یہ حضرات بھی بکمال رضا و رغبت انہیں وصول کرتے رہے ان حضرات میں کچھ بھی کشیدگی ہوتی یا کسی طرف غصب خلافت یا غصب فدک کی گرانی ہوتی تو صورت حال اور باہمی معاملات اس طریق پر قائم اور جاری نہ رہتے حضرت زین العابدین کے بیٹے حضرت زید کہتے ہیں:۔

اما انا فلو کنت مکان ابی بکر لحکمت بمثل ما حکم به ابوبکر فی فدک۔ ²

(ترجمہ) میں بھی اگر حضرت ابوبکرؓ کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرات اہل بیت باغ فدک کی آمدنی برابر وصول کرتے رہے اور صحابہ کرام نے فدک اپنے کسی حق میں ہرگز نہ روک رکھا تھا زمین کی قیمت اس کی آمدنی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہی زمین کی اصل دولت ہے۔

جب فدک کی آمدنی حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد پر صرف ہوتی رہی تو یہ بات کتنی بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہ سے غصب فدک کیا یا یہ کہ وہ ان سے ناراض رہیں۔ معترضین یہ نہیں سوچتے کہ اگر فدک آپ سے چھن گیا تھا تو پھر حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کا گزر اوقات آخر کس تنخواہ سے ہوتا رہا ہے ابن میثم بحرانی (۶۷۹ھ) لکھتا ہے۔

وکان یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها ما یکفیهم ثم فعلت

¹ شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صہ ۱۱۸ ² البدایہ والنہایہ جلد ۵ صہ ۲۹۰ سنن کبریٰ جلد ۶ صہ ۳۰۲۔

الخلفاء بعده کذلک [1]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر فدک کی پیداوار کو ان کی ضرورتوں کے مطابق ان حضرات کی طرف بھیجتے رہے اور آپ کے بعد کے خلفاء اسکا پر عمل پیرا رہے۔

فیض الاسلام علی نقی بھی لکھا ہے:۔

خلاصہ ابوبکر غلہ و سود آں گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد و خلفائے بعد از وہم برآں اسلوب رفتار نمودند [2]

(ترجمہ) حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر فدک کی پیداوار اور اس کا نفع وصول کر کے اہل بیت کو ان کی ضرورت کے مطابق دیتے اور بعد کے خلفاء بھی اسی طریق پر چلتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کا یہ فیصلہ اتنا صحیح تھا کہ حضرت علی جب خلیفہ ہوئے اور انتشار پسندوں نے مسئلہ فدک پھر اٹھانا چاہا تو آپ نے فرمایا مجھے حیا آتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے فیصلہ کو بدلوں علم الہدیٰ سید مرتضیٰ لکھا ہے:۔

فلما وصل الامر الیٰ علی بن ابی طالب کلم فی رد فدک فقال انی

لاستحی من اللہ ان ارد شیأ منع منہ ابوبکر وامضاہ عمر [3]

(ترجمہ) جب خلافت حضرت علی تک پہنچی تو آپ سے التماس کی گئی کہ فدک (حضرت فاطمہ کے وارثوں کو) لوٹا دیں آپ نے فرمایا مجھے خدا سے حیا آتی ہے کہ میں اس چیز کو واپس کروں جو ابوبکر نے منع کی اور حضرت عمر نے بھی اسے ہی باقی رکھا۔

اور لوگ بھی حضرت ابوبکر کے فیصلے کو اس طرح دل سے قبول کیے ہوئے تھے کہ اگر خلیفہ وقت حضرت علی بھی اس کے خلاف چلتے تو اس قلمرو کے لوگ بھی حضرت علی کو چھوڑ جاتے جہاں آپ کی حکومت تھی آپ خود فرماتے ہیں۔

و رددت فدک الی ورثۃ فاطمۃ علیہا السلام و رددت صاع

رسول کما کان . . . اذاً لتفرقوا عنی [4]

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد ۵ صہ ۱۰۰ا شرح درہ نجفیہ صہ ۲۳۲ ۔ [2] شرح نہج البلاغہ جلد ۵ صہ ۴۹۰ [3] کتاب الشافی صہ ۲۳۱/۲۱۲
[4] روضہ الکافی جلد صہ ۱۸/۵۴ لکھنؤ صہ ۳۰ طہران۔

(ترجمہ) اور اگر میں فدک فاطمہ کے وارثوں کو لوٹا دوں اور حضورؐ کے عہد کے صاع پیمانے کو اس کے اصل حال پر لے آؤں تو یہ لوگ بھی (جو اس وقت میری قلمرو میں ہیں) مجھے چھوڑ جائیں گے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

فکان علی یسیر فی الفئ مسیرۃ ابی بکر الصدیق فی القسم واذا ورد علیہ مال لم یبق منہ شئی الا قسمہ ولا یترک فی بیت المال منہ الا ما یعجز عن قسمتہ فی یومہ ذلک [1]

(ترجمہ) حضرت علی اموال فئی کی تقسیم میں حضرت ابوبکر کی سیرت پر ہی چلتے رہے آپ کے پاس جب بھی اموال آتے آپ بیت المال میں کچھ نہ رہنے دیتے سب تقسیم کرڈالتے مگر وہی جو آپ اس دن تقسیم نہ کرسکیں۔

یہاں تک بات فئی و غنائم کے بارے میں تھی اب ذرا آگے چلئے حضرت علی نے وہ باندیاں بھی قبول کیں جو حضرت ابوبکر صدیق نے بحیثیت امیرالمومنین انہیں دیں یہ آپ کے ان کی خلافت کو قبول کرنے اور ان کی جنگوں کو اسلامی جہاد تسلیم کرنے کی ایک کھلی شہادت ہے اور ان حضرات کے باہمی خوشگوار تعلقات کا ایک کھلا نشان ہے

۱۔ محدث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں۔

عن ابی جعفر قال اعطی ابوبکر علیاً جاریۃ فدخلت ام ایمن علی فاطمۃ فرأت فیھا شیئاً فکرھتہ [2]

(ترجمہ) امام باقرؒ سے روایت ہے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کو ایک باندی دی ام ایمن حضرت فاطمہ کے پاس آئیں اور انہوں نے آپ میں کچھ بوجھ سا پایا سو آپ نے بھی اسے پسند نہ کیا۔

حضرت صدیق اکبر کے وقت۔ حضرت خالد بن ولید نے بنو تغلب پر چڑھائی کی جنگی قیدیوں میں الصہباء

---

[1] الاستیعاب جلد ۳ صہ ۴۷ مع الاصابہ صہ [2] المصنف ۷ صہ ۳۰۲۔

نامی ایک باندی تھی حضرت صدیق اکبر نے یہ حضرت علی کو دے دی اگر آپ کا جہاد اسلامی جہاد نہ ہوتا لعیہ کا حضرت کی ملک میں آنا اور آپ کا اسے قبول کرنا کبھی اس طرح نہ ہوتا حضرت علی کا بیٹا عمر اسی باندی سے تھا ابن سعد لکھتا ہے :۔

عمر الاکبر بن علی بن ابی طالب وامہ الصہباء وھی ام حبیب.....

وکانت سبیۃ اصابہا خالد بن الولید حیث اغار علی بنی تغلب [۱]

(ترجمہ) حضرت علی کے بیٹے عمر اکبر کی والدہ صہبا تھیں اسے ہی ام حبیب کہتے ہیں یہ باندی تھیں جو خالد بن ولید کے ہاتھ لگیں جب آپ نے بنو تغلب پر لشکر کشی کی تھی۔

۲۔ خولہ بنت جعفر بن قیس المعروف بہ حنفیہ سے کون واقف نہیں یہ محمد بن حنفیہ کی ماں ہیں حضرت صدیق اکبر نے مسیلمہ کذاب کے خلاف جو جنگ کی یہ خولہ اس کے قیدیوں میں آئی تھیں [۲] حضرت ابوبکر نے یہ خادمہ حضرت علی مرتضیٰ کو دی۔

ان ابابکر اعطی علیا ام محمد بن حنفیہ [۳]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر نے محمد بن حنفیہ کی ماں (خولہ) حضرت علی کو دی تھیں۔

ابن خلکان بھی لکھتا ہے۔

واستولد علی جاریۃ من سبی حنفیۃ فولدت لہ محمد بن علی الذی یدعی محمد بن حنفیۃ

(ترجمہ) حضرت علی کے ہاں ایک باندی سے جو بنو حنفیہ کے قیدیوں میں آئی تھیں ایک لڑکا ہوا جسے محمد بن علی اور محمد بن حنفیہ کہا جاتا ہے۔

علامہ باقر مجلسی لکھتا ہے۔

در روایات شیعہ وارد شدہ است کہ چوں اسیران را بہ نزد ابوبکر آوردند مادر محمد بن حنفیہ درمیان آنہا بود [۴]

---

[۱] طبقات ابن سعد صہ ۸۶ [۲] البدایہ، صہ ۳۲۳ فتوح البلدان صہ ۱۱۷ [۳] طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ ۶۶
[۴] حق الیقین صہ

مجلسی نے وہ روایات تو درج نہیں کیں لیکن ان کے مشہور مورخ ابن عنبہ (۸۲۸ھ) نے اس کا کچھ ذکر کیا ہے۔ وھی من سبی اھل الردۃ وبھا یعرف ابنھا ونسب الیھا[1]

حافظ ابن کثیر لکھتا ہے:۔

سبا ھا خالد ایام اھل الردۃ من بنی حنیفہ فصارت لعلی بن ابی طالب فولدت لہ محمداً[2]

حضرت خالد بن الولید نے حیرہ کا مال ایک طیلسانی چادر اور ایک ہزار درہم نقد حضرت ابوبکر کی خدمت میں بھیجے آپ نے وہ چادر کسے دی آپ کی یہ نظر شفقت سیدنا حضرت حسین پر پڑی بلاذری (۲۷۰ھ) لکھتا ہے

ووجہ الی ابی بکر بالطیلسان مع مال الحیرہ وبالالف درھم فوھب الطیلسان للحسین بن علی رضی اللہ عنھما[3]

یہ نظر اختصاص اسی طرح ہے جس طرح حضرت عمرؓ نے فتح ایران کے بعد ساسانی شاہزادی شہر بانو حضرت حسین کے تملک میں دی تھی۔

حضرت علی حضرت ابوبکر کی علمی مجالس میں۔

حضرت ابوبکر صدیق کی مجلس علمی جس سے آپ فقہی مسائل میں مشورہ لیتے تھے فاضل اصحاب رسولؐ پر مشتمل تھی اس کے ممبران میں حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت معروف شخصیتیں ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابو الدرداء اور حضرت جابر بھی جب دستیاب ہوتے یہ بھی اس مجلس کے ممبر ہوتے یہ حضرات صحابہ میں اہل الرای تھے انہیں اہل فقہ بھی کہا جاتا ورنہ اصحاب حدیث تو سب صحابہ تھے جس نے حضور سے ایک حدیث بھی روایت کی وہ اصحاب حدیث میں سے ہو گیا ابن سعد لکھتے ہیں۔

ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل بہ امر یرید فیہ مشاورۃ اھل الرای واھل الفقہ ودعا رجالاً من المھاجرین والانصار دعا عمر وعثمان وعلیا وعبدالرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن

---

[1] عمدۃ الطالب صہ ۲۵۳ فی انساب ابی طالب صہ ۳۱ [2] البدایہ والنہایہ جلد ، صہ ۳۳۱

[3] فتوح البلدان صہ ۲۵۴۔

ثابت وكل هولاء يفتى فى خلافة ابى بكر [1]

شیعی مورخ احمد بن ابی یعقوب عباسی بھی لکھتا ہے :۔

وكان من يوخذ عنه الفقه فى ايام ابى بكر على بن ابى طالب وعمر بن الخطاب ومعاذ بن جبل وابى بن كعب و زيد بن ثابت وعبدالله بن مسعود [2]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر کے دور میں جن علماء سے فقہ حاصل کی جاتی تھی وہ حضرت علی حضرت عمر حضرت معاذ حضرت ابی بن کعب حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود تھے [2]

ان روایات میں اہل الرای، اہل الفقہ، اہل فتویٰ سب متقارب الفاظ ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جن کا علم و فقہ وعمق اور اجتہاد و استنباط ہی میں کناروں سے اترتا تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کا ان علمی مجالس میں ہونا بتلاتا ہے کہ آپ ان حضرات صحابہ کا جزو تھے انہی میں سے تھے انہی کے ساتھ تھے علیحدگی کے تصور نے اس گزرگاہ میں راہ نہ پائی تھی۔

حضرت علی حضرت ابوبکر کے سیاسی مشیروں میں

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں :۔

خرج ابى شاهراً سيفه راكباعلى راحلته الى ذى القصة فجاء على بن ابى طالب فاخذ بزمام راحلته وقال اين ياخليفه رسول الله اقول لك ما قال لك رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم احد شم سيفك ولا تفجعنا بنفسك فوالله لان اصبنابك لايكون للاسلام بعدك نظام ابداً رجع وامضى الجيش

حضرت ابوبکر نے جب مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا ارادہ کیا تو بھی حضرت علیؓ سے مشورہ کیا یہی محب الدین الطبری ذخائر العقبیٰ میں نقل کرتے ہیں :۔

عن علی وقد شاوره ابوبكر فى قتال اهل الردة بعد ان شاور الصحابة

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۱۰۹ باب اہل العلم والفتویٰ من اصحاب رسول اللہ۔ [2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صہ ۱۳۸

[3] ریاض النضرہ جلد ۱ صہ ۱۳۰۔ البدایہ جلد ۶ صہ ۳۱۵ کنز العمال جلد ۳ صہ ۱۴۲۔

فاختلفوا علیہ فقال ما تقول یا ابا الحسن فقال ان ترکت شیاء مما اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم فانت علی خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؎۱

(ترجمہ) حضرت ابوبکرؓ نے دوسرے صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد (اور انہوں نے اسمیں آپس میں اختلاف کیا تھا) حضرت علی سے بھی مشورہ فرمایا کہا اے ابا الحسن آپکی کیا رائے ہے آپ نے فرمایا اگر آپ نے ان سے ایک چیز لینی بھی (جو حضورؐ ان سے لیا کرتے تھے) چھوڑ دی تو آپ کی سیرت حضورؐ کے خلاف ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (ھ) کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے غزوہ روم کا ارادہ کیا تو صحابہ سے مشورہ کیا آپ کے سیاسی مشیر حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح سب تشریف لائے حضرت علی کچھ نہ بولے اس پر حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو نام لے کر کہا آپ کی رائے کیا ہے۔

قال ابوبکر ماذا تری یا ابا الحسن فقال اری انك ان سرت الیھم بنفسك او بعثت الیھم نصرت علیھم ان شاء اللہ تعالیٰ فقال بشرک اللہ بخیر ومن این علمت ذلك قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لایزال ھذا الدین ظاھراً علی کل من ناواہ حتی یقوم الدین واھلہ ظاھرون فقال سبحان اللہ ما احسن ھذا الحدیث ؎۲

(ترجمہ) حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے ابوالحسن تمہاری کیا رائے ہے؟ آپؓ نے فرمایا آپ خود انکی طرف جایں یا کسی دوسرے کو ان کی طرف بھیجیں آپ ان پر اللہ کی مدد پائیں گے آپ نے کہا اللہ تجھے خیر دے تم نے یہ کہاں سے جانا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا آپ نے فرمایا تھا یہ دین اس وقت تک ہر شخص پر جو اس سے دور

؎۱ ذخائر العقبیٰ صہ ۹۷۔ ؎۲ کنزالعمال جلد ۳ صہ ۱۴۳/۱۴۴

ہوا غالب رہیگا جب تک دین قائم رہے گا اور اہل دین ظاہر رہیں آپ نے فرمایا سبحان اللہ
یہ کیسی عمدہ حدیث ہے۔

شیعہ مورخین نے بھی یہ روایت لکھی ہے۔

اراد ابوبکر ان یغزو الروم فشاور جماعة من اصحاب رسول اللہ
فقدموا واخروا فاستشار علی بن ابی طالب فاشار ان یفعل قال
ان فعلت ظفرت فقال بشرت بخیر [1]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر نے جنگ روم کا ارادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا انہوں نے کچھ مختلف باتیں کیں پھر آپ نے حضرت علی سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا آپ یہ جنگ کر گزریں اگر کریں گے تو (اللہ کی) مدد پائیں گے آپ نے فرمایا تو نے خیر کی بشارت دی ہے

حضرت علی صرف سیاسی مشیر ہی نہ تھے آپ کے عملی رفیق بھی تھے آپ نے جب ان مہمات کا ارادہ فرمایا تو آپ نے جو دستے مدینہ کی حفاظت کے لیے مقرر کیے ان پر جن لوگوں کو نگران مقرر کیا ان میں حضرت علی حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود بھی تھے

فجعل الصديق على انقاب المدينة حراسا يبيتون بالجيوش
حولها فمن امراء الحرس علی بن ابی طالب والزبير بن العوام وطلحة
بن عبيد الله وسعد بن ابی وقاص وعبد الرحمن بن عوف وعبدالله بن مسعود [2]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر نے مدینہ کی فصیلوں پر پہرے دار مقرر کردیے تھے جو لشکروں کے گرد رات بھر پہرہ دیتے تھے ان پہرہ داروں کے امراء میں حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود بھی تھے۔

حضرت علی ایک جگہ خود فرماتے ہیں:۔

---

[1] تاریخ یعقوبی صہ ۱۳۲ ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم صہ ۱۵۸ [2] البدایہ جلد ۶ صہ ۳۱۱ تاریخ ابن جریر طبری ۳ صہ ۲۲۳ ابن خلکان ۲ صہ ۱۵۸۔

فنهضت فی تلک الاحداث حتی زاح الباطل وزهق واطمئان الدین ۱؎

(ترجمہ) سو میں ان حوادث میں (جو خلافت ابی بکر میں بصورت ارتداد اٹھے) میدان میں نکلا یہاں تک کہ باطل زائل ہوا اور جڑ سے جاتا رہا اور دین پھر سے قائم ہوا۔

شارح نہج البلاغہ ملا فتح اللہ کاشانی اس کی شرح میں لکھتا ہے:۔

بداں کہ در زمان خلافت ابی بکر بسیارے از عرب برگشتند از دین و مرتد شدند واصحاب در آں امر عاجز و حیران شدند چوں آنحضرتؑ آں امر راچناں دید اصحاب را دلداری کردہ بزود بازوئے حیدری اہل ارتداد را بسقر فرستاد و باز امر دین را انتظام داد ۲؎

(ترجمہ) جان لو کہ خلافت ابی بکر میں بہت سے عرب دین سے برگشتہ ہو گئے اور مرتد ہو گئے تھے صحابہ ان فتنوں میں بہت عاجز اور حیران تھے جب حضرت علی نے یہ صورت حال دیکھی تو صحابہ کی دلداری کی اور بازوئے حیدری سے مرتدین کو جہنم واصل کیا اور دین پھر سے نظم سلطنت پا گیا۔

اجرائے حدود و تعزیرات میں شرکت

ایک جگہ یہ رسم قبیح پائی گئی کہ جس طرح لڑکی نکاح کر کے رخصت کی جاتی ہے لڑکوں کو بھی رخصت کرتے تھے حضرت خالد بن الولید نے حضرت ابوبکر کو لکھا حضرت امیر المومنین نے میٹنگ بلائی ان میں حضرت علی بھی تھے آپ نے فرمایا:۔

ان ھٰذا ذنب لم تعمل بہ امۃ الا امۃ واحدہ ففعل اللہ بھم ما قد علمتم اری ان نحرقہ بالنار فاجتمع رای اصحاب رسول اللہ ان یحرق بالنار فحرقہ خالد ۳؎

(ترجمہ) یہ ایسا گناہ ہے جو ایک امت کے سوا کسی نے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر ان سے جو کچھ کیا تمہیں معلوم ہے میری رائے یہ ہے کہ ہم اسے (اس لاش کو) نذر آتش کریں سب صحابہ اس پر متفق ہو گئے کہ اسے آگ سے جلا دیا جائے سو حضرت خالد بن الولید نے ایسا ہی کیا۔

۱؎ نہج البلاغہ صہ ۲؎ شرح نہج البلاغہ جلد صہ ۳؎ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ صہ ۲۳۲ کنز العمال جلد ۳ صہ ۹۹

حضرت علی مرتضیٰ نے حضرت ابوبکر حضرت عمر کی جاری کردہ تعزیرات کو عین سنت فرمایا ہے اور ان کے عمل کو آئندہ کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ امام ابویوسف شراب پینے کی سزا کے بارے میں آپ سے نقل کرتے ہیں

قال جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابوبکر الصدیق اربعین وکملها عمر بن الخطاب ثمانین وکل سنة [1]

(ترجمہ) فرمایا حضورؐ نے چالیس کوڑوں کی سزا دی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی چالیس کوڑوں کی سزا دی حضرت عمرؓ نے اس سزا کو اس کے آخری درجے میں نافذ کیا اور اسی کوڑوں کی سزا دی اور ان سے ہر ایک عمل سنت ہے۔

ہاں آپ نے اپنا عمل حضرت عمر کے مطابق اختیار فرمایا تاہم حضرت ابوبکر کے حق میں حق کی گواہی دی آپ کا اپنا فیصلہ یہ تھا ملا محمد بن یعقوب کلینی لکھتا ہے:-

ان فی کتاب علی صلوٰة اللہ علیہ یضرب شارب الخمر ثمانین [2]

(ترجمہ) کتاب علی میں ہے کہ شراب پینے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے

حضرت علی کی اس کتاب کا ذکر شیعہ کے اصول اربعہ میں متعدد مقامات پر ملتا ہے [3]

حضرت سیدہ کی وفات پر تعزیت

جب حضرت سیدہ فاطمہ فوت ہوئیں تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر حضرت علی کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور انہیں کہا کہ بنت رسول کے جنازے میں ہمارا انتظار کرنا سلیم بن قیس لکھتا ہے:

فاقبل ابوبکر وعمر تعزیان علیا ویقولان له یا ابا الحسن لا تسبقنا بالصلوٰة علی ابنة رسول اللہ [4]

(ترجمہ) پس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر حضرت علی سے تعزیت کرنے آئے اور یہ کہنے لگے اے اباالحسن آپ بنت رسول پر نماز پڑھنے میں ہم سے جلدی نہ کرنا۔

---

[1] کتاب الخراج صہ ۱۶۵، المصنف ۷، صہ ۳۷۹ صحیح مسلم ۲ صہ ۷۲، [2] فروع کافی جلد ۳ صہ ۲ لکھنو

[3] دیکھئے اصول کافی جلد ۱ صہ ۱۴۱، صہ ۵۷، صہ ۴۰۷، جلد ۲ صہ ۲۷۰ صہ ۲۵۹ صہ ۲۸۴ صہ ۴۸۶ صہ ۶۶۶ شرح الفقیہ صہ ۱۳ صہ ۲۴ صہ ۲۶ الکافی جلد ۳ صہ ۹ صہ ۱۰۵ صہ ۲۵۳ صہ ۳۹۷ صہ ۵۳۹۔ استبصار جلد ۴ صہ ۲۸۹ صہ ۳۶۸ صہ ۳۸۹ صہ ۳۹۰ جلد ۵ صہ ۱۳۶ صہ ۲۷۹ صہ ۴۱۵ جلد ۶ صہ ۲۰۲ صہ ۲۰۷ صہ ۲۱۹ صہ ۲۲۰۔

[4] کتاب سلیم بن قیس صہ ۲۲۶۔

ابوبکرؓ و علیؓ

از زبیری لکھنوی

ابوبکرؓ و علیؓ میں فرق رکھتے ہیں نظر والے
کہ اسلام اُن کا پالا تھا یہ تھے اسلام کے پالے

انھیں حاصل تھی صدیقی ولایت کے تھے یہ والی
جو وہ پیرِ نبوت تھے تو یہ امت کے رکھوالے

وہ آغازِ خلافت تھے یہ انجامِ خلافت ہیں
خدا شاہد کہ ہیں وہ ایک ہی مہتاب کے ہالے

خلیلِ مصطفٰےؐ وہ تھے اخیِ مصطفٰےؐ یہ ہیں
وہ بلبل تھے چمن کے اور یہ گلزار کے لالے

وہ اتقیٰ تھے یہ اسجع ہیں وہ اکرم تھے یہ اعلم ہیں
صداقت اُنکی رکھوالی صداقت کے یہ رکھوالے

جگر باطل کا برما گیا تھا اس زمانے میں
اُڑے اس عہد میں اسلام کی سطوت کے پرکالے

وہ مالک تھے گلستاں کے یہ حاصل ہیں گلستاں کے
وہ بارانِ صداقت تھے یہ ابرِ لطف کے گالے

وہی جو سب سے افضل تھے انھیں پہ بدگمانی ہے
عقائد پہ خدا جانے یہ کس نے تفرقے ڈالے

نبیؐ کے جانشیں وہ تھے غنیؓ کے جانشیں ہیں
یہیں پہ صاف ہو جاتے ہیں سب تفریق کے جالے

میں اس تفریق پہ تنہائیوں میں خون روتا ہوں
ہوئے ہیں فتنۂ تفضیل سے مسلم کے منہ کالے

نہ کر توہین پیغمبرؐ نہ بن شاتم صحابہؓ کا
اسی سے کفر پھیلے گا یہی ہیں کفر کے آلے

جہنم کے شراروں کا اگر کچھ خوف ہے غافل
ابوبکرؓ و علیؓ کی سیرتِ قدسی کو دھرا لے

حضرت صدیق اکبرؓ جناب علی المرتضیٰؓ کی نظر میں

حضرت مولانا علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی نائب صدر شعبہ تبلیغ تنظیم اہلسنت پاکستان

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

اہلِ ایمان سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ جناب امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت و نبوت کی غایت و حکمت راہ گم کردہ انسانیت کو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر روحانیت اور علم و معرفت کے انوار و تجلیات کا مظہر و نمونہ بنانا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:-

لتخرج الناس من الظلمت الی النور۔

تاکہ آپ (نبی علیہ السلام) (دنیا کے) لوگوں کو (ضلالت کی) تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لائیں۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور تصفیہ و تزکیہ حاصل کرنے والوں میں سے اوّلین شاگرد اور ایمان و اتباع میں سب سے پہلے قدم اٹھانے والے بھی خلیفہ بلافصل جناب صدیق اکبرؓ اور خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰؓ شیرِ خدا ہیں۔ زمانہ ہجرت کے سخت ترین مصیبت کے وقت میں بھی یہی دو رفیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا حق بجالائے اور متواتر تیئس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں حضرات اور دوسرے سابقین اوّلین کو اپنے انوارِ نبوت کے فیوض و برکات سے حضوری طور پر مشرف و منور فرماتے رہے۔

یہ دونوں حضرات باہمی تعلقات محبت واخوت اور ایک دوسرے کے حقوق اور شان و مرتبہ کو بخوبی جانتے سمجھتے اور پہچانتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ کی برتری تسلیم کرنے میں کسی قسم کا حجاب نہ تھا۔

جناب علی المرتضیٰؓ کا جناب صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور باہم مشورے کرنا اور ہر طرح کی عبادات و معاملات میں ان کے ساتھ شریک وشامل رہنا کتبِ معتبرہ سے ثابت۔ اور تاریخ اسلام کا نہایت زریں باب ہے اور اخوتِ صحابہؓ کی اپنی جگہ بہترین مثال ہے۔ اہلسنت کی کتابوں میں تو یہ مضمون بکثرت موجود موجود ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیعہ حضرات کی نہایت معتبر روایات میں بھی اس قسم کی کافی شہادتیں موجود ہیں۔

شیعہ کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف اشرف کے ص۵۲ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق ہے:۔

ثم تناول ید ابی بکر فبایعہ۔	پھر علی المرتضیٰؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے بیعت کی۔

اور اسی احتجاج طبرسی کے ص۵۶ پر موجود ہے:۔

قال اسامةؓ لہٗ بایعتہٗ فقال نعم یا اسامةؓ۔	حضرت اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ہاں بیعت کر چکا ہوں۔

اور روضہ کافی ص۱۳۹، ص۱۱۵ اور کشف الغمہ ص۶۸ اور حق الیقین جلد اول ص۱۳۸ و ص۱۴۸ اور شرح نہج البلاغہ درہ نجفیہ ص۸۸ اور جلاء العیون فارسی ص۵۸ غزوات حیدری وغیرہ کتب شیعہ میں مختلف طریقوں سے جناب علی المرتضیٰؓ کا جناب صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہونا ثابت ہے۔

جناب ابوبکر صدیقؓ اور جناب علی المرتضیٰؓ اور تمام صحابہ کرامؓ کے پیر و مرشد تو جناب سید الاولین والآخرین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ حضرت علیؓ نے جناب صدیقؓ

کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی یہ بیعتِ خلافت تھی۔

اور شریف مرتضٰے علم الہدیٰ شیعہ کے مجتہد اعظم نے اپنی معتبر کتاب الشافی کے ص ۳۹۸ پر لکھا ہے:-

ثُمَّ مَدَّ یدہٗ فبایعہٗ۔	پھر حضرت علیؓ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور جناب صدیق اکبرؓ سے بیعت کر لی۔

اگر جناب علی المرتضیٰؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ کی دیانت و صداقت پر پورا پورا اعتماد نہ ہوتا اور ان سے عقیدت و محبت نہ ہوتی تو حضرت علیؓ جیسے دیندار و دلاور اُن کے ہاتھ پر کبھی بیعت نہ کرتے، جن کے بیٹے حضرت سیدنا حسینؓ نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے عزیز و اقارب اور ساتھی کٹوا دیئے اور خود بھی جان دے دی مگر فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت گوارا نہ کی۔ ؎

کٹا کر سرشہِ کرب و بلا نے یہ بتایا ہے
درِ باطل پہ جھک سکتی نہیں مومن کی پیشانی

بھلا جس کے بیٹے کی ایمانی استقامت و حمیت کا یہ حال ہو اُس کے باپ کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ شیرِ خدا ہو کر بخوفِ جان یا بالطمع مال و دنیا کسی غاصب کے ہاتھ پر بیعت ہو۔

بہر حال سیدنا علی المرتضٰےؓ کا خلیفہ بلافصل حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ایک مسلّم اور یقینی امر ہے جس کا انکار اہلِ اسلام میں سے کوئی نہیں کر سکتا۔ ہاں اس پر اگر کوئی کج بحث و کم فہم چھ ماہ بعد بیعت کرنے والی روایت سے خدشہ کرے کہ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت حضرت علیؓ حق نہ سمجھتے تھے، اس لیے چھ ماہ تک بیعت نہ کی ۔۔۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ناحق ہمیشہ ناحق ہے۔ اگر جنابِ صدیقؓ کی خلافت جناب علی المرتضیٰؓ کے نزدیک ناحق تھی تو پھر چھ ماہ بعد کیسے حق ہو گئی جس کو تسلیم کر کے حضرت علیؓ نے بیعت کر لی۔ حالانکہ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے چھ ماہ بعد جناب صدیقؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی وہ دوسری اور مکرر بیعت تھی جو بعض لوگوں کی غلط فہمی دُور کرنے کے لیے اجلاس عام میں ہوئی۔ درحقیقت تو وہ صدیقؓ

کے ہاتھ پر انعقادِ خلافت کے وقت بیعت کر چکے تھے، جیسا کہ حاکم اور بیہقی میں منقول ہے اور ابن حبان نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ اور نبراس شرح شرح العقائد کے صفحہ ۴۹۴ پر منقول ہے:۔

انہ بایعہ فی اول الامر۔۔۔۔۔۔ حتی اعاد البیعۃ بعد ستۃ اشہر۔	حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اوّل امر میں کر لی تھی۔۔۔۔۔ پھر چھ ماہ کے بعد دوسری بار بھی کی۔

اوّل امر میں جب صدیق اکبرؓ کی بیعت ہوئی تو بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں کہا کہ آپ اپنے لیے بیعت لیں۔ تو اس وقت حضرت علیؓ نے ان کے اس خیال کی زبردست تردید کی اور جناب صدیق اکبرؓ کی خلافتِ حقہ کی تائید مزید کر دی۔ دیکھو شیعہ کی معتبر کتاب نہج البلاغہ صفحہ ۲۵ پر ہے:۔

ایھا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ وعرجوا عن طریق المنافرۃ۔	حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو فرمایا اے لوگو! فتنہ فساد کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر دو اور منافرت کے راستے کو چھوڑ دو۔

حضرت علیؓ نے صدیق اکبرؓ کی خلافت کی مخالفت کو فتنہ قرار دیا اور اس فتنہ سے بچنے کا نام نجات رکھا۔

جناب سیدنا علی المرتضیٰؓ جناب صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کیوں تامل و تردد فرماتے اور ان کی خلافت کی تائید و تصدیق کیوں نہ فرماتے جبکہ اپنی افضل ترین عبادت نماز بھی ان کے پیچھے ادا کرتے تھے، جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب "مرآۃ العقول شرح الاصول والفروع" کے صفحہ ۳۸۸ پر حضرت علیؓ کے متعلق مرقوم ہے:۔

حضر المسجد وصلّی خلف ابی بکر۔	حضرت علیؓ مسجد میں حاضر ہوئے اور جناب ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

اور احتجاج طبرسی صفحہ ۶۰ سطر دوسری پر ہے:۔

ثم قام وتھیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد	پھر حضرت علیؓ اٹھے اور نماز کی تیاری کر کے

وصلّی خلف ابی بکر ـــــــ مسجد میں حاضر ہوئے اور جناب ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

بعینہٖ اسی مضمون کی روایت "ضمیمہ مقبول ترجمہ ص۵۱۱" میں ہے، اور "غزوات حیدری ص۶۲۷" میں بھی منقول ہے۔

مخفی نہ رہے کہ جناب صدیق اکبرؓ کو خود جناب امام الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت ونیابت یعنی امامتِ نماز کا شرف بخشا تھا۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کی معتبر کتاب "شرح نہج البلاغۃ درہ نجفیہ" کے ص۲۲۵ پر مرقوم ہے۔

کان منه خفة مرضه يصلّی بالناس بنفسه...... فلما اشتد به المرض اَمَرَ ابا بكر ان يصلّي بالناس..... وان ابا بكر صلّى بالناس بعد ذالك يومين۔	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک خود لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے جب تک مرض خفیف رہا..... پھر جب مرض سخت ہوگیا تو ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہیں.... اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ دو دن تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جو شان جناب علی المرتضیٰؓ نے بیان کی ہے وہ بھی قابلِ غور ہے، شیعہ حضرات کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغۃ ابن میثم بحرانی جزو ۲۱ ص۴۸۶ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک نوازش نامہ منقول ہے جس میں حضرت علی المرتضیٰؓ لکھتے ہیں:۔

كان افضلهم فی الاسلام كما زعمت وانصحهم لله ولرسوله الخليفة الصديقؓ وخليفة الخليفة الفاروقؓ ولعمري ان مكانهما فی الاسلام لعظيم وان المصاب بهما لجرحٌ	خلیفۂ رسول جناب صدیقؓ اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور رسول کے لیے سب سے زیادہ مخلص وخیرخواہ تھے اور اس خلیفہ کے خلیفہ حضرت فاروقؓ بھی اسی طرح تھے جیسا کہ تونے سمجھا، میری عمر (زندگی) اس بات کی گواہ ہے کہ ان دونوں حضرات کا مرتبہ اسلام میں بڑا

فی الاسلام شدیدٌ یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ماعملا۔	عظیم الشان ہے اور بیشک ان کی موت سے اسلام کو سخت صدمہ اور زخم پہنچا اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم کرتا ہے اور ان کے احسن و بہترین اعمال کی ان کو جزا دے۔

سبحان اللہ! جناب علی المرتضیٰؓ نے کس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کو الخلیفۃ الصدیق یعنی خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقیت کے ممتاز لقب سے یاد کیا ہے اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کی افضلیت اور اسلام کے مخلص و خیر خواہ ہونے کا اظہار و اقرار فرمایا ہے اور اپنی زندگی کی شہادت دے کر فرمایا کہ ان کا مرتبہ اسلام میں نہایت ارفع و اعلیٰ ہے اور ان کے حق میں کیسی عالیشان دُعا فرما کر اپنی قلبی محبت اور دلی شفقت کا اظہار فرمایا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ جناب ابوالائمہ سیدنا علی المرتضیٰؓ جناب ابوبکر صدیقؓ کو صدیقیت کے لقب سے کیوں یاد نہ کرتے۔ جبکہ خود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صدیقیت کا عالیشان لقب دے گئے تھے۔ جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر قمی ص۱۵۷ پر امام جعفر صادقؒ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ غارِ ثور کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکرؓ کو فرمایا۔ انت الصدیق تو صدیق ہے۔ اور اسی لیے تو باقی ائمہ بھی جناب ابوبکرؓ کو صدیقیت کے ممتاز لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ شیعہ کی کتاب کشف الغمہ ص۲۲۰ پر ہے کہ امام محمد باقرؒ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ تلواروں کا حلیہ (زیور) بنانا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا:۔

لابأس بہ قد حلّٰی ابوبکرن الصدیق سیفہ بالفضۃ۔	کوئی حرج نہیں کیونکہ جناب ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار کا چاندی سے حلیہ بنایا تھا۔

سبحان اللہ! امام محمد باقرؒ نے صدیقِ اکبرؓ کے عمل کو سند و حجت بنا کر اُن کو صدیقیت کے لقب سے یاد فرمایا۔

نیز شیعہ کی معتبر کتاب احقاق الحق ص۴ پر ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے بھی جناب ابوبکرؓ کو صدیقیت کے لقب سے یاد فرمایا:۔

ولدنی الصدیق مرتین۔	میں جناب ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں دو طرح داخل ہوں۔

نیز اسی صفحہ پر ہے:۔

ابوبکرن الصدیق جدلی۔	جناب ابوبکر صدیقؓ میرے نانا ہیں۔

غور کیجئے کہ حضرات ائمہ کرام ان کو صدیق فرماتے رہتے تھے اور ان سے اپنی قلبی محبت و شفقت کا اظہار بھی کرتے تھے اور اسی لیے حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرات حسنینؓ نے اپنے عزیز بیٹوں کے نام بھی ابوبکرؓ و عمرؓ رکھے دیکھو شیعہ کی کتاب تاریخ الائمہ ص۴۲، فرزندانِ جنابِ علی المرتضیٰؓ حسن، حسین، محسن، عباس، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ اٹھارہ فرزند مذکور ہیں۔

جلاء العیون فارسی ص۱۹۲ پر لکھتے ہیں — فرزند حضرت امیر المؤمنین او را ابوبکر میگفتند۔ جناب علی المرتضیٰؓ کے فرزند جن کو ابوبکرؓ کہتے تھے۔

تاریخ الائمہ ص۶۳ فرزندان حضرت امام حسنؓ۔ قاسم، عبداللہ، حسن، مثنیٰ، زید، عبدالرحمٰن، ابوبکر، عمر، اسماعیل وغیرہم — نیز جلاء العیون ص۱۹۳ پر ہے:۔

ابوبکر فرزند امام حسنؓ بمعرکہ قتال — امام حسنؓ کا فرزند ابوبکرؒ کربلا کی لڑائی میں شریک ہوا۔

تاریخ الائمہ ص۸۳ فرزندان امام حسینؓ:— عابد، علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابوبکر، جعفر، عمر وغیرہم۔

تو سیدنا علی المرتضیٰؓ اور حضرات حسنینؓ کو جناب ابوبکرؓ و عمرؓ سے ایسی عقیدت و محبت تھی کہ اپنے بچوں کے نام ان کے ناموں پر رکھ کر ان کی یاد تازہ کی۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو بھی آن ائمہ ہدیٰ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور آپس میں جناب صدیقؓ و علیؓ کی طرح اخوت و محبت عطا کرے۔ آمین

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان
حضرت علی المرتضیٰؓ کی زبان سے

سید نذیر احمد بخاری

باسمہ تعالیٰ:

مسلمانوں کی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کا دور ایک ایسا سنہری دور ہے جسے غیر مسلم تاریخ دان بھی تاریخ اسلام کا بہترین زمانہ تسلیم کرتے ہیں، اسی دور سے مختلف علوم کے چشمے پھوٹتے ہیں اور مسلمانوں کی کثیر تعداد اپنی علمی، فکری، عملی اور قانونی تشنگی دور کرنے کے لیے اسی دور کی طرف ہی دیکھتی ہے، اس دور کے خلفاء اسلام کا ایک ایسا سرمایہ ہیں جس سے ہر وہ شخص استفادہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بہرہ یاب سمجھتا ہے جس نے بھی اس تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور جذباتی وابستگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام کے ان ابطالِ جلیلہ کی خدمات پر ایک ایسی نگاہ ڈالی ہے جس میں تعصب کی کرنوں نے بینائی فراہم نہیں کی، اُسے اس حقیقتِ حال کے اعتراف سے چارہ نہیں۔ اگر اس دور کے مسلمان بھی تعصب اور جذبات کے عناصر سے پاک ہو کر اپنی تاریخ پر تحقیقی اور امتنانی نظر ڈالتے تو کم از کم مسلمانوں میں فرقوں کی تعداد تو ضرور کچھ کم ہو جاتی اور اصحابِ رسولؐ کو معیارِ صداقت سمجھنے میں جن بعض خام ذہنوں کو کچھ تذبذب ہے اُن کا اضطراب ضرور ختم ہو جاتا۔ اہلِ اسلام اس وقت جس افراط و تفریط میں مبتلا ہیں اس کے لیے مؤثر علاج یہی ہے کہ آجکل کے مسلمان قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی اقتداء اور پیروی کو اپنا مطمحِ نظر بنائیں کیونکہ یہ برگزیدہ ہستیاں اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتی تھیں جن کو اپنا کر ہم اپنی بہت سی مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں۔ اکابر صحابہ کی ان صفات و خصوصیات کو اُن کے معاصرین بعض اصاغر صحابہ نے بھی تسلیم کیا ہے، اور یہ چیز صحابہ کو معیارِ حق نہ ماننے والے غیر پختہ ذہن

کے لیے ایک لمحہ فکریہ مہیا کرتی ہے۔

چنانچہ اس عنوان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہاں پر حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ کے خیالات پیش کیے جاتے ہیں جو ہمارے رستے کی تاریکیوں کو روشن کرتے ہیں۔ غور کیجیے کہ اگر حضرت علی مرتضیٰؓ جیسے باب العلم اپنے سے اکابر صحابہ کی نہ صرف پیروی کرتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں صرف فخر نہیں اس کی دعوت بھی دیتے ہیں، تو آجکل کے کور باطن بزعم خود مجتہد اکابر صحابہ کو معیارِ حق نہ مان کر کس طرح انصاف اور دیانت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بعد میں آنے والے حکمرانوں کے لیے سیرتِ شیخین کی پابندی لازمی نہیں کی؟ کیا یہ انہیں معیارِ حق ماننا نہیں ہے؟

بعض حضرات کا خیال ہے کہ چونکہ خلافتِ اولیٰ کا انتخاب حضرت علیؓ مرتضیٰ کے حق میں نہ ہوا، اس لیے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ناراض رہے، اور چونکہ شیرِ خدا سے حضرتِ صدیقؓ نے خواہ مخواہ ناراضگی مول لی، اس لیے اُن کی خلافت حق بجانب نہ تھی اور وہ نعوذ باللہ غاصب تھے، لیکن اگر ان بزرگوں کے باہمی معاملات پر غور کیا جائے تو بعد کے حالات اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ان اکابر میں اگر کبھی کوئی غلط فہمی بھی چل نکلی تو یہ شکر رنجی بھی جلدی دور ہو جاتی رہی اور جملہ صحابہ آپس میں پھر شیر و شکر ہو جاتے رہے۔

حضرت علیؓ کے مندرجہ ذیل اقوال سے مندرجہ بالا حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت صدیقؓ حضرت علیؓ کی نگاہ میں اسی حیثیت کے حامل تھے جس کی ایک بلند پایہ صحابی رسول سے توقع کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ:۔

(۱) حضرت علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس امت میں آنحضرتؐ کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ سب سے بہتر ہیں[۱]

امام سیوطیؒ کا قول ہے کہ امام ذہبیؒ نے اس قول کو متواتر لکھا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اسی بزرگوں نے اس قول کو حضرت شیرِ خدا سے روایت کیا ہے۔

---

[۱] امام احمدؒ نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

(۲) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہم کسی نیکی کی طرف نہیں جھپٹے مگر یہ کہ ابوبکرؓ اُس میں ہم سے سبقت لے گئے"[۱]

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول مروی ہے:۔

قال علی رضی اللہ عنہ خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر لا یجتمع حبی وبغض ابی بکر و عمر فی قلب مومن[۲]	یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ سب آدمیوں سے بہتر ہیں، میری محبت اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

(۴) ایک بار حضرت علیؓ نے اپنے ہم نشینوں سے دریافت کیا کہ "بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے"؟ سب نے کہا "آپ" فرمایا "میں تو جس سے لڑا میں نے اس سے حق کا بدلہ لے لیا، سب سے زیادہ شجاع آدمی کا نام لو" عرض کی "ہم کو معلوم نہیں" فرمایا "ابوبکر" غزوہ بدر کے معرکہ میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک سایہ دار نشست گاہ بنادی تھی، اس کے بعد پوچھا گیا کہ کون شخص یہاں پاسبانی پر رہے گا جو کفار کو آپؐ کے پاس نہ آنے دے، یہ سنکر واللہ کوئی شخص آپؐ کے قریب نہ آیا مگر ابوبکرؓ وہ تلوار کھینچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہو گئے، جب کوئی مشرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آتا، ابوبکرؓ شمشیر بکف اُس پر حملہ کرتے، لہٰذا وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں[۳]۔

(۵) ابو یحییٰ سے روایت ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ حضرت علیؓ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ابوبکر کا نام "صدیق" رکھا ہے۔

اس کی من درجہ تائید "تفسیر قمی" میں بھی واقعہ غار کے ضمن میں موجود ہے[۴]۔

(۶) جب حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کی خبر سنی تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ پڑھ کر یہ فرماتے ہوئے ان کے مکان پر تشریف لائے کہ: الیوم

---

[۱] طبرانی [۲] البزار [۳] دار قطنی فی الافراد (اصابہ) [۴] تفسیر قمی ص۱۵۷

انقطعت خلافۃ النبوۃ (آج خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہوگیا) پھر جہاں پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جسدِ مطہر رکھا تھا وہاں دروازے پر کھڑے ہوکر معرفت و بلاغت کی اُس قوت کے ساتھ جو حضرت شیرِ خدا کا حصہ تھی خطبہ ارشاد فرمایا جو حضرت صدیقؓ کی باطنی و ظاہری خصوصیات اور ان کے فضائل پر ایک بہترین تبصرہ ہے، اور اس خطبہ سے وہ محبت و عزت ظاہر ہوتی ہے جو حضرتِ صدیقؓ کے لیے حضرت علیؓ کے دل میں موجود تھی۔

خُطبہ اے ابوبکرؓ تم پر خدا کی رحمت ہو، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، مونس، رفیق، معتمد، رازدار اور مشیر تھے، تم مسلمانوں میں سب سے پہلے ایمان لائے، تمہارا ایمان سب سے زیادہ خالص اور تمہارا یقین سب سے زیادہ استوار تھا، تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ تکلیف اٹھانے والے تھے، رسول اللہ کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش، اسلام پر سب سے زیادہ شفیق، اصحابؓ رسول اللہؐ کے لیے سب سے زیادہ بابرکت، رفاقت میں سب سے بہتر، سب سے زیادہ صاحب مناقب، فضائل کی دوڑ میں سب سے آگے، درجہ میں سب سے بلند، سب سے قریب وسیلہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ، سیرت میں، ہیئت میں، مہربانی میں اور فضل میں، قدر و منزلت میں سب سے بلند اور آپؐ کے نزدیک سب سے بڑھ کر معتمد، اللہ تعالیٰ تم کو اسلام اور رسولؐ کی جانب سے جزائے خیر دے، تم رسولِ خدا کے نزدیک بمنزلہ سمع و بصر تھے، تم نے رسول اللہ کو اُس وقت سچا مانا جب سب نے آپؐ کو جھوٹا کہا، اس لیے اللہ عزوجل نے اپنی وحی میں تمہارا نام "صدیق" رکھا۔ چنانچہ فرمایا۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ [۱]	یعنی اور وہ جو سچ کو لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔

سچ لانے والے محمدؐ اور تصدیق کرنے والے ابوبکرؓ ــــ تم نے آپؐ کے ساتھ

---

[۱] تفسیر مجمع البیان میں ہے الذی جاء بالصدق رسول اللہ وصدق بہ ابوبکرؓ۔ جلد ۸ صفحہ ۴۹۸

اُس وقت غمخواری کی جب اوروں نے تنگدلی کی اور تم مصائب کے وقت حضور اکرمؐ کے ساتھ اُس وقت بھی کھڑے رہے جب لوگ آپؐ سے بچھڑ گئے، تم نے سختیوں میں بھی حضورؐ کے ساتھ محبت و رفاقت کا حق باحسن وجوہ ادا کیا، تم ثانی اثنین اور رفیق غار (ثور) تھے اور تم پر سکون نازل ہؤا تھا، تم ہجرت میں آپؐ کے رفیق تھے اور اللہ کے دین میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر تم آپؐ کے ایسے خلیفہ تھے جس نے اُس وقت خلافت کا حق ادا کر دیا جبکہ لوگ مرتد ہو گئے تھے اور تم نے خلافت کا وہ حق ادا کر دیا جو پیغمبر کے کسی خلیفہ نے ادا نہیں کیا تھا۔ چنانچہ تم نے اُس وقت مستعدی دکھائی جبکہ تمہارے ساتھی سُست ہو گئے تھے اور تم نے اُس وقت جنگ کی جبکہ وہ عاجز ہو گئے تھے، جب وہ کمزور تھے تو تم قوی رہے، اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کو اُس وقت تھامے رکھا جبکہ لوگ پست ہو گئے تھے۔ تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے، اگرچہ اس سے منافقوں کو غصہ، کفار کو رنج، حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غیظ تھا، تم امر حق پر ڈٹے رہے۔ جبکہ لوگ بزدل ہو گئے، اور تم ثابت قدم رہے جب وہ ڈگمگا اٹھے، اور جب وہ رُک گئے تو تم نور الٰہی کی روشنی میں رواں رہے، پھر انہوں نے (بھی) تمہاری پیروی کی اور منزل پر پہنچ گئے، تمہاری آواز سب سے پست، تمہارا تفوق سب سے اعلیٰ، تمہارا کلام سب سے زیادہ باوقار، تمہاری گفتگو سب سے زیادہ باصواب، تمہاری خاموشی سب سے زیادہ طویل، تمہارا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا، تمہاری ذات سب سے زیادہ شجاع اور معاملات کی سب سے زیادہ واقف اور عمل میں سب سے زیادہ بزرگ تھی، واللہ تم اہل دین کے سردار تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے تو تم آگے بڑھے اور جب وہ دین پر جھکے تو تم ان کے پیچھے پیچھے تھے، تم اہل ایمان کے مہربان باپ تھے، اس مہر پدری سے وہ تمہاری اولاد بن گئے، جب بھاری بوجھوں کو وہ نہ اٹھا سکے اُن کو تم نے اٹھایا، جو ان سے فرو گذاشت ہوئی اس کی تم نے نگہداشت کی، جو چیز انہوں نے کھو دی اس کی تم نے حفاظت کی، جو انہوں نے نہ جانا وہ تم نے سکھایا، تم نے جانبازی کی، جب وہ عاجز ہو گئے تم ثابت قدم رہے، جب وہ گھبرا گئے تم نے دادخواہوں کی دادرسی کی، وہ اپنی رہنمائی کے لیے تمہاری رائے کی جانب

رجوع ہوئے اور کامیاب ہوئے، تمہارے ذریعے سے اُن کو وہ ملا جس کا اُن کو گمان نہ تھا، تم کافروں کے لیے بارشِ عذاب اور آتشِ سوزاں تھے اور مومنوں کے لیے رحمت اُنس و پناہ تھے، تم نے اوصاف کی فضا میں پرواز کی اُن کا خلعت پالیا، اُن کے محاسن لے لیے اور فضائل کی بازی جیت لی، تمہاری دلیل کو شکست نہیں ہوئی، تمہاری بصیرت کمزور نہیں ہوئی اور تم نے بزدلی نہیں دکھائی، تمہارے دل میں کجی پیدا نہیں ہوئی اور وہ منحرف نہیں ہوا، تم اُس پہاڑ کی مانند تھے جس کو آندھیاں حرکت نہیں دے سکتیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم رفاقت اور مالی خدمت دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے، اور ارشادِ نبوی کے موافق جسمانی لحاظ سے گو کمزور لیکن اللہ کے معاملے میں قوی تھے۔ اپنے نفس کے اعتبار سے متواضع، اللہ کے نزدیک بڑے اور لوگوں کی آنکھوں میں بھاری بھر کم اور بڑے تھے۔ تمہاری نسبت نہ کوئی دھوکا میں تھا اور نہ وہ حرف گیری کر سکتا تھا۔ تم میں نہ کسی کی طمع تھی اور نہ تم کسی کی رعایت کرتے تھے، ضعیف اور پست آدمی تمہارے نزدیک قوی تھا کہ تم اس کو حق دلاتے تھے اور قوی تمہارے نزدیک کمزور اور ناچیز تھا کہ تم اس سے حق لے کر رہتے تھے، اس معاملہ میں قریب و بعید سب تمہاری نظر میں برابر تھے، تمہارا سب سے زیادہ مقرب وہ تھا جو خدا کا سب سے زیادہ فرمانبردار اور سب سے زیادہ پرہیزگار تھا، تمہاری شان حق راستی اور نرمی تھی، تمہارا قول حکم اور منطقی تھا، تمہارے حکم میں حلم تھا اور حزم و رائے میں دانائی تھی اور عزم تھا۔ ان اوصاف و فضائل کی قوت سے تم نے باطل کو اکھیڑ کر پھینک دیا، اس کے بعد راستہ صاف تھا، مشکل آسان تھی اور فتنہ و فساد کی آگ سرد، دین تمہاری مدد سے اعتدال پر آگیا، ایمان تمہاری وجہ سے قوی ہوگیا اور اسلام اور مسلمان مضبوط ہو گئے اور فرمانِ الٰہی غالب آگیا، اگرچہ کفار کو یہ سخت ناگوار تھا، اس حسن و خدمت میں واللہ تم بہت آگے نکل گئے اور اپنے جانشین کو سخت دشواری میں ڈال دیا اور علانیہ خیر کے مراتب پالیے، تمہاری شان آہ و بکا سے ارفع ہے اور تمہارا ماتم آسمان پر عظیم ہے اور تمہاری مصیبت نے لوگوں کی کمر توڑ دی ہے تمہاری مصیبت پر ہم إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہتے ہیں، قضائے الٰہی پر رضامند ہیں اور

اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں۔ واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمہاری وفات سے بڑھ کر مسلمانوں پر کبھی کوئی مصیبت نہیں پڑے گی، تم دین کی عزت، حفاظت اور پناہ تھے مسلمانوں کی جمعیت، قلعہ اور جائے پناہ اور منافقین کے حق میں سختی اور غصہ، اس کی جناب میں اللہ تعالےٰ تم کو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دے اور ہم کو تمہارے اجر سے محروم اور تمہارے بعد گمراہ نہ فرمائے۔ ہم پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ کہتے ہیں۔"

"بقول راوی جب تک شیر خدا خطبہ فرماتے رہے تمام اشخاص پر خاموشی مسلط رہی اور خطبہ کے اختتام پر تمام لوگ اس قدر روئے کہ (بلا اختیار) آواز بلند ہو گئی اور تمام نے بالاتفاق کہا کہ اے رسول اللہ کے خویش آپ نے سچ فرمایا۔" (اریاض النضرہ)

یہاں سے اجتماعی رونے پر استدلال نہ کیا جائے یہ ایک غیر اختیاری کیفیت تھی اور اندرونی جذبات کا ایک بلا اختیار اظہار تھا، پھر یہ خطبہ اُن تین ایام سوگ میں تھا جن کی شریعت نے اجازت دی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جسد مبارک سامنے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تقریر فرما رہے تھے۔

لیکن جب اصل صدمہ پر تین دن گذر چکے ہوں پھر ایسی مجالس قائم کرنا اور مرحومین کا اس انداز میں ذکر کرنا کہ سننے والوں پر رقت طاری ہو یہ ایک اختیاری عمل ہے جو بارادۂ ماتم کیا جاتا ہے اس کی اسلام میں اجازت نہیں، یہ ایک اختیاری اور اجتماعی ماتم ہے جو سوگ کے تین دنوں کے بعد ہر سال کیا جاتا ہے۔

پھر یہ مدح جو اس خطبہ میں ہے ممنوع نہیں جو سامنے کہنا ناجائز ہو۔ سامنے تعریف کرنے والے اس لائق ہیں کہ اُن کے مُنہ میں مٹی ڈالی جائے اس لئے کہ مدح کہنے والے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ممدوحِ کریم (سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) میں عالم کا فرق ہے، یہ عالم دنیا میں تھے اور وہ اعلیٰ علیین میں پہنچ چکے تھے جو عالم برزخ کی ایک منزل ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل پر اس خطبہ کے بعد کچھ تحریر کرنا محض خامہ فرسائی کے سوا کچھ اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ یہ خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حقیقی تصویر ہے ہر قسم کی گستاخی کے لیے ایک دیوار ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد اس خطبہ کی صداقت کی شہادت ہے۔ جو حضرت امام حسنؓ نے دی، ابومریم کا بیان ہے:۔

"کہ میں کوفہ میں تھا امام حسنؓ بن علیؓ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ اے لوگو رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا، میں نے رب کریم کو عرش پر دیکھا، اس عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش کے ایک پایہ کے پاس قیام فرمایا، پھر ابوبکرؓ آئے اور دوش مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے پھر عمرؓ آئے اور ابوبکرؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے، پھر عثمانؓ آئے اُن کے ہاتھ میں اُن کا سر تھا عرض کی الٰہی اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھ کو کس قصور میں قتل کیا۔ اس کہنے پر آسمان سے دو خون کے پرنالے زمین میں بہنے لگے، یہ خطبہ سنکر لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ "آپ دیکھتے نہیں حسنؓ کیا کہتے ہیں" فرمایا "جو دیکھا ہے وہ کہتے ہیں"

یہ تھی حضرت صدیق اکبرؓ کی ذاتِ ملکوتی صفات اور یہ تھے دینِ محمدی پر انکے احسانات جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گے، مگر زمانے کی روش کتنی بڑی کافر نعمت، ناسپاس، ناشکر گذار اور محسن آزار ہے کہ اس قسم کے قدسی صفات بزرگ کے پاک دامن سے بھی اُلجھنا اپنا عین حق تصور کرتی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے اپنے بزرگوں کی خدمات کا حق صحیح معنوں میں ادا نہیں کیا۔ اس کے برعکس مخالف الزام تراشیوں کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ جب لوگوں نے خدا پر کسی کا باپ ہونے، نبی پر ساحر اور کاہن ہونے کے اتہام باندھے تو پھر اس قسم کے بزرگ حلقۂ دشنام و تبرا میں آنے سے کیسے بچ سکتے تھے، فطرتِ کائنات یہی ہے۔

یہود کی شہ یا مخالفین کی الزام تراشی اگر صرف مخالفت تک محدود رہتی تو اسے سیاسی رقابت کہہ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ مگر یہ بات کس قدر عقل و خرد سے متصادم ہے کہ اُسے ایک مذہبی گروہ نے عبادت کا درجہ دے رکھا ہے اور وہ اُسے اپنا فرقہ وارانہ حق سمجھتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد یہ ناپاک عبارت بعقیدہ عبادت اپنی نجس زبان سے کہیں

باید بعد از ہر نماز. بگوید اللہم العن ابابکر[1] (استغفر اللہ)

اور پھر ایسے سادہ لوح یا چالاک بھی ہیں جو شیعہ ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ہمارا عقیدہ نہیں اور ہم ایسا نہیں کرتے۔ ملا کلینی اور ملا باقر مجلسی ہمارے مذہب کے ترجمان نہیں ہیں سچ ہے۔ جھوٹ کی کوئی انتہاء نہیں۔ بولنے والا بے شرم چاہیئے۔

---

[1] عین الحیاۃ ملا باقر مجلسی ص ۵۹۹ مطبوعہ ایران

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ میں

حدیث ۱: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

وَكَانَ اَفْضَلُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَاَنْصَحُهُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ الْخَلِيْفَةُ الصِّدِّيْقُ وَخَلِيْفَةُ الْخَلِيْفَةِ الْفَارُوْقُ، وَلَعَمْرِيْ اِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لَعَظِيْمٌ وَاِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ يَرْحَمُهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا۔[1]

ترجمہ:۔ اے معاویہ جیسا کہ تو نے کہا۔ واقعی اسلام کے اندر آنحضورؐ کا خلیفہ صدیق اور اس کا خلیفہ فاروق سب سے افضل تھے اور سب سے زیادہ خدا اور رسول کے خیر خواہ تھے۔ اور اپنی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان دونوں کا درجہ اسلام میں بہت بڑا درجہ ہے۔ اور بہ تحقیق ان دونوں پر مصائب آئیں تو اسلام میں زخم کاری آتا ہے۔ خدا ان دونوں پر رحمت کرے اور انہیں انکے نیک کاموں کا بدلہ دے۔

نوٹ: اس مکتوب شریف میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جن باتوں کا اقرار فرمایا ہے زمانہ حال کے مدعیان تولائے علی ان کے ماننے سے قاصر ہیں۔ پانچ باتیں اس مکتوب شریف کا طرۂ امتیاز ہیں

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضورؐ کے خلیفہ برحق تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے خلیفہ برحق تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام مسلمانوں سے افضل تھے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ سب سے افضل تھے۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ خدا اور رسول کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور اسی طرح حضرت عمرؓ بھی تھے۔

(۴) دین اسلام کے اندر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا درجہ بہت بلند تھا اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس مقام پر تھے۔

(۵) دین اسلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں کامل اتحاد تھا۔ یہاں تک کہ ایک کا نقصان دوسرے

---

[1] دیکھو شرح نہج البلاغۃ از ابن میثم بحرانی ص۴۸۶ سطر ۶ مطبوعہ تہران

کا نقصان تھا۔

آپنے مندرجہ بالا پانچ باتوں کا اقرار کرنے کے بعد دعائے رحمت کا آپ کو ہدیہ بھیجا۔ پس انصاف اور دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جو کہ حضرت علیؓ کے نام لیوا اور عقیدت مند ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مندرجہ مکتوب کی پانچ حقیقتوں کا کھلے دل سے اقرار کریں اور حضرت ابوبکر پر شب و روز شکریہ کے طور پر ہدیہ رحمت بھیجا کریں۔ مگر کیا کیا جائے اور کیا لکھا جائے اور ابنائے زمانہ کی شکایت کس کے سامنے رکھی جائے۔ کہ جس ہستی کے ذکر کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہدیۂ رحمت بھیجتے تھے آج کل کے عاشق صادق اس ہستی پر رحمت کی ضد استعمال کرتے ہیں اور اس کام کو بہشت میں داخل ہونے کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

سوال: بعض لوگ اس موقع پر لفظ کَمَا زَعَمْتَ کی آڑ میں یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے عقائد اس طرح پر نہ تھے۔ آپ نے تو امیر معاویہ کے زعم کو بیان فرمایا ہے۔

جواب ۱: اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ کا یہ مکتوب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مکتوب کا جواب ہے جو مندرجہ بالا صفحہ سے پہلے صفحہ پر مرقوم ہے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مکتوب شریف میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے مکتوب کی بعض چیزوں کی تصدیق کر رہے ہیں اور بعض چیزوں کی تردید فرما رہے ہیں۔ دیکھو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے مکتوب میں حسد کا ذکر کیا ہے مگر حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے حسد نہیں کیا۔ نیز امیر معاویہؓ نے بیعت سے تخلف کا ذکر کیا ہے مگر حضرت علیؓ نے اس کی بھی تردید کی ہے۔ حضرات شیخینؓ کی افضلیت قابلِ تردید نہ تھی اس لئے تصدیق کر دی ہے۔ بلکہ جوابی مکتوب میں جو لفظ کَمَا زَعَمْتَ تحریر فرمایا ہے تو اس سے غرض یہ ہے کہ اے معاویہؓ شیخین کی افضلیت کا جو یقین مجھے حاصل ہے وہ تجھے حاصل نہیں ہے۔ تیرے پاس تو گمان ہی گمان ہے اور تیرا علم محض ظن ہے۔ ان کی افضلیت کا یقین ہمارے پاس ہے۔ اسی واسطے ہم ان کے طریق اور روش پر مضبوطی سے قائم ہوں اور تم ان کے طریق پر عمل پیرا نہیں ہو۔

جواب ۲: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے لئے

صدیق اور فاروق دونوں القاب موجود نہیں ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان القاب کا اضافہ کیا ہے۔ یہ اضافہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضلیت کے عقیدہ میں امیر معاویہؓ سے بہت آگے ہیں۔ اور اگر ناظرین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جملہ قسمیہ اور اس کے دونوں جوابات قسم کو غور سے دیکھیں گے تو انہیں اس بات کا حق الیقین ہو جائے گا کہ افضلیت کا عقیدہ حضرت علیؓ کا خاص عقیدہ مکتوب الیہ کی ترجمانی یا الزام کے قبیل سے نہیں کیونکہ حضرت امیر معاویہؓ کے مکتوب میں جملہ قسمیہ اور اس کے دونوں جوابات سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔

حدیث ۲ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ایک اور مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

ثُمَّ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ بَعْدِہٖ اسْتَخْلَفُوْا اَمِیْرَیْنِ مِنْھُمْ صَالِحَیْنِ فَعَمِلَا بِالْکِتٰبِ وَالسُّنَّۃِ وَاَحْسَنَا السِّیْرَۃَ وَلَمْ یَعْدُوَا السُّنَّۃَ ثُمَّ تُوُفِّیَا رَحِمَھُمَا اللّٰہُ۔[1]

ترجمہ:۔ "پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے دو بزرگوں کو خلیفہ مقرر کیا جو نہایت نیک کردار تھے۔ پس ان دونوں نے قرآن اور سنتِ رسول پر عمل کیا اور طرزِ حکومت کو خوبصورت بنایا اور طریقۂ رسول سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا۔ اس کے بعد فوت ہوئے۔ خدا تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔"

نوٹ: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے اس مکتوب شریف میں بھی پانچ باتوں کا اعتراف کیا ہے

(۱) تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ آپ پر اجماع مکمل ہوا تھا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق صالح تھے۔ صلاحیت دو قسم ہے۔ ایک خود نیکوکار ہونا دوسرے خلافت کے لائق ہونا۔ یہ صفت دونوں قسموں کو شامل ہے۔

(۳) قرآن و حدیث پر آپ نے عمل کیا۔ اور عمل جبھی ہو سکتا ہے کہ علم ہو۔ پس اس فقرہ میں حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قرآن و حدیث کے عالم اور عامل ہونے کا اقرار فرمایا ہے۔

(۴) صدیقی طرزِ حکومت نہایت اچھی تھی۔ پس جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ حضرت علیؓ کا خلاف کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ اس حکومت کے حق میں تھے۔

---

[1] حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ششم ص ۲۹۵۔

(۵) صدیق اکبر نے سُنت رسول سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیرت شیخین پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دیا تھا بالکل غلط ہے کیونکہ جب حضرت علی اقرار کر رہے ہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سُنت رسول سے ذرہ بھر تجاوز نہ کیا تھا تو پھر سیرت شیخین اور سُنت رسول ایک ہی چیز ہو گئی اور ایک کے انکار کو دوسری کا انکار لازم ہو گیا۔ اس صورت میں اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیرت شیخین کا انکار کرتے ہیں تو سُنت رسول کا انکار بلاتوقف لازم آتا ہے۔ اور یہ وُہ چیز ہے جس کا تصور بھی حضرت علی کے عقیدت مند نہیں کر سکتے۔

حدیث ۳ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خطبے کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:۔

ثُمَّ اسْتَخْلَفَ النَّاسُ اَبَا بَكْرٍ ثُمَّ اسْتَخْلَفَ اَبُوْ بَكْرٍ عُمَرَ وَاَحْسَنَا السِّيْرَةَ وَعَدَلَا فِي الْاُمَّةِ[1]۔ ترجمہ:۔ "پھر تمام لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا اس کے بعد ابوبکرؓ نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان دونوں نے طرز حکومت کو نہایت اچھا بنایا اور امت میں انصاف اور عدالت کو قائم کیا۔"

نوٹ:۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس خطبے میں دو باتوں کا اقرار کیا ہے۔ ایک تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طرز حکومت کی اچھائی کا اور دوسرا اُن کا امت میں عدالت قائم کرنے کا اگر کوئی شخص ان دونوں باتوں میں غور کرے تو مقام ابوبکر کی حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے۔

حدیث ۴ وَقَالَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ مَا غَضِبْنَا اِلَّا فِي الْمَشْوَرَةِ وَاِنَّا نَرٰى اَبَا بَكْرٍ اَحَقَّ النَّاسِ بِهَا۔ اِنَّهٗ لَصَاحِبُ الْغَارِ وَثَانِيَ اثْنَيْنِ وَاِنَّا لَنَعْرِفُ لَهٗ سِنَّهٗ وَلَقَدْ اَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالصَّلٰوةِ وَهُوَ حَيٌّ[2]۔

ترجمہ:۔ "حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے کہا۔ ہماری شکر رنجی محض مشورہ کی وجہ سے ہے اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ابوبکر سب سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں اس لئے کہ وُہ صاحب غار اور ثانی اثنین ہیں۔ اور یقیناً وُہ عمر میں بھی بڑے ہیں۔ اور خدا کے رسول نے اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔"

---

[1] دیکھو ناسخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم ص۱۱۲

[2] دیکھو حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ششم ص۲۹۳

نوٹ :- اس حدیث سے اس شکر رنجی کی وجہ واضح ہو گئی۔ جو بعض روایات میں آئی ہے اور جس کو بعض لوگ بڑے طمطراق سے عوام میں بیان کرتے رہتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ اس ناراضگی کی وجہ اپنا استحقاق خلافت ہے۔ الحمد للہ کہ خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے واضح کر دیا کہ ہماری شکر رنجی اس واسطے نہیں کہ ہم خلافت کے مستحق ہیں اور ابوبکر خلافت کے اہل نہیں ہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے مشورے کے بغیر انتخاب خلیفہ کیوں ہوا ہے؟ انتخاب خلیفہ کے وقت ہم بھی موجود ہوتے اور سب سے پہلے بیعت کرنے والے ہم ہوتے۔ اس چیز کے فوت ہو جانے کا غم تھا۔ جو حضرت علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ملال خاطر اور شکر رنجی کا باعث تھا۔ اسی چیز کو واضح کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ہم خلافت کا حق دار ابوبکر کو جانتے ہیں۔ اور دو عدد گواہ بھی پیش کر دیئے۔

پہلا گواہ : اس صفت کو بنایا جو آیت غار میں خدا تعالیٰ نے ثانی اثنین کی صورت میں نازل فرمائی تھی۔

دوسرا گواہ : اس امامت نماز کو بنایا جو خدا کے رسول کے حکم سے آپ کی زندگی میں عمل میں آئی تھی۔

حدیث ۵ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا تعالیٰ کے دربار میں اپنے عقائد حقہ پیش کر کے دعا مانگ رہے ہیں :- اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُکَ وَکَفٰی بِکَ شَھِیْدًا فَاشْھَدْ لِیْ اَنَّکَ رَبِّیْ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم رَسُوْلُکَ نَبِیِّیْ وَالْاَوْصِیَاءُ مِنْ بَعْدِہٖ اَئِمَّتِیْ[1]

ترجمہ :- "خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تیری گواہی کافی ہوتی ہے۔ پس تو اس بات پر گواہ ہو جا کہ تو میرا رب ہے اور اس بات پر بھی گواہ ہو جا کہ محمد جو کہ تیرا رسول ہے وہ میرا پیغمبر ہے اور اس بات پر بھی گواہ ہو جا کہ آپؐ کے بعد جو جانشین ہوئے ہیں وہ میرے امام ہیں"

نوٹ : اس حدیث میں جہاں حضرت مرتضوی نے خدا کے رب ہونے اور حضور کے پیغمبر ہونے کا اقرار کیا ہے وہاں آپ کے جانشینوں کو اپنا امام تسلیم کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان جانشینوں میں پہلا نمبر سیدنا حضرت صدیق اکبر ابوبکر بن ابی قحافہ کا ہے۔ پس ان کو بھی امام تسلیم کر لیا گیا۔ میرے خیال میں حضرت علیؓ نے ابوبکر صدیق کی تعریف کی انتہا کر دی کہ انہیں وصی نبی اور امام خلق تسلیم کر لیا۔

سوال : بعض لوگ اس استدلال کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس دعا میں جانشینوں سے مراد وہ گیارہ

---

[1] دیکھو صحیفہ علویہ مطبوعہ نجف اشرف صہ ۳

امام ہیں جو حضرت علی کی نسل سے ہوئے ہیں۔

جواب ۱ : وہ گیارہ امام چونکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بعد ہوئے ہیں اس لئے من بعدہ کی جگہ مِنۡ بَعۡدِیۡ ہونا چاہیئے تھا۔ ضمیر غائب محاورہ کے خلاف ہے۔ پس ضمیر غائب کا وجود اس جواب کو بے کار کر رہا ہے۔

جواب ۲ : اس دُعا میں لفظ اِئِمَّۃ کی اضافت یائے متکلم کی طرف اعلان کر رہی ہے کہ وہ جانشین گیارہ امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حضرت علیؓ ان کے امام ہیں اور وہ مقتدی ہیں۔ کوئی عقلمند آدمی یوں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت علیؓ کے گیارہ بیٹے آپ کے امام ہوئے ہیں اور آپ ان کے مقتدی تھے۔

حدیث ۶ کسی شخص نے حضرت امام باقرؒ سے پوچھا:۔

جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاکَ، اَرَءَیۡتَ اَبَا بَکۡرٍ وَّعُمَرَ ھَلۡ ظَلَمَاکُمۡ مِّنۡ حَقِّکُمۡ شَیۡئًا اَوۡ قَالَ ذَھَبَا مِنۡ حَقِّکُمۡ شَیۡئًا فَقَالَ لَا وَالَّذِیۡ اَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا مَا ظَلِمۡنَا مِنۡ حَقِّنَا مِثۡقَالَ حَبَّۃٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ جُعِلۡتُ فِدَاکَ اَفَاَتَوَلَّاھُمَا قَالَ نَعَمۡ وَیۡحَکَ تَوَلَّاھُمَا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمَا اَصَابَکَ فَفِیۡ عُنُقِیۡ، ثُمَّ قَالَ فَعَلَ اللّٰہُ بِالۡمُغِیۡرَۃِ وَبُنَانٍ فَاِنَّھُمَا کَذَبَا عَلَیۡنَا اَھۡلَ الۡبَیۡتِ[1]

ترجمہ:۔ "خدا مجھے آپ پر قربان کرے۔ ابوبکر و عمر کے بارے بتلایئے کیا انہوں نے آپ لوگوں کے حقوق میں سے کوئی چیز چھین لی ہے؟ حضرت امام نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اُس کی قسم جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تاکہ تمام جن و انس کے لئے ڈرانے والا ہو۔ ہمارے حقوق میں سے رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز نہیں لی گئی۔ پوچھنے والے نے عرض کیا میں ان دونوں سے دوستی رکھوں؟ حضرت امام نے فرمایا ہاں اے میرے پیارے ان دونوں سے دنیا و آخرت میں دوستی رکھ۔ اور اگر اس کی وجہ سے تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو وہ میری گردن پر۔ مراد یہ ہے کہ میں دنیا و آخرت میں ذمہ دار ہوں۔ اس کے بعد حضرت امام نے فرمایا خدا تعالیٰ مغیرہ اور بنان کو ہلاک کرے کیونکہ ان دونوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ باندھے ہیں۔"

---

[1] دیکھو حدیدی نہج البلاغہ جلد دوم ص ۲۹۶

نوٹ: حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کی پاک دامنی کس وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔ سوال کرنے والا وُہ شخص ہے جو حضرت ابوبکر صدیق سے حسن ظن نہیں رکھتا۔ اس کے دل میں ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ اس سوءِ ظن کی وجہ وُہ خود بیان کرتا ہے کہ ابوبکر نے آپ کے حقوق غصب کر لئے تھے۔ حضرت امام باقر نے قرآن اتارنے والے کی قسم کھا کر جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے۔ ابوبکر نے ہمارے حقوق میں سے کوئی ادنیٰ حق بھی غصب نہیں کیا۔ خدا کی قسم ہی کافی تھی مگر آپ نے قرآن کے نزول کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یہ سچائی میں ضرب المثل ہے اور اس طریق سے آپ سائل کے دل سے بغض صدیقی کو دور کرنا چاہتے تھے۔ خدا کو ہی معلوم ہے کہ اس سائل کے دل سے بلا دور ہوئی یا نہ مگر حقیقت ہے کہ حضرت امام نے سائل کے دل کی صفائی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ بھلا اس سے زیادہ کیا ہو سکتا تھا کہ جو گناہ ہو گا وُہ میری گردن پر ہو گا۔ آخر میں حضرت امام نے وُہ راز کھول دیا جو سائل کے علم میں نہ تھا۔ فرمایا کہ اس قسم کی روایات مغیرہ اور بنان کے ذریعہ سے پھیل رہی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

حدیث ۷ ایک اعرابی نے حضرت ابوبکر صدیق سے عرض کیا:-

اَلَسْتَ اَمَرْتَنِیْ اَنْ لَّا اَتَاَمَّرَ عَلٰی اثْنَیْنِ قَالَ بَلٰی قَالَ فما بالك فقال ابوبکر لم اجدلها احدا غیری احق منی قال ثُمَّ رَفَعَ اَبُوْجَعْفَرِ الْبَاقِرُ یَدَیْهِ وَخَفَضَهُمَا فَقَالَ صَدَقَ صَدَقَ۔[1]

ترجمہ:- "کیا تو نے مجھ سے کہا نہیں تھا کہ دو آدمیوں پر بھی حاکم نہ بنوں؟ حضرت ابوبکر صدیق نے جواب دیا کہ ہاں میں نے اسی طرح کہا۔ پس اعرابی نے کہا کہ پھر تو کیوں حاکم بن بیٹھا؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ ہاں حکومت اس لئے قبول کی کہ میرے بغیر کوئی شخص اس کے لائق نہ تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر پہنچے تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے۔ اور فرمایا کہ ابوبکر نے سچ کہا ابوبکر نے سچ کہا۔"

نوٹ: حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس روایت کے راوی ہیں۔ جب حضرت ابوبکر کے جواب پر

---

[1] دیکھو حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اول جزو ششم صـ۲۹۱

پہنچے ہیں تو اس کی تصدیق کے لئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیئے ہیں گویا خدا تعالیٰ کو حضرت ابوبکر کی صداقت پر گواہ بنا رہے ہیں۔ پس حضرت ابوبکر نے جو فرمایا کہ پیغمبر کی خلافت کے لئے کوئی شخص مجھ سے زیادہ لائق نہ تھا۔ حضرت امام محمد باقر نے اس بات کی سچائی پر خدا کو گواہ بنایا اور افضلیت صدیق پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

حدیث ۸ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوسفیان سے خطاب کیا :-

اَمْسِکْ عَلَیْکَ، فَاِنَّا رَئَیْنَا اَبَا بَکْرٍ لَّهَا اَهْلاً [۱]

ترجمہ :- "اے ابوسفیان اس بات سے باز رہ اس لئے کہ ہم نے ابوبکر کو خلافت کے لائق جانا ہے"۔

نوٹ : ابوسفیان صاحب حضرت علی کو مشورہ دے رہے تھے کہ آپ خلافت کے لئے کھڑے ہو جائیں میں آپ کی ہر ممکن طریق سے امداد کروں گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ ہم نے ابوبکر کو خلافت کے لائق جان کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

حدیث ۹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا :-

لَوْلَا اَنَّا رَئَیْنَا اَبَا بَکْرٍ لَهَا اَهْلاً لَمَا تَرَکْنَاهُ [۲]

ترجمہ: " اگر ہم ابوبکر کو خلافت کے لائق نہ جانتے تو اُسے اس مقام پر ہرگز نہ چھوڑتے"۔

نوٹ : حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی بہادری اور شجاعت کا تقاضا یہی ہے جو آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اکراہ اور اضطرار اور مجبوری سب کے سب آپ کی شان کے مناسب نہیں ہیں۔ دُعا ہے کہ خدا تعالیٰ مدعیان محبت کو معرفت عطا کرے آمین یا رب العالمین۔

حدیث ۱۰ حضور پُرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے مجمع میں ہمیشہ فرمایا کرتے اثنا عشریہ کے ہاں یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

مَا سَبَقَکُمْ اَبُوْبَکْرٍ بِصَوْمٍ وَّلَا صَلٰوۃٍ وَّلٰکِنْ بِشَیْءٍ وُّقِرَ فِیْ صَدْرِهٖ [۳]

ترجمہ :- "تم لوگوں سے ابوبکر نے جو ترقی کی ہے تو وہ نماز و روزہ کی وجہ سے نہیں کی۔ لیکن وہ

---

[۱] ملاحظہ کیجئے حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اوّل جزو ششم ص۲۹۱ [۲] ملاحظہ فرمائیے حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد اوّل جزو دوم ص۴۲۔ [۳] تاریخ کی مشہور و معروف کتاب مجالس المؤمنین مطبوعہ تہران ص۸۹ سے مطالعہ کریں۔

تو ایک ایسی چیز کی وجہ سے ہے جس سے اس کا دل بھرا ہوا ہے۔

قاضی نور اللہ صاحب شوستری بڑے محقق اور سخت متعصب گزرے ہیں۔ وہ اپنی مندرجہ بالا کتاب میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ حدیث ایسی ہے جس کو آنحضور ہمیشہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث کے صحیح اور مستند ہو جانے کے بعد اس کے معنی اور مقصود میں کلام کرنا چاہیئے۔ سو راقم الحروف کے نزدیک اس حدیث میں جس چیز سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کو بھرا ہوا بتلایا گیا ہے وہ معرفتِ الٰہی اور عشق رسول ہے۔ جیسا کہ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

پروانے کو ہے شمع تو بلبل کو پھول بس ؏ صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

مطلب یہ ہے کہ ابوبکرؓ نماز و روزہ کی وجہ سے تم لوگوں پر سبقت نہیں لے گئے بلکہ وہ اس عشق اور معرفت کی وجہ سے تم پر سبقت لے گئے ہیں جس سے ان کا دل لبریز ہے۔ اس حدیث میں سبقت سے مراد وہ عزت ہے جو سیدنا صدیق اکبرؓ کو خدا کے رسول کے یہاں تھی۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام صحابہؓ پر واضح کر دیا کہ میرے یہاں ابوبکرؓ کی عزت اس معرفتِ الٰہی کی وجہ سے ہے جس سے اس کا دل بھرپور ہے۔ قلبِ صدیق کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں غیر اللہ کے لئے کچھ گنجائش ہو۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے ؎

خانہ خالی نما تا منزل جاناں شود ؏ کیں ہوسناکاں دل و جاں جائے دیگرے کنند

بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حُبِّ ریاست یعنی سردار بننے کی محبت سے ابوبکر کا دل بھرا ہوا تھا۔ مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ جس وقت اور جن حالات میں حضرت ابوبکر نے مال و جان خدا کی راہ میں قربان کئے ہیں اور آباؤ اجداد کے اموال اور جائداد اور وطن عزیز سے اپنے آپ کو علیحدہ کیا ہے اس وقت تک تو سرداری کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔ حضرت ابوبکر کا دل اس چیز سے کیسے بھر گیا ہوا تھا؟

نیز حُبِّ ریاست کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے کوئی آدمی خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں معزز اور مکرم ہو جائے۔ اگر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم ہو جاتا کہ ابوبکر میرے ساتھ دنیوی سرداری کے واسطے لگا ہوا ہے تو اسی وقت علیحدہ کر دیتے۔ کیا اہل علم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے آنحضورؐ سے کسی دنیاوی چیز کی طلب کی تھی۔ فوراً آپ نے

علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ پورا مہینہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کلام نہ فرمایا۔ سورۂ احزاب میں خدا تعالیٰ نے پورا رکوع نازل فرمایا۔ جس کی ابتدا یوں ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۔

ترجمہ:۔ "اے میرے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں ایک ایک جوڑا کپڑے کا دیتا ہوں اور خوبصورت طریقے سے روانہ کر دیتا ہوں۔

دین اسلام کے اندر طلاق اضطراری حالات میں جائز قرار دی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضورؐ کے سامنے ذکرِ دنیا ہی اضطرار کا باعث ہو گیا اور طلاق دینے پر آمادہ ہو گئے۔ شریعتِ محمدی میں طلاق کے موقعوں پر جوڑا کپڑوں کا دینا ضروری ہوتا ہے۔ اسی کو خدا تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت روانگی سے تعبیر کیا۔ مقام غور ہے کہ جو پیغمبر ذکر دنیا سے اس قدر نفرت رکھتا ہے وہ کسی محبّ ریاست اور سرداری کے امیدوار کو رفیق زندگی بلکہ رفیق دارین کیسے بنا سکتا ہے۔

حدیث ۱۱ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا مَنْ اَزْهَدُ مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ۔[1] یعنی مذکور بالا تینوں بزرگوں سے زیادہ تارکِ دنیا کون ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ نے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زاہد اور تارک دنیا ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ تو حدیث ۱۰ کی تشریح میں جو معنی راقم الحروف نے بیان کئے ہیں ان کی حقانیت بھی واضح ہو گئی۔

حدیث ۱۲ قَالَ عَلِیٌّ (رضی اللہ عنہ) لَمَّا قُبِضَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم نَظَرْنَا فِیْ اَمْرِنَا فَوَجَدْنَا النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ قَدَّمَ اَبَا بَكْرٍ فِی الصَّلٰوةِ فَرَضِیْنَا لِدُنْیَانَا مَنْ رَضِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِدِیْنِنَا فَقَدَّمْنَا اَبَا بَكْرٍ۔ (رضی اللہ عنہ)[2]

ترجمہ:۔ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روح مبارک قبض کر لی گئی تو ہم نے حکومت کے بارے سوچا پس آپؐ نے جو ابوبکر کو نماز کے لئے آگے کیا تھا وہ ہمیں اس باب

---

[1] فروع کافی جلد دوم کتاب المعیشۃ صفحہ پر ایک طویل حدیث ہے [2] دیکھو طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت جلد سوم صفحہ ۱۸۳

میں راہ نما دستیاب ہو گیا۔ اور خدا کے رسولؐ نے جس شخص کو ہمارے دین کا پیشوا بنایا تھا ہم نے اس کو اپنی دنیا کا پیشوا بنا لیا اور ابوبکر کو امام اور سربراہ بنا لیا"۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث شریف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک مرض وفات نبیؐ میں امامت ابوبکر بارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور خلافتِ ابوبکر کی زبردست دلیل تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس دلیل کے دریافت کرنے میں تنہا نہیں ہیں بلکہ تمام بنو ہاشم اس چیز میں آپ کے ساتھ متفق ہیں۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیعت ابوبکر سے تخلف کے قصے صحیح نہیں ہیں۔ نہ خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بیعت بر دست ابی بکرؓ میں پس و پیش کی اور نہ ہی باقی بنو ہاشم نے لیت و لعل سے کام لیا۔

حدیث ۱۳ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ اَلَا تُوْصِيْ؟ قَالَ مَا اَوْصٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُوْصِيْ وَلٰكِنْ اِنْ اَرَادَ اللّٰهُ خَيْرًا فَسَيَجْمَعُهُمْ عَلٰى خَيْرِهِمْ كَمَا جَمَعَهُمْ بَعْدَ نَبِيِّهِمْ عَلٰى خَيْرِهِمْ۔[1]

ترجمہ:۔ "حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا گیا کیا آپ اپنا خلیفہ نامزد فرماتے؟ آپ نے جواب دیا کہ خدا کے رسولؐ نے نامزد نہیں کیا تو میں کیسے نامزد کروں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کے حق میں بھلائی کا ارادہ کریگا تو ان کو اپنے میں سے بہترین آدمی پر متفق بنا دے گا جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد تمام مسلمانوں میں سے بہترین آدمی پر انہیں اجتماع عطا کر دیا تھا"

نوٹ:۔ یہ حدیث بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افضل ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے فرزند ارجمند امام حسنؓ کو نامزد نہیں کیا تھا اگرچہ لوگوں میں اس کے خلاف مشہور ہے۔

حدیث ۱۴ وَرَدٰى اَبُوْ جُحَيْفَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَبْدُ خَيْرٍ وَسُوَيْدُ بْنُ غَفْلَةَ وَاَبُوْ حُكَيْمَةَ وَغَيْرُهُمْ وَقَدْ قِيْلَ اِنَّهُمْ اَرْبَعَةُ رَجُلًا۔ اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ۔[2]

ترجمہ:۔ "ابوجحیفہ اور محمد بن علی اور عبد خیر اور سوید بن غفلہ اور ابوحکیمہ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت

---

[1] دیکھو شافی شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ مطبوعہ تہران ص۱۷۱ [2] شافی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ مطبوعہ تہران کے صفہ ۱۷۱ پر مرقوم ہے۔

سے راوی روایت کرتے ہیں، کہا گیا ہے کہ وہ چودہ عدد راوی ہیں۔ کہ حضرت علی علیہ السلام نے جمعہ کے خطبے میں ارشاد فرمایا اس امت میں نبی کریمؐ کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہما۔

نوٹ :- یہ حدیث اسی طرح صـ۲۲۸ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

حدیث ۱۵ خدا کے رسول نے ارشاد فرمایا :-

اَوَّلُ دِیْنِکُمْ نُبُوَّۃٌ وَّرَحْمَۃٌ وَّمُلْکٌ وَّرَحْمَۃٌ ثُمَّ مُلْکٌ وَّجَبَرُوْتٌ۔

ترجمہ :- "تمہارے دین کا پہلا زمانہ نبوت اور خدا کی رحمت کا زمانہ ہے اس کے بعد بادشاہت اور خدا کی رحمت کا زمانہ ہوگا پھر اس کے بعد بادشاہت اور زبردستی کا زمانہ ہوگا"۔

نوٹ :- اس حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس زمانے کے بعد آنے والے زمانوں کے بارے پیشین گوئی فرمائی جو حرف بحرف پوری اتری۔ فرمایا میرا زمانہ تو نبوت اور رحمت کا زمانہ ہے۔ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو مسلمانوں کو بادشاہت کے ساتھ خدا کی رحمت شاملِ حال ہوگی۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس زمانہ کی حد بندی کر کے فرمایا: اَلْخِلَافَۃُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً میری خلافت میرے بعد تیس برس تک ہوگی

حدیث الخلافۃ فی امتی ثلثون سنۃ۔ کو امام احمد اور ترمذیؒ[۱] نے حضرت سفینہؓ سے روایت کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: ثم ملک بعد ذلک۔ (اس کے بعد بادشاہت ہو جائیگی) اس میں راوی سعید بن جمہان پر محدثین کو کلام ہے۔ مگر حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی اور ابن حبان نے تو اُسے صحیح قرار دیا ہے[۲]

حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت ان تیس سال کے بعد شروع ہوئی، لیکن ان کی حکومت ان تیس سال کے اندر سے شروع ہوئی اور ظاہر ہے کہ ان کا اندازِ حکومت ایک سا رہا ہے۔ خلیفہ بننے کے بعد عملاً اس میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثم ملک بعد ذلک میں ثم کی تراخی سے جس بادشاہت کی خبر دی ہے۔ وہ تیسرے درجہ پر ہے جو تیس سال کے بعد کسی وقت شروع ہوئی۔ اسکی ابتدا تیس سال کے اندر سے نہیں۔ یہ پوری دور خلافت عادلہ کا دور تھا اور یہ بھی رحمت ہے۔ زبردستی کی حکومت اُسکے بعد قائم ہوئی[۳]

---

[۱] جامع ترمذی ۲ صـ۴۵ لکھنو [۲] فتح الباری جلد ۱۳ صـ۱۸۲، لے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے (عون المعبود جلد ۴ صـ۲۴۲) [۳] بنو الزرقاء (بنو مروان) کی حکومت ملوکیت میں داخل ہے۔ خلافت اُسے صرف لغوی معنی میں کہا جاتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عزم و ثبات، استقلال اور استقامت کا جبلِ جلیل

حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمتہ اللہ علیہ

یارِ غارِ نبیؐ، خلیفۂ رسولؐ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مقدسہ و سیرتِ مطہرہ کا امتیازی وصف اور مخصوص جوہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے کامل توافق و تشابہ اور مکمل یک رنگی و ہم آہنگی ہے۔ اخلاقِ نبوی و سیرتِ مصطفوی سے تخلق و تشبہ کی نعمت و سعادت سے آپ کو جو بہرۂ وافر ملا وہ اور کسی کو نہ مل سکا، اور اس اعتبار سے آپ یارانِ رسولؐ کی پوری جماعت میں ماشاء اللہ ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں۔

اگر آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوری زندگی خصوصاً زمانۂ خلافت کو بنگاہِ تعمق دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے وہ کام کبھی نہیں کیا جو نبی کریمؐ نے نہیں کیا اور جو کام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ آپ نے ہر حال میں کیا اور ہر قیمت پر کر کے چھوڑا۔

ثبات و استقلال عزم و ثبات اور استقلال و استقامت سیرت نبویہ و حیاتِ محمدیہ کا خاص وصف ہے اور یہی رنگ صدیق اکبرؓ کی ساری زندگی اور پوری سیرت میں جھلکتا نظر آتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکینِ مکہ اور رؤسائے قریش کی طرف سے مداہنت و مصالحت کی پُر زور دعوت دی گئی، حسن و دولت کے جھانسے اور اقتدار و حکومت کے لالچ دیئے گئے مگر آپؐ اپنے مقامِ عظیم پر برابر مقیم و مستحکم رہے۔ آپؐ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر بھی تزلزل رونما نہ ہوا، وجودِ اقدس صبر و استقامت اور عزم و توکل کا ایک جبلِ جلیل تھا جسے کوئی بھی چیز اپنی جگہ سے نہ ہلا سکی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:۔

(حضرت نے فرمایا) "قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ میں کافروں سے دین کے لیے لڑتا رہوں گا، یہاں تک کہ میری گردن جدا ہو جائے یا اللہ اپنا دین غالب کرے۔"

اس حدیث کو بخاریؒ نے روایت کیا ہے، اور یہی الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ابو طالب سے مخاطب ہو کر فرمائے تھے اور سہیل سے بھی یہ لفظ حدیبیہ میں فرمائے تھے[1]

غرض کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈورے ڈالے ستم ڈھائے مگر آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی تھی نہ آئی، آپ کا مؤقف یہ تھا کہ اللہ دینِ حق کو غالب کرے گا یا میں اس راہ میں قربان ہو جاؤں گا، یعنی میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا ہے

دست از طلب نہ دارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اب دیکھئے کہ اس سلسلہ میں حضرت صدیق اکبرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ اشبہ واوفق ہیں اور آپ اپنے عہدِ خلافت میں قدم قدم پر عزم وثبات اور توکل واستقامت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔

① مانعینِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اکثر صحابہؓ اس معاملہ میں متردد تھے، یہاں تک کہ فاروقِ اعظمؓ نے صدیقِ اکبرؓ سے نرمی کی درخواست کی، حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کیا تم جاہلیت میں سختی کرنے والے تھے اور اسلام میں سستی کرنے والے بن گئے؟ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے بھی اسی قسم کا

---

[1] ترجمہ "ازالۃ الخفاء" مقصد اول فصل سوم ص۱۱۱

سوال وجواب ہوا۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ابتداء میں تمام صحابہؓ مانعینِ زکوٰۃ سے لڑنے کو بُرا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اہلِ قبلہ ہیں مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تلوار زیب دوش کی اور تن تنہا جہاد کو نکلے، تو پھر سب نے جہاد کے لیے نکلنے کے سوا کوئی مفر نہ دیکھا۔ (اور کہا یا خلیفہ رسول اللہ آپ تشریف رکھیے، ہم جاتے ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم ابتداء میں اس جہاد کو بُرا سمجھتے تھے، آخر میں ہم نے اس معاملہ میں ابوبکرؓ کی تعریف کی اور ان کے شکر گذار ہوئے۔ یہ دونوں روایتیں بغویؒ نے لکھی ہیں"۔

② قتالِ مُرتدین کے سلسلہ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ابوبکر بن عیاش کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابوحصین رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ:۔

"پیغمبروں کے بعد ابوبکرؓ سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا، مُرتدین سے لڑنے میں انہوں نے وہ کام کیا جو ایک نبی کرتا"۔

اس روایت کو بغویؒ نے لکھا ہے [2] اور بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ نے کہا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے قتالِ مُرتدین میں وہ کام کیا جو (حضرات) انبیاء (علیہم السلام) کے کرنے کا تھا [3]

③ جیشِ اُسامہؓ کے سلسلہ میں

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"امام بیہقیؒ اور ابن عساکرؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا "اُس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر ابوبکرؓ خلیفہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جاتی، پھر یہی دوبارہ فرمایا، پھر سہ بارہ فرمایا۔ آپ سے دریافت کیا گیا اے ابوہریرہؓ!

---

[1] ترجمہ "ازالۃ الخفاء" ص ۹۶ مقصد اول فصل سوم [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۴۴

یہ کیسے؟ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زیدؓ کو سات سو آدمیوں کے ساتھ شام کی طرف بھیجا، جب یہ ذوخشب میں پہنچے حضورؐ کی وفات ہوگئی، اور اطرافِ مدینہ میں عرب مرتد ہو گئے، اصحابِ رسولؐ ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے اور کہا اس فوج کو واپس بلا لیجئے، آپ اس فوج کو روم پر بھیجیں گے؟ حالانکہ اطرافِ مدینہ میں عرب مرتد ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے خطاب فرمایا، فرمایا :-

"خدا کی قسم اگر مجھے پرندے اُچک لے جائیں تو یہ مجھے اس بات سے محبوب ہوگا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی ترمیم کروں"

یہ فرما کر حضرت اسامہؓ کو روانہ فرما دیا"۔[1]

ایک روایت میں ہے فرمایا :-

"مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے یہ یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں اسامہؓ کے اس لشکر کو روانہ ہونے سے نہیں روک سکتا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا"[2]

انصار نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر ابوبکرؓ لشکر کو روانہ کرنے ہی پر مُصر ہوں تو پھر ہماری طرف سے آپ ان کی خدمت میں یہ درخواست کریں کہ وہ کسی ایسے آدمی کو لشکر کا سردار مقرر فرمائیں جو عمر میں اسامہؓ سے بڑا ہو۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو انصارؓ کا پیغام دیا، یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے غضبناک ہو کر فرمایا :-

"اے ابن خطاب! اسامہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر مقرر کیا ہے اور تم مجھ سے کہتے کہ میں اسے اس کے عہدے سے ہٹا دوں"[3]

یہ تھا حضرت صدیقِ اکبرؓ کی سیرت و کردار کا مرکزی نقطہ اور امتیازی جوہر، جو آپ کی

---

[1] تاریخ الخلفاء "ذکر سیدنا صدیق اکبرؓ" [2] "ابوبکر صدیقؓ" ص۱۷۳ [3]

خلافت کی کامیابی اور بالفاظِ ابوہریرہؓ اسلام کی بقا اور ربِ اکبر کی معرفت وعبادت کا باعث بنا۔ "اگر مجھے پرندے اُچک لے جائیں تو یہ مجھے اس سے پسند ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی ترمیم کروں۔"

"اگر جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں تو بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو روانہ ہونے سے نہیں روک سکتا جسے حضورؐ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔"

اللہ اکبر! کیا عزم وثبات ہے، کیا انسانیت کی پوری تاریخ میں اس استقلال واستقامت کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

اور سیرتِ صدیقی کی یہی پختگی دین کی جان ہے حضرت ابوہریرہؓ کے نقطۂ نظر سے بھی! اور اس اعتبار سے بھی کہ اگر حضرت ابوبکرؓ ارشاداتِ نبوی سے اس درجہ تمسک و اعتصام نہ کرتے اور سنتِ رسول کا اس شدت سے اتباع نہ فرماتے تو کون نہیں جان سکتا کہ آج دین بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتا اور ہر صاحبِ اختیار "وقت کی ضرورت" اور "حالات کے تقاضے" کا بہانہ بنا کر دین میں نت نئی "ترمیم" کیا کرتا اور اس طرح دینِ قیّم کو ایک کھلونا بنا کر رکھ دیا جاتا۔ خدا صدیقِ اکبرؓ کو غریقِ رحمت رکھے جنہوں نے اپنے ثبات و استقلال سے اس فتنہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر کے دین کو بچا لیا۔

رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین

انتخابِ صدیقیؓ

از ملک شیر محمد خان اعوان کالا باغ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فقہائے امت، محدثینِ ملت نے صحابی کی جو تعریف بیان کی ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ:-

"جس شخص نے بحالتِ اسلام حیاتِ دنیویہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو وصال سے پیشتر بیداری کی حالت میں دیکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا (جیسے عبداللہ بن مکتومؓ) اور پھر اس شخص نے اسلام ہی پر وفات پائی، ایسے شخص کو اصطلاح میں صحابی کہتے ہیں"

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں اکثر صحابۂ رسولؐ کے وفات پا جانے کے سبب اپنے شیعوں میں صحابہؓ کا ثانی کوئی نظر نہ آیا تو حسرت کے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا:-

"میں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن تم میں سے کسی کو بھی ان سے مشابہ نہیں پایا ہے۔ وہ ژولیدہ حالت میں صبح کرتے تھے، رات سجدہ اور قیام (عبادت) میں گذارتے تھے، اپنی پیشانیوں اور رخساروں کو وہ زمین پر رکھتے تھے اور یادِ بازگشت (قیامت) کے خوف سے انگارا اور آتش پارۂ سوزاں کی طرح مضطرا ور نگراں نظر آتے تھے، ان کی پیشانی پر طول سجدہ کے باعث بکریوں کے زانو کے گھٹے کی طرح نشانات پڑ گئے تھے، جب کبھی خداوند سبحان کا ذکر ہوتا تو ترسِ عذاب، اندیشۂ پاداش اور امیدِ ثواب سے (روتے روتے) ان کی آنکھوں سے اس طرح آنسو بہتے کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے، وہ لرزہ براندام ہو جاتے جس طرح بادِ تند سے (بڑے بڑے مضبوط اور تناور)

درخت ہلنے اور ڈولنے لگتے ہیں[1]۔"

—— " وہ لوگ کہاں ہیں کہ جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا؟ انہوں نے قرآن پڑھا تو اس پر محکم و استوار بھی ہو گئے، اور انہیں جہاد پر آمادہ کیا گیا تو (رفیق کارزار و جنگ با دشمن) جہاد کے اتنے شیفتہ ہوئے جیسے ناقہ اپنے بچہ پر فریفتہ ہوتی ہے، انہوں نے تلواریں غلاف سے باہر نکال لیں اور اطراف زمین (کارزار) میں دستہ دستہ اور صف بصف پھیل گئے۔ اور فتح و فیروزی مسلمانوں کو اس وقت حاصل ہوئی جب) ان میں سے بعض ہلاک ہو گئے اور بعض سلامت رہے، یہ اپنی زندگی کی بقاء پر (کہ جنگ میں ہلاک نہ ہوئے) شاد نہیں (اور اگر کہا جائے فلاں کارزار سے بچ آیا کشتہ نہ ہوا تو اسے خوشی نہیں ہو سکتی، کیونکہ زندگی جاوید راہ حق میں جان دینے ہی سے ملتی ہے) اور جو لوگ (جنگ میں) مر گئے (تو راہِ حق میں مرنے والے تسلیت اور تعزیت نہیں چاہتے) اُن کی آنکھیں گریۂ خوف سے سفید تھیں۔ پیٹ روزہ سے لاغر، لب دُعا سے خشک، رنگ بیداری سے زرد اور ان کے چہروں پر غبار (آثار) فروتنی نمایاں تھا...... یہ لوگ (مسالک ایمان میں) میرے بھائی تھے۔ جو (افسوس ہے کہ) رخصت ہو گئے، پس سزاوار ہے کہ ہم ان کے تشنۂ ملاقات ہوں اور ان کے فراق و جدائی پر دستِ افسوس ملیں، شیطان نے ضلالت و گمراہی کے راستے تمہارے لیے سہل و آسان بنا دیئے ہیں، اور تمہارے دین کی ایک ایک گرہ کھول دینے کی کوشش میں ہے، اور جماعت و اتحاد کے عوض تفرقہ اور جدائی کے (بعد) فتنہ و فساد تولید کرتا ہے، پس اس کے وسوسے اور افسوں سے منہ موڑ لو، اور جو نصیحت کا ہدیہ و ارمغاں تمہیں پیش کرے اسے قبول کر لو اور اس کی حفاظت کرو (تا کہ دین و دُنیا میں سعادت حاصل کرو) —— "[2]

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ صحابۂ رسول کی توصیف میں فرماتے ہیں: ——

—— " اصحاب رسول صلعم بارہ ہزار تھے، آٹھ ہزار مدینہ سے اور دو ہزار غیر مدینہ سے اور

---

[1] نہج البلاغۃ جلد اول ترجمہ اردو ص۸ [2] ایضاً ص۸۵، ۸۶۔

دو ہزار رہا کردہ لوگوں میں سے، کوئی ان میں سے نہ قدری تھا نہ مرجی نہ حروری نہ معتزلی نہ خود رائے، پس سب شب و روز روتے تھے اور خدا سے دعائیں کرتے تھے کہ خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری ارواح کو قبض کر لے ــــــــ "[1]

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت وہی صحابہؓ موجود تھے جن کی اوپر تعریف کی گئی ہے، حضورؐ کے وصال کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے مقصد یہ تھا کہ باہمی مشورہ سے آپؐ کا ایک جانشین مقرر کر لیں۔ عصر حاضر کے مشہور مصری مؤرخ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ:۔

ــــــــ "یہ ایک فطری امر تھا اور انصار کے حساس ہونے کا نتیجہ تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ملتے ہی مدینہ کی زمام حکومت کے بارے میں فوراً سوچ میں پڑ گئے ــــــــ " [2]

چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ کے ایوان میں ایک باقاعدہ اجتماع منعقد ہو گیا، جسے محمد حسین ہیکل نے "الاجتماع التاریخی الجلیل الخطر" کے الفاظ سے موسوم کیا ہے۔ اکابر مہاجرین اس موقع پر موجود نہیں تھے۔ بنی خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا:۔

ــــــــ "انصار کے لوگو! اسلام میں اعزاز اور وقار کے لحاظ سے عرب کا کوئی قبیلہ تمہارا ہمسر نہیں ہے، تمہیں اولیت کا شرف حاصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس برس سے زیادہ اپنی قوم میں رہ کر خدا کی عبادت اور شرک و کفر کو ترک کرنے کی ہدایت فرماتے رہے۔ مگر وہاں صرف چند آدمی مسلمان ہو سکے، جو اس قابل بھی نہ تھے کہ دشمنوں سے آپؐ کی حفاظت کر سکیں، وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور دین کو سربلند کرنا تو بڑی بات ہے، جب خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا شرف مدینہ کو بخشا تو تم نے آپؐ کی حمایت کی، آپؐ کے دشمنوں سے جہاد کیا، تمہاری

---

[1] کتاب خصال ابن بابویہ "حیات القلوب" ملا باقر مجلسی جلد ۲ ص ۵۸۸ [2] ابوبکر صدیق اکبرؓ

تلواروں نے بڑے بڑے سرکشوں کے سر خدا کے سامنے سرنگوں کر دیئے۔ آج اسی کا نتیجہ ہے کہ جزیرہ عرب کے چپہ چپہ میں اسلام کی فرمانروائی ہے۔ وصال کے وقت آپؐ تمہارے ہاں قیام فرما تھے اور تم سے بہت خوش تھے۔ ان باتوں کے بعد اگر میں یہ کہوں کہ تم لوگ آپؐ کے جانشین بننے کے اوروں سے زیادہ مستحق ہو تو بیجا نہ ہوگا۔" [1]

حضرت عمرؓ کو اس اجتماع کی خبر دی گئی اور آپ فوراً وہاں پہنچے، آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے، اس اجتماع میں حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں مہاجرین کی حیثیت اور ان کے استحقاقِ خلافت کے دلائل تھے، اس میں آپ نے انصار کے فضائل اور اسلام میں ان کی امتیازی حیثیت کی بھی صراحت کی، آپ نے اللہ کی حمد و ثنا اور عرب کی گذشتہ حالت اور شرک و بُت پرستی کی بُرائی کے بعد فرمایا:۔

"عربوں کے لیے یہ دشوار تھا کہ اپنے آباؤ اجداد کا دین ترک کر دیں، لیکن آپؐ کی قوم میں خدا نے مہاجرین اوّلین کو یہ شرف بخشا کہ انہوں نے آپؐ کی تصدیق کی، ایمان لائے، غمخواری کی، اپنی قوم کی جانب سے صبر آزما مصیبتیں جھیلیں اور لوگوں کی مخالفتوں اور گالیوں کو برداشت کیا اور اپنی قلتِ تعداد، لوگوں کے بغض و نفرت اور اپنی قوم کی مخالفت و عداوت کی پرواہ نہ کی، سب سے پہلے سرزمینِ عرب پر خدا کی عبادت مہاجرین اوّلین نے کی جو آپؐ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے بعد مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق مہاجرین اوّلین کا گروہ ہے، اس باب میں غیر منصفوں کے سوا ہر فرد میرا ہمنوا ہوگا۔

انصار کے لوگو! دین میں تمہاری قدر و منزلت اور ایمان میں تمہاری سبقت کا ہم سب کو اعتراف ہے، خدا نے اپنے اور مذہب کے حامیوں (انصار) کی حیثیت سے تمہارا انتخاب کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے ہاں ہجرت کا حکم دیا، اور آپؐ کی

---

[1] مسلمانوں کا نظامِ مملکت از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، وعلی ابراہیم حسن مصری ترجمہ اردو از مولوی محمد علیم اللہ صاحب صدیقی ص ۲۴۳

اور مہاجرین کی اکثر بیویاں تمہارے ہی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں، ہمارے دل میں مہاجرین اوّلین کے بعد سب سے زیادہ تمہاری قدر و منزلت ہے، ہماری حیثیت امراء کی اور تمہاری حیثیت وزراء کی ہوگی، ہم بغیر تمہارے مشورہ کے کوئی اہم کام نہیں کریں گے ـــــــ" ۱ے

اس تقریر کے بعد ایک انصاری صاحب حباب بن منذر کھڑے ہوئے اور انصار سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "اچھا! ایک امیر ہم سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو ــــ"

لیکن حضرت عمرؓ نے قریش کے استحقاقِ خلافت پر دلائل پیش کیے، آپ نے فرمایا۔

ـــــ "بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک زمانے میں دو امیر جمع ہوں! بخدا عرب کبھی یہ گوارا نہ کریں گے کہ تمہارے محکوم ہوں، درآنحالیکہ اُن کا نبی اُن کے قبیلہ سے ہو، ہاں عرب اُس قبیلہ کی اطاعت اور حکومت تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ کریں گے جس میں سے نبی ہو، بر دلیل ہمارے پاس اتنی زبردست ہے کہ کسی کو مجال انکار نہیں ہو سکتی، ہم آپؐ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ہم سے زیادہ آپ کی جانشینی کا حق دار کون ہو سکتا ہے، اس سے انکار ایک ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے ـــــ" ۲ے

بحث و مباحثہ کی ایک منزل پر بنی خزرج سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آمادہ دکھائی دیئے، اوس نے اس کی مخالفت کی، انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ ہمارے رقیب کو یہ سبقت حاصل ہو جائے، اس وقت اوس مہاجرین کے ہم آہنگ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کی چشم بیدار نے یہ موقع غنیمت دیکھا اور کھڑے ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پُر جوش الفاظ میں کہا "ابو بکرؓ! کیا آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے بجائے نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا تھا، ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں، آپ سے بیعت کرنا آنحضرت کے محبوب ترین شخص سے بیعت کرنا ہے۔"

مہاجرین، بنی اوس اور دوسرے انصار نے آپ کا ساتھ دیا اور یکے بعد دیگرے

۱ے مسلمانوں کا نظمِ مملکت ص ۳۴ ۲ے ایضاً ص ۳۵ بحوالہ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۰۷-۲۰۹

بیعت کرنے لگے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے :۔

"یہ وقت ہماری زندگی میں سب سے سخت اور صبر آزما تھا۔ ہمیں خطرہ تھا کہ ہمارا ساتھ اگر قوم نے نہ دیا اور ہماری بیعت کرنے کی وجہ سے فوراً دوسری بیعت شروع ہوگئی اُس وقت ہمیں یا تو اس خلافِ طبع کام پر رضامند ہونا پڑے گا یا مخالفت کرنا پڑے گی جس کا نتیجہ فتنہ و فساد ہوگا۔" [1]

حضرت عمرؓ کے بعد ابو عبیدہؓ، بشیر بن سعدؓ نے آپ کی تقلید کی۔ اس کے بعد مہاجرین اور انصار نے بھی یکے بعد دیگرے بیعت شروع کر دی، یہ بیعت "بیعتِ خاصہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس دن صرف ان چند مسلمانوں نے بیعت کی تھی جو سقیفہ میں موجود تھے۔ دوسرے روز مسجد میں حضرت ابوبکرؓ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اسے "بیعتِ عامہ" کہا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کی بیعت

گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آپ باقاعدہ مسندِ خلافت پر متمکن ہو گئے تاہم بعض روایات کے مطابق حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ چند دوسرے احباب نے کچھ دنوں تک بیعت میں توقف کیا۔ اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب و غریب مباحث پیدا کر دیئے جن کی تفصیل کے لیے یہ چند صفحات متحمل نہیں ہو سکتے۔ اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ خود حضرت علیؓ نے اس توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے۔ ابن سعدؒ کی روایت ہے :۔

"محمد بن سیرینؒ کی روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ کی بیعت کی گئی تو علیؓ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے، ابوبکرؓ نے کہلا بھیجا کہ میری بیعت سے آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے کیا آپ میری امارت کو ناپسند کرتے ہیں، حضرت علیؓ نے کہا میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں نماز کے سوا اپنی چادر

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۵

نہیں اوڑھوں گا ــــــ" لہ

اس تاخیرِ بیعت کے باوجود حضرت علیؓ نمازیں حضرت صدیقِ اکبرؓ کے پیچھے ہی پڑھتے رہے، محققین کے نزدیک تاخیر والی بیعت بیعتِ ثانیہ تھی، اصل بیعت حضرت علیؓ نے بیعتِ عامہ کے موقعہ پر ہی کر چکے تھے۔

جسٹس سید امیر علی کا مکتبِ فکر کسی تعارف کا محتاج نہیں، موصوف اپنی مشہورِ عالم تصنیف "اسپرٹ آف اسلام" میں رقمطراز ہیں کہ:۔

ــــــ "پیروانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فتنہ سے بچانے کے لیے حضرت علیؓ نے فوراً ابوبکرؓ کی بیعت کر لی ــــــ" ۲ لہ

ان دلائل و شواہد کے بعد بیعتِ علیؓ کا انکار کرنا آفتابِ عالمتاب کے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر مندرجہ بالا تاخیر کا اقرار بھی کر لیا جائے تو بیعت تو بہر حال بیعت ہے خواہ اول ہو خواہ آخر، حضرت علیؓ مرتضیٰ نے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اس کے انکار کی کسی کو جرأت نہیں۔

خلیفۂ اول کا پہلا خطبۂ خلافت

ذیل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وہ فکر انگیز اور خیال افروز خطبہ درج کیا جاتا ہے جو آپ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد پہلی بار ارشاد فرمایا۔

ــــــ "اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں نیک کام کروں تو اس میں میری مدد کرو اور اگر بُرا کام کروں تو مجھے ٹوکو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت، تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے اپنا حق نہ دلا دوں، اور تمہارا قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس کے ذمے جو حق ہے وہ اس سے نہ لے لوں۔ جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے اس پر اللہ ذلت و خواری مسلط کر دیتا ہے اور اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ اس پر بلائیں

لہ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۱ ۲ لہ اسپرٹ آف اسلام ص ۲۹۳

اور عذاب عام کر دیتا ہے، تم میری اطاعت کرو، جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ لیکن اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں، اب نماز کے لیے کھڑے ہو، اللہ تم پر رحم فرمائے ۔۔۔۔"[1]

حضرت صدیق اکبرؓ نے جیسا کہ اپنے اس خطبہ میں فرمایا ویسا ہی کیا، آپ کے عہدِ زندگی پر آنے والوں نے اچھے خیالات کا اظہار کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

۔۔۔۔ "ابوبکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی، اعتدال سے انہوں نے تجاوز نہ کیا اُن کے ساتھ میری ناصحانہ رفاقت تھی اور میں اُن سب کاموں میں ان کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے ۔۔۔۔"[2]

کسی شخص نے حضرت امام باقرؒ سے پوچھا کہ تلوار کے قبضہ کو چاندی سے مرصع کرنا درست ہے یا نہیں؟ امام باقرؒ نے فرمایا:۔

۔۔۔۔ "ہاں اس لیے کہ ابوبکر صدیقؓ کی تلوار کا قبضہ بھی چاندی سے مرصع تھا ۔۔" راوی کہتا ہے کہ میں نے امام سے عرض کیا کہ آپ بھی ابوبکرؓ کو صدیق کہتے ہیں؟ یہ سنتے ہی امام اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور کہنے لگے: "ہاں وہ صدیق ہے، ہاں وہ صدیق ہے، ہاں وہ صدیق ہے، جو کوئی اس کو صدیق نہ کہے خدا اُس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے ۔۔۔۔"[3]

حضرت صدیق اکبرؓ دو سال تین ماہ اور گیارہ دن ملت کی گراں بہا ذمہ داریاں انجام دینے کے بعد تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۱۲ اگست ۶۳۴ء کو انتقال فرما گئے۔

---

[1] "ابوبکر صدیق اکبرؓ" از محمد حسین ہیکل ترجمہ اردو از شیخ محمد احمد پانی پتی ص ۱۱۸ [2] نہج البلاغہ جلد دوم ترجمہ از مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۲۶۸ [3] "کشف الغمہ فی معرفت الائمہ" از علی بن عیسیٰ اردبیلی۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

تیری سیرت کا ہر اک پہلو گلاب اندر گلاب
روشنی میں تجھ سے کم تر دوپہر کا آفتاب

ثانی الاثنین کی آیت ہے تیری شان میں
تیرا منکر اور دشمن، دشمنِ اُم الکتاب

کیسی کیسی مشکلوں میں تو ہوا ہے سرخرو
کیسے کیسے امتحانوں میں ہوا تو کامیاب

یَومَ اَکمَلتُ لَکُم پر تو اکیلا رو پڑا
تو نے کیا کیا راز سربستہ کیے ہیں بے حجاب

مفسدوں، فتنہ گروں سے تیرے لڑنے کی مثال
جس طرح اڑتے پرندوں پر جھپٹتا ہے عقاب

تیری شخصیت میں یکجا خوبیاں سب دین کی
تو کبھی فاروق اعظمؓ تو کبھی ہے بو ترابؓ

کارنامے آج تک زندہ ہیں تیرے عہد کے
آج تک جھوٹی نبوت کے ہیں لرزیدہ سراب

تو مرے ماں باپ سے بڑھکر کہیں مجھ کو عزیز
تجھ پہ لکھنا بھی عبادت تجھ کو پڑھنا بھی ثواب

حضرت ابوبکرؓ کی شان ولایت وسلوک

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ۔ علامہ خالد محمود صاحب

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں سے دو تعلق قائم کیے ہیں ایک کا نام نبوت ہے اور دوسرے کو ولایت کہتے ہیں نبوت ایک ذمہ داری ہے اور اس کی ایک قانونی حیثیت ہے نبی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسروں کے لیے اسے ماننا فرض ہوتا ہے ولی ولایت کو چھپاتا ہے اور اس کا ماننا کسی پر فرض نہیں ۔ قانون اور امر مفروض التسلیم وحی سے ملتا ہے لیکن قرب الہیٰ کی دولت ولایت سے ملتی ہے انبیاء کرام میں دونوں باتیں ہوتی ہیں جہت نبوت سے وہ خدا کا پتہ دیتے ہیں اور جہت ولایت سے وہ قرب الہیٰ میں کھینچتے ہیں ختم نبوت سے نبوت کا دروازہ تو بند ہوا لیکن ولایت کی کھڑکی کھلی رہی اس کی ہوائیں پورے عالم میں پھیلیں اور لاکھوں انسان اس راہ سے قرب الہیٰ پا گئے ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی جہت سے بار نبوت اٹھایا اور بہت کامیابی سے اٹھایا بطور نبی اور رسول حضورؐ کی جو ذمہ داریاں تھیں وہ آپ نے حضورؐ کی نیابت اور خلافت میں ادا کیں لیکن آپ ولایت و سلوک کی راہ سے بھی ایمانی حرارت کا ایک مرکز تھے اور آپ نے محبت خداوندی کی آگ جس دل میں بھی پھونکی وہ اسلام کے ہر درد اور تقاضے پر بھی بے تاب کی طرح تڑپا یہ حضرات دن کو میدانوں کے شہسوار تھے اور رات کو ذکر الہیٰ اور قرب روح کی دولت سے سرشار ——— حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سفر آخرت پر اپنی بار نبوت کی ذمہ داریاں حضرت عمرؓ کے سپرد کیں تو بار ولایت کے لیے آپ نے حضرت سلمان فارسی کو خلعت بخشی سلمان فارسی (۳۵ ھ) نے پھر حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے امام الفقہاء حضرت قاسم (۱۰۱ ھ) کو اپنا جانشین کیا اور ایک سلسلہ ولایت و سلوک کی راہ پر چل نکلا اس سلسلہ سلوک نے کچھ مدت کے بعد سلسلہ نقشبندی نام پایا اور اس وقت لاکھوں بندگان خدا اس راہ سے قرب الہیٰ کی دولت پائے ہوئے ہیں ہندوستان میں یہ نسبت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ذریعہ زیادہ روشن ہوئی آپ نے قادری فیض بھی پایا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے نسبت حاصل کی چشتی فیض بھی پایا اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سے نسبت حاصل کی لیکن آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زیادہ نقشبندی راہ سے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

ارادت من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسائط کثیرہ است در طریقہ نقشبندیہ بیست و یک و در طریقہ قادریہ بیست و پنج و در طریقہ چشتیہ بیست و ہفت و ارادت من بہ

اللہ تعالیٰ قبول وساطت نے نماید چنانچہ گذشت پس من مرید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

(ترجمہ) حضورؐ سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے نقشبندی سلسلہ میں میرے اور حضورؐ کے مابین ۲۱ واسطے ہیں طریقہ قادریہ میں میرے حضورؐ تک ۲۵ واسطے ہیں اور طریقہ چشتیہ میں ۲۷ اور اللہ تعالیٰ سے میرا تعلق ان واسطوں کا محتاج نہیں جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں سو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی مرید ہوں۔

پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

اے برادر سرحلقہ ایں طریقہ سنیہ حضرت صدیق اکبر است رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ بتحقیق افضل جمیع بنی آدم است بعد از انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات وبہمیں اعتبار در عبارت اکابر ایں طریقہ واقع شدہ است کہ نسبت مافوق ہمہ نسبتہا است چہ نسبت ایشاں کہ عبارت از حضور و آگاہی خاص است ہماں نسبت حضور حضرت صدیق است کہ فوق سائر آگہی ہا است و دریں طریق اندراج نہایت در بدایت است[2]

(ترجمہ) اے بھائی اس روشن سلسلہ کے سرحلقہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں جو تحقیق کی رو سے ماسوائے انبیاء کے تمام بنی آدم سے افضل ہیں اس جہت سے اس طریقہ (نقشبندیہ) کے بعض اکابر کی عبارات میں یہ بات ملتی ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے اونچی ہے کیوں کہ ان کی نسبت جس سے مراد مقام حضور ومعرفت ہے وہی ہے جو مقام حضور حضرت صدیق اکبر کو حاصل تھا جو تمام معرفتوں سے بالا ہے اور اس سلسلہ میں ابتداء میں ہی اوپر اندراج ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کے سرحلقہ ہونے سے اس سلسلہ کو کیا شان ملی اسے حضرت مجدد الف ثانی کے الفاظ میں پڑھیئے:۔

اقرب است واسبق واوفق واوثق واسلم واحکم واصدق واولی واعلی واجل وارفع واکمل[3]

پھر ایک عربی خط میں لکھتے ہیں۔

فکما کانت ولایۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوق جمیع ولایات

---

[1] مکتوبات دفتر سوم ص۸۷ ص۵ ۱۴۵ [2] مکتوبات دفتر اوّل نمبر ۲۲۱ ص ۲۳۱ - [3] مکتوبات دفتر اول ص۲۹۹ مکتوب نمبر ۲۹۰

الانبیاء والمرسل علیہم الصلوات والتسلیمات کذلک کانت ولایۃ ھٰؤلاء الاکابر فوق جمیع ولایات الاولیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم وکیف وان ولایتھم منسوبۃ الی الصدیق الاکبر نعم لافراد من کمل مشائخ قد حصلت ھٰذہ النسبۃ لکن باقتباس من ولایۃ الصدیق الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [1]

(ترجمہ) پس جس طرح ولایت محمدی تمام پیغمبروں اور رسولوں کی ولایت سے بڑھ کر ہے اسی طرح ان اکابر سلسلہ نقشبندیہ کی ولایت بھی تمام اولیاء کرام کی ولایت سے بڑھ کر ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ان کی ولایت کو حضرت صدیق اکبر سے نسبت ہو چکی ہاں بعض اور کامل مشائخ کو بھی یہ نسبت حاصل ہے لیکن انہیں بھی اس کے لیے ولایت صدیق اکبرؓ سے ہی چنگاری لینی پڑتی ہے۔

حضرت جعفر صادق بھی اسی سلسلہ کے چراغ تھے

جسطرح حضرت جعفر صادق نسبی پہلو سے حضرت ابوبکرؓ سے نسبت رکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ ام فروہ حضرت ابوبکر صدیق کی پڑپوتی تھیں آپ روحانی اعتبار سے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے سلسلہ ولایت وسلوک میں تھے آپ پر جو روحانی فیض اترا حضرت ابوبکر صدیق کے فیضان سے اترا حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجہت کمال اخلاص کہ بآنسرور داشتند وفانی در ایشاں بودند از بیان سائر اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بایں خصوصیت طریق مخصوص گشتہ اند وہمیں نسبت جذبہ وسلوک تا بحضرت امام جعفر صادق بہمیں خصوصیت رسیدہ وچوں والدہ امام از اولاد کرام حضرت صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام باعتبار ایں ہر دو فرمودند ولدنی ابوبکر مرتین [2]

(ترجمہ) حضرت صدیق کمال اخلاص کی جہت سے جو آپ کو حضور اکرمؐ سے حاصل تھا اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کھوئے ہوئے تھے تمام صحابہ کرام میں سے اس خاص نسبت سے ایک مخصوص طریق ہو گئے تھے اور یہی نسبت جذب وسلوک اسی خصوصیت سے حضرت امام جعفر صادق تک پہنچی اور چونکہ آپ کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں سے تھیں حضرت جعفر صادق نے ان دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے کہا مجھے ابوبکر صدیق نے دو دفعہ جنا ہے۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول نمبر ۲۱ صہ ۲۹ [2] دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹ صہ ۴۰۔

اس میں حضرت امام ربانی نے تصریح کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق کو حضرت ابوبکر صدیق سے دوہرا تعلق ہے خاندانی بھی اور روحانی بھی ـــ سو اس اعتبار سے حضرت امام جعفر صادق ایک عہد آفرین شخصیت ہوئے جنہوں نے اپنے آبار کرام سے روحانی نسبت پانے کے باوجود اپنے آپ کو آستانہ صدیقی پر لانا ضروری سمجھا اور نقشبندی حضرات اب حضرت امام جعفر صادق کے توسط سے ہی فیض صدیقی پاتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اگر حضرت امام جعفر صادق سے ارادت پائی تو آپ فیض صدیقی کی طلب میں ہی حضرت جعفر صادق سے ملے تھے اور اس ملے حضرت کے کمال علمی اور امامت فقہی میں کوئی استخفاف نہ تھا۔

حضرت جعفر صادق اس جہت سے کہ آپ نے حضرت محمد باقر کے بیٹے ہوتے ہوئے اپنے لیے نسبت صدیقی میں عزت چاہی مقام امامت پا گئے جسطرح امام ابوحنیفہؒ علم میں امامت پا گئے حضرت جعفر صادق اس دوسری نسبت میں امامت پا گئے۔

حضرت امام جعفر صادق کی والدہ ام فروہ تھیں یہ کون ہیں؟ قاسم بن محمد بن ابی بکر کی بیٹی حضرت ابوبکرؓ کی پڑپوتی۔ فقیہ شہیر قاسم آپ کے پوتے تھے یہ ام فروہ کی والدہ ہیں ام فروہ کی والدہ کون تھیں؟ اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ـــ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوتی تھیں [1] اسی نسبت صدیقی سے آپ نے کہا تھا ابوبکر صدیق ہیں صدیق ہیں صدیق ہیں جو آپ کو صدیق نہ کہے اللہ اس کی کوئی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا مجھے ابوبکرؓ نے دو دفعہ جنا ہے [3] یہ نسبت ظاہری اور نسبت باطنی حضرت ابوبکر صدیق سے اتنی پختہ ہے کہ نقشبندی حضرات اس کا اقرار کیے بغیر اس شاہراہ ولایت میں قدم نہیں رکھ سکتے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے مکتوب مذکورہ بالا میں حضرت امام جعفر صادق کا ذکر لفظ امام سے کیا ہے یہ شیعہ اصطلاح سے موافقت نہیں باصطلاح اہل سنت آپ اس عظیم روحانی سلسلہ کے امام ہیں اور آپ کا قدم حضرت ابوبکرؓ صدیق کے قدم پر ہے اور آپ اسی دربار صدیقی سے فیضان پاتے ہوئے تھے

---

[1] دیکھئے شرح اصول کافی جلد ۲ جزو ۱ صہ ۲۱۴ مطبوعہ لکھنو [2] کشف الغمہ تقطیع کلاں صہ ۲۲۰

[3] تہذیب التہذیب جلد ۲ صہ ۱۰۳۔

افضلیّت صدیقِ اکبرؓ

مُفکرِ اسلام حضرت علّامہ خالد محمود صاحب ایم، اے

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الّذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الرسل وخاتم الانبیاء وعلیٰ اٰلہ الاتقیاء واصحابہ الاصفیاء۔ امّابعد

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا ؎
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

کسے پتہ تھا کہ تاریخ میں ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ مخزنِ عظمت، مرکزِ خلافت، یارِ غارِ مصطفےٰ سیدنا و سیدالکل حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت محتاجِ بیان ہوگی، یہ واضح کرنا ہوگا کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ ماسوائے انبیاء کرام کے کل بنی نوعِ انسان سے ارفع و اعلیٰ اور افضل و اکمل ہیں، اس لیے کہ عیاں راچہ بیاں ـــــ چڑھتے ہوئے سورج کی نشاندہی اشاروں کی محتاج نہیں ہوتی ہاں چشمِ بینا ہی موجود نہ ہو تو یہ امر دیگر ہے ؎

زعشقِ ناتمام ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

دس ہزار قدسیوں کے پلڑے میں تُلنے والی شخصیت ـــــ جب آپؐ مکہ سے نکلے تو ساتھ ایک تھا اور جب مکہ مکرمہ پھر داخل ہوئے تو ساتھ دس ہزار کا لشکرِ جرار تھا، عزّوہ کا داخلہ بھی مُدخلِ صدق تھا اور وہاں سے نکلنا بھی مُخرجِ صدق تھا، آنا اور جانا ایک وزن کا تھا ـــــ جس کی بارگاہِ امامت اور درگاہِ سیادت میں فاروقِ اعظمؓ اور حیدرِ کرارؓ جیسے مقدس و معظم برابر صف بستہ نظر آتے ہیں اور جس کی رفعتِ علمی اور قوتِ عملی سب اپنی اپنی جگہ مثالی شان سے سرفراز ہیں، آج اس مجلس میں اسی ذاتِ قدسی صفات کی افضلیت کا بیان ہوگا۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ صحابہ میں افضلیت کی بحث اچھی نہیں سب ایک جیسے ہیں، نہیں حضور نے انہیں ستاروں سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ سب ستارے ایک جیسی چمک نہیں رکھتے کوئی زیادہ چمکتا ہے کوئی کم۔ لیکن ہر ایک سے روشنی ہی ملے گی اندھیرا کسی سے نہ ملے گا اور ہر ایک کا ایک اپنا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں میں سے بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض۔ سو صحابہؓ کی افضلیت کی بحث کسی پہلو سے محل قدح نہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے "فقہ اکبر" میں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے "غنیۃ الطالبین" میں ان میں ایک ترتیب پیش کی ہے۔

اس موضوع پر پہلے ہمیں ایک معیار کی تلاش ہوگی جس پر کسی بزرگ کی شان فضیلت منطبق کی جاسکے اور ایک ایسے مینار کی ضرورت ہوگی جس کی روشنی میں ہم کسی بزرگ کی زندگی کے مختلف مقامات دیکھ سکیں۔ آیئے اس روشنی کے لیے پہلے قرآن عظیم کے حضور میں ہی حاضر ہوں اور کتاب اللہ سے ہی اس معیارِ فضیلت کا پتہ چلائیں جو ہمیں اس وقت مطلوب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

(۱) يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (پ۲۸ سورۃ المجادلہ)	اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے درجات بلند کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان لائے اور ان لوگوں کے جو شانِ علم سے سرفراز ہوئے۔
(۲) لَا يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (پ۲۴)	علم رکھنے اور نہ رکھنے والے کبھی برابر نہیں ہوتے۔

ان آیات شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ فضیلت اور بزرگی کا معیار رب العزت کے ہاں ایمان اور علم ہے۔

(۳) لا يستوي منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا۔ (پ۲۷، سورۃ الحدید)	برابر نہیں تم میں سے وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد میں شامل ہوئے، ان کا درجہ اُن سے زیادہ ہے جو اسکے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے اور جہاد میں شامل ہوئے۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ وہ مالی اور جانی قربانیاں بھی معیارِ فضیلت ہیں جو فتح مکہ سے پہلے کی گئیں۔ اِنفاق فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ کی مجموعی حیثیت میں جو لوگ سبقت لے گئے وہ اُن لوگوں سے بہر حال آگے ہیں جو اس اجتماعی وصف (انفاق اور قتال) میں پیچھے رہے یا کسی ایک وصف (مثلاً قتال یا انفاق) میں برابر رہے، معیارِ افضلیت وہ بزرگی ہے جو ان دونوں عملوں کے اجتماع سے حاصل ہوگی۔ قرآن پاک کی رُو سے یہ ثابت ہو گیا کہ عمل بھی ایک معیارِ فضیلت ہے جس میں مالی اور جانی دونوں قربانیاں درکار ہیں۔

ان اسباب کے علاوہ اگر کوئی اور معیار فضیلت ہے تو وہ اللہ ربّ العزت کا اپنا فضل ہے جس کے بھی شاملِ حال ہو جائے۔

(۴) وبشر المؤمنین بان لھم من الله فضلاً کبیرا۔ (پ۲۲ سورۃ الاحزاب) | اور آپ خوشخبری سُنا دیں ان ایمان والوں کو کہ انکے لیے خدا تعالیٰ کی طرف بہت بڑا فضل ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اصل بزرگی اور فضیلت محض اقتدار و حکومت، رنگ و وطن یا نسل و نسب کے امتیازات پر مبنی نہیں بلکہ قرآنی نظریہ فضیلت ایمان، علم صحیح، عمل صالح اور فضلِ خداوندی کے امتیازی اوصاف پر مبنی ہے۔ جتنا کسی کو ان ابواب میں تفوق حاصل ہوگا اتنی ہی اس کی افضلیت اور برتری از خود ثابت ہوگی۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

اب آئیے واقعات کا ایسی چشمِ بصیرت سے مشاہدہ کریں جس نے تعصب اور تحزب کی قوت سے جلا نہ پائی ہو کیونکہ یہ درحقیقت نور نہیں ایک ظلمت ہے۔ دیکھنا یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی رسالت کی دعوت دی تو سب سے پہلے کس بزرگ ہستی نے آپ کو لبیک کہا اور کون سب سے پہلے دولتِ اسلام سے سرفراز ہوا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ان الله بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدق۔[۱] | اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا پر تم نے مجھے جھٹلایا لیکن ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی۔

---

[۱] بخاری جلد ۱ ص ۵۱۷

اس ارشادِ نبوت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل الاسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی سمجھا ہے اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے قریب قریب ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ بھی ایمان لائے تھے لیکن وہ تو گھر کے اپنے ہی افراد تھے۔ نیز عورتوں اور بچوں کی بات اس قدر ممتاز بھی نہیں ہوتی، مخالفتوں کے پورے طوفان اور ذمہ داریوں کے سارے بوجھ کے ساتھ جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اس کے لیے آنحضرتؐ کا مذکورہ بالا ارشاد خود منہ بولتی شہادت ہے۔

عمدۃ المحدثین ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

شهد مع النبي المشاهد كلها ولم يفارقه في جاهلية ولا اسلام وهو اول الرجال اسلاما[1]	حضرت ابوبکرؓ آنحضرت کے ساتھ تمام جنگوں میں شامل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں کبھی جدا ہوئے اور آپ سب سے پہلے مرد ہیں جو اسلام لائے۔

یہ تو اسلام کی اوّلیت اور قبولیتِ اسلام میں قربانی کا بیان تھا، اب اس ایمان کی شانِ صداقت قوتِ یقین اور کمالِ معرفت پر بھی غور کیجئے۔

اعمال کے اپنے ظواہر بھی ہیں، ایمان ایک فعلِ قلب ہے (کما فی روایۃ احمد) جس کی تصدیق صاحبِ حال یا صاحبِ وحی کی تصدیق کے بغیر علی السبیل القطع والتعین ممکن نہیں۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کئی دفعہ اپنے ایمان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان کی شہادت دی تھی حالانکہ یہ دونوں بزرگ اس وقت موجود نہ ہوتے تھے، ایسے موقع پر آنحضرتؐ کے الفاظ اس قسم کے تھے۔

اؤمن بذلك وابوبكر وعمر[2]	میں، ابوبکر اور عمر اس پر ایمان لاتے ہیں۔

دوسروں کے اعمال کی گواہی تو سب دیکھنے والے دے سکتے ہیں لیکن ایمان کی گواہی پیغمبر کا ہی کام ہے جیسے کہ خود رب العزت نے اس پر مطلع فرما دیا ہو۔

---

[1] مرقاۃ جلد ۵ ص ۵۲۰ طبع قدیم [2] بخاری جلد ۱ ص ۳۱۲، ص ۶۹۴، ص ۵۱۷

پھر دیکھئے کہ آنحضرتؐ نے ان دونوں بزرگوں کے ایمان کو خود اپنے ایمان کے ساتھ جمع فرمایا ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم جس نے کہ عمالقہ کے ساتھ جہاد کرنے سے انکار کر دیا تھا، سے جدا ہوتے ہوئے فرمایا تھا۔

انی لا املك الا نفسی و اخی۔ (مائدہ)	میں اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی کا مالک نہیں۔

جس قوتِ یقین کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے امرِ باطنی کی خبر دی، تاجدارِ ختمِ نبوت اسی قوتِ یقین کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

اومن بذلك وابو بكر وعمر[1]	میں، ابوبکرؓ اور عمرؓ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:۔

انما قال ذلك رسول الله ثقة بهما لعلمه بصدق ایمانهما وقوت یقینهما وکمال معرفتهما بقدرة الله۔	آنحضرتؐ نے ایسا ان حضرات پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کیونکہ حضورؐ کو ان کے ایمان کے سچا ہونے اور ان کی قوتِ یقین اور کمال معرفت کا قدرتِ خداوندی سے پورا پورا علم تھا۔

پس ایمان کی اس پختگی میں یہ دونوں حضرات باقی سب صحابہ سے آگے ہو گئے اور ان میں حضرت ابوبکرؓ کا قدم پھر اور آگے رہے گا۔

ایمان کی اوّلیت اور پختگی تو کھل کر آپ کے سامنے آ چکی، لسانِ نبوت نے خود دونوں باب میں فیصلہ فرما دیا۔ اب آئیے ایمان کی فراست میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قدم سب سے آگے دیکھئے، فرمایا:۔

المومن من لا یخدع ولا یُخدَع۔	کامل مومن وہ ہے جو نہ دھوکا دے اور نہ دھوکا کھائے۔

---

[1] بخاری جلد ا صفحہ ۳۱۲، صفحہ ۴۹۴، صفحہ ۵۱۷

اس حدیث سے پتہ چلا کہ کامل مومن کی دیانت یہ ہے کہ کسی کو دھوکا نہ دے اور فراست یہ ہے کہ کسی سے دھوکا نہ کھائے، دھوکا نہ کھانے کے مصداق تو آپ کو بیشمار ملیں گے اور سب صحابہ کرامؓ اس وصف سے متصف تھے لیکن دھوکا نہ کھانے والے لَا يُخْدَعُ کے مصداق آپ کو وہاں بھی بہت کم ملیں گے۔

حضرت امام حسینؓ کو جس طرح کوفیوں نے دھوکا دیا اور ان کو بار بار خطوط لکھ کر بلایا اور پھر وقت آنے پر غداری اور بیوفائی کی یا جس طرح حضرت علی المرتضےٰؓ کو جنگِ صفین میں دھوکا دیا گیا یا جس طرح حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شاطروں نے دھوکا دیا اور مجلسِ مفاہمت و مصالحت کو جنگِ جمل کی صورت میں بدل دیا۔ ان واقعات میں ان حضرات کا دھوکے میں آجانا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے[1]۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ دھوکے میں آجانے کی ان بزرگوں سے کوئی بازپرس نہ ہوگی کیونکہ اعمال پر مواخذہ نیات کے اعتبار سے ہوتا ہے اور دھوکا کھانے والے کی اپنی نیت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، ربّ العزت کے ہاں تو کسی بزرگ کی کوئی ایسی کمزوری قابلِ مواخذہ نہیں لیکن خلافتِ ارضی اور قیامِ امورِ عامہ کے لیے جب نظامِ عدل کا قیام ہوتا ہے تو ایسے امور کا لحاظ بھی بسا اوقات ضروری ہوتا ہے پس جو اکابر کمالِ ایمان کے ان دونوں جزوں سے متصف ہوں گے وہ لازماً ان سے فائق اور آگے ہوں گے جنہیں وقت کے غلط کار لوگوں نے بارہا اپنی سازش کا نشانہ بنایا، لیکن یاد رہے کہ اس سے ان کی بزرگی پر کوئی داغ نہیں آتا۔ ہاں افضلیت امرِ دیگر ہے۔ اس معیار پر جب ہم حضرت صدیق اکبرؓ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کا کوئی سہیم و شریک نظر نہیں آتا اور تاریخ نہیں بتلاتی کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی کبھی دھوکا کھایا ہو۔ آنحضرتؐ کی وفاتِ شریف کے بعد صحابہؓ کی مجموعی رائے بھی حضرت ابوبکرؓ کو کوئی مغالطہ نہ دے سکی اور انجام کار پتہ چلا کہ حق وہی تھا جو حضرت ابوبکرؓ کہتے تھے۔ فتنہ انکارِ ختمِ نبوت، لشکرِ اسامہؓ کی روانگی میں تاخیر کا مطالبہ، مانعینِ زکوٰۃ

---

[1] نبہ علیہ القرطبی فی تاریخہ ووافقہ الآلوسی فی تفسیر الاحزاب۔

کی تحریکات اور ان سب کے مقابلے میں حضرت صدیق اکبرؓ کی اپنی رائے انہیں کسی مغالطے میں نہ کھینچ سکی۔

ایمان کی اولیتؔ، قوت و ثقاہتؔ اور بصیرتؔ و فراست کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ کے عزمؔ و استقامت کو بھی شامل کریں تو پھر ان کی شان ایمانی ایمان کے ہر پہلو کے اعتبار سے سب سے فائق اور آگے نظر آتی ہے اور ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ ان کمالاتِ ایمانی میں کوئی بزرگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے شریک و سہیم نہیں، حضرت صدیق اکبرؓ کا ایمان محض رغبت عقلی کا نتیجہ نہ تھا، صدیقیت کا مقام یہ ہے کہ صدیق رغبتِ طبعی کے ساتھ ایمان قبول کرتا ہے اور یہ اسی کا امتیاز و اختصاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو ایمان قبول کرنے میں کسی دلیل کی ضرورت قطعاً محسوس نہ ہوئی۔

پہلا معیار افضلیت ایمان تو اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا۔ اب آئیے اور علم صحیح کے معیار پر بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو دیکھئے، وہ یہاں بھی ہر اعتبار سے افضل و اکمل نظر آئیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ

لایستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔	علم رکھنے والے اور نہ رکھنے والے کبھی برابر نہیں ہوتے۔

یہاں علم سے مراد کسی مادی تجربے کا علم نہیں بلکہ قرآنِ عزیز کا علم مراد ہے جس سے حقائق کا ادراک ہوتا ہے اور ظلمت کے پردے اٹھتے ہیں۔

اب درِ مصطفیٰؐ پر دستک دیجئے اور دربارِ نبوت سے فیصلہ لیجئے کہ آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کرامؓ میں قرآنِ پاک کا سب سے زیادہ عالم اور کتاب اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ مشتغل کس بزرگ کو قرار دیا ہے۔

پہلے یہ پیشِ نظر رکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قانون ارشاد فرمایا:۔

یتقدمہم القوم اقرأھم للقرآن فان کانوا فی القرأۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا	قوم کی امامت وہ کرائے جو ان سب میں قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو اگر اس وصف میں وہ برابر ہوں تو جو ہجرت میں اقدم ہو اگر ہجرت

فی الھجرۃ سواء فأکبرھم سنًّا فان کانوا فی السن سواء فاعلمھم بالسنۃ وافقھم فی الدین۔[1]

میں بھی وہ سب برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو اور اگر عمر میں سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو سنتِ پیغمبر کا سب سے زیادہ عالم ہو اور تفقہ دین میں اسے برتری حاصل ہو۔

احقر عرض پرداز ہے کہ یہاں چوتھے نمبر میں کچھ ترتیب کی غلطی ہے، یہ نمبر دراصل دوسرا ہونا چاہیئے تھا، سنت کا درجہ قرآن کے متصل بعد ہے، ہجرت کا تقدم اور عمر کی بڑائی علم سنت کے یقیناً بعد ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے:۔

فان کانوا فی القراۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ۔[2]

پس اگر قرآن دانی میں وہ سب برابر ہیں تو پھر وہ جماعت کرائے جو علم سنت میں آگے ہو اس کے بعد اس کا مرتبہ ہے جو ہجرت میں اقدم ہو۔

بہرحال اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلا مرتبہ اس کا ہے جو سب سے زیادہ قرآن کا ماہر ہو۔ یہاں اقرأھم للقرآن سے مراد یہ رسمی اور لفظی تجوید نہیں۔ قاری اور قرأت کی اصطلاح بہت بعد کی ہے۔ بلکہ یہاں مراد کتاب اللہ کی حقیقی معرفت اور قرآنی علوم ہیں۔ اس روایت میں اگر علوم قرآنیہ کی برتری مراد نہ لی جائے تو پھر اور کئی اشکال لازم آتے ہیں۔

اولاً:۔ لفظی تجوید اور رسمی قرأت میں حضرت ابی بن کعبؓ سب سے آگے تھے مگر آنحضرت نے انہیں کبھی عملاً امام نہیں بنایا بلکہ مختلف اوقات میں امامت کے فرائض حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت ابن ام مکتوم کے سپرد فرمائے۔

ثانیاً:۔ روایت مذکورۃ الصدر میں آگے علم و سنت اور علم فقہ تو اپنے اپنے درجہ پر آ رہے ہیں لیکن قرآنی علوم کا تفوق یکسر مفقود ہے، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ارشاد رسالت نے

---

[1] فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ لکھنؤ [2] جلد ۱ صفحہ ۸۶

علم سنت کو تو معیارِ فضیلت میں ملحوظ رکھا ہو مگر علم قرآن کو یکسر نظر انداز کر دیا ہو پس سیاق و سباق کے پیشِ نظر یہاں "اقرأهم للقرآن" سے قرآنی علوم کا سب سے زیادہ فاضل اور کتاب اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ مشتغل شخص مراد ہو گا۔

ثالثاً:۔ سیدنا حضرت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، شیخ ابوالحسنؒ اشعری اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک اس کے یہی معنی مراد ہیں، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

وسبب تقديم الاقراء لانه صلى الله عليه وسلم حد للعلم حداً معلوماً كما بينا وكان اول ما هنالك معرفة كتاب الله لانه اصل العلم وايضاً فانه من شعائر الله فوجب ان يقدم صاحبه۔۔۔۔ ثم من بعدها معرفة السنة لانها تلو الكتب وبها قيام الملة وهي ميراث النبي صلى الله عليه وسلم في قومه ثم بعده اعتبرت الهجرة۔[1]

"حاصل یہ کہ یہاں "اقرأهم" سے مراد صاحب معرفت کتاب اللہ ہے کیونکہ یہ علم کی بنیاد ہے اور شعائر اللہ میں اس کا شمار ہے، اس کے بعد معرفت سنت کا درجہ ہے اور وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے، اس کے بعد ہجرت کا اعتبار رہے"

اس تمہید کے بعد اب یہ دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عینِ حیات اور تمام اکابر صحابہ کی موجودگی میں کس بزرگ ہستی کو امامت کا حکم دیا، لسانِ رسالت کا یہ فیصلہ جس کے حق میں ہو گا وہ یقیناً قرآنی علوم اور معرفت کتاب اللہ میں سب سے فائق اور آگے ہو گا۔

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ابا بكر ان يصلي بالناس في مرضه فكان يصلي بهم۔[2]

آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ حضورؐ کے ایام مرض میں امامت کرائیں چنانچہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص۲۵ [2] بخاری جلد اول ص۹۴

امامیہ کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغہ دُرِّ نجفیہ میں ہے:۔

فلما اشتد به المرض امر ابا بکر ان یصلی بالناس ...... وان ابا بکر صلی بالناس بعد ذٰلك یومین[1]۔	جب آنحضرت پر مرض کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور ابوبکرؓ اس کے بعد دو دن لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔

پھر حضورؐ نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارکہ سے پردہ اُٹھا کر خود حضرت صدیق اکبرؓ کو جماعت کراتے دیکھا اور تبسم فرما کر اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا، یہ اس حکم سابق کی عملی تصدیق تھی۔

کشف ستر حجرة عائشة فنظر الیهم وهم فی صفوف الصلوٰة ثم تبسم یضحك[2]	آپ نے عائشہؓ کے حجرے کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ نماز کی صفیں باندھے ہوئے تھے حضورؐ مسکرا دیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اسے نو صحابہ سے روایت کیا ہے اور اسے حدیث مستفیض قرار دیا ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد ا ص۳۰۹ فارسی) اور قرۃ العینین میں اسے متواتر بتلایا ہے۔ (دیکھئے ص۵ مطبوعہ دہلی) پس یہ حدیث اپنی انتہائی شان میں لائق یقین اور قابلِ اعتماد ہے۔ قانون امامت کی پہلی حدیث اور امر امامت پھر عمل امامت کی اس دوسری حدیث سے یہ نتیجہ نہایت واضح طور پر حاصل ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ تمام اکابر صحابہ میں سب سے زیادہ قرآنی علوم پر نظر رکھتے تھے اور قرآن دانی میں ان کا قدم سب سے آگے تھا۔ ایمان کے بعد یہ دوسرا معیارِ فضیلت ہے جس میں ہم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب سے فائق اور اقدم دیکھتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ شیخ ابوالحسن اشعریؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

تقدیمه له دلیل علی انه	آنحضرتؐ کا ابوبکر صدیقؓ کو نماز میں آگے کرنا

---

[1] دُرّہ نجفیہ ص۲۲۵ مطبوعہ ایران [2] بخاری جلد ۲ ص۶۴۰

اعلم الصحابة واقرأهم لما ثبت فی الخبر المتفق علی صحته بین العلماء[1]	اس بات کی دلیل ہے کہ آپ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ عالم اور کتاب اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ مشتغل تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا علوم قرآنیہ اور اس کے اسرار و آثار میں سب سے ممتاز ہونا یہ اس لیے بھی ہے کہ مرتبہ صدیقیت خود باب علم میں سے ہے جس طرح کہ قتال و جہاد باب عمل میں سے ہے، مرتبہ نبوت جو علم صحیح اور عمل کامل کا جامع ہے، اپنی دلالت لفظی میں خود باب علم میں سے ہے۔ نبی کے عام معنی ہیں خبر دینے والا یا خبر دیا ہوا ہو، اور ظاہر ہے کہ خبر شان علم میں سے ہے، اسی طرح صدیق کا لفظ بھی اپنی دلالت لفظی میں شان علم کا حامل ہے جس کے معنی ہیں تصدیق کرنے والا اور ظاہر ہے کہ تصدیق شان علم میں سے ہے عمل اگر اس میں داخل ہے تو ثانوی اعتبار سے ہے۔ حاصل اینکہ مرتبہ صدیقیت خود ایک علم کی شان ہے، پس علوم کے یہ مراتب اور اسرار و آثار بھی خاتم مراتب صدیقیت حضرت ابو بکر صدیقؓ پر منتہی ہیں۔

ترجمان القرآن حبر الامت حضرت ابن عباسؓ کی شہادت

حضرت ابن عباسؓ جنہیں قرآن دانی میں یہ مقام حاصل تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ انہیں مشائخ بدر میں شمار فرماتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے سوال کیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے سورۂ نصر کے معنی حضرت ابن عباس سے بیان کروا کر سب اکابر کو حیران کر دیا[2]۔

آنحضرتؐ کی وفات شریفہ پر جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ۔۔۔۔۔ الشاکرین۔

تو یہی ترجمان القرآن ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۳۶ وکذلک فی شرح الفقہ الاکبر للعلی القاری ص ۵

[2] دیکھئے صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۴۳

واللہ لکان الناس لم یعلموا ان اللہ انزل ھٰذہ الاٰیۃ حتّٰی تلاھا ابو بکر فتلقاھا منہ الناس کلھم فما اسمع بشرًا من الناس الا یتلوھا۔[1]

بخدا حضرت ابوبکرؓ کے اس وقت اس آیت کو بیان کرنے کا یہ اثر ہُوا کہ اس سے پہلے گویا لوگ اس آیت کو جانتے ہی نہ تھے پس سب صحابہؓ نے اس آیت کو حضرت ابوبکرؓ سے ہی لیا اس وقت حال یہ ہُوا کہ میں جس کسی کو سُنتا وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

کتاب اللہ کی معرفت اور علمی سرفرازی کس بلند درجہ کی تھی کہ ایک آیت کے بیان نے سب سامعین کو یہ ذوقِ قرآنی بخش دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے قرآنی ہدایت معنویت سے آگے لاکر گویا محسوسات کی صورت میں آگے رکھ دی، علم کو ان کی آنکھوں کے سامنے محسوس کرا کر رکھ دیا۔

لقد بصر ابوبکر الناس الھدیٰ وعرفھم الحق الذی علیھم وخرجوا بہ یتلون۔[2]

بیشک حضرت ابوبکرؓ نے ہدایت ان کی آنکھوں کے سامنے لاکر رکھ دی اور جس حق پر وہ قائم تھے اس کی انہیں پوری معرفت عطا کی پھر سب اسی آیت کو پڑھتے نکلتے۔

قرآنی نظریہ فضیلت کے دو معیار ایمان اور علم اپنی اپنی تفصیلات کے ساتھ واضح ہو چکے اور واقعات کی دُنیا دلائل و شواہد کے ساتھ اعتراف کر چکی کہ ان سب امور میں حضرت صدیق اکبرؓ کا قدم سب سے آگے ہے۔ اب آئیے تیسرے معیارِ افضلیت کو دیکھیں، قال اللہ تعالیٰ :۔

تیسرا معیارِ افضلیت

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح

برابر نہیں تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد میں

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰ [2] ایضاً جلد ۱ ص ۵۱۸

وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ۔ (پ۲۷، سورۃ الحدید)

شامل ہوئے اُن کا درجہ دوسروں سے بہت اونچا ہے۔

اس آیت شریفہ نے "انفاق" (خرچ کرنا) اور قتال (جہاد) کے مجموعہ کو بشرطیکہ فتح مکہ سے پہلے کی یہ قربانیاں ہوں بہ طریقِ نص معیارِ افضلیت قرار دیا ہے۔

اب آئیے دیکھیں اس عملِ انفاق میں حضرت ابوبکرؓ کس درجہ میں تھے، حضورؐ نے فرمایا۔

ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر، فبکی ابوبکر وقال یارسول اللہ ھل انا ومالی الا لک۔[1]

"مجھے کسی مال سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا ابوبکرؓ کے مال سے پہنچا ہے۔" اس پر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے اور کہا "یارسول اللہ میں اور میرا مال تو ہیں ہی آپ کے لیے۔"

اس مقام پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضورؐ نے تو صرف مال کا ذکر فرمایا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ساتھ ہی اپنی جان کا تذکرہ بھی فرما دیا، معلوم ہوا کہ جان کا آنحضرتؐ کے لیے وقف ہونا حضورؐ کے نزدیک پہلے ہی مسلمات میں سے تھا، حضورؐ نے جب ان کے انفاق (خرچ) کا اس اعترافِ عظمت کے ساتھ ذکر کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اسے "اپنے آپ کو ہی حضور کیلئے وقف کیے ہونے" کے ساتھ ملا کر پوری تواضع کے ساتھ اس استعجاب کو رفع کر دیا۔

یہاں یہ انفاق اور قتال کی مجموعی کیفیت دربار رسالت سے سندِ منظوری لے رہی ہے۔

عن عائشۃ قالت انفق ابوبکر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین الفا اخرجہ ابوحاتم۔[2]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار دینار خرچ کر دیئے تھے۔

پھر محدث عبدالرزاق نقل کرتے ہیں کہ:-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ ابوبکرؓ کے

---

[1] ابن ماجہ ص۱۰ [2] مرقات جلد ۵ ص۵۲۷

يقضي في مال ابي بكر كما كان يقضي في مال نفسه ۔	مال میں اسی طرح تصرف فرماتے جس طرح کہ اپنے مال میں تصرف کرتے ۔

اس روایت اور ان الفاظ پر غور فرمائیے کہ کس طرح نفسِ رسالت کا نفسِ صدیقیت میں انجذاب ہو چکا ہے، غیریت کے پردے سب اٹھ چکے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے جان و مال کو رب العزت کے ہاں وہ درجۂ قبولیت حاصل تھا کہ گویا آنحضرتؐ کے وہ اپنے ہی جان و مال ہیں۔

اب آئیے۔ لسانِ رسالت سے پھر ان دونوں مالی اور جانی قربانیوں کی سند حاصل کریں، آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:۔

ان الله بعثني اليكم فقلتم كذبت وقال ابوبكر صدق وواساني بنفسه وماله [1]	اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تم نے میری تکذیب کی لیکن ابوبکرؓ نے میرے بارے میں کہا کہ "سچ کہہ رہے ہیں" اور اپنے جان و مال سے میرا ساتھ دیا۔

حضورؐ کے دعوئ رسالت کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے یہ نہیں کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں بلکہ فرمایا کہ "وہ سچ کہہ رہے ہیں" یہ ایک نہایت بلند پایہ شانِ علم ہے جس کے آئینہ میں اظہار ایمان جلوہ گر ہے۔ اس ایک ہی حدیث میں حضرت صدیق اکبرؓ کی شان ایمان، شان علم اور جان و مال کا آنحضرتؐ کے لیے وقف کر دینے کا نہایت روشن بیان ہے اور یہ سب امور خود لسان رسالت سے شرفِ قبولیت حاصل کر رہے ہیں۔

اکابر صحابہ میں ایسے بزرگ بھی ہیں جو انفاق (خرچ کرنے میں) زیادہ ممتاز ہیں جیسے حضرت عثمانؓ، اور ایسے بھی ہیں جنہیں قتال میں امتیاز حاصل ہوا جیسے حضرت علی المرتضیٰؓ، اور جنہیں کہ ان کی مالی پوزیشن باب "انفاق" میں زیادہ نمایاں نہ کر سکی مگر انفاق اور قتال کی یہ مجموعی شان جسے کہ قرآن کریم نے اولٰئك اعظم درجة کے پُرعظمت الفاظ میں ذکر

---

[1] بخاری جلد ا ص ۵۱۷

کیا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شانِ افضلیت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر رہی ہے۔ جن بزرگوں کو انکے مالی وسائل نے یہ موقع نہ دیا کہ وہ اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خرچ کریں، تو اس تکوینی مجبوری سے ان پر ہرگز کوئی حرف نہیں آتا، لیکن قرآنِ حکیم نے افضلیت کی بحث میں جسے معیار کے طور پر پیش کیا ہے وہ ہی فیصلہ ربانی ہے۔

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ۔ (پ۲۷ سورۃ الحدید)

فتح مکہ سے پہلے انفاق (خرچ کرنے) اور قتال (شرکتِ جہاد) کے مجموعی وصف سے ممتاز ہونے والے بعد کے لوگوں کے برابر نہیں۔

افضلیت کا چوتھا معیار

افضلیت اور برتری کا چوتھا معیار فضلِ خداوندی ہے جس کے بھی شاملِ حال ہو جائے اور پھر جس جس درجہ میں جس کے شاملِ حال ہوگا اُسی درجہ میں اس کی بزرگی اور برتری ثابت ہوگی جہاں اسباب کی منزلیں طے ہو جائیں وہاں فضلِ خداوندی کی ہی بشارت ملتی ہے۔

وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلاً کبیراً۔ (پ۲۲)

اور آپ بشارت دے دیں مومنین کو کہ آن کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

جس طرح قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خصوصی طور پر فضل کا ذکر فرمایا ہے۔

وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً۔ (پ۵ النساء آیت ۱۱۳)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ پہلے نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت ہے۔

اسی طرح قرآنِ کریم نے حضرت صدیق اکبرؓ کی نسبت بھی فضل کی تصریح فرما دی ہے حضرت صدیق اکبرؓ مسطح بن اثاثہ پر اللہ کی راہ میں بہت مال خرچ کرتے تھے[1]

---

[1] بخاری جلد ۲ صہ ۶۹۵

جب وہ واقعۂ افک میں لوگوں کی غلط افواہوں میں آ گئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے قصد کر لیا کہ آئندہ انہیں کچھ نہ دیں گے، اس پر قرآن کریم نے کہا:۔

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة۔ (سورۃ النور)	اور جن لوگوں کو فضل (دین کی بزرگی اور رزق کی وسعت) حاصل ہے وہ ایسی قسمیں نہ کھائیں۔

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں "فضل" کی نسبت حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف ہی کی گئی ہے۔

جس انداز اور جس صراحت کے ساتھ فضلِ خداوندی کی نسبت آنحضرتؐ کی ذاتِ مقدسؐ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی ذات قدسی صفات کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے اس میں کوئی اور معین فرد ان حضرات کا شریک نہیں، تمام مومنین عمومی فضل سے بہرہ ور ہیں لیکن یہ خصوصی فضل غار کے ان دو ساتھیوں کے ہی شامل حال رہا ہے۔ عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ سے جب پوچھا گیا کہ "ای الناس افضل"

کل مخموم القلب صدوق اللسان[1]	ہر وہ شخص جو "دل کا صاف اور خدا ترس انسان" ہے اور اس کی زبان صداقت سے متصف ہے وہ دوسروں سے افضل ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا نرم دل، صاف دل اور خدا ترس ہونا حدیثِ عائشہؓ میں موجود ہے اور صدیق تو وہ تھے ہی، پس اس اعتبار سے بھی ان کی افضلیت صاف ظاہر ہے، چنانچہ حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں صاف ارشاد فرماتے ہیں:۔

کان افضلھم فی الاسلام[2]	حضرت ابوبکرؓ اسلام میں تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ:۔

کنا نقول فی عھد النبیؐ	ہم آنحضرتؐ کے زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۳۹۱ [2] شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی جلد ۱ ص ۴۸۶

لا نعدل بابی بکر احدًا ثم عمرؓ [1]	برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کا درجہ قرار دیتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کے اس قول میں آنحضرتؐ کے زمانے کا ذکر اس لیے ہے کہ یہ فیصلہ صرف صحابہ کرام کا اجماع ہی نہ سمجھا جائے بلکہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری کا بھی شرف حاصل ہے جیسا کہ تقریری حدیث میں ہوتا ہے:۔

عن ابن عمر قال کنا نقول ورسول اللہ حیؐ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنہم [2]	ہم آنحضرتؐ کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو گیا ہے۔

اور یہ فیصلہ صرف دوسرے صحابہؓ کا ہی نہیں حضرت علیؓ بھی اس میں شریک ہیں حضرت علی المرتضیٰؓ سے ان کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؒ نے پوچھا۔

ای الناس خیر بعد رسول اللہ۔	آنحضرتؐ کے بعد افضل الناس کون ہے۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا، ابوبکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ [3]

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس اُمت میں حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

حضورؐ نے خود ارشاد فرمایا۔

اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنۃ من اُمتی [4]

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر کسی اور بزرگ کو فضیلت دینے والے کا کوئی عمل آسمان کی طرف اٹھتا درجۂ قبولیت حاصل کرتا) نظر نہیں آتا کیونکہ اوپر پاک کلمے اور صحیح اعمال ہی اٹھتے ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب۔ واللہ اعلم

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳۶ [2] ایضًا [3] ایضًا جلد ۲ کتاب السنۃ باب فی التفضیل ص ۶۳۶ [4] ایضًا ص ۶۳۶

افضلیتِ صدیقِ اکبرؓ

اور

واقعۂ قرطاس کا پس منظر

حضرت مولانا محمد نافع صاحب فاضل دیوبند استاذ درجہ علیا جامعہ محمدی ضلع جھنگ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ، اما بعد

جس قوم کو مطاعن صحابہ مرتب کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے ان کے نزدیک واقعہ قرطاس (جو مرض الوفات میں پیش آیا ہے) مطاعنِ فاروقی میں اہم ترین اعتراض شمار کیا جاتا ہے، اہلسنّت کی جانب سے اس طعن کا جواب تسلی بخش طریق سے ہمیشہ دیا گیا ہے جو منصف طبائع کے لیے اطمینان بخش ہے اور کج روی کا کوئی علاج نہیں جب تک کہ ھادی مطلق جل شانہٗ کی طرف سے قلبی ہدایت کا سامان نہ ہو جائے۔

واقعہ قرطاس کے متعلق مشہور تحقیقات کے ساتھ ہم اس کا ایک دوسرا اہم پہلو بھی واضح کرنا چاہتے ہیں جس میں سراسر صدیقی فضیلت مضمر ہے چشمِ بینا کے لیے اس میں سامانِ بصیرت ہے، ذہنِ ثاقب کے لیے اس میں اسبابِ ذہانت مہیا ہیں اور قلبِ عاقل کے لیے یہاں وسائل عبرت موجود ہیں۔

واقعۂ قرطاس خبر آحاد میں سے ہے، صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکیلے اس کے روایت کرنے والے ہیں، اُس وقت صغار صحابہؓ میں ان کا شمار تھا، کبار صحابہؓ میں سے کوئی بھی اس اصل واقعہ کا ناقل نہیں، اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافتِ حقہ لکھوانے کا قصد شریف ہوا ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کا اندیشہ نہ رہے، لیکن بعد میں قدرت کی طرف سے تسلی دلا دی گئی کہ عالم بالا میں اس امر کا فیصلہ

کر دیا گیا ہے کہ یہ امانتِ خلافت صدیق اکبرؓ کے سپرد ہوگی، تمام مسلمان اس معتمد ہستی کو اپنا خلیفہ امین منتخب کریں گے، اگر یہ معاملہ ضبطِ تحریر میں نہ بھی لایا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۱۳۵ میں حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:۔

(۱) واما قصة الكتٰب الذی کان رسول الله صلی الله علیہ وسلم یرید ان یکتبہ فقد جاء مبینًا کما فی الصحیحین عن عائشۃؓ قالت قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم فی مرضہ ادعی لی اباك واخاك حتی اکتب کتابًا فانی اخاف ان یتمنی متمنٍ ویقول قائل انا اولی ویأبی الله والمؤمنون الا ابا بکر۔

حاصل یہ ہے کہ وہ واقعہ تحریر جس کے لکھوانے کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصد رکھتے تھے، صحیحین میں واضح طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے مرض الوفات میں ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ اور اپنے بھائی (صدیق اکبرؓ وعبدالرحمنؓ) کو بلا بھیجو تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے خوف ہے کہ اس بات کا کوئی اور متمنی اور خواہشمند ہو اور کہے کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور تمام مومن ابوبکرؓ کے سوا کسی کو پسند نہیں کرتے۔[1]

(۲) پھر ابن تیمیہؒ اس تشریح میں منفرد نہیں ہیں اور علماء نے بھی اس واقعہ تحریر کی توضیح اسی طرح اپنی معتبر تصانیف میں درج کی ہے[2]

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :۔

واما اهل السنة فلیس لهم مذهب الا اتباع الحق یدورون معہ کیفما دار وهٰذا الذی کان یرید علیہ الصلوٰۃ والسلام ان یکتبہ قد جاء فی الاحادیث الصحیحۃ التصریح یکشف المراد منہ فانہ قد قال الامام احمد حدثنا

---

[1] دراجع لہ مسلم ج ۲ ص ۲۷۳ [2] ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر عماد الدین الدمشقی جلد ۵ ص ۲۲۸

مؤمل ثنا نافع عن ابن عمرو ثنا ابن ابی ملیکة عن عائشۃ رض قالت لما کان وجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی قبض فیہ قال ادعوا لی ابا بکر وابنہ لکی لا یطمع فی امر ابی بکر طامع ولا یتمناہ متمن ثم قال یابی اللہ ذلک والمومنون مرتین قالت عائشۃ رض فابی اللہ ذلک والمؤمنون۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ حق کی اتباع کی جائے، جس طرح حق بات ہو اس کی حمایت کی جائے، حضور علیہ السلام جو چیز لکھوانا چاہتے تھے اس کی توضیح و تصریح احادیث صحیحہ میں آچکی ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ اپنی مکمل سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی وہ روایت لائے ہیں، اس میں آپ فرماتی ہیں آخری بیماری میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکرؓ اور اس کے لڑکے کو بلا بھیجو تاکہ ابوبکرؓ کے معاملہ میں کوئی طامع اور متمنی دوسرا طمع نہ کرے، پھر دو دفعہ فرمایا کہ یابی اللہ والمومنون پھر حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ابوبکرؓ کے بغیر کسی دوسرے کو اس معاملہ میں قبول نہیں کیا انکار ہی کیا ہے اور تمام مومنوں نے بھی ابوبکرؓ کے بغیر انکار ہی کیا ہے، کسی کو پسند نہیں کیا۔

واضح رہے حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں "البدایۃ" میں دو عدد روایتیں باسند مزید اسی تائید میں پیش کی ہیں، ایک مسند احمد کی ہے دوسری بخاری کی ہے وہ بھی حضرت صدیقہ رض ہی سے مروی ہیں، ان کا مضمون و مفہوم بھی وہی ہے جو روایت بالا میں درج ہوا ہے، لہٰذا ان کے نقل کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

مندرجات بالا سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صحیحین میں جو ابن عباسؓ سے واقعہ قرطاس (ایتونی بکتاب او قرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا۔الخ) کے الفاظ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص۲۲۸

سے مروی ہے (بشرط صحتِ واقعہ) یہ "خلافتِ صدیقی" کو ضبطِ تحریر میں لانے کیلئے اظہارِ قصد فرمایا گیا، پھر قدرت کی جانب سے خصوصی مصالح کی بناء پر حضور کی رائے مبارک میں تبدیلی واقع کر دی گئی۔ اس تشریح کے موافق نہ حضرت فاروق اعظمؓ پر طعن کا موقع نکلتا ہے نہ حضرت علیؓ پر الزام قائم ہوتا ہے کہ اگر دین کا کوئی اہم امر ملحوظ خاطر تھا تو انہوں نے کوشش کر کے کیوں نہیں تحریر کروایا۔ بہرکیف حضرت صدیقہؓ کی مذکورہ روایت کی روشنی میں اس طعن و الزام کی تمام بحثیں خود بخود ختم ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس واقعہ کا پس منظر بڑی خوش اسلوبی سے واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ بشرطِ صحت واقعہ قلم دوات لانے کا یہ مطالبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؓ سے ہی کیا تھا اور انہیں ہی کہا تھا کہ قلم دوات لائیں، اس حدیث کی سند معتبر ہے۔

پھر اس چیز کے متعلق (کہ خلافت و امارتِ صدیق کا مسئلہ منظورِ خاطر شریف تھا) اس وقت کے حالات اور پیش آمدہ واقعات میں تدبر کرنے سے یقین ہو جاتا ہے اور اس بات پر قرائن و شواہد بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ چند ایک امور جو اس مقصد کی طرف نشاندہی کر رہے ہیں ان کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) خطبہ عظیمہ | پہلا امر تو یہ ہے کہ واقعہ قرطاس یوم خمیس کو پیش آیا ہے (جو ارتحالِ نبوی سے پانچ روز قبل تھا) اسی روز یعنی پنجشنبہ کو آنحضور علیہ السلام نے ایک اور اہم خطبہ تمام صحابہ کرام کے سامنے ارشاد فرمایا ہے جس میں فضیلتِ صدیقِ اکبرؓ اور ان کے مناقب اور احسانات و خدماتِ دینی مفصل بیان فرمائی ہیں اور تمام صحابہؓ کی موجودگی میں ان کی امامتِ صلوٰۃ کا حکم بھی فرمادیا گیا ہے۔ اس خطبہ عظیمہ کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ:-

جس کتاب یا قرطاس کے تحریر کرانے کا ارادہ تھا اُس کے عوض اس خطبہ پر اکتفا فرما دیا گیا، اس تفصیلی بیان کے بعد مزید کسی تحریری توثیق کی حاجت نہیں سمجھی گئی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے "البدایہ" میں اس چیز کا مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

قد خطب علیہ السلام فی یوم الخمیس قبل ان یقبض بخمس ایام خطبۃً عظیمۃً بیّن فیہا فضل الصدیق من سائر الصحابۃ مع ما کان قد نص علیہ ان یؤم الصحابۃ اجمعین کما سیأتی بیانہٗ مع حضورہم کلہم ولعل خطبۃ ھٰذہٖ کانت عرضاً عما اراد ان یکتبہ فی الکتاب[1]

(۲) ایک عورت کو ارشاد

دوسری بات یہ ہے کہ ان ایام میں ایک عورت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مقصد کے لیے حاضرِ خدمت ہو کر گفت و شنید کرتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پھر آجانا" وہ عرض کرتی ہے کہ ہو سکتا ہے میں حاضر ہوں مگر آنجناب کو نہ پاؤں پھر کیا صورت ہوگی؟ (اس کا وصالِ نبوی کی طرف اشارہ تھا) جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے تو نہ پاسکے تو ابوبکرؓ کے پاس پہنچنا۔

یہ واقعہ بھی انہی آخری ایام میں پیش آیا ہے، اس میں نیابت و قائم مقامی کے مسئلہ کو صاف کر دیا گیا ہے۔ یہ جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے۔ بخاری، مسلم و دیگر کتب حدیث میں موجود ہے۔ الفاظ ذیل کے ساتھ محدثین نے اس کو ذکر کیا ہے:۔

عن جبیر بن مطعمؓ ان امرأۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکلمتہ فی شیٔ فامرھا ان ترجع قالت اریت ان جئت فلم اجدک کانہا تعنی الموت قال ان لم تجدینی فأتی ابا بکر[2]

البدایۃ والنہایۃ ص۲۲۸ جلد ۵ میں حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کے ساتھ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص۲۲۸ [2] ازالۃ الخفاء لمولانا شاہ ولی اللہ جلد اول ص۳۰ طبع قدیم بحوالہ بخاری و مسلم، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین لمولانا شاہ ولی اللہ صک بحوالہ بخاری و مسلم

ذکر کیا ہے کہ:-

والظاھر واللہ اعلم انھا انما قالت ذٰلک لہٗ علیہ السلام فی مرضہ الذی مات فیہ صلوٰۃ اللہ و سلامہٗ علیہ -

یعنی ظاہر بات یہی ہے کہ مرض الوفات میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو ابوبکرؓ کے پاس پہنچنے کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

(۳) تیسرا واقعہ جو ان دنوں پیش آیا ہے اس سے بھی "خلافت صدیق" اور "نیابت ابوبکرؓ" کی کافی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ قبل از ارتحال نبوی چند یوم مسجد نبوی میں ایک خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ اس دنیا میں رہنا پسند ہے یا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنا پسند ہے تو اس عبد نے جو کچھ اللہ کریم کے ہاں ہے اُس چیز کو اختیار کیا ہے، یہ خبر سنکر ابوبکر صدیق رونے لگے، صحابۂ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے ابوبکر صدیقؓ کے اس موقعہ پر گریہ وزاری کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا، حضرت ابوبکرؓ ہم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مقدس کے متعلق زیادہ واقف تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ معاشرتی زندگی اور صحبت کے اعتبار سے بھی ابوبکرؓ کے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ہیں اور مالی اعتبار سے بھی اس کی قربانیاں دوسرے لوگوں سے زیادہ ہیں۔۔۔۔ اور فرمایا مسجد نبوی کے دریچے سب بند کر دیئے جائیں صرف ابوبکرؓ کے گھر کا دریچہ چھوڑ دیا جائے۔

یہ صحیحین کی روایت ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے بخاری و مسلم کے علاوہ امام احمد کی بھی ایک سند ذکر کر کے اس کو "بدایہ" میں درج کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ:-

وفی قولہٗ علیہ السلام سدوا عنی کل خوخۃ یعنی الابواب الصغار الی المسجد غیر خوخۃ ابی بکرؓ اشارۃ الی الخلافۃ ای لیخرج منھا الی

الصلوٰة بالمسلمین۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص۲۳)

یعنی ابوبکر صدیق کے دریچہ کے بغیر سب کھڑکیاں بند کرانے میں "خلافت صدیقی" کی طرف اشارہ ہے کہ ابوبکرؓ مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لیے مسجد نبوی میں اس کھڑکی سے برآمد ہوں گے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے علاوہ دیگر علماء نے بھی تمام دریچے ہائے مسجد کے بند کر دینے والے فرمانِ نبویؐ کو اسی چیز کی جانب محمول کیا ہے کہ یہ خلافت و نیابت کی طرف اشارہ ہے۔

حافظ محب الدین الطبریؒ نے اپنی کتاب "ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ" (ص۱۱۲ جلد اول طبع جدید) میں اسی مضمون کو مندرجہ ذیل الفاظ میں درج کیا ہے:۔

فی قولہ علیہ السلام سدوا عنی کل خوخۃ الا خوخۃ ابی بکر دلیل علی حسم اطماع الناس کلھم من الخلافۃ الا ابا بکر وھٰذا القول وحدہٗ لاینھض فی الدلالۃ وانما بانضمام القرائن الحالیۃ الیہ حصلت وذٰلک بارتقائہ المنبر فی حال المرض ومواجھۃ الناس بذٰلک وتعریفھم بحق ابی بکر وبفضلہ بذکر الخلۃ وذٰلک تنبیہ علی انہٗ الخلیفۃ من بعدہ وکان ھٰذا القول کالتوصیۃ لھم بہ لانہٗ قرب الموت ولذٰلک فھمہ الصحابۃ من المقال والحال۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک میں کہ (ابوبکرؓ کے دریچہ کے بغیر مسجد کے سب دریچے بند کر دیئے جائیں) تمام لوگوں کے خلافت کے بارہ میں حرص و طمع کو ختم کر دینے پر واضح دلیل ہے اور پھر یہ قول اکیلا ہی مقصد پر دال نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ قرائن حالیہ موجود ہیں کہ حالتِ مرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر پر خود تشریف لے جا کر لوگوں کو صدیق اکبرؓ کی فضیلت و شرف کا ذکر کرنا اور ان کے احسانات و دوستی کا شمار فرمانا یہ سب امور اس امر پر تنبیہ ہے کہ حضورؐ کے بعد صدیق اکبرؓ ہی خلیفہ ہیں اور قرب وصال کی

وجہ سے یہ فرمودات صحابہ کرام کو بطورِ وصیت فرمائے گئے۔ صحابہ کرامؓ نے قرائن حالی و مقالی سے اس چیز کو سمجھ لیا۔

(۴) چہارم امر جو اس "مقصد خلافت" پر واضح دلالت کرتا ہے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے ایام میں حضورؐ کے ارشاد سے حضورؐ کے مصلیٰ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا امامتِ صلوٰۃ کے لیے تقرر ہے۔ حقانیت خلافتِ صدیقؓ کے لیے یہ قوی شہادت ہے "نیابتِ نبوی" کے اس عملی نمونہ کے بعد مزید کسی تحریری وثیقہ کی حاجت باقی نہیں رہی۔ انہی ایام بیماری میں جو بعض روایات میں ایک تحریر کر دینے کا ذکر پایا جاتا ہے اس "عملی نیابت" کے بعد اس کا ارادہ ملتوی فرما دیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ سے لے کر ہر زمانہ کے علماء نے اس "امامتِ صلوٰۃ" کو "خلافتِ بلافصل" کے لیے دلیل اور گواہ بنایا ہے، چند ایک حوالہ جات قارئین کی تسکینِ قلوب کے لیے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۳۶" میں لکھا ہے کہ:۔

والمقصود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم ابا بکر الصدیق اماماً للصحابۃ کلھم فی الصلوٰۃ التی ھی اکبر ارکان الاسلام العملیۃ قال الشیخ ابو الحسن الاشعریؒ وتقدیمہ لہٗ امر معلوم بالضرورۃ من دین الاسلام قال وتقدیمہ لہٗ دلیل علیٰ انہٗ اعلم الصحابۃ واقرأھم لما ثبت فی الخبر المتفق علیٰ صحتہ بین العلماء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان کانوا فی القرأۃ سواءً فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواءً فاکبرھم سناً فان کانوا فی السن سواءً فاقدمھم اسلاماً۔ قلت ھٰذا من کلام الاشعریؒ مما ینبغی ان یکتب بماء الذھب ثم اجتمعت ھٰذہ الصفات کلھا

فی الصدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ[1]۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کو امامتِ صلوٰۃ کی خاطر مقدم کیا جانا مشہور و مسلّماتِ ضروریہ میں سے ہے اور یہ تقدم اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ صدیق اکبرؓ تمام صحابہؓ سے دین کے مسائل کے زیادہ واقف ہیں اور قرآن مجید کے دوسروں سے زیادہ قاری ہیں، اس لیے کہ حضور صلعم کی حدیث ہے کہ قوم میں سے امام وہ بنایا جائے جو کتاب اللہ کا دوسروں سے زیادہ قاری ہو، اگر قرأت میں برابر ہوں تو امام وہ بنے جو اعلم بالسنۃ یعنی سنتِ نبویؐ کا زیادہ جاننے والا ہو، اگر علم بالسنۃ میں برابر ہوں تو امام وہ بنے جو عمر میں بڑا ہو، اگر عمر میں بھی برابر ہوں تو اسلام لانے میں جو مقدم ہو اس کو امام بنایا جائے۔

پھر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ امام اشعریؒ کا یہ کلام آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ سب عمدہ صفات صدیق اکبرؓ میں جمع فرمادی تھیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "ازالۃ الخفا جزء اول مسلک دوم" میں افضلیتِ صدیقؓ پر بہت سی روایات جمع فرمائی ہیں، چہل و چہارم عدد میں فرماتے ہیں:۔

"کہ چہل و چہارم امر کردن آنحضرت صلعم بامامت درحال مرض ونہی از امامتِ غیر ابی بکر وقطعاً معلوم است کہ امام می باید افضل باشد و آں حدیث مستفیض ست از عائشہؓ و ابن عمرؓ و ابی موسیٰ اشعریؓ و عبداللہ بن زمعہؓ و عمرؓ بن الخطاب و ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ و علیؓ بن ابی طالب و الزبیر ابن العوامؓ وغیرہم"[2]

یعنی مرض الوفات میں امامتِ نماز کے لیے ابوبکرؓ کے حق میں حضور کا ارشاد فرمانا اور غیر ابی بکر کی امامت سے قطعاً روک دینا یہ ایک فیصلہ شدہ اور قطعی امر ہے، امام قوم میں سے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص ۲۳۶ [2] ازالۃ الخفاء فارسی جزء اول ص ۲۹ طبع قدیم

وہی بنایا جاتا ہے جو افضل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں یہ روایت بڑی مشہور و معروف ہے بڑے بڑے اکابر صحابہ (حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت عبداللہؓ بن زمعۃ، حضرت ابوموسیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ) اس روایت کے ناقل ہیں۔

(۳) پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۵ طبع مجتبائی قدیم میں بھی اسی مسئلہ امامت و خلافت کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"ازاں جملہ حدیث استخلاف ابی بکر الصدیق در امامت صلوٰۃ وقت مرض اخیر وابا کردن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتصریح از امامت غیری ایں قصہ متواتر ست و فقہائے صحابہ مثل عمرؓ و علیؓ استدلال کردند بایں استخلاف بر خلیفہ بودن ابی بکرؓ وسائر صحابہ سکوت کردند و تسلیم نمودند پس مسئلہ مجمع علیہ گشت و دلالت ایں قصہ بالیقین ثابت شد۔"

حاصل یہ ہے کہ آخری ایام میں امامتِ صلوٰۃ کے لیے صدیق اکبرؓ کو خلیفہ و امام مقرر فرمانا یہ امر متواتر ہے، بڑے بڑے فقہائے صحابہ (مثلاً حضرت فاروق اعظمؓ و حضرت علی المرتضیٰؓ) نے اسی امامتِ نماز سے ان کی خلافتِ بلافصل کی حقانیت پر استدلال قائم کیا ہے، اور دوسرے صحابہ نے تسلیم و خاموشی اختیار فرمائی تو یہ مسئلہ متفق علیہ اور مجمع علیہ ٹھہرا اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

ان آخری ایام میں حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے موافق کتنی عدد نماز پڑھائی ہیں؟ اس میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض فرماتے ہیں سترہ[۱] عدد نمازیں ہیں اور بعض اہل علم کی تحقیق کے موافق بیس[۲] عدد نمازیں ہیں حافظ ابن کثیرؒ کے الفاظ ذیل ہیں جو "البدایہ" میں اس مسئلہ کے لیے منقول ہیں :-

"وقال الزہری عن ابی بکر ابن ابی برۃ ان ابا بکر صلی بہم سبع عشرۃ صلاۃ وقال غیرہ عشرین صلاۃ فا اللہ اعلم[۱]"

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص۲۳۵

ان معروضات کے آخر میں اب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تحقیق کا ایک اقتباس بطور تائید پیش کیا جاتا ہے، شاہ صاحبؒ موصوف نے بھی ایک تشریح میں واقعہ قرطاس کی وہی توجیہ ذکر کی ہے جو حافظ ابن تیمیہؒ و حافظ ابن کثیرؒ نے بیان فرمائی ہے۔

"برتقدیر اوّل (خلافت ابوبکر الصدیق) آنحضرت صلعم بار دیگر در ہمیں مرض داعیہ بخاطر مبارک آوردہ خود بخود موقوف ساختند نہ آنکہ عمرؓ یا دیگرے ممانعت نماید بلکہ حوالہ بر خدا و اجماع مومنین فرمود و دانست کہ مقدمہ واقع شدنی ست حاجتہ بنوشتن نیست در صحیح مسلم موجود ست کہ آنجناب عائشہؓ در ہمیں مرض فرمود کہ ادعی (ابابکر) اباکِ و اخاکِ اکتب لہما کتاباً فانی اخاف ان یتمنیٰ متمن ۔۔۔ الخ"[1]

(ترجمہ) "پہلی توجیہہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کو جو آپ کے قلب مبارک میں آیا تھا بغیر اس کے کہ حضرت عمرؓ یا کوئی اور اس سے منع کرے آپ نے خود ہی اسے موقوف فرما دیا بلکہ خدا اور اجماع مومنین کے حوالے کر دیا اور جانا کہ یہ بات شدنی ہے ہو کر رہے گی لکھنے کی ضرورت نہیں صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلا دیں انہیں ایک تحریر لکھ دوں مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اور اس کی (خلافت کی) تمنا کرنے لگے ۔۔۔ نہیں نہیں ۔۔۔ اللہ اور مسلمان ابوبکرؓ کے سوا کسی کو نہ مانیں گے۔"

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ واقعہ قرطاس دراصل خلافتِ ابی بکرؓ کا ہی ایک پروگرام تھا جسے حضورؐ نے علم الٰہی پا کر خود ہی موقوف فرما دیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ حضورؐ کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور قوم کا انتخاب بالکل خدا کے تکوینی انتخاب کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کے حق میں تھا۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص۲۶۱ فارسی مطاعن فاروقی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

حضرت مولانا صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی خلیفہ ارشد حضرت شیخ الحدیثؒ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے محبت اور ادب کے احکامات پر جس طرح عمل کر کے دکھلایا اس کی کچھ مثالیں محبوب العارفین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ کی کتاب "حکایاتِ صحابہ" سے مختصراً نقل کی جاتی ہیں، فرماتے ہیں:۔

"محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دل میں بس جانے کے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے، نہ اس کے سامنے ننگ و ناموس کوئی چیز ہے نہ عزت و شرافت کوئی شے (اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ سچی محبت نہیں کہلا سکتی) حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے اور اپنے محبوب کے وسیلہ سے اپنی اور اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت عطا فرمائے تو ہر عبادت میں لذت ہے اور ہر تکلیف میں راحت ہے۔"

(۱) ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع مخفی رکھتا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت نہ پہنچے اخفاء کی تلقین ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس تک پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا علی الاعلان تبلیغ کی جائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اول انکار فرمایا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار پر قبول فرمالیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجد کعبہ میں تشریف

لے گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا، یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اسی دن اسلام لائے اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار و مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں ان کی عام طور سے عظمت و شرافت مسلّم تھی، اس قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک خون میں بھر گیا۔ ناک، کان، سب لہولہان ہو گئے تھے پہچانے نہ جاتے تھے، جوتوں سے لاتوں سے مارا، پاؤں میں روندا ——

—— حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیہوش ہو گئے، بنو تیم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی وہ وہاں سے اٹھا کر لائے کسی کو بھی اس میں تردد نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وحشیانہ حملہ سے زندہ بچ سکیں گے۔ بنو تیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہو گئی تو ہم لوگ ان کے بدلے میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے، عتبہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی کا اظہار کیا تھا، شام تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیہوشی رہی، باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آئی تھی، شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟" لوگوں نے اس پر بہت ملامت کی کہ انہیں کے ساتھ کی بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہتے پر بات کی تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا جذبہ اور آن ہی کی لے، لوگ پاس سے اٹھ کر چلے گئے کہ بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپ کی والدہ اُم خیر سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لیے کسی چیز کا انتظام کر دیں، وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے، حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیا گذری، ان کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے تو خبر نہیں کہ

کیا حال ہے! آپ نے فرمایا کہ اُم جمیلؓ (حضرت عمرؓ کی بہن) کے پاس جا کر دریافت کرو کہ کیا حال ہے! وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بیتابانہ درخواست کو پورا کرنے کے واسطے اُم جمیلؓ کے پاس گئیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال دریافت کیا، وہ بھی عام دستور کے موافق اُس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں، فرمانے لگیں کہ میں کیا جانوں کون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کون ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرے بیٹے کی حالت سنکر رنج ہوا، اگر تو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں۔ اُم خیر نے قبول کر لیا، وہ اُن کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھ کر تحمل نہ کر سکیں، بے تحاشا رونا شروع کر دیا کہ بدکرداروں نے کیا حال کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کیے کی سزا دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حال ہے؟ اُم جمیل نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ سُن رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے خوف نہ کرو، تو اُم جمیل نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح وسالم ہیں، آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ارقمؓ کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ میں اُس وقت کوئی چیز نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت نہ کر لوں۔ ان کی والدہ کو تو بیقراری تھی کہ وہ کچھ کھا لیں، اور انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کر لوں کچھ نہ کھاؤں گا۔ اس لیے ان کی والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جائے، مبادا کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہنچائے، جب رات کا بہت سا حصہ گذر گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں ارقمؓ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں آپ

ان کے لیے ہدایت کی دعا بھی فرما دیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل دُعا فرمائی اِس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی، وہ بھی اُسی وقت مسلمان ہو گئیں [1]

ف: عیش و عشرت، نشاط و فرحت کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں۔ محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

(۲) حدیبیہ کی مشہور لڑائی ذوالقعدہ سنہ ۶ ھ میں ہوئی، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے، کفارِ مکہ نے ان کو عمرہ سے روکا اور لڑائی پر تیار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کفار کی جانب سے آئے (جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے تھے) حضرت عروہ نے آپ سے عرض کیا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سُنا ہو گا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو، اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب آ گئے تو یاد رکھو میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا، یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑتے پر سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاس کھڑے تھے یہ جملہ سُنکر غصہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا کہ "تو اپنے معبود لات کی (امصص بظر اللات [2]) پیشاب گاہ کو چاٹ کیا ہم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟" عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

[1] تاریخ خمیس [2] یہ گالی نہیں، جو مخالف کے ماں باپ کی طرف راجع ہو، یہ اپنے ممنون کے خلاف ایک جوابی کاروائی تھی اور وہ بھی علی الفور۔ ظاہر ہے کہ آپ پیغمبر نہ تھے بات کہہ دی مشرکین بتوں کو ہمہ تن پوجتے تھے، اور یہ اسی طرف اشارہ تھا۔

سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ پھر حضور (اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہؓ کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی، عُروہ کے بھتیجے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سر پر خود اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے، اُنھوں نے تلوار کا قبضہ عُروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو، عُروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مغیرہ، عُروہ نے کہا او غدّار! تیری غدّاری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں۔ (حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی، اس کی طرف یہ اشارہ تھا)

غرض وہ طویل گفتگو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے رہے اور نظریں بچا بچا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی کرتے رہے۔ چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور اُن کے آداب بھی دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے، جو بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، اُن کے وضوء کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں زمین پر نہیں گرنے دیتے، اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر ہاتھ کو ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے، اُن کے سامنے بولتے ہیں

تو بہت نیچی آواز سے، اُن کے سامنے زور سے نہیں بولتے، اُن کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے، اگر اُن کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرکاً اٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں۔ غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔

اسی دوران میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سرداران مکہ کے پاس بھیجا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکہ میں بہت عزت تھی، اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ نہ تھا، اس لیے اُن کو تجویز فرمایا گیا وہ تشریف لے گئے تو بعض صحابہ کو رشک ہوا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔ ادھر دیکھیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا کہ جہاں دل چاہے چلو پھرو تم کو کوئی نہیں روک سکتا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیام پہنچاتے رہے، جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو تم تو طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دے دیا کہ یہ مجھ سے کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں۔ قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا، ادھر مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے اخیر دم تک (موت تک) لڑنے پر بیعت لی، جب کفار کو اس کی خبر پہنچی، تو گھبرا گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ دیا۔ اور آپ واپس حضورؐ کے پاس حاضر ہو گئے

(ف) اس قصہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد، حضرت مغیرہ کا مارنا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عام برتاؤ جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طواف سے انکار، ان میں سے ہر ایک واقعہ ایسا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے انتہا عشق و محبت کی خبر دیتا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا سفرِ آخرت

از حافظ عبید الرحمٰن ملک

باسمہ تعالیٰ

ابھی مسلمانانِ اسلام محسنِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر سوگوار تھے کہ اس انجمن کا ایک اور چراغ بھی گُل ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت قلیل عرصہ بعد از وصال نبوی اس دُنیا میں رہ کر مالکِ حقیقی کو جا ملے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ پوشی کے بعد حضرت ابوبکرؓ لاغر اور کمزور ہوتے گئے۔ اس کی ایک وجہ تو اُمت کے بھٹکنے کا ڈر تھا کیونکہ حضورؐ کے وصال کے بعد ہزاروں فتنوں نے سر اُٹھایا ہوا تھا اور ان کے کچلنے کے لیے حضرت صدیق اکبرؓ ہر وقت چوکس رہتے تھے۔ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اسلام کے صاف اور ستھرے چہرے پر کسی قسم کا داغ لگ جائے، یہ فکر حضرت صدیقؓ کو ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ دراصل حضرت ابوبکرؓ کی موت کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہی ہوا، یہ صدمہ آپ کو ایسا ہوا تھا کہ آپ برابر ہر روز زار و نحیف ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ سفرِ آخرت اختیار کیا۔ حضور اکرمؐ کی وفات پر جبکہ تمام اُمت پر غم کے بادل چھا گئے تھے، انہوں نے لوگوں کو پیغام تسکین دیا لیکن خود ان کی بے قراری ختم نہ ہوئی۔

آپ کی بیماری کی نسبت کئی روائتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی شخص نے آپ کی خدمت میں کچھ پکا ہوا گوشت بھیجا تھا، آپ نے حارث بن کلا کو بھی کھانے میں شریک کیا، اس زہر کا اثر ایک سال کے بعد ظاہر ہوا اور دونوں صاحب ایک برس کے بعد ایک ہی روز فوت ہوئے۔ اور دوسری روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح منقول ہے کہ، جمادی الآخر پیر کے روز آپ نے غسل کیا، اس روز چونکہ سردی تھی آپ کو

بخار ہوگیا، پندرہ روز آپ نماز کے لیے بھی نہ نکل سکے۔ آخر سہ شنبہ کی رات ۲۲ جمادی الآخر کو بعمر تریسٹھ ۶۳ سال انتقال فرمایا۔

آپ بخار کی حالت میں مسجدِ نبوی میں آتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے۔ جب ان کی طبیعت کچھ زیادہ علیل ہوگئی اور جسم میں توانائی بالکل کم ہوگئی تو حضرت عمرؓ بن خطاب سے نماز پڑھانے کو کہا، اس کے بعد حالت زیادہ کمزور ہوتی گئی، اور صحابہؓ نے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو کسی طبیب کو بلایا جائے، آپ نے فرمایا کہ طبیب دیکھ چکا ہے، انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا کہتا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی: اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ، ترجمہ: "میں جو ارادہ کرلیتا ہوں کر ڈالتا ہوں"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اب اپنی صحت کی امید نہیں رہی تھی اور یقین ہو گیا تھا کہ وقتِ آخر آپہنچا ہے تو اس وقت آپ کو خلافت کا خیال آیا، اس لیے چیدہ چیدہ صحابہ کو بلایا اور حضرت عمرؓ کی جانشینی کے متعلق ان کی آراء دریافت کیں، ایک صحابی نے عرض کی کہ حضرت عمرؓ بہت سخت واقع ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ بعد میں نرم ہوجائیں گے۔ حضرت طلحہؓ تشریف لائے تو آپ نے اپنی رائے سے انہیں آگاہ کیا، حضرت طلحہؓ نے کہا کہ آپ کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کا ہم سے کیا سلوک تھا، جب وہ خلیفہ ہوں گے تو نامعلوم کیا کریں؟ آپ بارگاہِ رب العزت میں جارہے ہیں، غور کر لیجئے اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ "خداوند کریم سے یہ کہوں گا کہ میں نے تیری مخلوق پر تیری مخلوق کے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے"۔ آپ کو ہر وقت اس بات کی فکر لگی رہتی تھی کہ کہیں بعد میں اُمت فتنہ فساد میں نہ پڑ جائے اور میں خدا کے حضور میں جواب دہ ہوں۔ بیماری کے دوران جب غشی طاری ہوجاتی تو ہوش آنے پر پوچھتے تھے کہ فلاں بات کیسی تھی اور فلاں کام ہوچکا ہے اور کیسے ہُوا ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق جب رائے پختہ ہوگئی تو ایک روز حضرت ابوبکرؓ بالاخانے پر تشریف لے گئے، شدتِ ضعف کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی، ان کی بی بی حضرت اسماء بنت عمیسؓ دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں، نیچے آدمی جمع تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مخاطب کر کے

کہا: "آیا تم اُس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں، اُس کو خوب سمجھ لو اور میں بہ قسم کہتا ہوں کہ میں نے غور وفکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا، میں عمرؓ بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں، تم میرا کہا سُنو اور مانو" سب نے کہا "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔ ہم نے سُنا اور مانا" اس کے بعد نیچے اُتر آئے اور حضرت عثمانؓ کو طلب کر کے کہا کہ عہد نامہ لکھو، چنانچہ حسب ذیل عہد نامہ لکھا گیا۔

——— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ عہد نامہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جبکہ وہ دُنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالمِ آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت میں ہے جہاں کافر مومن، بدعقیدہ عقیدتمند اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے عمرؓ بن الخطاب کو اپنا ولیعہد مقرر کیا ہے لہٰذا ان کا حکم سُنو اور مانو، خوب سمجھ لو کہ اس بارہ میں خدا، اس کے رسولؐ، اس کے دین، خود اپنی اور تمہاری خیرخواہی کا حق ادا کرنے کی میں نے پوری کوشش کی ہے۔ اگر وہ عدل کریں گے تو ان کی نسبت میرا یہی خیال اور علم ہے، اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا، نیت میری بخیر ہے، غیب کا علم نہیں، جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے؛ اور تم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ———"۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کو بُلا کر اُن کو نصیحتیں کیں اور فرمایا: "اے عمرؓ میں نے تم کو اُمت کی باگ ڈور دے دی ہے، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا، اس خدا تعالےٰ کے ہم پر بعض حقوق ہیں، جو دن کے ہیں اُن کو رات کو وہ قبول نہیں کرے گا اور رات والوں کو دن کو قبول نہیں کرے گا، وہ نوافل کو قبول نہیں کرتا جبکہ فرض ادا نہ کیے گئے ہوں، اگر کسی کے اعمال اچھے ہوں گے تو وہ فلاح پائے گا اور اگر بدیوں کا وزن بڑھ گیا تو مصیبت میں مُبتلا ہو جائے گا، اے عمرؓ! فلاح ونجات قرآن مجید پر عمل کرنے سے مل سکتی ہے، تم نے دیکھا نہیں کہ قرآن مجید میں جہاں لوگوں کے بدل جانے پر ان کی غلطیوں پر ان پر عذاب نازل ہوا وہاں اچھے کاموں کے کرنے پر انہیں اس دنیا

میں بھی چین ملا اور آخرت کے دن جنت کی خوشخبری سنائی گئی جو قائم و دائم رہنے والا جہاں ہے، برائیوں سے بچنے کے لیے خدا سے مغفرت مانگا کرنا اور اچھے کاموں کے لیے دعا کیا کرنا، اگر تم میری ان نصیحتوں پر عمل کرو گے تو مجھے اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے"

یہ سب کچھ ۲۲ جمادی الثانی پیر کے دن ہوا، اسی حالت میں مثنیٰ بن حارثہؓ عراق سے مدینہ کو آئے اور آپ کو تمام حالاتِ جنگ سنائے، اس وقت آپؓ کی زندگی کے صرف چند گھنٹے باقی تھے، آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ مثنیٰ بن حارثہؓ کے ساتھ فوج ضرور اور جلد روانہ کرنا، کہ مصیبت کی وجہ سے تم کو دین کی خدمت اور حکمِ ربانی کی تعمیل سے نہ رکنا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہو سکتی ہے، تم نے دیکھا کہ اس روز میں نے کیا کیا تھا، قسم ہے رب کی! اگر میں اس روز حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اٹھتی، اگر خدا تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالدؓ کے لشکر کو عراق بھیجدینا اس لیے کہ وہ کار آموزدہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہے"

اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی "اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے، اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد نہ ہو میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے، میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے، بہترین اور قوی شخص کو ولیعہد مقرر کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہشمند ہے، میرے لیے تیرا جو حکم آنا تھا آچکا، اب میں ان کو تیرے سپرد کرتا ہوں وہ تیرے بندے ہیں اور ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے، اے اللہ ان کے حاکموں کو صلاحیت دے اور ولیعہد کو خلفائے راشدین کے زمرہ سے کر اور اس کی رعیت کو صلاحیت بخش"

وفات سے قبل بیت المال سے جو وظیفہ حاصل کیا تھا حکم دیا کہ فلاں زمین فروخت کر کے بیت المال کا روپیہ واپس کر دیا جائے آپ کے پاس جو کچھ خلافت کے وقت ملا تھا جن میں ایک اونٹنی، ایک حبشی غلام اور چادر تھی، وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے

کے پاس پہنچانے کو فرمایا۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ پر نزع کی بیہوشی کا وقت آنے لگا تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو بلاکر فرمایا کہ تم میری بیٹی ہو میں ہر حال میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں تمہاری خوشحالی سے مجھے راحت ہے اور غربت سے رنج، وہ درخت کھجور کا جو میں نے تمہیں دیا تھا جس سے پانچ دس کھجوریں اترا کرتی ہیں، اس سے اب تک جو کچھ تم نے نفع اٹھایا تھا وہ تمہارا تھا، لیکن میرے بعد یہ مشترکہ ہو جائے گا، تو بہنوں بھائیوں کو محروم نہ کرنا حضرت عائشہؓ نے کہا کہ بھلا ایسا ہو سکتا ہے، لیکن میری بہن تو صرف ایک ہی ہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں ایک ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں بھی ہے۔

عبداللہ بن احمد نے "زوائد الزہد" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ میری دو مستعمل چادریں دھو کر انہیں میں مجھے کفنا دینا، مانا کہ میں تمہارا باپ ہوں، اگر عمدہ کپڑوں میں کفنایا گیا تو کچھ بڑھ نہ جاؤں گا اور برے کپڑوں میں کفنایا گیا تو گھٹ نہ جاؤں گا، آپ نے یہ بھی وصیت کی کہ مجھے اسماء بنت عمیس (آپ کی زوجہ محترمہ) غسل دیں اور عبدالرحمٰنؓ (آپ کے بیٹے) مجھ پر پانی ڈالیں، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر دفن کر دینا۔

عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں تھا حضرت عائشہؓ نے حسرت سے شعر پڑھا جس کے معنی یہ ہیں ؎

نورانی صورت جس کے چہرہ کی تازگی سے بادل سیراب ہوتے تھے۔
یتیموں کی شفیق اور بیواؤں کی پناہ تھے۔

آپ نے آنکھیں کھول دیں اور کہا "یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، ابوبکرؓ اس کا مستحق نہیں،،

آپ کا آخری کلام یہ تھا: "اے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحوں سے ملا،،

۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گذرنے پر مغرب اور عشاء کے درمیان وفات پائی، آپ کی وفات کی خبر آنِ واحد میں تمام مدینہ میں پھیل گئی اور کہرام مچ گیا، وصالِ نبوی کے دن کا نقشہ دوبارہ لوگوں کے سامنے آگیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی وفات کی خبر سنی تو رو پڑے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ آج خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت صدیقؓ کے فضائل پر ایک بلیغ خطبہ دیا۔ اس کے بعد نماز جنازہ کی امامت حضرت عمرؓ نے کی اور اسی شب کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح دفن کیے گئے کہ ان کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے برابر رہا۔ آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، ایام خلافت ۲ برس ۳ مہینے ۱۱ دن خلافتِ راشدہ کی اساس تھے

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نمبر

۱۹۶۲ء

○

هفت روزه "دعوت" لاهور

○

تھے صحابہؓ پاک سارے سرورِ دیں کے مرید　　پر عمر فاروقؓ تھے بیشک مرادِ مصطفےٰ
جو کوئی کرتا ہے ان کی شان میں گستاخیاں　　ناراض ہونگے ان پہ حتماً شافعِ روزِ جزا

○

سیرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

از حضرت مولانا قاری محمد عبد العزیز صاحب شوقی صدر مدرس دار العلوم اسلامیہ، لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یوں تو دنیا میں مناقب و مفاخر اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے ایک سے ایک اعلیٰ شخصیتیں ہو گزری ہیں لیکن تمام کائنات میں افضل البشر بعد الانبیاء، خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد جو خصوصیات اور فضائل امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حاصل ہیں وہ کسی اور بڑی سے بڑی ہستی کو بھی نصیب نہیں ہوئے۔ آپ کا صحیفۂ سیرت گوناگوں مکارم و محاسن سے بھرپور ہے۔ یہ حقیقت ہے، آپ کی مقدس زندگی کے جس پہلو کو بھی دیکھا جائے وہ اس قدر روشن اور پراز کمالات نظر آتا ہے کہ اس کی کسی قدر توصیف و تعریف کے لئے بھی زبان قلم کو یارائے بیان و اظہار نہیں۔

فرمانروائے ایران کا عجیب خواب

اس موجودہ شاہ ایران کے والد جب سریر آرائے سلطنت تھے اس وقت مملکتِ ایران کے تمام علماء مجتہدین ایک وفد کی شکل میں حاضرِ دربار ہوئے اور متفقہ طور پر یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے ملک کے تعلیمی نصاب سے متعلق تاریخ اسلام میں سے (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے حالات اور ان کا دورِ خلافت خارج کر دیا جائے۔ اس مطالبہ کے جواب میں فرمانروائے موصوف نے کہا کہ:

"اگر تاریخ اسلام میں سے عمرؓ اور دورِ خلافتِ عمرؓ کو خارج کر دیا جائے تو پھر تاریخ میں باقی ہی کیا رہ جاتا ہے جسے اسلام کی عظمت و سربلندی کے لئے پیش کیا جائے گا۔"

بادشاہ موصوف کا یہ قول ایک ایسی حقیقت کا منصفانہ اعتراف ہے جس سے کوئی دانشمند مشکل ہی انکار کر سکے گا۔

آج کی مختصر صحبت میں اسی جلیل القدر شخصیت کی مبارک زندگی کے چند گوشے پیش کروں گا۔ جس نے نہ صرف یہ کہ انسانی قلوب کو مسخر کیا، پانی کی موجوں اور ہوا کی لہروں پر بھی حکومت کی جو ایک ہی وقت میں اسلام کی مکمل تاریخ بھی تھی اور تاریخ ساز بھی۔ جس نے اسلامی تہذیب و تمدن سے پوری دنیا کو روشناس کرایا۔ جس کی اخلاقی قوت نے ہزاروں سرکشوں کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ جس کی سیاسی و مادی ترقیات وفتوحات کی تیز روی نے دنیا کو وقفِ حیرت کر دیا تھا۔ آئیے اسی مقدس ہستی کا کچھ ذکرِ خیر ہم بھی کر لیں۔

فاروق اعظمؓ اسلام سے پہلے

اسلام سے پہلے آپ کئی مخصوص اوصاف کے حامل تھے۔ مثلاً :-

① آپ نساب یعنی علم الانساب کے ماہر تھے۔ آپ کے والد خطاب نساب کی حیثیت سے ملک گیر شہرت رکھتے تھے۔ یہ ورثہ آپ کو اپنے والد ہی سے ملا تھا۔ جب آپ کسی کا نسب بیان کرتے تو اپنے والد کا حوالہ ضرور دیتے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مردم شناسی میں کمال حاصل تھا۔ جو شخص جس کام کا اہل ہوتا تھا اس سے وہی کام لینے کا آپ خاص ملکہ رکھتے تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں یہ وصف بھی بدرجۂ اتم موجود تھا کہ آپ علم الانساب میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے جو شخص شعوب و قبائل پر پوری نظر رکھتا ہو، ان کے افراد کے نسبی حالات سے گہری واقفیت رکھتا ہو ان کی اخلاقی حالت سے بھی کافی حد تک باخبر ہو گا۔

② سفارت، یہ عہدہ ملکی اعزاز کے طور پر آپ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا اور اسلام لانے سے قبل قریش کے سفیر آپ ہی تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت مشہور تھی کہ آپ کسی اہم سے اہم معاملہ میں جب بھی سفیر بن کر گئے ہیں کبھی ناکام واپس نہیں آئے۔

اور اگر اس بات پر بھی غور کر لیا جائے کہ صحیح معنوں میں سفیر بننے کے لئے کن کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے تو یہ لازماً ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمانہ قبل از اسلام میں بھی نہایت اونچی اور جامع صفات کے مالک تھے۔

(۳) خطابت ایک مستقل علمی وصف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میں بھی درجۂ کمال حاصل تھا۔ کتب سیر و تاریخ میں آپ کے خطبات کا ایک معقول ذخیرہ موجود ہے۔ جس کو پڑھ کر آپ کے جوش بیان اور کلام، جامعیت اور فصاحت و بلاغت کی وسعت و تعمق کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

(۴) علاوہ ازیں آپ مشہور شہسوار اور پہلوان بھی تھے۔ گویا جسمانی توانائی میں بھی آپ کی شہرت تھی۔ بازار عکاظ میں بارہا آپ کے مقابلے ہوئے اور ہمیشہ کامیاب رہے۔

فاروق اعظمؓ کے اوصاف اسلام لانے کے بعد

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے صحیفۂ اخلاق میں خلوص، زہد، تقویٰ، حق پرستی، راست گوئی، درست روی، تواضع، سادگی، حفظ لسان، انقطاع الی اللہ، رحم دلی اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے روشن اور سراپا فضیلت عنوانات کا گرانقدر اضافہ ہوا۔

آپ کی سعادت کا پہلا باب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خوش بختی کا پہلا باب اس وقت شروع ہوتا ہے جب سرورِ کونین اللہ کی بارگاہ میں دستِ بدعا ہوتے ہیں کہ :-

"یا اللہ! اسلام کو کسی ایک عمرؓ سے عزت عطا فرما!! عمر بن خطاب سے یا عمرو بن ہشام سے"

حضرت فاروق اعظمؓ کی یہ سب سے اوّل اور سب سے بڑی خوش نصیبی تھی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے اسلام کی عزت کے لئے اللہ تعالیٰ نے عمرؓ بن خطاب کو چن لیا۔ یہ حق تعالیٰ کا آپ پر خاص کرم تھا جو اس تخصیص و انتخاب کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اس واقعہ کی روشنی میں اگر آپ کو "عزت الاسلام" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اسلامِ عمرؓ کا واقعہ اہم ترین واقعہ تھا

بلاشبہ آپ کا اسلام قبول کر لینا ایک بہت ہی اہم واقعہ تھا۔ وہ منظر کس قدر قابل دید

ہو گا جب حضرت عمرؓ دارِ ارقم میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوئے ہیں اور آپؐ آگے بڑھ کر دامن تھام کر رسالت کی پر رعب آواز میں فرماتے ہیں :۔

"عمرؓ! کیسے آئے ہو ؟ کیا ارادہ ہے"؟

اور حضرت عمرؓ سراپا انکسار بن کر عرض کرتے ہیں :۔

"حضور! اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں"

ہمہ گیر مسرت

یہ سن کر مسلمانوں کو کس قدر خوشی ہوئی ہو گی ؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مسلمان اس زور کا نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں کہ صرف دارِ ارقم ہی نہیں بلکہ آس پاس کا سارا علاقہ گونج اٹھتا ہے۔ کفار کو جب اس واقعہ کی خبر ملتی ہے تو شور برپا ہو جاتا ہے اور برملا کہا جاتا ہے کہ آج مسلمانوں نے ہم سے بدلہ لے لیا ہے۔ اس واقعہ پر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مسرور ہیں کہ اللہ نے دعا قبول فرمائی۔ حضرت عمرؓ اس لئے مطمئن ہیں کہ غلط ٹھکانے سے نکل کر صحیح مقام پر آگیا ہوں اور ۳۹ مسلمان بھی اس لئے خوش ہیں کہ اب ۳۹، ۳۹ نہ رہے بلکہ آج اسلام عمرؓ کی بدولت ۴۰ کا عدد پورا ہو گیا، دوسرے اس لئے بھی کہ اب اسلام بے سہارا نہیں رہا۔ اب تک مسلمان چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرتے ہی فرمایا کہ اب نماز کعبۃ اللہ میں ہو گی اور علی الاعلان ہو گی۔ یہ تھی اسلام کی پہلی عزت و عظمت جس کا ظہور حضرت عمرؓ کی بدولت ہوا، آپ کا وجود قدسی اسلام کا پہلا چلّہ تھا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے کمالات —— ایک عظیم حقیقت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمالات کی وسعت دیکھ کر گو بڑی حیرانی ہوتی ہے لیکن جب ہم ان امور پر غور کرتے ہیں تو یہ عظیم حیرت ایک عظیم حقیقت بن جاتی ہے۔ غور اس پر کیجئے کہ اللہ کا محبوب ایک عمر کو اپنے اللہ سے مانگتا ہے اور اللہ کی طرف سے آپ کو عمر بن خطاب دئے جاتے ہیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کو عطیۂ الٰہی نہیں سمجھا ہو گا ؟ اور کیا عطیۂ الٰہی

کی قدر کرنے والا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر بھی کوئی اور ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر یقین کیجئے کہ رسولِ اکرم صلعم نے فیضانِ رسالت کو حضرت عمرؓ کی طرف منتقل کرنے میں ذرہ بھر کمی نہیں کی اور پھر انتخابِ الٰہی کے پیشِ نظر آپ میں جو مخصوص صلاحیتیں تھیں ان کی بنا پر آپ کے ظرف نے بھی فیضانِ رسالت کو سمیٹنے میں رتی بھر کوتاہی نہیں کی۔ اور جب دینے والے کا کمالِ عطا اور لینے والے کا کمالِ اخذ و قبول آپس میں مل جائے تو اعلیٰ سے اعلیٰ جو نتائج بھی ظاہر ہوں وہ واقعی عقلِ انسانی کے لئے حیران کن ہی ہوں گے۔

آغوشِ رسالت میں پہنچ کر عمرؓ کیا سے کیا بن گئے!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس تربیت گاہ سے کوئی سیفٌ من سیوف اللہ بن کر نکلا اور کوئی وہاں سے نکل کر امین ھٰذہ الامۃ کہلایا، کسی کو مسیح الامۃ کا خطاب حاصل ہوا (وغیر ذٰلک) اسی تربیت گاہ رسالت سے عمرؓ بھی سند پا کر نکلے۔ مگر اب وہ عمر پہلے عمر نہیں تھے۔ وہی عمرؓ جو پہلے صرف عمر بن الخطاب تھے اب انہیں کو فاروق کا خطاب زبان رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) سے حاصل ہوا۔ اس لئے کہ آپ کی وجہ سے حق و باطل میں کھلا فرق واضح ہو گیا تھا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد

یہ عمرؓ وہی عطیۂ الٰہی عمر ہیں جن پر رسول پاک صلعم کو اس قدر اعتماد ہے کہ:-

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنا دوسرا وزیر حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو قرار دیا۔

(۲) حضرت عمر کے کامل اتباع اور مجسم اخلاص ہونے کی بنا پر حضورؐ نے یہاں تک فرما دیا کہ:-

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ نبی ہوتے" گو یہ تمام اُمت کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ خاتم النبیین ہیں لاریب فیہ لیکن لو کان بعدی نبیًا لکان عمرؓ کے الفاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خصوصیت اور خاص رفعت و عظمت فاروقِ اعظمؓ کی بیان فرمائی ہے اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

(۴) فتح مکہ کے موقع پر جب بیعت کرنے والے مردوں اور عورتوں کا ہجوم تھا تو مورخین لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کام کو مختصر فرمانے کی غرض سے مردوں کی بیعت اپنے ذمہ لی اور حضرت فاروق اعظمؓ کو عورتوں میں بھیجا کہ وہ جا کر حضورؐ کے لئے عورتوں سے بیعت لیں۔ بنگاہِ غور دیکھئے تو اس واقعہ میں تقسیم عمل کی صورت معکوس ہونا چاہیئے تھی کہ حسبِ ضرورت حضرت عمرؓ مردوں میں نیابت بیعت کے فرائض انجام دیتے اور حضور صلعم مستورات سے بیعت لیتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ صورت واقعہ وہی ہے جو عرض کی گئی ہے۔ اس واقعہ سے گو ضمنی طور پر تمدن کا مشہور مسئلہ تقسیم عمل بھی ثابت ہو جاتا ہے مگر ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ پر کتنا اعتماد رکھتے تھے اور آپ کی بے نفسی اور خلوص پر کس قدر مطمئن تھے کہ اول تو بیعت جیسے اہم معاملہ میں آپ کو نیابت کا شرف رسول پاک صلعم کے حضور اور موجودگی میں حاصل ہوا (اور میں اپنے علم و بصیرت کی روشنی میں اس کو حضرت فاروق اعظمؓ کی ارفع ترین خصوصیت سمجھتا ہوں) پھر آپ کو نائب بیعت بنا کر عورتوں سے بیعت لینے کا کام تفویض کیا گیا۔

اللہ اکبر! کتنی بڑی خدمت ہے، کتنا بڑا اعزاز ہے، کیسا عظیم اعتماد ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ کے رسول صلعم نے فاروقِ اعظمؓ کے باطن میں جھانک کر دیکھ لیا تھا۔

صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا فاروق رضی اللہ عنہ

بات یہ ہے کہ جب صبغۃ اللہ میں رنگنے والا اللہ کا رسول تھا اور جس کو رنگا جا رہا تھا وہ تھا فاروقؓ جیسا صلاحیتوں والا اللہ کا منتخب کیا ہوا انسان! تو پھر کمی کیوں رہتی اور پختگی کیوں نہ آتی اور اگر کمی رہ جاتی یا رنگ پائیدار نہ ہوتا تو پھر سوچ لیجئے کہ بات رسولِ پاک کی ذات ہی تک نہیں رہتی بلکہ خدا کی ذات تک بھی جا پہنچتی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جامعیت

یہی وجہ ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ رسالت نے آپ کو جامع الاوصاف بنا دیا تھا، اگر آپ ایک طرف ورع و تقوٰی، زہد و قناعت فقر و مسکنت تعلق مع اللہ اور حُبِّ رسول صلعم میں

مقامِ رفیع رکھتے تھے تو دوسری طرف جہانبانی و جہاں آرائی، فرمانروائی و سلطنت پناہی اور سیاست و انتظام میں بھی بے مثال و بے نظیر تھے، چنانچہ آپ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل تھا، جہاں داری و مملکت آفرینی، تسخیرِ ممالک و کشورکشائی اور حالتِ جنگ و امن کے جو اصول آپ نے وضع فرمائے وہ آج تک متمدن اقوام کے لیے دلیلِ راہ ہیں۔

خصائص اولیات

دینی امور میں اذان بڑی اہمیت رکھتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ اذان کا سلسلہ آپ کی رائے سے قائم ہوا، اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے آپ نے زمین خدا کی راہ میں وقف کی۔ باقاعدہ بیت المال آپ نے قائم کیا، عدالتوں اور قاضیوں (ججوں) کا مکمل نظام بھی آپ ہی کا رہینِ احسان ہے، تاریخ و سن، فوجی دفتر، دفترِ مال کا قیام و انتظام بھی آپ ہی کی یادگار ہے۔ اماموں، مؤذنوں، معلموں اور مجاہدوں کی باقاعدہ تنخواہیں آپ نے جاری کیں۔ اراضی کی پیمائش، مردم شماری، ممالکِ مقبوضہ کی صوبوں میں تقسیم، مجرموں کے لیے جیلخانے، جرائم میں دُرّہ استعمال، محکمہ پولیس کا قیام، ضروری مقامات پر چھاؤنیوں کا انتظام، جاسوسی و پرچہ نویسی کا مکمل نظام، یہ تمام معاملات آپ ہی کے زمانے میں مکمل صورت میں جاری و ساری ہوئے۔

سب سے پہلے آپ ہی نے یہ قانون جاری کیا کہ اہلِ عرب میں سے کوئی غلام نہیں ہوسکتا اصولِ قیاس بھی آپ ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں مساجد میں مواعظ کا سلسلہ بھی آپ ہی نے جاری کیا، اس سلسلے میں حضرت تمیم داریؓ کا سب سے پہلے بطور واعظ تقرر عمل میں آیا۔ کہاں تک ذکر کیا جائے، بہت سے ایسے اہم امور ہیں جن کی ایجاد و ترویج کا، تہذیب و ترتیب کا سہرا حضرت عمرؓ ہی کے سر ہے! اور یہ کارنامہ تو آپ کا بہت ہی عظیم کارنامہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بار بار اصرار کر کے قرآنِ پاک کو ترتیبِ تلاوت پر مرتب کرایا اور شریکِ غالب کے طور پر اس عظیم خدمت میں برابر کے معاون رہے۔

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباعِ سنت

آپ کے اخلاق میں حُبِّ رسول (صلعم) کو اہم بنیادی مرتبہ حاصل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ اس محبت کے نشے سے آپ سرشار ہی نہیں تھے مدہوشی کی حد تک پہنچ گئے تھے، اس نشے کی شدت نے آپ کو اتباعِ نبوی کی مکمل تصویر بنا دیا تھا۔ آپ کی کوشش ہر وقت اس میں صرف ہوتی تھی کہ کوئی سانس، کوئی حرکت و سکون، کوئی انداز، کوئی قدم محبوب (صلعم) کی سُنت کے خلاف نہ ہو جائے، اس ہمہ جہتی و ہمہ وقتی کوشش نے آپ کو ورع و تقویٰ، زہد و پرہیزگاری، فقر و درویشی اور اخلاص و تعلق مع اللہ جیسے مقدس اوصاف میں کامل ترین بنا دیا تھا۔

تاریخی شواہد

تاریخ کی ان مستند روایات اور دیکھنے والوں کے عینی مشاہدات کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔

(۱) حضرت فاروق اعظمؓ خطبے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو عینی شاہد کہتا ہے کہ آپ کے تہبند میں ۱۲ پیوند میں نے گنے ہیں۔

(۲) قیصرِ روم کا سفیر مدینے پہنچکر قصرِ شاہی کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے، قصرِ خلافت کے شاہانہ جلال و شوکت کو اس کی نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں مگر ناکام رہتی ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نہ کوئی بادشاہ ہے نہ بادشاہ کا محل۔ ہاں مسلمانوں کا امیر ضرور ہے مگر وہ جنگل میں اونٹوں کی نگہبانی کرتا ہوا ملے گا۔

(۳) وہ عمرؓ جن کے نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔ ان کو اس حالت میں بارہا دیکھا گیا ہے کہ جنگل میں کسی درخت کے نیچے مٹی پر پڑے سو رہے ہیں اور گرمی کی شدت سے پسینہ بہہ رہا ہے۔

قیصرِ روم کے نمائندے نے آپ کو اِس حالت میں دیکھ کر کیا خوب کہا تھا۔

"ہمارے بادشاہ ظلم کرتے ہیں ان کا سکون چھین لیا گیا ہے وہ کسی لمحہ آرام سے نہیں سو سکتے، لیکن اے عمرؓ! آپ نے انصاف کیا، سکون آپ کا حق ہے، آپ جہاں چاہیں جس طرح چاہیں آرام سے سو سکتے ہیں۔"

(۴) مستند تواریخ اس خبر کی بھی ذمہ دار ہیں کہ آپ کے پاس پہننے کے لیے پیوندوں سے بھرا ہوا ایک ہی جوڑا تھا۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ بہت دیر کے بعد گھر سے نکلے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پہنے ہوئے کپڑے میلے ہو گئے تھے ان کو دھو کر ڈالا جب وہ سوکھ گئے تو ان کو پہن کر باہر نکلے،

دوسرا جوڑا نہیں تھا اس لیے یہ زحمت برداشت کرنا پڑی۔

⑤ لباس سے گزر کر کھانے پینے میں بھی یہی زہد و قناعت کا رنگ انتہاء کو پہنچا ہوا تھا، یوں تو اِسلام قبول فرماتے ہی آپ نے تنعمات و تلذذات کو ترک کر دیا تھا، صرف سادہ اور ضروری غذا رہ گئی تھی لیکن زمانۂ خلافت میں جب ملک کے ایک علاقہ میں قحط پڑا ہے تو گوشت اور گھی جیسی ضروری اشیاء کو بھی ترک کر دیا اور بالکل روکھی سوکھی غذا ہو گئی حتّٰی کہ کوئی معمولی کھاتا پیتا آدمی بھی آپ کی غذا میں ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔

آپؓ کی سخت مزاجی

آپ طبعی طور پر مزاج میں کچھ شدت نہیں کافی شدت رکھتے تھے۔ یہ طبعی شدت ہی کی انتہا تھی کہ علی الاعلان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے چلے تھے، یہ اور بات ہے کہ شکار کرنے والا خود شکار ہو گیا۔

یا جان لینے آیا تھا قاتل حضورؐ میں   یا اپنی جان دینا بھی منظور ہو گیا

مگر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ شدت اعتدال بلکہ راہِ راست پر آگئی تھی ضمناً ایک بات عرض کرتا چلوں:۔

اَشِدَّاءُ کی مستند تفسیر

قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے دادا سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اشداء علی الکفار سے مراد حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔

ہاں تو اسلام سے پہلے آپ کی وہ شدت جس سے ہر ایک دُکھ پاتا یا متاثر ہوتا تھا اب اس کی تخصیص مشرکین و کفار تک رہ گئی، اور کفار بھی وہ جو متحارب ہوں ورنہ ذمیوں پر (جو کفار ہی کی ایک قسم ہے) آپ اس قدر مہربان تھے کہ زندگی بھر اُن کی حمایت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے لیے سرگرم رہے، اپنے زمانۂ خلافت میں تاکیدی فرامین و احکام کے ذریعے برابر کوشاں رہے، یہاں زندگی کے آخری لمحات میں عین وفات کے قریب بھی آپ نے ذمیوں کی جانی و مالی حفاظت و نگرانی

کی سخت تاکید کی۔

اشدیت کی حدود

کلام الٰہی سے جو آپ کی اشدیت مفہوم ہوتی ہے اس کا فیصلہ تو خود کتاب اللہ نے کر دیا ہے کہ اس شدت کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ نہیں کفار کے ساتھ ہے تفصیل کا موقعہ نہیں ورنہ کتنے ہی واقعات اس پر شاہد ہیں پھر بھی مشہور یہی ہے کہ آپ بہت سخت مزاج تھے، چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد فرما رہے تھے تو اُس وقت مخلص مشیروں کی طرف سے یہ بات واقعی طور پر پیش کی گئی تھی کہ :۔

"آپ اُن کو اپنا جانشین نامزد تو کر رہے ہیں مگر اُن کے مزاج میں سختی بہت ہے۔"

مگر دانائے راز حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ :۔

"یہ سختی اسی وقت تک ہے جب تک اُن پر خلافت کا بار نہیں پڑتا جب ذمہ داری اُن پر عائد کی جائے گی تو اس کے بار کی وجہ سے وہ خود نرم ہو جائیں گے۔"

اور بعد کے آنے والے واقعات نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس پیشگوئی کو حرف بحرف سچا کر دکھایا حقیقت یہ ہے کہ آپ دینی امور اور اسلامی مقتضیات کی تعمیل و تکمیل میں خود بھی انتہا پسند تھے اور دوسروں سے بھی اس کا مطالبہ سختی سے کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ مطالبہ بسا اوقات محاسبہ کی صورت اختیار کر جاتا تھا۔ جس قدر بھی واقعات اس قسم کے ہیں ان سب میں یہی دینی روح کارفرما نظر آئے گی، بایں ہمہ یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کے اندر رفق و رحمدلی کا جذبہ موجود ہی نہیں تھا، ایک افترا ہوگا، آپ قرآنی خبر اشداء علی الکفار کا پیکر تھے تو آمت میں رحماء بینھم کی بھی پوری تصویر تھے۔

آپ کا جذبۂ رحم دلی

بے شمار واقعات سے ثابت ہے :۔

(۱) ابھی مذکور ہوا ہے کہ ذمیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کو بہت ہی خیال رہتا تھا، ان کے حقوق و مفادات کی تا زندگی بھرپور حفاظت کی ہے، میرے خیال میں اس کا منشاء بھی رحمدلی

کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

(۲) غلاموں کے ساتھ آپ کا برتاؤ نہایت ہی شفقت آمیز تھا، اُن کی آزادی کے لیے ہر ممکن انتظام کیا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی نے یہ حکم نافذ کیا کہ کوئی عربی غلام نہیں بنایا جاسکتا، دیگر غلاموں کے لیے بھی ان کی شفقت کو کم کرتے، ان کو اعزہ سے دُور و جُدا نہ کرنے اور انہیں آزاد کیے جانے کے بہتر احکام و انتظام نافذ کیے، سب سے بڑھ کر یہ کہ غلاموں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا جذبہ کافی حد تک کمزور کر دیا اور اس کے لیے خود عملی ثبوت پیش کیا، چنانچہ آپ غلاموں کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"خدا اُن لوگوں پر لعنت کرے جو اپنے غلاموں کے ساتھ بہتر سلوک نہیں کرتے اور ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔"

آپ نے مسلمانوں کو جو روزینے اور عطیئے عطا کیے اُن میں بندہ و آقا کا کوئی امتیاز باقی نہیں رکھا۔

بندہ و آقا کا سفر

بیت المقدس کے معاہدے کے موقع پر آپ نے جس انداز سے سفر کیا ہے وہ تاریخ کی کتابوں میں واضح الفاظ کے ساتھ مذکور ہے، یہاں تک کہ جب آپ منزلِ مقصود پر پہنچے ہیں تو غلام اونٹ پر سوار تھا اور آپ اس کی مُہار تھامے ہوئے چل رہے تھے۔

غرضیکہ انسانوں کے ایک ضعیف اور کمزور طبقے کے بارے میں آپ جو بہترین طرزِ عمل چاہتے تھے، اس کا ثبوت آپ نے اپنے قول و فعل سے ہر طرح سے بہم پہنچایا۔ اس تمام تر جدوجہد کا ماحصل بھی آپ کا جذبۂ رحمدلی ہی تھا۔

(۳) مجاہدین کے بچوں کی دیکھ بھال، ان کے گھروں کا سودا سلف لا کر دینا، ان کی دیگر بڑی سے بڑی اور معمولی سے معمولی ضرورتوں کا خیال رکھنا، یہ سب کچھ بھی آپ نے اپنے ذمہ ضروری قرار دے لیا تھا اور اس کا منشا بھی بظاہر رحمدلی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

(۴) وہی فاروقِ اعظمؓ جو وفاتِ نبوی صلعم پر شمشیرِ برہنہ لے کر کھڑے ہو گئے اور برملا یہ اعلان کر رہے تھے کہ:۔

"جو شخص یہ کہے گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وفات پا گئے اُس کا سر اسی تلوار سے قلم کر دوں گا۔"

اور لوگوں نے اس کی مختلف توجیہات بھی پیش کی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اپنے مزاج کی شدت کے پیشِ نظر آپ اس قیامتِ کبریٰ کے غمناک والم پاش اثر سے متاثر نہیں ہوئے، اور بعض کہتے ہیں کہ وفات نبی صلعم کے شدید تاثر کی وجہ سے آپ اپنے آپے میں نہیں رہے تھے گویا ایک حیرت کا عالم طاری ہو گیا تھا، بہر حال کچھ بھی ہو وہ بھی ان کی ایک کیفیت تھی اور یہ بھی ایک کیفیت ہے جسے مستند تاریخوں نے ہم تک پہنچایا کہ:۔

"جب حضرت نعمان بن مقرن اور اُن کے رفقاء کی خبرِ شہادت آپ کو پہنچی تو بے اختیار ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے۔"

اللہ اکبر! دُنیا اور کیسی رحم دلی کا ثبوت چاہتی ہے؟ اور وہ کون سی خوبی ہے جو آپ میں موجود نہیں تھی؟

مذکورہ واقعہ کو پڑھیے اور یاد کیجئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ نے آپ کے متعلق کس قدر صحیح پیشگوئی کی تھی کہ:۔

"جب اِن پر خلافت کا بار پڑے گا تو اِن کی شدت خود ہی نرمی سے بدل جائے گی۔"

(۵) آپؓ نے اپنی رحمدلی ہی کے تحت ملک میں ضرورتمند افراد کی غذائی ضروریات کے لیے عام لنگر خانے جاری کیے تاکہ کوئی شخص بھوکا نہ رہے جس شخص کے مزاج میں غلظت ہو وہ ایسا کام کر ہی نہیں سکتا۔

(۶) یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا، راتوں کو چھپ چھپ کر اُمت کے ضعفاء کا حال معلوم کرنا اور اُن کی مطلوبہ ضرورتیں فوراً پوری کرنا آپ کا روزانہ کا معمول تھا، کیا اس قدر اخلاقِ اولوالعزمی کا اظہار ایسا شخص کر سکتا ہے جس کے دامن میں شدت ہی شدت ہو۔

بات یہ ہے کہ فیضانِ رسالت سے فیضیاب ہونے والے اور جناب رحمۃ للعالمین ؐ کے پروردۂ خاص حضرت فاروقِ اعظمؓ میں اگر رفق و رحمت کا وصف نہ ہوتا تو اور کس میں ہوتا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز تربیت کا تو کرشمہ ہی صرف یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کو محض عمرؓ نہیں رکھا بلکہ جامع الاوصاف عمرؓ بنا دیا اور ایسا کہ ہر وصف اپنے کمال کے ساتھ اپنی حد اور مقدار میں موجود رہے کسی وقت بھی ان میں خلط نہ ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ رفق و ملاطفت کے وقت سراپا رحم و کرم نظر آتے تھے، گویا صاف معلوم ہوتا تھا کہ فیضانِ رسالت نے آپ کو شانِ رحمۃ للعالمینی کا پورا مظہر بنا دیا ہے۔ لیکن جس موقعہ پر جلال و شدت کی ضرورت ہوتی تھی اُس وقت آپ اُسی وصف کا مظہر اتم نظر آتے تھے، اس لیے کہ رسالتؐ کی ایک خاص شان یہ بھی تھی اور آپ بارگاہِ رسالتؐ ہی کے خاص پروردہ تھے۔ آپ کی سیرت کے یہ مختلف پہلو حضور صلعم کی موجودگی میں روشن اور مشہور تھے اور حضور صلعم کے بعد آپ ہی کے طفیل ان میں مزید اعلیٰ سے اعلیٰ کمال حاصل ہوا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت کے شخصی فوائد!

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے یہی علمی و عملی کمالات تھے جن کی بناء پر اساطینِ اُمت نے آپ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا ہے۔

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کے دس حصوں میں سے ایک حصہ ساری امت کو دیا گیا ہے اور نو حصے حضرت عمرؓ کو دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس شہادت کو آپ محض ستائش آرائی نہ سمجھیں بلکہ ایک نظر تاریخی شواہد پر بھی ڈال لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قضایا (فیصلے) آپ کے مجتہدات، محکم اصول پر مبنی مضبوط نظریات اور آپ کے شرعی و انتظامی تصرفات کو ابواب و فصول کے تحت جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو عمرؓ کے نام سے ایک دو نہیں متعدد ضخیم مجلدات تیار ہو جائیں۔ فقہ کا معمولی طالب علم بھی آپ کے فیصلے اور احکام کا مطالعہ کر کے انکی گہرائی، گیرائی، ندرت و نہائی پر حیران رہ جاتا ہے۔

(۲) امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:-

"جب صالحین کا ذکر کرو تو حضرت عمرؓ کو ضرور یاد کر لو!"

اس فرمان کی سب سے بڑی اہمیت تو یہی ہے کہ یہ ایسے گرامی مرتبت انسان کی طرف منسوب ہے جو فضائل ومناقب اور مکارم ومحاسن میں خود بھی جلیل القدر مقام رکھتا ہے، دوسرے اس میں جامعیت بہت ہی زائد ہے۔ مقام مدحت میں صالحین کا لفظ اختیار کرنے میں عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ آپ کے سارے کمالات کی طرف ایک جامع اور لطیف اشارہ ہو جاتا ہے۔

(۳) امیرالمومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

"اللہ عمرؓ کی قبر کو روشن کرے جنہوں نے تراویح کی جماعت کا نظم قائم کرکے مساجد کو مزین کر دیا ہے۔"

(۴) سیدنا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔

"میں اس شخص سے سخت بیزار ہوں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھلائی سے یاد نہ کرے۔"

(۵) حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ۔

"ہر نیک کام میں آپ کی کوشش انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور آپ ہر کام نہایت عمدگی اور بہتری کے ساتھ کرتے تھے، یہانتک کہ اسی روش پر آپ کا انتقال ہوا۔"

یہ ایک ایسے عینی شاہد کی شہادت ہے جس نے حضرت عمرؓ کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ الفاظ پر غور کر لیجئے اور پھر دیکھئے کہ کَانَ اَجَدَّ وَاَجْوَدَ سے بڑھ کر آپ کا مکمل سراپائے علم وعمل اور کیا ہو سکتا تھا۔

یہی علم کی جامعیت اور عمل کی پختگی تھی جس نے آپ کو محبوب خلائق بنا دیا۔ پبلک کو اپنے حکمران سے شکایات اس وقت ہوتی ہیں جب کہ ان کے جائز حقوق ومطالبات پورے نہ کئے جائیں۔ لیکن زمانۂ خلافتِ فاروقی میں اس قسم کی شکایات کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ ان کے مبارک دور میں وسعتِ حکومت کے باوجود ہر حق دار کو اس کا حق پہنچ رہا تھا۔ اس لئے آپ سے ڈرنے والے وہی چند افراد ہو سکتے ہیں جن کو اپنی کسی کوتاہی کی وجہ سے مواخذہ اور احتساب کا ڈر ہو۔ ورنہ جمہور مسلمان تو آپ سے دلی محبت ہی رکھتے تھے۔ اور ایسا کیسے نہ ہوتا جب کہ :۔

(۶) حسبِ قول امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تمام اُمّت کا یہ ایمانی وقلبی فیصلہ ہے کہ :۔
"جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو اس کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضرت صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے محبت نہ رکھے اور ان کی شان میں گستاخی کرے۔"

(۷) اور ان سب سے بڑھ کر لائق توجہ خود حضور خاتم الرسل ہادی السُّبُل فخر کونین رسول الثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ذرا غور فرمائیں اور صورت واقعہ ملاحظہ کریں
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا

" اے تمام انسانوں میں سب سے بہتر!"

حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ :۔

" اے عمرؓ! کیا آپ مجھے اس لقب سے یاد کرتے ہیں حالانکہ میں نے خود اللہ کے رسول صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ عمرؓ سے بہتر کسی آدمی پر کبھی سورج طلوع نہیں ہوا۔"

سبحان اللہ! زبانِ رسالتؐ سے خیر الامت ہی کا نہیں خیر الناس کا لقب مل رہا ہے۔
اللہ اکبر! اس سے بڑھ کر حضرت فاروق اعظمؓ کی عظمت و شان اور کیا ہوگی۔ اور بات جب ارشادِ نبوی کی آ گئی ہے تو آئیے مزید معلومات حاصل کریں، کچھ حضورؐ کے اور ارشاداتِ عالیہ مطالعہ میں لے آئیں تاکہ اس بات کے سمجھنے میں پوری آسانی ہو جائے کہ استاد کی بابرکت نظروں میں شاگرد کی مزید حیثیت کیا ہے۔ یاد رکھئے کہ اُستاد وہ ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانہ چند ملت بشُست۔

اور شاگرد وہ ہے جو مشیتِ الٰہی اور انتخاب خداوندی کے تحت چالیسویں نمبر پر داخلِ اسلام اور شاملِ جماعت ہوا ہے۔

یاد رکھیئے! نبی کو نبوت چالیس سال ہی میں ملتی ہے۔ انسانی عقل کو کمال بھی چالیس سالہ ہونے پر ہی ملتا ہے۔ اسلامیوں بلکہ قدوسیوں کی جو جماعت حضور کے زیرِ سایہ تشکیل و تربیت پا رہی تھی اس کی پختگی اور عزت کے لئے بھی بنیادی پتھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا کہ آپ چالیسویں نمبر پر اسلام لائے۔ دراصل آپ ہی کے اسلام لانے پر یہ جماعت پورے طور پر جماعت بنی۔ اب دیکھئے کہ اس شاگرد نے استاد کی بارگاہ میں کیا مقام حاصل کیا۔ اس کا جواب ذیل کی سطور میں ملے گا۔

آقائے نامدار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

(۱) "لاریب اللہ نے عمرؓ کی زبان و دل پر حق کو جاری و ساری کر دیا ہے"۔

ایک واقعہ کے ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۲) "میں دیکھ رہا ہوں کہ جناتی اور انسانی شیاطین عمرؓ سے بھاگتے ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں (اور اس بات کو پہلے ہی ملحوظ رکھیں کہ حسبِ تصریح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پیغمبروں کا خواب وحی ہوتا ہے):۔

(۳) "میں نے جنت میں سونے کا ایک محل دیکھا، میں نے پوچھا کس کا محل ہے تو جواب دیا گیا کہ عمر بن الخطاب کا"۔

ایک مرتبہ فخر موجودات سرور کائنات علیہ السلام والصلوات نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارے سامنے جنت والوں میں سے ایک آدمی ظاہر ہوا چاہتا ہے، اس فرمان کے بعد متصلاً ہی حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے حضور صلعم نے پھر فرمایا:۔

(۴) اہل جنت میں سے ایک اور شخص ابھی ابھی آنے والا ہے اور اس فرمانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش آمدہ صورت حال کے بعد حضرت عمرؓ سے یہ بات برملا طور پر فرمائی:۔

(۵) " (اے عمرؓ) جس راستے پر تم چل رہے ہو گے اس پر تمہیں شیطان چلتا ہوا کبھی نہیں ملے گا، وہ مجبور ہو گا کہ اپنا راستہ بدل کر دوسرا راستہ اختیار کرے"۔

ایک مرتبہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد پر تشریف لے گئے اس موقعہ پر پہاڑ میں کچھ حرکت سی پیدا ہوئی آپؐ نے فرمایا :-

(۶) "اے احد ! ٹھہر جا !! اس لئے کہ اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔"

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی (غالباً) منامی سیر کا ذکر فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا وہاں ایک محل دیکھا میں نے اس کی خوبصورتی کے پیش نظر پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے۔ جواب عرض کیا گیا کہ عمر بن الخطابؓ کا۔ حضور فرماتے ہیں کہ :-

(۷) "میرا جی چاہا کہ میں اس محل کے اندر داخل ہو جاؤں مگر اے عمرؓ مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی اس لئے میں اس کے اندر نہیں گیا۔"

یہ سن کر حضرت فاروق اعظمؓ رو پڑے اور عرض کیا کہ حضور ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ! کیا میں آپؐ پر بھی غیرت کروں گا ؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات مبارکہ کی روشنی میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جو رفعتِ مقام اور جلالتِ مرتبت ظاہر ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ضرورت تھی کہ ہر ہر ارشادِ نبوی پر تفصیلی بحث ہوتی لیکن وقت کی گنجائش کے مطابق جو کچھ تحریر کر دیا ہے حصولِ ثواب اور خیر و برکت کے لیے یہی کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سیدنا عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ

شریعت کی زباں رکھتے ہیں روشن ضابطے اُسکے
نبیؐ کی سمت ہی جاتے ہیں سارے راستے اُسکے

فرشتے بھی جُھکا لیتے ہیں سر اُس کی عدالت میں
چراغوں کی طرح لَو دے اُٹھے ہیں فیصلے اُسکے

لرز جاتے ہیں اُس کے نام سے کفّار کے لشکر
بکھر جاتی ہے شیطانوں کی طاقت ذِکر سے اُسکے

پہاڑوں کی طرح مضبوط ہے بے داغ شخصیت
جہاں کی وسعتوں میں گونجتے ہیں دبدبے اُسکے

اُٹھائے ہاتھ اُس کے واسطے شاہِ دو عالمؐ نے
اُسی کو ہیں فقط معلوم سارے مرتبے اُسکے

یہ دُنیا اُن سے اب تک اکتسابِ فیض کرتی ہے
کتابِ نور میں لکھے ہوئے ہیں مشورے اُسکے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد

خلافتِ اسلامیہ کی موزوں ترین شخصیت

حضرت مولانا سید امین الحق صاحب خطیب جامع مسجد شیخوپورہ خلیفہ خاص حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جن دوستوں کا خیال ہے کہ خلافت یا خلافت کا کوئی عہدہ ایک قومی حق ہے اور اس کو حاصل کرنا قوم کی ایک خدمت ہے وہ اس کو بھی جائز سمجھتے ہیں کہ اس کا مطالبہ کیا جائے اور اس کے حصول کے لیے خود نمائی اور پراپیگنڈے کے تمام ممکن ذرائع استعمال کیے جاویں، وہ اسی کو ماضی کی تمام سیاہ کاریوں کی تلافی اور مستقبل کی تمام کامیابیوں کا راز سمجھتے ہیں اور ان کی تمام تر توقعات اسی ایک عہدے کے حصول میں مضمر ہوتی ہیں، ایسے دوستوں کا یہی خیال ہے کہ خلافت کے روشن پہلو کو سامنے رکھا جائے اور اس کے تاریک پہلوؤں اور اس کی تمام ذمہ داریوں کو پس پشت ڈالنے میں کوئی قباحت اور عیب نہیں ہے، لیکن اہلِ علم جانتے ہیں کہ اسلام دوست حضرات نے خلافت کے حصول میں کبھی کوئی مسرت اور فخر محسوس نہیں کیا، اگرچہ یہ حضرات بھی خلافت کے روشن پہلوؤں سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں مگر ان بزرگوں نے اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے پیشِ نظر ہمیشہ اس سے پہلو تہی کی ہے اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت وہ سب سے پہلے دُوسرے حضرات میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی ایسی پاکیزہ شخصیت نہیں ملتی جسے خلافت کے حاصل کرنے کی خود رغبت ہو یا اس کو خواہش ہوئی ہو کہ اسے خلافت کے لیے چنا جائے، اور اگر ان میں سے کسی ایک صاحب پر خلافت کا بوجھ ڈال بھی دیا گیا تو وہ صاحب بصد عجز و نیاز اس کی ذمہ داریوں کی تکمیل کے لیے اللہ تعالےٰ کی اعانت اور توفیق کے ہمیشہ طلبگار اور ان سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمیشہ دستِ بدعا رہے۔ ممکن ہے کوئی فکر نارسا اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ اُمتِ محمدیہ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی

نے خلافت نبوت کی بہت آرزو کی ہوگی اور بے پناہ کوششوں سے اس منصب خلافت کو حاصل کیا ہوگا اور اس کے حاصل کرنے میں تمام قوتیں، اثر و رسوخ اور دیگر موثرات استعمال میں لائے ہوں گے اور باقی صحابۂ کرامؓ نے بصد مجبوری حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو تسلیم کیا ہوگا ورنہ کون پسند کرتا ہے کہ اپنے اختیار سے کسی دوسرے کو خلیفہ بنائے۔ اس لیے خلیفۂ اول کے کچھ مختصراً ارشادات یہاں لکھنا مناسب ہوں گے جنہیں پڑھ کر آپ یہ اندازہ کرسکیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ہرچند اس سے بچنے کی کوشش کی اور اس پر فائز ہونے کے بعد بھی کئی دفعہ اس کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئے مگر صحابہ کرامؓ اس بارِ خلافت کو حضرت ابوبکرؓ کے گلے سے اُترنے نہیں دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے سوا اللہ کی اس امانت کی حفاظت کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، حضرت ابوبکرؓ ہی اس وقت میں اس امانت کو اس طرح سنبھال سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں :-

"لوگو تم گمان کرتے ہو کہ مجھے خلیفہ بننے کی خواہش تھی یا میں خلافت کو اپنا حق سمجھتا تھا یا خلافت کے لیے میں اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھتا تھا، ایسا ہرگز نہیں اللہ کی قسم مجھے خلافت کی کوئی خواہش نہیں اور نہ دوسروں کے مقابلہ پر میں اس کو اپنا حق جانتا ہوں میں نے کسی دن اور کسی رات خلافت کا لالچ نہیں کیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے بھی نہ کبھی راز میں اور نہ اعلان میں کبھی خلافت کا سوال کیا، میں نے بڑا بوجھ اٹھایا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر مجھ میں اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔"

امام زین العابدینؒ کے بیٹے حضرت زیدؒ اپنے بزرگوار آباء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر تین دفعہ فرمایا :-

"اگر میری خلافت کو کوئی بھی ناپسند کرنے والا ہے تو میں اس کو چھوڑتا ہوں"

حضرت علیؓ اس مجلس میں سے اٹھے اور فرمایا ابوبکرؓ ہم آپ سے خلافت کے اقالہ کرنے کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں، ہم آپ کو خلافت سے اقالہ کرنے نہیں دیں گے وہ کون ہے کہ آپ کو خلافت سے پیچھے ہٹادے، آپ کو رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلافت کے لیے آگے بڑھایا ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ تین دن متواتر باہر آتے رہے اور لوگوں سے فرماتے رہے میں تمہاری بیعت

کا اقالہ کرتا ہوں جس سے چاہو بیعت کر لو، لیکن حضرت علی مرتضیٰ ہر روز حضرت ابوبکرؓ کے جواب میں یہی عرض کرتے رہے کہ ہم آپ کو خلافت سے اقالہ ہرگز نہیں کرنے دیں گے آپ کو رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلافت کی طرف بڑھایا ہے کون ہے کہ آپ کو خلافت سے پیچھے ہٹائے۔[1]

غور فرمایئے کہ حضرت ابوبکرؓ صحابہؓ کے سامنے خلافت چھوڑنے کا اعلان کرتے ہیں مگر صحابہؓ کو اصرار ہے کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ رہیں گے اور حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ رسالتمآب کے بڑھائے ہوئے خلیفہ ہیں صحابہؓ کو حق نہیں کہ خلافت سے حضرت ابوبکرؓ کو ذرا پیچھے کریں۔ غرض یہ ہے کہ خلافت کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا عندیہ وہ نہیں جو ہمارا ہے، صحابہ خلافت کو اپنا حق اور عزت وجاہ کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے، ان کا پختہ عقیدہ یہ تھا کہ خلافت کی امانت اسکے اہل کے سپرد ہونا چاہیئے جس کو وہ خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا پورا اہل اور مستعد جانتے ہیں، بات یہ ہے کہ خلافت اللہ کی ایک امانت ہے اور خلیفہ اس کا امین ہے اور جس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں جو رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب میں ہونی ضروری ہیں تو نبوت کی خلافت کو اس کے سپرد کر دینا اس وقت کا ایک اہم فرض ہے جسے صحابہؓ بالاتفاق ادا کرنا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انتخابِ خلافت کے لیے صحابہؓ نے کسی اور کو حضرت صدیق اکبرؓ کے مقابلہ میں آنے کی دعوت نہیں دی اور نہ ہی کوئی اور صحابی حضرت ابوبکرؓ کے مقابلہ پر آتے ہیں۔

اس انتخاب میں برادری اور قومیت کا بھی قطعاً کوئی دخل نہ تھا اس لیے کسی موقع پر بھی اس میں بحث نہیں ہوئی کہ رسالتمآب سے زیادہ قریبی رشتہ کس کا ہے اور اقرب عصبہ حضرت عباسؓ کے ہوتے ہوئے بھی کسی کا دھیان اس طرف نہیں ہوا اور نہ حضرت عباسؓ نے کسی موقع پر خود اس کا ذکر کیا ہے۔

صحابہؓ کو اس انتخاب میں کسی صاحب کے ایثار یا اس کی قربانیوں کا صلہ دینا ہرگز پیشِ نظر نہ تھا ورنہ انصار کی بے پناہ قربانیاں اس قدر عجلت کے ساتھ ہرگز نظرانداز نہ کی جاتیں، علاوہ ازیں یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ صحابہؓ کے انتخابِ خلیفہ میں دوستی اور دشمنی یا بغض ومحبت کے جذبات ہرگز شامل نہ تھے ورنہ حارثؓ بن ہشام انصار کی اس بحث میں کہ انصار میں خلیفہ منتخب ہونا چاہیئے انصار کی حمایت

---

[1] کنز العمال

پر کبھی آمادہ نہ ہوتے جبکہ انصار نے آپ کے حقیقی بھائی ابوجہل کو جنگ کے میدان میں نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کیا تھا اور جمہور قریش ہرگز عمرؓ و ابوبکرؓ کی پشت پر نہ ہوتے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اپنے قبیلے بنو تیم اور بنی عدی قریش کے دوسرے قبیلوں بنو امیہ اور بنو ہاشم وغیرہ تعداد اور عصبیت میں بہت کم تھے، علاوہ ازیں قریش کے پہلے دین اور ان کے خداؤں کی مزاحمت میں اور دین اسلام کی طرف دعوت دینے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ان کی جذباتی دوری بھی ابھی تک بالکل زائل نہ ہونے پائی تھی اور جہاں تک قریش کے مقابلہ کرنے اور قریش کی اُمید کے خلاف قریش کی ابتدائی امیدوں پر پانی پھیرنے کا تعلق تھا حضرت عمرؓ کے ساتھ قریش کو اس قدر مخالفت تھی جو کسی دوسرے کے ساتھ نہ تھی، اس حقیقت کے پیش نظر یہ قطعاً تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ خلیفہ کے انتخاب میں صحابۂ کرامؓ کسی خاص فکر اور کسی خاص جذبہ کے ماتحت یا کسی خارجی خطرہ کے خوف سے مجبور ہو کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلیفۃ المومنین ہونے کا فیصلہ کیا تھا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ بے لوث عقیدت کی وجہ سے خلافت کا معاملہ صحابہؓ کے نزدیک رائے اور نظریہ کے اختلاف سے بالاتر تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی کا اس میں اختلاف ثابت نہیں ہوتا بلکہ جہاں تک اللہ کی اس امانت کے اٹھانے کے لیے سب سے زیادہ اہل اور تمام مناسباتِ خلافت کے لیے سب سے زیادہ جامع شخصیت کے تعین کا تعلق تھا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اسماء گرامی پر سب کے سب متفق رہے، مشہور محدث حاکم نے روایت کیا ہے :-

> "عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانے پر اجماع کیا، اور ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں زخمی ہونے کے بعد حاضر ہوا اور کہا امیر المومنین آپ کو جنت کی بشارت ہو حضورؐ آپ سے راضی تھے اور آپ کی خلافت کے بارے میں دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔"[1]

اگرچہ مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا کرنے کے لیے خلافت کے باب میں ہی صحابہؓ کا اختلاف بہت اُچھالا گیا اور اسلام کی صفِ اوّل سے اعتماد اٹھانے کے لیے ان امور کو ایک بہانہ بنایا گیا ہے مگر اس کی حقیقت ایک دل فریب افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ بفرضِ محال اگر

---

[1] مستدرک، فضائل

یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلافت کے بارہ میں تقریباً سب کے سب صحابہؓ کرام حق پوشی کے شکار ہو گئے تھے اور حضرت ابو بکرؓ کے خلیفۂ اوّل اور حضرت عمرؓ کے خلیفۂ دوم بنانے میں صحابۂ کرامؓ نے دیدہ و دانستہ غلطی کی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ رفقائے رسالت خلافت جیسے اہم معاملہ میں حق واقعی اور انصاف کو دریافت نہیں کر سکے اور یہ کہ صحابہ کے اجماع پر اعتماد اور ان کے اتفاق سے حُسنِ ظن رکھنا بڑی غلطی ہے، ایسا سر پھرا کوئی صائب الرائے نہیں ہو سکتا جو صحابہ کے اجماع سے بدظن اور صحابہ کے اتفاق سے بداعتماد ہے اور اسلام کو دُوسروں کی نگاہ میں گرانے کی کوشش کرنے والے طبقہ منافقین کے افتراء اور جھوٹ کو صحیح اور سچ جانے۔

امام احمدؒ نے "مسند" میں حدیث ۳۶۰۰ میں اور "مجمع الزوائد" ۱۷۸ جلد اوّل میں یہ روایت کی ہے کہ:

"عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اللہ کے تمام بندوں کے قلوب میں صحابہؓ کے قلوب سب سے زیادہ بہتر اور پاکیزہ ہیں کہ اللہ نے رسالتمآبؐ کے لیے صحابہؓ کو وزراء بنایا ہے، اور جس کام کو صحابہؓ اچھا جانیں تو وہ اللہ کے ہاں اچھا ہے۔"

عبداللہ ابن مسعودؓ کے ارشاد مارأہ المسلمون پر اگر لام عہد کے لیے ہے تو اس سے مراد صحابہؓ ہیں اور اگر استغراق حقیقی کے لیے ہے تو جمیع المسلمین مراد ہیں اور اگر استغراق خصائص جنس کے لیے ہے تو صفتِ اسلام میں کامل مجتہدین مراد ہیں، مطلق جنس اس لیے مراد نہیں ہو سکتی کہ ابن مسعودؓ کا یہ اثر افتراقِ امت کی حدیث کے مخالف ثابت نہ ہو۔ غرض یہ ہے کہ پاکیزہ قلوب صحابہؓ اور رسالتمآبؐ کے وزراء صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۂ اوّل اور حضرت عمرؓ کو خلیفۂ دوم منتخب فرمایا ہے اور تمام امتِ محمدیہ میں خلافت کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو افضل اور موزوں ترین سمجھتے رہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خلافت کے لیے افضل اور موزوں ہیں، اور لوگوں میں جس کا جی چاہے کسی فاسق کے ساتھ اس کے فسق و فجور میں اتفاق کر لے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارہ میں صحابہؓ کے اتفاق کو غلط کار کہے اور جس کا جی چاہے صحابۂ کرامؓ جیسے نفوس قدسیہ اور وزرائے نبوت کے اجماع کو حق اور صواب جانے، بات یہ ہے کہ خلافت کے بارہ میں رسالتمآبؐ نے واضح اور مفصل بیان میں کسی صحابی کا نام ارشاد نہیں فرمایا تھا، اور خلیفۃ المسلمین کا انتخاب صحابہؓ کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

عظمتِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از حضرت علامہ مولانا دوست محمد قریشی نقشبندی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دینِ حق کے علمبرداروں اور صاحبِ نبوت کے جاں نثاروں میں فاروق اعظمؓ کا مقام ارفع ہونے کی حیثیت سے بہت ممتاز ہے۔۔۔۔ بلاشبہ خداوندی مخلوق میں تفوق و برتری اگر حاصل ہے تو ذوی العقول کو اور جملہ ذوی العقول میں اگر بلندیٔ مرتبت حصے میں آئی ہے تو انسان کے گویا انسان کو عقل کے لحاظ سے سب پر فوقیت حاصل ہے اسی لیے رتبۂ نبوت پر اگر فائز کیا گیا ہے تو انسان انسان ہی مہبطِ انوارِ الٰہی ہے اور انسان ہی کائناتِ ارضی میں وحدہٗ لاشریک لہٗ کا خلیفہ ہے۔

جب ہم سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی آیت کو امعان النظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں انسانی کمالات کو تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں رہتا جبکہ خلق الانسان فرما کر اپنی ذات والاصفات کا تعارف تخلیق انسانی سے کرایا ہے۔

عقل پر تفوق کا مدار

جب تفوق و برتری کا مدار عقل پر ٹھہرا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ عقل کا امتیازی کمال صائب الرائے ہونا ہے۔
ایک انسان کی رائے کا ہم غیر انسانوں کی آراء کے موافق ہونا یقیناً اس کے فضل پر دال ہے، لیکن کیا شان ہے اس مطلوبِ مصطفوی کی جس کی رائے وحی الٰہی کے مطابق ہو ایک مرتبہ نہیں بارہا فاروقی رائے کے توافق کو اربابِ حل وعقد اور دینِ متین کے شیدائیوں اور صاحبِ رسالت کے حاشیہ نشینوں نے دیکھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

موافقاتِ فاروقی کے مضمون کو جس قدر طول دیا جائے کم ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آج کی مجلس میں فاروقِ اعظمؓ کی عزت و عظمت اور قدر و منزلت پر دلائل و براہین درج کر کے ناظرین کے

ایمان کو تازہ کریں اور بارگاہ فاروقی میں عقیدت کے چند پھول نچھاور کریں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

عنواناتِ ثلاثہ

(۱) فاروقِ اعظمؓ پروردگارِ عالم کی نظر میں۔
(۲) سیدنا عمر فاروقؓ محبوبِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں۔
(۳) مطلوبِ رسالتِ مآب عترتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں۔

هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ (سورة الفتح آیت)

(ترجمہ) "اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اس لیے بھیجا تاکہ کل ادیان پر اپنے دین کو غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ گواہی کے لیے کافی ہے۔"

طرزِ استدلال:۔ مذکورہ بالا آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کبریاؐ کی بھیجنے کی علتِ غائی غلبۂ دین کو قرار دیا ہے اور اس پر اپنی شہادت کی مہر ثبت فرمائی ہے۔

غلبۂ دین سے مُراد کن ممالک پر غلبہ ہے

ملا باقر مجلسی اصفہانی شیعی مجتہد اپنی مایۂ ناز کتاب "حیات القلوب جلد ۲ ص ۴۴۹ میں رقمطراز ہیں:۔

"ابن بابویہ روایت کردہ است کہ چوں کلنگ اوّل راز د سنگ شکست و فرمود کہ اللہ اکبر کلید ہائے شام را خدا ابن داد بخدا سوگند کہ قصر ہائے سرخ آں را مے بنیم پس کلنگ دیگر زد و ثلث دیگر را شکست و گفت اللہ اکبر خدا کلید ہائے ملک فارس را بمن داد بخدا سوگند کہ الحال قصر سفید مدائن را مے بنیم و چوں کلنگ سوم راز د باقی سنگ جدا شد گفت اللہ اکبر کلید ہائے یمن بمن دادند و بخدا سوگند کہ دروازہ ہائے صنعا را مے بنیم۔"

(ترجمہ) ابن بابویہ نے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب پہلا کدال مارا تو پتھر ٹوٹ پڑا فرمایا اللہ اکبر خدا تعالیٰ نے مجھے شام کی چابیاں عنایت فرمائی ہیں خدا کی قسم کہ اس کے محل سرخ دیکھ رہا ہوں، پھر کدال مارا تو دوسرا حصہ پتھر کا ٹوٹ گیا فرمایا اللہ اکبر ملک فارس کی چابیاں خدا تعالیٰ نے

مجھے وہی ہیں، خدا کی قسم مدائن کے سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ جب تیسرا کدال مارا تو پتھر ٹوٹ گیا فرمایا اللہ اکبر خدا تعالیٰ نے مجھے یمن کی چابیاں عنایت کی ہیں، خدا کی قسم اب میں صنعا کا دروازہ دیکھ رہا ہوں۔

ہر ضرب پر روشنی کا ظہور

حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۴۴۸ میں ہے۔

——پس کلنگ را گرفت وضربتے برآں سنگ زد کہ آں برقے ساطع شد و دراں برق قصرہائے شام را دیدم پس بار دیگر کلنگ را زد و برقی ساطع شد کہ قصرہائے مدائن را دیدم پس بار دیگر کلنگ را زد و برقی لامع شد کہ قصرہائے یمن را دیدم پس فرمود کہ ایں مواضع را کہ برق براں تابید شما فتح خواہید کرد مسلماناں از استماع ایں بشارت شاد شدند——

——(ترجمہ) پس کدال لیا اور اس پتھر پر وار فرمایا کہ اس سے ایک روشنی نمودار ہوئی، اُس روشنی میں میں نے شام کے محلات دیکھے، پھر دوسری دفعہ کدال لگایا کہ اس روشنی میں مدائن کے محلات دیکھے تیسری دفعہ یمن کے محلات دیکھے، پھر فرمایا کہ جن مقامات کے متعلق روشنی نمودار ہوئی ہے اُن کو فتح کرو گے، مسلمان یہ سنکر بہت خوش ہوئے——

ف:۔ پہلی روایت سے دوسری روایت میں قدرے وضاحت ہے ان دو روایتوں سے معلوم ہوا کہ یہ وہ ملک ہیں جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہونا تھا اور حضور علیہ السلام نے اس غلبے کی بشارت بیان فرمائی——اب ہم اس شیعی کتاب سے ثابت کرتے ہیں کہ ان ممالک کا فتح ہونا حقیقت میں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ کی تصدیق ہے تاکہ یہ نتیجہ نکالنا آسان ہو جائے کہ جس کی خلافت میں یہ ممالک فتح ہوں وہی خلافت برحق ہے اور ان کی فتوحات فتوحاتِ نبوی ہیں اور آیت اظہارِ دین کا مصداق ہیں۔

غلبۂ دین اور سطوتِ اسلام فاروقِ اعظمؓ کے حصے میں

جب ہم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں آپؐ نے پروردگار عالم سے عمر فاروق کو طلب کیا ہے تو وہاں صاحبِ نبوت کے سامنے

یہی مقصد تھا کہ غلبۂ اسلام ہو، فعلی ھٰذا نبوی دعا کا متن ملاحظہ فرمائیے اور ہمارے مدعا کی تصدیق کیجئے۔

اللّٰھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام۔

(ترجمہ) "اے اللہ اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو ابن ہشام کے ذریعے غلبہ دے دے"

چنانچہ یہ دعا پوری ہوئی اور کائنات نے دیکھا کہ وہ ممالک اگر اسلام کے قبضے میں آئے ہیں تو دورِ فاروقی میں اب اس پر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

فاروقی خلافت کے دور میں غلبۂ دین اور سیدنا حیدرِ کرار کا اقرار

ان ھٰذا الامر لم یکن نصرہ ولاخذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ[1]۔

(ترجمہ) "یہ دین کا کام اس کی شکست و فتح فوج کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے یہ خدا کا دین ہے جس کو اللہ نے آپ کے عہد میں غالب کر دیا ہے اور اسی کا لشکر ہے جس کو خدا تعالیٰ نے تیار کیا ہے اور پھیلا دیا ہے"

آپؓ کے اس ارشاد سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ دین کو من کل الوجوہ غلبہ فاروقِ اعظمؓ کے دور میں نصیب ہوا ہے۔

ف:۔ اہلِ علم حضرات لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ خداوندی فرمان اور وھو دین اللہ الذی اظھرہ علوی ارشاد کے درمیان معنوی حیثیت سے موافقت کو ضرور زیرِ غور لائیں۔

فاروق اعظمؓ کی یہ وہ عظمت ہے جس کا انکار کوئی ذی وقار نہیں کر سکتا، اگر فاروقِ اعظمؓ کو درمیان سے نکال دیا جائے تو بقول ۔ ۔ حضرتِ مہدی کی تشریف آوری کے لیے انتظار کرنا پڑے گا جن کے متعلق اُن کے منتظرین میں آج تک یہ بھی اتفاق نہیں ہو سکا کہ پیدا ہو کر آئیں گے یا پیدا شدہ ہیں، اور غار میں آرام فرما ہیں۔ بہرحال دیدہ باید۔

---

[1] نہج البلاغۃ

اس بنا پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ قدرت کے نزدیک فاروق اعظمؓ کی عظمت نمایاں تھی جس کے پیشِ نظر خداوند عالم نے لِیُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ کو بطور غرض وغایت کے ذکر فرمایا۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بہ نظر اعجاز نشاندہی فرما رہے تھے کہ یہ ممالک اک دن قبضۂ اسلام میں آکر رہیں گے۔

فاروق اعظمؓ ایمان لانے کے بعد شمع نبوت کو اُنکے پروانوں سمیت کعبۃ اللہ میں لیئے جا رہے ہیں

؎ ہمی رفت جبریل بالائے سر	بلفرق ہمایونش گسترده پر
ملائک چپ و راست در دور باش	شیاطین ز ہیبت شده پاش پاش
بہ پہلو رواں حمزۂ نام دار	بہ پیش علیؓ صاحبِ ذوالفقار
؎ اور آگے آگے سب کے عمر تیغ بکمر بجماعتِ وافر	اور پیچھے پیچھے اصحاب خستہ انتساب کمر بستہ و فر

ہنستے اور باتیں کرتے بے خوف وخطر داخل خانۂ داور ہوئے[1]

قابلِ غور ہے کہ آج سر پر جبریل اپنے پر کیوں تان رہا ہے، ملائک چپ و راست کیوں جمع ہیں، شیاطین کیوں پاش پاش ہو رہے ہیں، حضرت حمزہ آج حجرے سے کس لیے باہر تشریف لائے ہیں، علی مرتضےٰؓ کی ذوالفقار کس لیے باہر چمک رہی ہے اور آج تک اسلام وایمان کے ظہور کے باوجود یہ نظارہ منظرِ عام پر نہیں آیا اس کی واحد وجہ صرف یہی ہے کہ آج جرأت کا پیکر، میدانِ عدالت کا شاہسوار دُنیائے کفر سے نکل کر آغوشِ اسلام میں آیا ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز اصحاب کرامؓ کو خدا کی عبادت خدا کے گھر میں نصیب ہوئی ہے۔
عظمتِ فاروقِ اعظمؓ کی ابتداء یہ ہے کہ کعبۃ اللہ میں اس کے حقیقی وارث خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہوئے اور انتہاء یہ ہے کہ دُنیا کی عظیم ترین طاقتیں اور روم وایران کی جملہ شوکتیں حضرت فاروقِ اعظمؓ کے قدموں پر سجدہ ریز ہوئیں۔

---

[1] بحوالہ غزوات حیدری ص۴۳ مصنفہ سید محسن علی صاحب

حضرت عمر فاروق اور ان کے پیرو

(قرآن پاک کی روشنی میں)

حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ پ۱۷ الانبیاء آیت میراث ارض

ترجمہ: اور بہ تحقیق ہم لکھ چکے ہیں زبور میں بعد نصیحت کے کہ زمین کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے۔

قرآن مجید کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضل ترین خصوصیات میں سے ایک چیز یہ ہے کہ آپ پر ایمان لانے والوں، آپ کی پیروی کرنے والوں کو دونوں جہان کی اعلےٰ ترین نعمتوں کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔

یہ خوش خبری قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ آں جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصوصیت کا غلغلہ قرون اولےٰ میں بھی بلند ہو چکا تھا اور اگلی آسمانی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ تھا۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں مناجات کی کہ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ پ۹ اعراف ع۱۸ آیت نمبر ۱۵۶۔

ترجمہ:۔ اے پروردگار ہمارے لکھ دے اس دُنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بہ تحقیق ہم راہ پا گئے ہیں تیری طرف تیرے دروازہ پر بھیک مانگنے کے لیے آ گئے ہیں "

بارگاہ الٰہی سے اس مناجات کا جواب جو کچھ ملا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی درخواست منظور نہیں کی گئی اور ان کو خبر دی گئی کہ یہ انعام یعنی دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی ایک دوسری اُمت کے لیے میں لکھوں گا۔ جس کا ظہور آئندہ زمانہ میں ہونے والا ہے اور اس اُمت کا بیان ان الفاظ میں کیا گیا

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ پ۹ ع۱۹-۱۵۷

ترجمہ :- یہ وہ لوگ ہیں جو پیروی کریں گے اس رسول نبی امی کی جس کو وہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس انجیل و توریت میں

یہ خصوصیت حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد آیات قرآنیہ میں بیان فرمائی گئی ہے اور احادیث میں تو ایک دفتر کا دفتر ہے جو شیعہ سُنّی دونوں کی کتب میں منقول ہے۔ اہل سُنّت کی کتابوں میں بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل ہجرت مکہ میں خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں فرمایا:-

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَفْتَحُنَّ کُنُوْزَ کِسْرٰی وَ قَیْصَرَ ثُمَّ لَتُنْفِقُنَّهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

ترجمہ :- قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ضرور بر ضرور تم لوگ ایران اور روم کے خزانوں پر قبضہ پاؤ گے اور تم ان کو راہِ خدا میں صرف کر دو گے اور کتب شیعہ میں حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۵۵ میں ہے۔

حق تعالیٰ امر فرمود ا آں حضرت را با ظہار دعوت تو دلپس حضرت بمسجد آمد و برحجر اسماعیلؑ ایستاد و لعبد لئے بلند ندا کرد کہاے گروہ قریش ولئے طوائف عرب شمارا سے خوانم بسوئے شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن بہ پیغمبری من دامرے کنم شمارا کہ ترک کنید بت پرستی را و اجابت نماید مرا در آنچہ شمار آباں میخوانم تا بادشاہاں عرب گردید وگروہ عجم شمارا فرماں برداراں گردند و در بہشت بادشاہاں باشید

ترجمہ :- حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اپنی دعوت ظاہر کریں۔ پس آپ کعبہ میں آئے اور حجر اسماعیلؑ پہ کھڑے ہو کر آپ نے باواز بلند پکارا کہ اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب میں تم کو بلاتا ہوں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی پیغمبری کی طرف گواہی دینے کی اور تم کو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی چھوڑ دو اور میری بات مانو اس چیز میں جس کی طرف میں بلاتا ہوں تم کو تاکہ تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ اور عجم کے لوگ تمہارے محکوم ہو جائیں اور بہشت میں بھی تم بادشاہ ہو۔

المختصر یہ مضمون حد تواتر کو پہنچ گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو دونوں عالم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں کی خوش خبری سنائی گئی۔ آیات قرآنیہ میں بھی اور احادیث صحیحہ میں بھی۔

پس اب واضح ہوا کہ اس آیت یعنی آیت میراث ارض میں حق تعالےٰ نے یہی خوشخبری رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحابِ کرام کو سنائی ہے۔ سلسلۂ کلام کئی آیت اوپر سے شروع ہوا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى سے آیت مبحوثہ تک اُخروی نعمتوں کی بشارت ہے اور آیت مبحوثہ میں دنیا کی نعمت یعنی بادشاہت کی خوش خبری ہے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس خوش خبری کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ دونوں قسم کی نعمتوں کی خوش خبری سنا کر آیت مبحوثہ کے بعد فرمایا اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ یعنی اس خوش خبری میں عبادت گزار لوگوں کے لیے بڑی کامیابی ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے آپ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس سلسلۂ بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا مطلب خوب واضح ہو گیا کہ چونکہ آپ نے اپنے متبعین کو دونوں جہاں کی نعمتوں کی خوش خبری سنائی اس لیے آپ اس لقب کے مستحق ہوئے۔

اس آیت سے بھی حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے پر استدلال نہایت واضح ہے کیونکہ الفاظ آیت سے بغیر کسی روایت کے ملائے ہوئے یہ بات ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متبعین میں سے کچھ لوگوں کے وارث زمین یعنی بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی فرمائی ہے اور ان متبعین کو اپنا نیک بندہ فرما کر ان کے جامع اوصاف حمیدہ ہونے کو ظاہر فرمایا ہے اور ایسی ہی بادشاہت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ پیشین گوئی صحابہ کرامؓ ہی کے زمانہ میں پوری ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کریم کے تمام خطابات کے اول مخاطب وہی حضرات ہیں لہٰذا اس آیت میں جو خوش خبری ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ سننے والے خوش ہوں۔ ان میں استقامت فی الدین ترقی کرے۔ مصائب موجودہ ان کے اطمینان میں خلل انداز نہ ہوں۔ دوسرے لوگوں کو اسلام کی رغبت پیدا ہو۔ اس خوش خبری کے بھی پہلے مخاطب صحابہ کرامؓ ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی ایسی جماعت کو کوئی ایسی خوش خبری سنا کر خوش کرنا جس میں اس جماعت کے کسی فرد کا کچھ حصہ نہ ہو سوا دغا و فریب کے اور کسی نام سے

نہیں یاد کیا جا سکتا۔ نعوذ باللہ منہ

ان دونوں باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد یعنی یہ کہ آیت میں مومنین صالحین کو بادشاہت ملنے کی پیشین گوئی کی ہے اور یہ کہ اس پیشین گوئی کا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں پورا ہونا ضروری ہے اب ہمیں صرف اس بات کا معلوم کرنا باقی ہے کہ صحابہؓ کرام میں سے کس کے ہاتھ پر یہ پیشین گوئی پوری ہوئی تاکہ جس کے ہاتھ پر پوری ہوئی اس کو ہم خلیفہ برحق سمجھیں یعنی اس کی خلافت کو۔ ہم اس آیت کی موعودہ خلافت یقین کریں اور اس شخص کو ہم خدا کے عباد صالحین میں شمار کریں۔

اس بات کے معلوم کرنے کے لیے ہمیں اس کی تحقیق کرنا چاہیئے کہ اس آیت میں زمین سے کیا مراد ہے تو واضح ہو کہ زمین سے تمام زمین یعنی پورا ربع مسکون تو مراد ہو نہیں سکتا کیونکہ اب تک پورے ربع مسکون پر مومنین صالحین کی بادشاہت نہیں ہوئی۔ لا محالہ کوئی خاص زمین مراد ہے اس تخصیص کی تائید ارض کے معرف باللام ہونے سے بھی ہوتی ہے اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں۔

قول اول :- یہ کہ زمین سے مراد ملک شام کی زمین ہے۔
قول دوم :- یہ کہ زمین سے مراد روم و ایران کی زمین ہے۔
قول سوم :- یہ کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔

تیسرا قول بالکل بے دلیل اور نہایت بعید از فہم ہے۔ نہ قرآن شریف میں کوئی نظیر اس کی مل سکتی ہے نہ حدیث میں، کہ زمین بول کر جنت مراد لی گئی ہو۔ نہ کوئی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ نہ کوئی قرینہ ایسا ہے جس کے یہ معنی مفہوم ہو سکیں۔

اب رہا پہلا قول اور دوسرا قول یہ البتہ صحیح ہیں اور قطعاً و یقیناً مراد الٰہی ان سے باہر نہیں

پہلا قول مراد ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ جن کتب سابقۂ الٰہیہ کا حوالہ آیت میں ہے وہ انبیائے بنی اسرائیل کی کتابیں ہیں جن کا مسکن ملک شام تھا۔ لہٰذا یہ بہت بڑا قرینہ زمین سے' زمینِ شام مراد لینے کے لیے ہے۔ اس کی مزید تائید توریت کے دیکھنے سے ہوتی ہے کہ اس میں کنعان کی تصریح موجود ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ملک شام کی زمین کو ارضِ مقدس اور ارضِ مبارک فرمایا ہے۔ لہٰذا مطلق زمین

---

[1] کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۸ ۔

بول کر فردِ کامل ہونے کی وجہ سے زمینِ شام مراد لینا قرینِ قیاس ہے ۔

دوسرا قول مراد ہونے کے لیے بھی متعدد دلائل ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ نزولِ قرآن کے وقت دنیا میں یہ ہی دو زمینیں ایران و روم کی مستقل سلطنت تھیں کوئی تیسری سلطنت اس وقت روئے زمین پر نہ تھی۔ پس جب زمین کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا تو ذہن ان ہی دونوں زمینوں کی طرف سبقت کرتا ہے۔ یہ دوسرا قول پہلے قول کو شامل ہے کیونکہ زمینِ شام، روم کی سلطنت میں داخل تھی۔

شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفا رمقاصدِ اول ص۲ میں فرماتے ہیں ۔

فقیر گوید در معنی آیت جمیع زمین جنت مراد داشتہ اند و ہیچ جا شاید آں نخواہی یافت کہ در قرآن یا سُنت لفظ ارض گفتہ باشند و جنت عدن ارادہ کردہ بلکہ معنی صحیح آں است کہ از ارضِ اراضی معتدلہ صالحہ برائے نشأ اشخاص معتدلۃ الاخلاق ارادہ کردہ آید یا ارضِ شام تنہا بسبب آنکہ انبیائے بنی اسرائیل در شام بودند و ذکر وقائع ارض شام پیش ایشاں مہم بود و ایں سخن بداں مے ماند کہ تاجر از لفظ مال سرمایہ خود راے خواہد و راعی مواشی و زراع زراعت خود مراد مے گیرد و چندیں آثار بریں معنی دلالت مے کند۔

ترجمہ :۔ یہ فقیر کہتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس آیت کے معنی میں جنت کی زمین مراد لی ہے مگر اس کی نظیر تم کہیں نہ پاؤ گے کہ قرآن یا حدیث میں زمین کا لفظ فرمایا ہو اور جنت مراد لی ہو بلکہ صحیح معنی یہ ہیں کہ زمین سے وہ زمینیں مراد ہیں جو معتدل ہوں جہاں معتدل اخلاق کے انسان پیدا ہوتے ہوں یا صرف زمین شام مراد ہے اس لیے کہ انبیائے بنی اسرائیل شام میں تھے اور شام کے واقعات کا ذکر ان کا بڑا مقصود ہوتا ہے یہ بات ویسی ہی ہے کہ تاجر جب مال کا لفظ بولے گا تو اپنا سرمایہ مراد لے گا اور چرواہا مال سے مویشی اور کسان مال سے کھیتی مراد لیتا ہے اور بہت سی روایات بھی اس مراد پر دلالت کرتی ہیں ۔

پس جب متحقق ہو گیا کہ زمین سے مراد یا ملک شام ہے یا ملک روم و ایران اور تاریخ کے واقعات متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ زمینیں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قبضہ میں آئیں انہیں کے حسن تدبیر سے مفتوح ہوئیں۔ بیت المقدس خاص حضرت فاروق اعظم رضؓ کے زمانہ میں بغیر لڑائی کے ایک عجیب طریقہ سے محض اگلی پیشین گوئیوں کی بنا پر

پر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ لہٰذا مہر نیم روز کی طرح ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں بزرگوار خدا کے اس وعدہ کے مطابق خلیفہ ہوئے اور ان ہی کو خدا نے اس آیت میں عباد صالحین فرمایا ہے

ف :۔ بیت المقدس کا واقعہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے جو بجائے خود بھی ایک مستقل دلیل حضرت فاروق اعظمؓ کے خلیفہ موعود ہونے کی کہا جا سکتا ہے لہٰذا بالاختصار وہ واقعہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے ۔

فتح بیت المقدس کا واقعہ

حضرت عمروؓ بن عاص نے جب ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے۔ فاتح بیت المقدس کا حلیہ، اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔ اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے ہم بیت المقدس ان کے حوالے کر دیں گے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو دی گئی اور آپؓ بیت المقدس تشریف لے گئے ۔

یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ زریں حروف میں چمکتا رہے گا کہ حضرت عمر فاروقؓ کا زادِ راہ اس سفر میں جَو اور چھوہارے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک اونٹ آپؓ کے پاس تھا جس پر آپؓ اور آپؓ کا غلام نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے۔ آپ کے کرتہ میں پیوند لگے ہوئے تھے مسلمان جب آپؓ کی پیش وائی کو آئے اور آپؓ کو اس حال میں دیکھا تو سب نے اصرار کر کے آپ کو عمدہ لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر سوار کیا۔ چند قدم چلنے کے بعد آپؓ نے فرمایا میرے نفس پر اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ پھر وہی پیوند لگا ہوا کرتہ پہن لیا اور گھوڑے سے اُتر پڑے۔ رومیوں نے اس عرب و عجم کے فرمانروا اس روحانی بادشاہ کو جس کے نام سے تمام عالم میں زلزلہ پڑا ہوا تھا دیکھا تو کہا کہ بے شک فاتح بیت المقدس یہی ہیں اور دروازہ آپ کے لیے کھول دیا۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفا مقصد دوم صفحہ ۶ میں تاریخ یافعی سے نقل کرتے ہیں ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں

نے اس شہر مقدس مبارک کا محاصرہ کیا اور محاصرہ کو بہت طول ہوا تو وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ مت تکلیف اٹھاؤ۔ بیت المقدس کو سوا اس شخص کے جس کو ہم پہچانتے ہیں اور اس کی پہچان ہمارے پاس ہے کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے امام میں وہ علامت موجود ہو تو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالہ کر دیں گے مسلمانوں نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجی۔ پس آں جنابؓ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپؓ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جو نوبت بنوبت آپ کے اونٹ پر سوار ہوتا تھا۔ زادِ راہ آپ کا جَو، چھوہارے اور روغن زیتون تھا لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ چلے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمان آپؓ سے ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ زیبا نہیں ہے کہ کفار امیر المومنین کو اس حالت میں دیکھیں اور بہت اصرار کیا یہاں تک کہ آپ کو ایک دوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کیا۔ جب آپ سوار ہوئے اور یہ گھوڑے نے خوش خرامی کی تو آپ کے دل میں کچھ عُجب داخل ہوا لہٰذا آپ گھوڑے سے اُتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار دیا اور فرمایا کہ مجھے میرا لباس واپس دو چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا اور اسی ہیئت میں چلے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے جب کفار اہلِ کتاب نے آپ کو دیکھا تو کہا ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لیے دروازہ کھول دیا۔

اس واقعہ بیت المقدس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کتب سابقہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا فاتح بیت المقدس ہونا موعود تھا اور آپؓ کے اوصاف و علامات مذکور تھے اور اس قدر مکمل و مفصل تھے کہ علمائے اہلِ کتاب نے شکل مبارک دیکھتے ہی پہچان لیا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ خود حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی اپنی بابت پورا علم اس امر کا تھا ورنہ اطلاع ملتے ہی سفر کے لیے تیار ہو جانا اور تشریف لے جانا ہرگز نہ ہوتا۔ ایران و روم کی لڑائیوں میں خود آپ کو اپنے جانے کی ضرورت محسوس ہو اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیں۔ حضرت علیؓ آپ کا دشمن کے مقابلہ میں خود جانا خلافِ مصلحت قرار دے کر آپ کو اصرار کے ساتھ روکیں اور آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیں لیکن سفر بیت المقدس کے لیے آپ اس طرح آمادہ ہو جائیں اور کوئی بھی نہ روکے۔ ضرور ہے کہ آپ کو معلوم تھا اور دوسرے صحابہ کرامؓ بھی جانتے تھے کہ یقیناً بیت المقدس آپ کے جانے سے فتح ہو جائے گا اور لوگ آپؓ کو

دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہ یہی وہ خلیفہ موعود ہیں جن کے ہاتھ پر فتح بیت المقدس مقدور ہے مخالف کہتے ہیں اس آیت میں ارض سے مراد تمام روئے زمین ہے اور یہ پیشین گوئی امام مہدی کے زمانہ میں پوری ہوگی - علامہ محسن کاشی تفسیر صافی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یرثھا عبادی الصالحون قال ای القمی القائم واصحابہ

وفی المجمع عن الباقر فی قولہ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون

قال اصحاب المہدی فی اخرالزمان

ترجمہ :- یرثھا عبادی الصالحون کے متعلق قمی نے کہا ہے کہ قائم یعنی امام مہدی اور ان کے اصحاب مراد ہیں اور تفسیر مجمع البیان میں امام باقر سے ان الارض یرثھا عبادی الصالحون کے متعلق منقول ہے کہ اس سے امام مہدی کے اصحاب ہیں جو آخر زمانے میں ہوں گے۔

اس کے سوا اس آیت میں ان صاحبان کے پاس اور کچھ جواب نہیں ہے۔

قرآن کریم کی اتنی اہم پیشگوئی کو آپ کے طویل دور امامت سے یکسر ہٹا کر اپنے محض دور قیامت کی ایک یادگار بنا جسکا عام عملی دنیا پر کوئی اثر نہ ہو مقاصد قرآن سے کتنی کھلی بے خبری ہے۔

اہلسنت کہتے ہیں اس آیت میں کوئی لفظ یا کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے - جس سے یہ مفہوم ہو سکے کہ یہ وعدہ آخر زمانے میں پورا ہوگا - بلکہ آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ کو خوش خبری دینے کے لیے نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی ایسی چیز کی خوش خبری لوگوں کو سنانا جو ان میں سے کسی کو ملنے والی نہیں بلکہ صدیوں بعد اس کا ظہور مقرر ہے سخت فریب ودھوکا ہے جس سے کلام الہٰی پاک ہے

یہ خرابی اس وجہ سے پیش آئی کہ لفظ ارض سے پوری زمینؔ مراد لی گئی حالانکہ یہ مراد قطعاً

لہ تفسیر امام ابن جریر طبری میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے رجح کا حاصل یہ ہے کہ ارض سے تمام زمین جن لوگوں نے مراد لی ان کو آیت میں بے جا تاویلات کرنی پڑیں ۱۲ (توریت کتاب پیدائش میں ہے حضرت ابراہیم کو کہا - میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو یہ کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لیے ملک ہو اور میں انکا خدا ہوا سو کنعان کے تمام ملک سے مراد ملک شام ہے کیونکہ کنعان شام میں ہے۔

غلط ہے۔ قرآن مجید میں بیسیوں جگہ ایسے مواقع پر لفظ ارض آیا ہے اور اس سے مراد تمام زمین نہیں ہے بلکہ بقرینہ مقام خاص زمینیں مراد ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔ سورۃ یوسف میں سے وَكَذَالِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ یعنی ہم نے یوسف کو زمین میں تمکین دی یہاں تمام زمین کسی طرح مراد نہیں ہو سکتی بلکہ بالاتفاق بقرینہ مقام مصر کی زمین مراد ہے

سورہ قصص میں ہے پ۲۰ القصص ع ۱ آیت ۵

وَ نُرِيدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ

ترجمہ:۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ زمین میں کمزور سمجھے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو امام بنائیں اور ان کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو جگہ دیں۔

اس آیت میں زمین سے مراد زمینِ مصر ہے کیونکہ قرینہ مقام اسی کو چاہتا ہے

سورہ اعراف میں ہے پ۹ الاعراف ع۱۶ آیت ۱۳۷

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا

ترجمہ:۔ ہم نے اس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی (یعنی بنی اسرائیل کو) زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت دی تھی۔

یہاں بھی زمین سے مراد مصر کی زمین ہے۔

آیہ استخلاف اور آیہ تمکین میں بھی ارض کا لفظ آیا ہے اور وہاں زمین سے مراد ایران وروم کی زمین ہے جیسا کہ آیہ استخلاف میں ہم تفاسیر شیعہ سے نقل کر چکے ہیں پس اسی طرح آیت مبحوثہ میں بقرینہ مقام لفظ ارض سے ملک شام کی زمین مراد ہونی ضروری اور وہ قرینہ یہ ہے کہ زبور اور توریت جس زمین پر نازل ہوئی تھیں وہاں کے لوگ زمین کے لفظ سے اپنی ہی زمین سمجھ سکتے تھے۔

اچھا ہم ان سب سے درگزر کرتے ہیں اور مخالفین کو اختیار دیتے ہیں کہ لفظ ارض سے جو زمین چاہیں مراد لیں مگر کلام الٰہی کو فریب کے عیب سے محفوظ رکھ کر کوئی ایسا مطلب آیت بیان کر دیں جس سے حضرات خلفائے ثلثہ میں سے کوئی مصداق اس آیت کا نہ بنے مگر یہ بات حضراتِ مخالفین کے امکان سے باہر ہے چاہے کلام الٰہی کی تکذیب

ہو جائے چاہے کیسا ہی اعتراض کلام الٰہی پر آجائے مگر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت ثابت نہ ہو۔ معاذ اللہ من ذالک العدوان

یہ آیت میراث ارض آیت معیت یعنی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ہم مضمون ہے اس آیت میں بھی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ توریت و انجیل میں کیا ہے۔

روایات جو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کی جا سکتی ہیں۔ بہت ہیں۔ جن کا ایک بڑا ذخیرہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی سے منتخب کر کے چند روایات یہاں لکھی جائیں گی۔ پہلے ایک تاریخی واقعہ لکھا جاتا ہے۔

جب حضرت فاروق اعظمؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک عیسائی عالم آپ کے پاس آیا اور آپ کو ایک تحریر دی جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ مال نہ عمرؓ کا ہے اور نہ عمرؓ کے بیٹے کا۔ حاضرین کی سمجھ میں یہ جواب نہیں آیا اور نہ آسکتا تھا لہٰذا حضرت ممدوح نے پورا واقعہ ان کو سنایا۔ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ میں ملک شام گیا تھا۔ میں اپنی کوئی چیز بھول گیا۔ اس کے لینے کے لیے واپس ہوا پھر جو گیا تو قافلہ کو نہ پایا ایک پادری نے مجھے ایک پھاؤڑا دیا اور ایک ٹوکری دی اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں ڈال دو یہ کہہ کر گرجا کا دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا مجھے بہت برا معلوم ہوا اور میں نے کچھ کام نہیں کیا جب وہ دوپہر کو آیا اور اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کام نہیں کیا تو اس نے ایک گھونسہ میرے سر میں مار دیا میں نے بھی اٹھ کر پھاؤڑا اس کے سر پر دے مارا جس سے اس کا بھیجا نکل آیا اور میں وہاں سے چل دیا۔

بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھی چلتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو ایک گرجا کے سامنے میں اس کے سایہ میں آرام لینے کے لیے بیٹھ گیا ایک شخص اس گرجا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہوں پھر یہ شخص میرے لیے کھانا اور پانی لایا اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا اور کہا کہ تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتب سابقہ کا روئے زمین پر نہیں ہے میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گرجا سے ہمیں نکالے گا اور اس شہر پر قابض ہو گا۔ میں نے کہا کہ اے شخص تیرا خیال نہ معلوم کہاں چلا گیا پھر

اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے میں نے کہا عمرؓ بن خطاب تو یہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم آپ ہی وہ شخص ہیں اس میں کچھ شک نہیں۔ لہٰذا آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے اس گرجا کو میرے نام واگذار کر دیجئے۔ میں نے کہا اے شخص تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے اس کو مسخراپن کرکے ضائع مت کر مگر اس نے نہ مانا۔ آخر میں نے اس کو ایک تحریر لکھ دی اور مہر کر دی۔ آج یہ اسی تحریر کو لے کر میرے پاس آیا ہے اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے بیٹے کا میں کیسے دے سکتا ہوں (ازالۃ الخفاء بحوالہ دینوری و ابن عساکر)

(۱) ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کعب احبار سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کا سبب ایک وحی آسمانی تھی وہ ملک شام میں تجارت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک خواب دیکھا جس کو بحیرا راہب سے بیان کیا اس نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا مکہ کے اس نے پوچھا، کس قبیلہ سے۔ آپؓ نے فرمایا قریش سے اس نے پیشہ پوچھا۔ آپؓ نے فرمایا تاجر، تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو سچا خواب دکھلایا۔ آپ کی قوم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے ان کی زندگی میں آپؓ ان کے وزیر ہوں گے۔ اور ان کی وفات کے بعد آپؓ ان کے خلیفہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابوبکر صدیقؓ آپ کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے محمدؐ آپ کے دعویٰ کی کیا دلیل ہے حضورؐ نے فرمایا کہ وہ خواب جو تم نے ملک شام میں دیکھا یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے معانقہ کیا اور آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں

اسی مضمون کو شیعہ راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ صرف اس قدر تصرف کیا ہے کہ راہب کے بجائے ان لوگوں نے کاہن کر دیا ہے چنانچہ علامہ باذل شیعی اپنی کتاب حملہ حیدری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کے بیان میں لکھتے ہیں

ابابکر ازاں پس بره پا گزاشت — کہ گفتار کاہن بدل یاد داشت
بادکاہنے دادہ بود ایں خبر — کہ مبعوث گردد دریں نامور!
زبطحا زمیں در ہمیں چندگاہ — بود خاتم انبیائے الٰہ

تو با خاتم انبیار بگروی چو او بگذرد جانشینش شوی !
زکاہن چو بودش بیاد ایں نوید بیاورد ایمان نشاں چوں بدید
وزاں پس بتدریج چندے دگر نبی را بعز ماں نہادند سر

(۲) ابویعلی اور طبرانی نے معجم اوسط میں ابن عساکر اور حسن بن عرفہ نے اپنے جزمشہور میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شب کو مجھے معراج ہوئی جس آسمان پر میرا گزر ہوا میں نے اس میں اپنا نام لکھا ہوا پایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ اور اپنے نام کے پیچھے ابوبکر صدیق کا نام دیکھا

(۳) دارقطنی نے افراد میں اور خطیب اور ابن عساکر نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شب مجھے معراج ہوئی میں نے عرش میں ایک سبز جوہر دیکھا جس میں سفید نور سے لکھا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق

(۴) حاکم نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی کہ یا اللہ اسلام کو عمر رضی اللہ عنہ سے عزت دے۔

یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بروایات مستفیضہ متعدد صحابہؓ کرام سے منقول ہے ازاں جملہ حضرت عائشہ صدیقہ سے ابنِ ماجہ میں اور حضرت ابنِ عمرؓ سے اور حضرت ابنِ مسعودؓ سے مستدرک حاکم میں مروی ہے۔

(۵) عن ابن مسعود ما زلنا اعزۃ منذ اسلام عمر و فی روایۃ واللہ ما استطعنا ان نصلی عند الکعبۃ ظاھرین حتیٰ اسلم عمر

ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم لوگوں کی عزت بڑھی جب سے عمرؓ اسلام لائے۔ اللہ کی قسم ہم کعبہ کے پاس علانیہ نماز بھی نہ پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ عمرؓ اسلام لائے (مستدرک حاکم)

(۶) اخرج ابن ماجۃ من حدیث عوام بن حوشب عن ابن عباس قال لما اسلم عمر نزل جبریل فقال یا محمد لقد استبشر اھل السماء باسلام عمر

ابن ماجہ نے عوام بن حوشب سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب عمرؓ اسلام لائے تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے کہا اے محمدؐ آسمان والے عمرؓ کے مسلمان ہونے سے خوش ہوئے ہیں

(۷) عن ابن عمرو ابی هریرة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بینا انا نائم رائیتنی علی قلیب علیھا دلو فنزعت منھا ما شآء اللّٰہ ثم اخذھا ابوبکر فنزع ذنوبًا او ذنوبین وفی نزعہ ضعف واللّٰہ یغفر لہ ثم جآء عمر فاستسقیٰ فاستحالت غربا فلم ار عبقریا من الناس یفری فریہ حتیٰ ضرب الناس وضربوا بعطن (صحیحین)

(۷) حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا اور اس میں سے جس قدر ڈول خدا کو منظور رہتے بھرے پھر اس ڈول کو ابو بکرؓ نے لیا اور ایک ڈول یا دو ڈول انہوں نے بھرے۔ ان کے بھرنے میں کچھ کمزوری تھی۔ اللّٰہ تعالیٰ اس کو معاف کرے پھر حضرت عمرؓ آئے اور بھرنے لگے وہ ڈول ان کے ہاتھ میں جا کر پر بن گیا۔ میں نے کسی طاقتور کو نہیں دیکھا کہ ان کے مثل طاقت سے کام کرتا ہو یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

یہ حدیث خلافت کی پیشین گوئی ہے حضرت ابوبکرؓ کی کمزوری سے اشارہ ان کی نرم دلی کی طرف ہے (واللّٰہ اعلم)

(۸) عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہٖ مالقیک الشیطٰن سالکا فجاً الاسلک فجا غیر فجک (صحیحین)

ترجمہ:۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے ابنِ خطاب قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب تم کو شیطان کسی راہ میں جاتا ہوا دیکھتا ہے تو اس رستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ میں چلنے لگتا ہے۔

(۹) عن عقبہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لوکان بعدی نبی لکان عمر (اخرجہ الترمذی والحاکم)

ترجمہ:۔ حضرت عقبہ بن عمر سے روایات ہے کہ رسولِ خدا صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے (ترمذی حاکم)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

وہ آدھی دُنیا کا حکمراں تھا وہ حکمراں بھی مگر کہاں تھا
بپھرتی موجوں پہ حق پرستوں کی سادہ کشتی کا بادباں تھا

بڑا مبارک ہے کام اُس کا ستاروں جیسا مقام اُس کا
وہ ایک شاہیں صفت مجاہد جو سوئے منزل رواں دواں تھا

اُبھرتے سورج سے تاج مانگا سمندروں سے خراج مانگا
کسے خبر ہے کہ اُسکا سکہ جہاں میں جاری کہاں کہاں تھا

وہ نیک سیرت حیا کی خاطر لڑا ہمیشہ خدا کی خاطر
وہ دیکھنے میں تھا ایک لیکن حقیقتوں میں وہ کارواں تھا

قلندرانہ حیات اُس کی سکندرانہ صفات اُس کی
کبھی ردا تھا وہ مفلسوں کی کبھی وہ ریشم کا سائباں تھا

وہ ایک عنواں بشارتوں کا بصیرتوں کا بصارتوں کا
اُسی سے رستے تلاش کرنا وہ دینِ فطرت کی کہکشاں تھا

حسنؓ سے پوچھو علیؓ سے پوچھو تم اُس کے بارے نبیؐ سے پوچھو
اندھیری شب میں چراغ بن کر وہ ساری دنیا میں ضوفشاں تھا

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احادیث کی روشنی میں

حضرت علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی لندن

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

صفوۃ بنی آدم انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات ہیں اور ان کے بعد وہ حضرات جو صفات میں ان حضرات کے قریب ہوں۔ بلکہ انہی کا مظہر ہوں انبیاء علیہم السلام قرب الٰہی، عصمت خداوندی علم قطعی اور شرف انسانی کے اس اعلیٰ پیمانے پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کی زندگیوں سے آگے کئی زندگیاں بنتی ہیں۔

انبیاء کے مظاہر میں کاملین کی آمد

قرب الٰہی یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کی معیت شامل حال رہے۔ عصمت خداوندی یہ کہ شر شیطان سے خدائی حفاظت میں ہوں علم ایسا قطعی کہ انسان اس پہ نظر ثانی نہ کرسکے اور شرف انسانی یہ کہ کوئی قوت غضبی یا شہوی اس شرف انسانی کو پھاند نہ سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی معیت میں تھے تو یہ معیت حضرت ابوبکر صدیق کو بھی ساتھ لیے ہوئے تھی۔ ان اللہ معنا کے الفاظ سے انہیں اس معیت صادقہ کی اطلاع دے دی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شر شیطانی سے خدائی حفاظت میں تھے تو حضرت عمرؓ سے بھی مصدر شر ور فتن شیطان لعین بھاگتا تھا حضرت عمرؓ کا یہ مقام گو مقام عصمت نہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا مقام ہے جو اس کے بہت ہی قریب ہے حضرت ابوبکر اپنے منصب صدیقی میں خود علم قطعی کے امین تھے اور احادیث کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ بھی ایسا علم اتارا جاتا تھا۔ کہ بغیر نبوت کے خدا ان سے باتیں کرتا تھا اور علم کے فوارے ان کے پوروں سے ٹپکتے تھے خود نماز کی حالت میں ان پہ جہاد کے نقشے اتار دیئے جاتے اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ الٰہی نصرت ہی ان لشکروں پر اس طرح اترتی کہ کفر کے ایوان یکسر زیر ہو جاتے۔

عصمت خداوندی کے رنگ میں رنگین ہونا

انبیاء کرام دخل شیطانی اور غفلت انسانی دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

اور خدائی حفاظت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دخل شیطانی سے محفوظ ہونے کی خود حضورؐ نے بشارت دی ہے۔

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (م ۵۵ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی کچھ عورتیں (ازواج مطہرات) رضی اللہ عنہن کچھ اونچی آواز سے باتیں کر رہی تھیں کہ حضرت عمرؓ آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت عمرؓ کا نام سنتے ہی یہ سب پردے میں چلی گئیں حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو آنے کی اجازت دی آپ آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ آپ نے حضورؐ سے عرض کی اللہ آپ کو مسکراتے رکھے کیا بات تھی؟ آپؐ نے فرمایا مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے کہ تمہاری آواز سنتے ہی ایک طرف ہو گئی ہیں۔ آپ نے انہیں (ان بیبیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا" تم مجھ سے ہیبت کھاتی ہو اور حضورؐ سے نہیں ڈر نہیں لگتا" انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ آپ بہت سخت مزاج ہیں۔ حضورؐ نے حضرت عمر سے کہا " اور سن لو اے خطاب کے بیٹے" اور فرمایا

مالقیک الشیطان سالکاً فجاً قط الا سلک فجاً غیر فجک

ترجمہ:۔ تجھے چلتے ہوئے شیطان کسی رستے میں نہیں ملتا۔ مگر یہ کہ وہ تیری راہ چھوڑ کر دوسری راہ لے لیتا ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲۰)

جب شیطان آپ کی راہ چھوڑتا ہے۔ اور بعض روایات کی رُو سے آپ سے ایسے بھاگتا ہے جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے تو ظاہر ہے کہ آپ میں اور شیطان میں دوری اور بُعد ایک فطری اور دائمی صورت رکھتے تھے یہ گناہوں سے بچاؤ کی کتنی عظیم خبر ہے یہ معصومیت تو نہیں معصومیت خاصہ انبیاء ہے۔ لیکن عصمت خداوندی کے رنگ میں رنگین ہونا یہ بھی کوئی کم فضیلت نہیں ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ سے بھاگنے والے صرف شیاطین الجن ہی نہیں جو انسان شیطان صفت ہوں گے۔ وہ بھی ان کے نام سے بھاگتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لانظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر (ترمذی)

ترجمہ:۔ میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین خواہ وہ انسانوں کے ہوں یا جنات کے عمر سے بھاگ گئے ہیں

عمر کے اچھلنے فواروں کا منظر

م۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بلینا انا نائم شربت یعنی اللبن حتی انظر الی الری یجری فی اظفاری ثم ناولت عمر

ترجمہ:۔ میں سویا ہوا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ میں نے دودھ پیا یا ہے اور اس کی سیرابی میرے ناخنوں سے ہونے لگی پھر میں نے وہ عمر کو دے دیا۔ (صحیح بخاری جلد ا صـ ۵۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسے ان لفظوں میں روایت کرتے ہیں (جامع ترمذی جلد ۲ صـ ۵۶۴)

رایت کانی اتیت بقدح لبن فشربت فاعطیت فضلی عمر بن الخطاب

ترجمہ:۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا جسے میں نے پیا اور اپنا بچا میں نے عمر بن الخطاب کو دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا "العلم" اس میں حضرت عمر کی شان دکھائی گئی ہے۔ جن حضرات کو حضورؐ کے بچے پیالے سے علم ملے پھر ان کی زبان سے ہمیشہ سچ ہی نہیں نکلتا ہے گو انہیں خود اسکے بواعث پر اطلاع نہ ہو وہ ایسے صدق آشنا ہوتے ہیں کہ ان کی زبان پر حق جاری رہتا ہے اور یہ وہ مقام ہے کہ اس کے آگے بس نبوت ہے اگر آپ نبی نہ ہوئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آگے دروازہ لگ چکا تھا

حق گوئی اور صدق دلی کی آسمانی تصدیق

۳۔ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ (جامع ترمذی جلد ۲ صـ ۵۶۳ مکمل)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالی نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر جاری فرما دیا ہوا ہے۔

حضور نے صرف زبان کی بات نہیں کی آپ کے دل کی بات کی بھی خبر دی ہے۔ لبا اوقات منافق بھی صحیح بات کہتے تھے مگر ان کا دل ان کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ کس قدر خوش قسمت ہے وہ انسان جس کی زبان اور دل ایک سے ہوں اور پھر یہ کہ خدا کا پیغمبر اس کی شہادت دے رہا ہو

حضرت عبداللہؓ نے جب یہ حدیث روایت کی تو ساتھ اپنی شہادت یہ دی:۔

ما نزل بالناس امر قط فقالوا فیہ وقال فیہ عمر الا نزل فیہ القران علی نحو ما قال عمر

ترجمہ:۔ جب بھی لوگوں پر کوئی واقعہ رونما ہوا اور انہوں نے اس میں کچھ کہا اور حضرت عمرؓ نے بھی کچھ کہا تو قرآن کریم نے اس کی تائید کی جو حضرت عمر نے کہا ہوتا

نبوت کے سائے میں جگہ پانا

۴۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کہتے ہیں ہم (صحابہ) یوں محسوس

کرتے گویا مقام سکینہ (جو اللہ تعالیٰ نے غار ثور میں حضورؐ پر حضرت ابوبکر کی معیت میں اتارا تھا)
آپ کی زبان پر اترا ہوا ہے کنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر۔ المشکوٰۃ ص۵۵۲
ترجمہ:۔ ہم بہت حیرت سے سمجھ پاتے کہ سکینہ کس طرح حضرت عمر کی زبان پر اتر رہا ہے۔

۵۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ ۵۸ھ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب جامع ترمذی ص۵۶۳
ترجمہ:۔ میرے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونا ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر ولایت الٰہی کے جملہ مراتب وہ صغریٰ ہوں یا کبریٰ طے کر چکے ہوئے تھے اور آگے نبوت پر اس لئے نہ گئے کہ ان کے عرفان میں کچھ کمی تھی بلکہ اس لیے کہ آگے دروازہ ہی لگا ہوا تھا۔ دوسرا کوئی شخص اس مقام کے لائق تھا تو وہ آپؐ کے بیٹے حضرت ابراہیم تھے اگر آپ کے بعد نبوت کسی کو ملنی ہوتی تو آپؐ کے بیٹے ضرور اس عمر کو پہنچتے جس میں نبیوں کو یہ ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ آپ بچپن میں ہی فوت ہو گئے اور اس جہت سے آپ کا زندہ رہنا ممکنات میں سے نہ تھا کوئی غیر تشریعی منصب نبوت بھی باقی ہوتا تو آپ زندہ رہتے اور اسے پالیتے نبوت کا دروازہ ہر پہلو سے بند تھا۔

خدا سے ہمکلامی کا شرف پانا

۶۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قد کان یکون فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی منهم احد فان عمر بن الخطاب منهم — (صحیح مسلم جلد ۲ ص۲۷۶)

ترجمہ:۔ بیشک تم سے پہلی امتوں میں بھی محدث (خدا کے کلام کو پانے والے) ہوئے ہیں ان سے میری امت اگر کوئی ہے تو عمر بن الخطاب بیشک ان میں سے ہیں

قبائے دین جس کے پیکر کی زینت تھی

۷۔ حضرت ابوسعید الخدری (۷۴ھ) روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: بینا انا نائم رایت الناس یعرضون علیّ وعلیهم قمص منها ما یبلغ الثدی ومنها ما یبلغ دون ذلك ومرّ عمر بن الخطاب وعلیه قمیص یجره قالوا ما ذا؟ اولت یا رسول الله قال الدین (رواہ مسلم)

ترجمہ: میں نیند میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ مجھ پر پیش کیے جا رہے ہیں اور وہ قمیصیں

پہنے ہوئے ہیں بعض کی قمیص چھاتی تک ہے اور بعض کی اس سے بھی کم اور حضرت عمر ابن الخطاب بھی گذرے اور ان پر ایسی قمیص ہے جو زمین پر گھسٹتی جارہی ہے۔ صحابہ نے پوچھا اس سے کیا مراد ہے اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا یہ دین ہے جو قمیص کی شکل میں مجھے دکھلایا گیا ہے۔

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے عمل کی صورت دکھلائی گئی کس طرح قبائے دین آپ کے جسد اطہر کو ہر طرف سے گھیرے ہیں لیے تھی آپ کے علم کی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بچے دودھ کی سیرابی سے دکھائی گئی علم میں روایت ضروری ہے اس لیے آپ نے حضور کے بچے دودھ کو نوش جان فرمایا عمل اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے سو آپ نے ایک مستقل قمیص زیب تن فرمائی عمل میں زبان اور قلب خصوصی درجہ رکھتے ہیں حضورؐ نے حضرت عمرؓ کے ان مقامات کی خصوصی تصدیق فرمائی۔

وہ قمیص زمین پر گھسٹتی کیوں جارہی تھی؟ یہ اس لیے کہ آپ کے عمل کی پیروی اس امت میں جاری ہوگی حضورؐ کو دکھلایا گیا کہ آپ کے عمل کے پیرائے آپ کی امت میں اقتدار پائیں گے اور حضورؐ نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ میرے خلفائے راشدین کی اقتدا میں چلنا علم اور عمل کے بعد اخلاق فاضلہ ہیں اور ان میں پہلا درجہ غیرت کا ہے اس باب میں بھی حضور کی تصدیق سنیے۔

حضورؐ نے جنت میں آپکے محل کو دیکھا

۸۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ (۷۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

رایتنی دخلت الجنۃ فاذا انا بالرمیصاء امرأۃ ابی طلحۃ وسمعت خشفۃ فقلت من ھذا فقال ھذا بلال ورایت قصراً بفنائہ جاریۃ فقلت لمن ھذا فقال لعمر بن الخطاب فاردت ان ادخلہ فانظر الیہ فذکرت غیرتک فقال عمر بابی وامی یا رسول اللہ أعلیک اغار

ترجمہ:۔ میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں وہاں میں نے (اپنی رضاعی خالہ) رمیصاء زوجہ ابی طلحہ کو دیکھا اور میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی میں نے پوچھا کون ہے مجھے جواب دیا گیا یہ بلال ہیں اور میں نے ایک محل دیکھا جس کے سامنے ایک باندی کھڑی ہے میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ اس نے کہا عمر بن الخطاب کا میں نے چاہا کہ میں اسے اندر جاکر دیکھوں مگر اے عمر مجھے تیری غیرت کا دھیان آگیا حضرت عمرؓ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا میں آپ کی بات پر بچار کروں گا۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۵۲۰)

امام ترمذیؒ اس مقام پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ رؤیا الانبیاء وحی کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ سو امام ترمذیؒ نے متنبہ فرمایا کہ حضورؐ نے جو حضرت عمرؓ کے قصر جنت کی خبر دی ہے وہ وحی الٰہی پر مبنی ہے اور ایسی خبر ہے جس کے ارد گرد شک کا کوئی کانٹا بکھرا نہیں ہے پھر آپ نے صرف آپ کے قصر جنت کو ہی نہیں دیکھا آپ کا مقام خلافت بھی رؤیا میں دیکھ لیا اور دیکھا کہ آپ کی خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی زیادہ عرصہ امت کے لیے فیض بخش رہی۔

حضورؐ نے آپ کے مقام خلافت کو دیکھا

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۳ھ، ۵ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رایت فی المنام انی انزع بدلو بکرة علی قلیب فجاء ابوبکر فنزع ذنوباً او ذنوبین نزعاً ضعیفاً والله یغفر له ثم جاء عمر بن الخطاب فاستحالت غرباً فلم ار عبقریاً یفری فریه حتی روی الناس وضربوا بعطن

ترجمہ: میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر چرخی پہ پانی کا ڈول کھینچ رہا ہوں کہ ابوبکر آ گئے آپ نے ایک دو ڈول نکالے ہوں گے۔ کہ عمر بن الخطاب آ گئے ابوبکرؓ کے ڈول کھینچنے میں کمزوری تھی اللہ آپ کو اس پہ بخش دیں گے۔ عمرؓ کے وقت ڈول بڑا ہو گیا۔ میں نے کسی سردار کو اس توانائی سے پانی نکالتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور انہوں نے اپنے اونٹ تک سیراب کر کے اپنے مناخ میں بٹھا دیئے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲)

یہ آپ کی خلافت کا نقشہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مثالی شکل میں دکھایا گیا۔ خلافت خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور نفع پہنچانے کا نام ہے تاریخ گواہ ہے کہ مخلوق خدا نے جو نفع اور آرام حضرت عمرؓ کی خلافت میں پایا اس کی نظیر فرمانروایان عالم میں نہیں ملتی خلیفہ اپنے نام یا الہام سے نہیں اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ خلافت کا حق ادا کر رہا ہے یا نہیں

۱۰۔ اسلام کی عزت اور غلبہ حضرت عمرؓ کے دم سے

عربوں کو جو عزت اسلام سے ملی اس کی صدائے بازگشت حضرت علی مرتضیٰ کے خطبوں میں سنو تاہم اس سے انکار نہیں کہ لسان رسالت نے حضرت عمرؓ کو اس مقام پر رکھا جس سے اسلام نے عزت پائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ دعا کی تھی اے اللہ عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام میں سے جو تجھے پسند ہو اس سے اسلام کو عزت عطا کر اور عمر اللہ کی نظر میں اس کے پیارے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یہ تھی

اللّٰھم اعز الاسلام باحب ھذین الرجلین الیک بابی جھل او بعمر بن الخطاب

اے اللہ ان دو میں سے جو تجھے پیارا ہو تو اس سے اسلام کو عزت دغلبہ عطا فرما — رواہ الترمذی

۱۱۔ قبروں سے حضور کے ساتھ اٹھنے کی سعادت

امام ترمذی مناقب حضرت عمرؓ میں نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا:

انا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابو بکر ثم عمر ثم اٰتی اھل البقیع فیحشرون معی

رواہ الترمذی جلد ۳ ص ۵۶۶

ترجمہ: میں پہلا ہوں گا جس کی قبر کھلے گی پھر ابوبکر کی پھر عمر کی۔ پھر میں بقیع آؤں گا اور مدفونین بقیع میرے ساتھ جمع کیے جائیں گے۔ ایک ہی جگہ سے اٹھنا اور اس ترتیب سے اٹھنا بتلاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین مدافن کا علم بخشا گیا تھا کہ آپ کے ساتھ اس گنبد خضرا میں اور کون کون مکین ہوں گے اور یہ کہ چوتھی قبر کی جگہ پر حضرت عیسٰی بن مریم کے علاوہ اور کوئی نہ آئے

ان دو کی کیا شان جو دو پیغمبروں کے درمیان فروکش ہوں گے حضرت عیسے علیہ السلام کے دو حشر ہوں گے ایک اپنی امت کے ساتھ اور ایک اس امت میں سے۔ وقت کے اس فاصلے کے باعث یہاں ان کا ذکر نہیں صرف تین کے ایک ترتیب سے اٹھنے کا تذکرہ ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ان تینوں کو ایک مٹی سے پیدا کیا تھا

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کتاب المتفق والمفترق میں حضرت عبداللہ ابن مسعود (۳۱ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۲۔ ما من مولود الا وفی سرتہ من تربتہ التی خلق منھا حتی یدفن فیھا وانا وابو بکر وعمر خلقنا من تربۃ واحدۃ فیھا ندفن

(ماخوذ از فتاوے افریقہ ص ۹۹)

ترجمہ: ہر بچے کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے اسے بنایا گیا یہاں تک کہ وہ اس میں دفن کیا جاتے اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کئے گئے اسی میں ہم دفن ہوں گے۔

دینِ ھدیٰ کی عزّت و عظمت تمہیں تو ہو

از عابد رحمانی الفاروقی بھکر ضلع میانوالی

فاروقؓ! فخر و نازِ رسالت تمہیں تو ہے
سرمایۂ خلوص و محبّت تمہیں تو ہو

حقا دعائے کلبِ نبوّت تمہیں تو ہو
واللہ، کبریا کی مشیّت تمہیں تو ہو

ہے فخر مصطفٰیؐ کو تیرے صدق و عشق پر
نازاں ہے جس پہ تختِ خلافت تمہیں تو ہو

ملّت کو تیری ذات سے حاصل ہوا عروج
دینِ ہدیٰ کی عزّت و عظمت تمہیں تو ہو

سینوں سے کر کے دُور کدورت کو رنج کو
جس نے دیا پیامِ محبّت تمہیں تو ہو

کفّار کے دلوں میں ہے اب تک ترا ہی خوف
مشہورِ خلق جس کی ہے ہیبت تمہیں تو ہو

تسخیرِ مصر و شام اور ایران و رُوم سے
جس کی عیاں ہے شوکت و سطوت تمہیں تو ہو

تدبیر و عقل و حکمت و دانش سے بے شبہ
جس نے مٹائے کفر و ضلالت تمہیں تو ہو

کر کے پسر پہ شرع کے فرمان کا نفاذ
جس نے دکھائی شانِ عدالت تمہیں تو ہو

تم ہی رہے مدام شریعت پہ گامزن
لاریب زیبِ تختِ خلافت تمہیں تو ہو

دے کر شہِ ایران کی دُختر حسینؓ کو
جس نے دیا ثبوتِ محبّت تمہیں تو ہو

صدّیقِ جاں نثار کی مانند بعدِ مرگ
جس کو ملا ہے شرفِ معیّت تمہیں تو ہو

عشقِ خدا و عشقِ رسُولِ خدا کے بعد!
عابدؔ کے دِل میں جس کی ہے اُلفت تمہیں تو ہو

حضرت عمر اور حضرت علی کے باہمی تعلقات اور ایک دوسرے کے لیے خیر خواہانہ جذبات

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ۔ علامہ خالد محمود صاحب

قمر رسالت کے گرد ستاروں کا ایک ہالہ تھا ان میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک دوسرے کے ساتھی ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ایک دوسرے کی قوت بازو تھے انتہائی مخلصین کے سوا ایسی مودت اور یگانگت شاید ہی کسی نے کہیں دیکھی ہو حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی میں جس طرح حضرت عمرؓ ہمیشہ آپ کے ساتھ ساتھ رہے حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد وہ پیرایہ مودت اگر کہیں نظر آتا ہے تو حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مابین اور اس پر تاریخ کی بے شمار شہادتیں قائم ہیں ۔

عہد رسالت میں

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ بڑی ہوئیں تو حضورؐ کے سامنے ان کے نکاح کا مسئلہ تھا حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے علیحدگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ کی خواستگاری پر آمادہ کیا اور جب دیکھا کہ حضورؐ نے حضرت علی کو اپنی دامادی کے لیے منظور فرما لیا ہے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اس پر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ جتنا اونچا رشتہ تھا اس کے لیے ویسا ہی بر بھی میسر آیا علی بن عیسیٰ اردبیلی لکھتا ہے :۔ ففرحا بذلك فرحا شديداً[1] ــــ کہ یہ حضرات اس سے بہت ہی خوش ہوئے ۔

حضرت علی خود کہتے ہیں انہوں نے ہی مجھے تزویج فاطمہ کے لیے کہا تھا :۔

اتانی ابوبکر وعمر فقالا لو اتيت رسول الله صلی الله عليه وسلم فذكرت له فاطمة[2]

چرا بہ نزد حضرت رسول نے روی کہ فاطمہ را خواستگاری مے نمائی[3]

(ترجمہ) آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیوں نہیں جاتے تاکہ حضرت فاطمہ کا رشتہ مانگیں ۔

---

[1] کشف الغمہ جلد ۱ ص ۳۴۸ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۳۸ طبع قدیم [2] کتاب الامالی محمد بن حسن الطوسی جلد ۱ ص ۳۸

[3] جلاء العیون ص ۱۲۰ ۔

اسی سے آپ اس ماحول کا اندازہ کر لیں جس میں یہ حضرات رہ رہے تھے ان میں صرف ضابطے کا نہیں رابطے کا ایسا تعلق تھا کہ سب ایک مائے سے حضورؐ کے سامنے حاضری دیتے تھے۔

۲۔ مرض وفات میں طلب قرطاس

اہل علم سے مخفی نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکرٹری تھے حدیبیہ کے مقام پر آپ نے ہی آپ کے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں کاغذ یا تختی مانگی کہ آپ اس میں کچھ لکھ دیں جس سے آپ کی امت آپ کے بعد نہ بھٹکے ظاہر ہے کہ قلم دوات لانے کی یہ ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتی تھی لیکن آپ (حضرت علیؓ) اس کے لیے آمادہ نہ ہوتے آپ کو ڈر تھا ایسا نہ ہو کہ میں کاغذ لینے جاؤں اور پیچھے آپ کی وفات ہو جاتے۔

اس طلب قرطاس یا تختی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حضورؐ قرآن کے بارے میں صحابہ کا امتحان لے رہے ہوں کہ وہ قرآن پاک پر اس طور اعتماد رکھتے ہیں یا نہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے انہیں گمراہی کا کوئی خطرہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسی لیے تو اس کتاب سے نوازا ہے کہ کہیں یہ گمراہ نہ ہو جائیں) کیا قرآن کی یہ شہادت تمہارے لیے کافی نہیں ؟

یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ پ النساء رع ۲۴ - آیت ۱۷۶

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ اسی لیے قرآن اتار رہے ہیں کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے دین کی جو محکمات پہلے بتلائی ہیں انہی میں سے آپ بعض کی توضیح مزید کرنا چاہتے ہوں

صحابہ عجیب تذبذب میں تھے حضورؐ کا حکم تھا کہ کوئی چیز لاؤ جس پر میں کچھ لکھ دوں اور حضرت علیؓ لا نہیں رہے تھے حضرت علی کو جو فکر تھی وہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں تاہم اندیشہ تھا کہ لوگ قلم دوات نہ لانے پر حضرت علیؓ کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اس مخالفت سے بچانے کے لیے قرآن کی مذکورہ یقین دہانی کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا حسبنا کتاب اللہ ہمیں قرآن کی بشارت کافی ہے کہ ہم اس کے سبب آئندہ گمراہ نہ ہوں گے سو اس تکلیف کے وقت ہم حضورؐ کو اور زحمت کیوں دیں اور کوئی بات ہو تو ہم آپ سے زبانی سمجھ لیں گے۔

یہ سارا جواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعتراض سے بچانے کے لیے دیا جا رہا تھا کہ حضورؐ کے حکم

کے باوجود آپ قلم دوات کیوں نہیں لا رہے ہے حضرت عمرؓ نے اسی لیے حسبی کتاب اللہ نہیں کہا حسبنا کتاب اللہ کہا معلوم ہوتا ہے جمع کے صیغے میں کسی اور کو اس یقین میں داخل کرنا تھا اور وہ حضرت علی اور تمام صحابہ کی اس میں نمائندگی تھی حضورؐ نے بھی یہ نہ فرمایا کہ عمر تم اپنی بات کہو تم سب کی نمائندگی کیوں کرتے ہو؟

معلوم ہوا حضرت عمرؓ کی نمائندہ حیثیت دربار رسالت سے مہر تصدیق پا رہی تھی حضرت عمرؓ کا اس انداز میں حضرت علی کی مجبوری پر پردہ ڈالنا ان دونوں بزرگوں کی قلبی یگانگت کا پتہ دیتا ہے۔ حضرت علیؓ نے حضورؐ سے زبانی ارشاد کی درخواست کی اور حضورؐ نے جو بات لکھانی تھی زبانی فرما دی۔

عن علی بن ابی طالب قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اٰتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ قال فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت احفظ واعی قال اوصی بالصلٰوۃ والزکٰوۃ وما ملکت ایمانکم [1]

(ترجمہ) حضرت علی سے روایت ہے آپ نے فرمایا مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ایک تختی لے کر آپ کے پاس آؤں آپ ہمیں وہ کچھ لکھ دیں کہ آپ کی امت آپ کے بعد گمراہ نہ ہو لیکن مجھے خطرہ رہا کہ اس دوران کہیں آپ کی وفات نہ ہو جائے میں نے کہا میں یاد رکھوں گا اور بات محفوظ کر لوں گا۔ آپ نے فرمایا میں نماز، زکوٰۃ اور غلاموں کے حقوق پورا کرنے کی تمہیں وصیت کرتا ہوں۔

امام جعفر صادق کی رائے میں آپ وہ نام لکھوانا چاہتے تھے جو لولاد کے نہ رکھے جائیں ان کی رائے میں طلب قرطاس کا موضوع خلافت نہ تھا محمد بن یعقوب کلینی لکھتا ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا بصحیفۃ حین حضرہ الموت یرید ان ینھی عن اسماء یتسمّٰی بھا فقبض ولم یسمھا [2]

(ترجمہ) امام جعفر صادق سے روایت ہے آپ نے فرمایا حضورؐ نے وفات کے وقت کاغذ

---

[1] مسند امام احمد ص ۲ صہ ۸۴ اسناد حسن (شرح احمد محمد شاکر) [2] فروع کافی جلد ۲ صہ ۲۶۳ لکھنؤ طبع قدیم۔

طلب فرمایا آپ چاہتے تھے وہ نام لکھ دیں جو اولاد کے نہ سکے جابن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ وہ نام بتلا نہ سکے۔

بات کچھ بھی ہو لیکن کلینی بھی حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی صفائی نہیں دے سکا کہ آپ نے کیوں کاغذ پیش نہ کیا حضورؐ کا حکم ہو اور آپ پس وپیش کریں یہ حضرت عمرؓ کی ہی شخصیت تھی جنہوں نے حضرت علی سے اعتراض کو اٹھالیا اور فوراً کہا حسبنا کتاب اللہ کو ہم سب کو قرآن کا وعدہ یاد ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے امت گمراہ نہ ہوگی حضورؐ اطمینان رکھیں ہمارا قرآن پر اعتماد ہے۔

یہ واقعات تو حضورؐ کے عہد کے تھے اب ذرا آگے چلئے اور دیکھئے حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں ان دونوں حضرات (حضرت عمر اور حضرت علی) میں یگانگت کس درجے میں قائم تھی۔

عہد صدیقی میں

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے اور صحت کی امید نہ رہی تو آپ نے کھڑکی سے لوگوں کی طرف جھانکا اور کہا میں نے جانشین مقرر کر دیا ہے کیا تم اس بات سے راضی ہو لوگوں نے کہا اے خلیفہ رسول ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں مگر حضرت علی مرتضیٰ نے کہا اگر حضرت عمر کو مقرر کیا ہو تو ہم راضی ہیں کسی اور پر نہیں

فقال علی لا نرضیٰ الا یکون عمر بن الخطاب

(ترجمہ) حضرت علی نے کہا ہم راضی نہیں مگر یہ کہ آپ نے حضرت عمر کو چنا ہو

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جانشین کی یہ تحریر کس سے لکھوائی؛ حضرت عثمان سے ——— وہی اسے لے کر صحابہ کے پاس آئے تھے اور آپ نے ان سے پوچھا تھا:۔

اتبایعون لمن فی ھذا الکتاب۔

(ترجمہ) کیا تم اس کی بیعت کرو گے جسکا نام اس تحریر میں دیا گیا ہے۔

حضرت علیؓ نے لوگوں کو بتلایا اور وہ عمر ہیں۔ اس پر سب نے حضرت عمر کی بزرگی کا اقرار کیا اور ان کی بیعت کر لی [۲]

---

[۱] اسد الغابہ لابن اثیر الجزری جلد ۴ صفحہ ۰، ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۸۸ [۲] طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۴۲۔

حضرت علی نے پھر اس بیعت کا پورا حق ادا کیا اور کسی موقعہ پر بے وفائی نہ کی حضرت علی خود فرماتے ہیں:-

فوفیت له ببیعته حتی لما قتل جعلنی سادس ستة فدخلت حیث ادخلنی له

(ترجمہ) سو میں نے حضرت عمر کی بیعت سے پوری وفا کی یہاں تک کہ جب آپ شہید ہوئے آپ نے مجھے چھ آدمیوں کی شوریٰ میں رکھا آپ نے جہاں مجھے داخل کیا میں اس میں داخل ہو گیا

حضرت علی سے یہ بھی مروی ہے :۔

فاشار لعمر ولم یال فبایعه المسلمون وبایعته معهم فکنت اغزو اذا اغزانی واخذ اذا اعطانی ؎۲

(ترجمہ) حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو تجویز کیا اور اسمیں کوئی کمی نہ رکھی سو مسلمانوں نے ان کی (حضرت عمر کی) بیعت کی تو میں نے بھی آپ کی بیعت کر لی میں غزوات میں بھی جاتا جب آپ مجھے بھیجتے اور میں آپ کے عطیے بھی لیتا آپ جب مجھے دیتے۔

اب آپ ہی سوچیں کیا یہ بیعت جبری ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں آپ نے پوری رضا سے حضرت عمر کی بیعت کی تھی آپ خود فرماتے ہیں

فاستخلف عمر فبایعت ورضیت ؎۳

(ترجمہ) پس حضرت عمر خلیفہ بنائے گئے میں نے آپ کی بیعت کی اور رضا و رغبت سے یہ بیعت کی۔

عہد فاروقی میں۔

حضرت علی کی تمنا کہ حضرت عمر کو حضور اور حضرت ابوبکر کے ساتھ جگہ ملے۔

اپنے وقت کے چیف جسٹس امام ابو یوسف کہتے ہیں میں نے امام ابوحنیفہ کو کہتے سنا:

قال علی لعمر حین استخلفه ان اردت ان تلحق صاحبیک فارقع القمیص ونکس الازار واخصف النعل وارقع الخف وقصر

؎۱ امالی ص ۱۲۱ ؎۲ کنز العمال جلد ۶ ص ۸۲ ؎۳ فضائل ۔ لابی طالب العشاری ص ۵۔

الاسل وکل دون الشبع [1]

(ترجمہ) حضرت علی رضؓ نے حضرت عمرؓ سے جب وہ خلیفہ ہوئے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنے پہلے دونوں ساتھیوں (حضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ) کے ساتھ ملیں تو قمیض میں پیوند لگا، چادر اونچی رہے اپنا جوتا سی لیا کریں موزے کی مرمت بھی کر لیا کریں امیدیں مختصر رکھیں او کھائیں اس طرح کہ سیر نہ ہونے پائیں۔

اسے صرف ایک گذارش نہ سمجھئے حضرت علی نے شہادت بھی دی کہ واقعی آپ اپنے پیشروؤں کے طریقے پہ چلے یہاں تک کہ قضا کی گھڑی آپہنچی حضرت علی فرماتے ہیں۔

ثم استخلف عمر فعمل بعملہما وسار بسیرتہما حتی قبضہ اللہ علی ذلک [1]

(ترجمہ) پھر حضرت عمر خلیفہ بنائے گئے اور آپ اپنے پہلے دونوں پیشروؤں کے طریقے پر عمل پیرا ہوئے اور ان کی سیرت پر چلے یہاں تک کہ آپ کی اسی روش پر وفات ہوئی

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔

ثم استخلف عمر فعمل بعملہما وسنتہما ثم قبض علی خیر ما قبض علیہ احد فکان خیر ہذہ الامۃ بعد نبیہا وبعد ابی بکر [2]

(ترجمہ) جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ اپنے ان دونوں پیشروؤں کے طریقے اور ان کی سنت پر چلے اور آپ کا آخری وقت اس خیر پر ہی آیا جس خیر پر کسی کا وقت آسکتا ہے اور آپ اس امت کے نبیؐ کے بعد اور حضرت ابوبکر کے بعد واقعی خیر امت تھے۔

حضرت علی عہد عمر میں عہدہ قضا پر

حضرت عمر رضؓ لسان رسالت سے سن چکے تھے کہ صحابہ میں حضرت علی بہترین قاضی ہیں سو آپ نے خلیفہ بنتے ہی حضرت علی کو عہدہ قضا پر مامور فرمایا تیرہ ہجری کے ماہ جمادی الآخر کے آٹھ دن باقی تھے کہ حضرت عمر رضؓ سریر آرائے خلافت ہوئے اسی دن انہوں نے حضرت علی کو مدینہ کا قاضی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو اپنا شام میں نائب معین فرمایا حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

---

[1] کتاب الخراج صہ۱۵ کنز العمال صہ ٢١٩/٨ [2] مسند امام احمد جلد ١ صہ ١٢٨ مجمع الزوائد جلد ٥ صہ ١٧٦ [3] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ مسند امام احمد جلد ١ صہ ١٢٨ - کنز العمال جلد ٦ صہ ٣٦٩ ۔

فولّی قضاء المدینة علی بن ابی طالب و استناب علی الشام اباعبیدة[1]

(ترجمہ) پس آپ نے مدینہ کا قاضی حضرت علی کو بنایا اور شام میں اپنا جانشین حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح فہری کو بنایا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی اب جنگوں میں کیوں زیادہ شریک نہ ہوتے تھے اس کی وجہ بغیر اس کے کچھ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو عدلیہ کی خدمات سپرد کی تھیں اور وہ بھی اس حدیث کی روشنی میں کہ حضورؐ نے فرمایا علی صحابہ میں بہترین قاضی ہیں[2] محدث ابن جوزی کہتے ہیں:۔

حضرت عمر خلیفہ بنے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گزارش کی:۔

اقض بین الناس وتجرد للحروب[3]

آپ لوگوں کے فیصلے کریں اور جنگی امور سے علیحدہ رہیں:

حضرت ابن عباس کہتے ہیں:۔

خطبنا عمر فقال علی اقضانا وابی اقرأنا[4]

(ترجمہ) حضرت عمرؓ نے خطبہ میں کہا کہ علی ہم سب میں بہترین قاضی ہیں اور ابی بن کعب ہم سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے ہیں

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کے مابین ہرگز کوئی عداوت نہ تھی نہ آپس میں کوئی قلبی کھچاؤ تھا سب ایک دوسرے کی قدردانی اور اعتراف کمال میں ایک دوسرے کے مداح تھے حضرت علی لوگوں کے تنازعات میں فیصلہ فرمائے لیکن اگر کوئی ان کا اپنا مقدمہ ہوتا تو آپ حضرت عمرؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کا غلام فوت ہو گیا اور اس کی وراثت کا اختلاف چلا حضرت علیؓ نے کہا میں اپنی پھوپھی کا عصبہ ہوں اور میں ہی اس کے غلام کی طرف سے دیت ادا کر سکتا ہوں حضرت زبیر بن العوام نے کہا صفیہ میری والدہ ہیں اور ان کے غلام کا مالک اب میں

---

[1] البدایہ جلد ۷، صہ ۳۱ [2] جامع ترمذی ۲ صہ [3] سیرت عمر ابن الجوزی صہ ۶۳ [4] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ ۱۰۲، کتاب الامالی لمعد بن حسن الطوسی جلد ۱ صہ ۲۵۶۔ صحیح بخاری ۲ صہ ۶۴۴

ہوں والدہ کی وراثت مجھے پہنچتی ہے ۔ امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں :-

فقضیٰ عمر للزبیر بالمیراث وقضیٰ بالعقل علیٰ علی بن ابی طالب [1]

(ترجمہ) حضرت عمر نے فیصلہ حضرت زبیر کے حق میں کیا (بیٹے کے ہوتے ہوئے بھتیجا وارث نہیں ہوتا) اور اس کی دیت حضرت علی پر لوٹائی ۔

یہ صورت حال پتہ دیتی ہے کہ یہ حضرات کس طرح آپس میں شیر وشکر تھے اور ایک دوسرے پر انہیں کتنا اعتماد تھا حضرت علیؓ سے اختلاف کفر نہ تھا نہ کوئی آپ کو مامور من اللہ سمجھتا تھا اور آپ بھی بڑے سکون سے اپنے خلاف فیصلہ سن لیتے کبھی نہ کہتے کہ میں امام مامور من اللہ ہوں اور میری بات آخری بات ہے

حضرت علی حضرت عمر کی علمی مجلس کے بھی ممبر تھے

۱۔ ایک شخص جسے پہلے کوئی بات یاد ہو مگر پھر بھول جائے جب اس کو یاد کرائی جائے تو اسے یاد آجائے یہاں سوال یہ اٹھا کہ اسے (اس بات کو) اب اس شخص سے روایت کرنا درست ہے یا نہ؟ کیا اس کے علم پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علی سے یہ سوال پوچھا تو حضرت علی نے فرمایا :-

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من القلوب الا وله سحابة كسحابة القمر بينما القمر مضئ اذ علته سحابة فاظلم اذ تجلت عنه فاضاء وبينما الرجل يحدث اذ علته سحابة فنسي اذ تجلت عنه فذكره [2]

(ترجمہ) میں نے حضورؐ کو کہتے سنا کہ کوئی ایسا دل نہیں مگر یہ کہ اس پر ایک بادل سا چھایا ہوتا ہے جیسا کہ چاند پر بادل ہو چاند چمک رہا ہو اور اس پر بادل آجائے اور اندھیرا ہو جائے جب بادل اس سے ہٹے تو وہ پھر روشنی دینے لگے اسی طرح کوئی شخص حدیث بیان کرتا ہے تو اس کے دل پر بادل آجاتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے جب بادل اٹھ جائے تو وہ

---

[1] کتاب الآثار امام ابو یوسف صہ ۱۷۰ المصنف لعبد الرزاق جلد ۹ صہ ۴۵ کنز العمال ۶ صہ ، سنن سعید بن منصور جلد ۳ حصہ اول صہ ۴۲ ، [2] حلیہ الاولیاء جلد ۲ صہ ۱۹۶ ۔

بات پھر اسے یاد آجاتی ہے۔

۲۔ شام سے ایک جماعت آئی اور انہوں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ کے بارے میں کوئی مسئلہ پوچھا حضرت عمرؓ نے اپنی علمی کونسل کی میٹنگ بلائی حضرت امام احمد روایت کرتے ہیں :۔

استشار اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفیھم علی فقال علی ھو حسن ان لم یکن جزیۃ راتبۃ یوخذون بھا من بعدک [1]

(ترجمہ) حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ لیا اور ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ نے کہا یہ درست ہے بشرطیکہ آپ کے بعد یہ مستقل ٹیکس نہ بن جائے کہ ہمیشہ لیا جاتا ہے۔

۳۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد محدث عبدالرزاق (۲۱۱ھ) روایت کرتے ہیں :۔

حضرت عمر کے قاضی یعلیٰ کے پاس ایک شخص نے اپنے بھائی کے قاتل کو پیش کیا اس کا قاتل ہونا ثابت ہوگیا اور قاضی نے اسے مقتول کے بھائی کے سپرد کر دیا جس نے اس پر تلوار چلائی اور سمجھا کہ وہ مر گیا ہے اور چلا گیا حقیقتہً وہ مرا نہ تھا اور علاج کرنے سے تندرست ہوگیا تھا مقتول کا بھائی پھر وہ کیس قاضی کے پاس لے آیا قاضی نے اس قاتل کو بلایا اور اس کے جسم پر زخم دیکھے اور گنے اور فیصلہ کیا کہ مقتول کا بھائی اس قاتل کو اس کے زخموں کی دیت ادا کرے اور پھر بیشک اس سے قصاص لے مدعی اس فیصلے سے بہت پریشان ہوا حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور قاضی یعلیٰ کا فیصلہ سنایا :۔

فاستشار عمر علی بن ابی طالب فاشار علیہ بما قضیٰ بہ یعلیٰ فاتفق علی وعمر علیٰ قضاء یعلیٰ ان یدفع الیہ الدیۃ ویقتلہ او یدعہ فلا یقتلہ [2]

(ترجمہ) اس پر بھی حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا اور آپ نے بھی یہی رائے دی جو قاضی یعلیٰ کی تھی سو حضرت عمر اور حضرت علی دونوں قاضی یعلیٰ سے متفق ہوئے کہ مقتول کا بھائی قاتل کے زخموں کی دیت ادا کرے اور اس سے قصاص لے لے یا اسے چھوڑ دے اور قصاص نہ لے

---

[1] مسند احمد جلد ۱ صہ ۱۴ سنن دارقطنی جلد ۱ صہ ۲۱۹ طحاوی جلد ۱ صہ ۳۱۰ کتاب الاموال صہ ۴۶۴

[2] المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ صہ ۴۲۶ کنز العمال جلد ۷ صہ ۳۰۰۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی فاروقی خلافت میں آپ کی مجلس علمی کے باقاعدہ ممبر تھے حضرت عمران سے مشورہ لیتے اور آپ اپنی رائے دیتے تھے ان دونوں میں عداوت اور مخالفت کی ہرگز کوئی فضا نہ تھی۔

۴۔ ایک عورت نے شدت پیاس میں ایک چرواہے سے پانی مانگا اس نے بشرط زنا اسے پانی دیا حضرت عمرؓ کے پاس مسئلہ پیش ہوا کہ اس عورت پر رجم کا حکم کیا جائے یا نہ؟

فشاور الناس فی رجمها فقال علی رضی الله عنه هذه مضطرة اری ان تخلی سبيلها ففعل [۱]

(ترجمہ) آپ نے صحابہ سے اس کے رجم کے بارے میں مشورہ کیا حضرت علیؓ نے کہا یہ عورت مجبور تھی میری رائے یہ ہے کہ آپ اسے چھوڑ دیں سو آپ نے ایسا ہی کیا۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس طرح حضرت علی کو ساتھ ساتھ رکھتے تھے اور حضرت علی کس خلوص سے ان کی اس مجلس کے رکن رکین بنے ہوئے تھے اور آپ کا فیصلہ بسا اوقات انہی کی رائے کے مطابق ہوتا تھا۔ اور کون کون اس مجلس علمی کے ممبر تھے۔ اس کے لیے حضرت خالد بن الولید کی وہ روایت سامنے رکھئے جس میں ان حضرات کا ذکر ملتا ہے

۵۔ حضرت خالد بن الولید نے شراب خمر کے بارے میں ابن وبرہ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجلس میں ان حضرات کو موجود پایا۔

فاتيته ومعه عثمان بن عفان وعبد الرحمان بن عوف و علی وطلحة والزبير وهم معه متكئون فی المسجد۔ [۲]

(ترجمہ) میں آپ کے پاس آیا تو آپ کے پاس حضرت عثمان بن عفان حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بیٹھے تھے اور یہ سب آپ کے ساتھ مسجد میں ڈیرہ لگائے ہوئے تھے

---

[۱] المصنف جلد ۴ صہ ۱۰۸ اسنن کبریٰ جلد ۸ صہ ۲۳۶۔ [۲] سنن دارقطنی جلد ۲ صہ ۳۵ طحاوی جلد ۲ صہ ۸۸ المصنف جلد ۷ صہ ۳۷۸ المستدرک جلد ۴ صہ ۳۷۵ کنز العمال ۳ صہ ۱۰۴۔

حضرت عمرؓ نے خالد بن ولید کے اس قاصد سے کہا یہ ممبران موجود ہیں ان سے پوچھ لو اس پر حضرت علی بولے

نراہ اذا سکر ھذی واذا ھذی افتری وعلی المفتری ثمانین ۔

(ترجمہ) ہمارا خیال ہے کہ جب وہ نشے میں ہوگا تو ہذیان ضرور بکے گا اور جب ہذیان بکے تو بہتان بھی باندھے گا اور بہتان باندھنے کی سزا تو اسی کوڑے ہیں

اس قسم کی شہادتیں صرف اہل السنۃ الجماعۃ کی کتابوں میں ہی نہیں ملا محمد بن یعقوب الکلینی بھی لکھتا ہے:۔

۶۔ حضرت عمر کے عہد میں لواطت کا ایک کیس آیا ممبران مجلس اپنی اپنی رائے دینے لگے تو آپ نے حضرت علی رضؓ سے کہا:۔ ماتقول یا اباالحسن (اے ابوالحسن آپ کیا کہتے ہیں) آپ نے فرمایا اضرب عنقہ (اس کی گردن ماری جائے) چنانچہ اس پر صادر کی گئی حضرت علی نے کہا ابھی کچھ سزا باقی ہے پھر آپ نے اس کی لاش کے جلانے کا حکم دیا ۔ فرمایا:۔

انہ قد بقی من حدودہ شیٔ قال ای شیٔ بقی؟ قال ادع بحطب قال فدعا عمر بحطب [1]

(ترجمہ) ابھی اس کی سزا میں سے کچھ رہ گیا ہے آپ نے کہا کیا چیز باقی رہ گئی آپ نے کہا جلانے کی لکڑیاں منگائیں سو حضرت عمر نے منگوائیں ۔

۷۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو بوجہ مصروفیت خلافت آپ نے تجارت چھوڑ دی تھی ۔ اب گزراوقات کیسے ہو؟ سوال پیدا ہوا کہ آپ بیت المال سے کیا کچھ لے سکتے ہیں ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ نے کہا کُلْ وَاَطْعِم آپ اپنی ضرورت کے لیے بیت المال سے لے لیں اور بھی کسی کو ضرورت ہو تو اپنے صوابدید سے اسے کھلائیں آپ نے پھر حضرت علیؓ سے پوچھا آپ نے کہا غداءٗ وعشاءٗ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے صرف صبح اور شام کا کھانا لے سکتے ہو ۔ ابن سعد لکھتا ہے:۔

فاخذ عمر بذلک حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کو اختیار فرمایا۔

۸۔ عراق فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے بارے میں سوال اٹھا کہ انہیں حسب سابق غانمین میں تقسیم کیا

---

[1] فروع کافی جلد ۳ صہ ۱۰۹ استبصار ۳ صہ کتاب الحدود ۔ [2]

جاتے یا انہیں کاشتکاروں کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور وہ اس پر مستقل طے شدہ رقوم ادا کریں اور اس سے مسلمانوں کے لیے ایک مستقل آمدنی کی صورت نکل آتے یحییٰ بن آدم (۲۰۳ھ) لکھتا ہے۔

فشاور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فقال لہ علی بن ابی طالب دعھم یکونون مادۃ للمسلمین فترکھم فبعث عثمان بن حنیف فوضع علیھم ثمانیۃ واربعین واربعۃ وعشرین واثنی عشر[1]

(ترجمہ) آپ نے اس باب میں صحابہ سے مشورہ کیا حضرت علی نے کہا آپ انہیں (ان ذمیوں کو ان لوگوں میں) رہنے دیں یہ خود کاشت کرتے رہیں اس سے مسلمانوں کو مال ملے گا آپ نے انہیں اسی طرح رہنے دیا اور حضرت عثمان بن حنیف کو علداری کے لیے روانہ فرمایا آپ نے ان پر اڑتالیس، چوبیس اور بارہ بارہ کی مختلف واجب الادا رقوم لگائیں۔

۹۔ حضرت عمرؓ نے اموال فتوحات کے بارے میں بھی مشورہ کیا کہ مسلمانوں کو سارا مال نہیں ضرورت کے مطابق دیا جائے اور جو بچ جائے اسے جماعتی ضرورتوں کے لیے رکھ لیا جائے اکثر حضرات کی رائے تھی کہ ان اموال کو محفوظ کر لیا جائے لیکن حضرت علیؓ نے کہا

ان اللہ قد فرغ من قسمۃ ھذا المال[2]

(ترجمہ) اللہ اس مال کی تقسیم فرما چکے ہوئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کے مشورے کو اختیار فرمایا اور اسی پر عمل کیا

۱۰۔ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو ایک شکایت میں طلب فرمایا وہ حاملہ تھی رستے میں اس کا حمل ساقط ہو گیا آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس کا تاوان میرے ذمہ آتا ہے یا نہیں؛ سب نے کہا نہیں لیکن حضرت علی نے کہا آپ پر اس کا تاوان لازم آتا ہے[3]

آپ نے پھر حضرت علیؓ کے فیصلے پر عمل کیا۔

---

[1] کتاب الخراج صہ ۲۴ کتاب الاموال صہ ۵۱ سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۹ صہ ۱۳۴ کنز العمال جلد ۲ صہ ۳۰۱۔

[2] رواہ ابن البزار کما فی مجمع الزوائد جلد ۱۰ صہ ۲۲۸۔ [3] اصول بزدوی صہ ۲۴۹ المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ صہ ۴۵۸ کنز العمال جلد ۷ صہ ۳۰۰۔

۱۱۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا کہ ہم مسلمان اپنی تاریخ کہاں سے شروع کریں مختلف آراء سامنے آئیں حضرت علیؓ نے رائے دی کہ مسلمانوں کی تاریخ ہجرت سے شروع کی جائے امام بخاریؒ لکھتے ہیں

فقال له علی من یوم هاجر النبی صلی الله علیه وسلم الی المدینة [1]

(ترجمہ) حضرت علی نے کہا اس دن سے شروع کریں جس دن حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔

حافظ ابن کثیر لکھتا ہے۔

فامر عمر ان یورخ من هجرة رسول الله صلی الله علیه وسلم وارخوا من اول تلك السنة من محرمها [2]

(ترجمہ) حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ تاریخ حضورؐ کی ہجرت سے شروع کی جائے اور اس سال کے محرم سے اس کا آغاز کیا جائے۔

اب تو اس میں کوئی شبہ اور اختلاف نہیں رہا کہ مسلمانوں کی تاریخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ سے شروع ہوتی ہے۔ ہجرت میں یہی دو تو تھے جنہیں قرآن نے ثانی اثنین کہا ہے

۱۲۔ ابوبکر عیسی بیان کرتے ہیں میں ایک دفعہ حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی کے ساتھ تھا آپ اونٹوں کے ایک باڑے میں گئے اونٹوں کی گنتی اور ان کے کوائف درکار تھے میں نے دیکھا حضرت عمرؓ نہایت تیز دھوپ میں اونٹوں کے پاس جا کھڑے ہوئے آپ انہیں گنتے اور جانچتے رہے آپ بولتے جاتے تھے اور حضرت عثمان اور حضرت علی لکھتے جاتے تھے حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو اس پوری توجہ اور محنت سے اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے دیکھا تو آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) لکھتا ہے:۔

اشار علی بیده الی عمر فقال هذا القوی الامین [3]

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عمر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یہ شخص ہے جو اپنی ذمہ داری پر اپنی پوری قوت اور امانت سے قائم ہے۔

---

[1] التاریخ الصغیر ص ۹ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۴۔ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۷۴ [3] ابن جریر طبری جلد ۵ ص ۱۸ ریاض النضرۃ جلد ۲ ص ۷۸

اس قسم کے اور بیسیوں واقعات ملتے ہیں جن میں حضرت عمر اور حضرت علی ایک جگہ کھڑے نظر آتے ہیں ایک سا سوچتے ہیں اور ایک سی فکر رکھتے ہیں اور جب تک حضرت علی اپنی رائے نہ دے دیں حضرت عمر اپنا فیصلہ صادر نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر باہمی یگانگت کی اور کیا صورت ہوگی

یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت عمرؓ کے ہاں حضرت علی کی ہی بات چلتی تھی نہیں۔ حضرت عمرؓ ان کی کسی بات کو صحیح نہ سمجھتے تو صاف فرما دیتے کہ یہ بات درست نہیں اور حضرت علی بھی اسے برا نہ مناتے تھے ربیع بن دراج روایت کرتے ہیں :-

ان علیا صلی بعد العصر رکعتین فتغیظ علیہ عمر وقال اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینہانا عنہا [1]

(ترجمہ) حضرت علی نے ایک دفعہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں حضرت عمرؓ آپ پر بہت برہم ہوئے اور فرمایا کیا آپ کو علم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے روکا کرتے تھے (کہ عصر کے بعد کوئی نفل نہیں ہیں)

ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف اور پوری طرح مخلص تھے اور حق کو قبول کرنے میں ہمہ تن منظہر طاعت تھے حضرت علیؓ اپنے عہد خلافت میں بھی اس طریقہ پر رہے علامہ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ ھ) لکھتے ہیں :

کان علی رضی اللہ عنہ یتبع قضایاہ واحکامہ ویقول ان عمر کان رشید الامر [2]

(ترجمہ) حضرت علیؓ حضرت عمر کے فیصلوں اور ان کے احکام کی پوری پیروی کرتے رہے آپ کہا کرتے حضرت رشید الامر تھے کہ آپ کی ہر بات رشد پر مبنی ہوتی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی اپنی رائے میں مختلف بھی ہوتے جیسا کہ ہر مجتہد کو اپنے استخراج کا حق ہے تو اس میں بھی آپ اپنی رائے کو اپنی ذات تک محدود رکھتے نظام ملکی اور اجرائے احکام میں آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہی پیروی کرتے اور انہی کی سیرت پر چلتے۔ باندیوں کی اولاد کا حکم حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ میں

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صہ ۴۳۲ مسند امام احمد جلد ۱ صہ ۱۰۷ [2] جامع العلوم والحکم صہ ۲۵۰ ۔

مختلف فیہ تھا حضرت عمرؓ امہات الاولاد کی فروخت کے حق میں تھے وہ باندیاں جن سے کسی شخص کی اپنی اولاد ہو آپ کے ہاں انہیں فروخت کرنا خلاف مروت تھا حضرت علیؓ کی بھی پہلی رائے یہی تھی مگر بعد میں آپ نے دوسری رائے اختیار فرمالی اب آپ ان کی فروخت جائز سمجھتے تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا دور حکومت تھا آپ کے ایک قاضی عبیدہ سلمان تھے انہوں نے آپ سے گزارش کی کہ مجھے آپ کی متفقہ رائے جسمیں آپ اور حضرت عمر کا فیصلہ ایک تھا آپکی انفرادی رائے سے زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے

رایك ورای عمر فی الجماعة احب الی من رایك وحدك فی الفرقة [1]

(ترجمہ) آپ کی اور حضرت عمر کی رائے جسمیں آپ اکٹھے ہوں مجھے آپ کی اس رائے سے زیادہ پسند ہے جسمیں آپ ان سے مختلف ہوں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

اقضوا کما کنتم تقضون [1] تم فیصلہ اسی طرح کرو جسطرح تم پہلے کرتے رہے ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قاضی بھی آپ کو مامور من اللہ امام اور معصوم شخصیت نہ مانتے تھے عہد خلافت گو حضرت علیؓ کا تھا مگر علماء وقضاۃ کے دلوں پر ابھی تک حضرت عمرؓ حکومت کرتے تھے اور حضرت علی اپنی علیحدہ رائے کے باوجود حضرت عمر کے فیصلے کا ہی احترام کرتے آپ خود فرماتے ہیں۔

فلا تکفوا عن مقالة بحق اومشوره بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطئ [3]

(ترجمہ) حق بات کہنے اور عدل کا مشورہ دینے سے رکے نہ رہو میں اپنی ذات میں اس مقام پر نہیں ہوں کہ فیصلے میں مجھ سے غلطی ہو ہی نہ۔

مقالہ حق کا تعلق مسائل سے ہے حق وباطل کے تجزیہ سے ہے مشورہ عدل کا تعلق سیاسی قضا سے ہے حضرت علیؓ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس علمی کے ممبر تھے آپ حضرت عمرؓ کے سیاسی

---

[1] فتح الباری جلد ص [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶ [3] نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۴۳۶۔

مشیر بھی تھے جو بات درست سمجھتے اسے خلافت کے حضور برملا عرض کر دیتے تھے۔

حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے سیاسی مشیر کی حیثیت سے

حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ میں حضرت عثمان حضرت علی حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت طلحہ حضرت زبیر بڑے بڑے مدبر اور ذہین لوگ تھے یہ حضرات اہل الرای کہلاتے تھے جب کوئی کوئی معرکہ پیش آتا آپ ان کی مجلس مشاورت بلاتے اور ان سے رائے لیتے تھے۔

۲۱ ہجری میں خبر پہنچی کہ ایرانی فوجیں نہاوند میں جمع ہو رہی ہیں آپ نے میٹنگ بلائی موضوع مشورہ یہ تھا کہ اس بڑے معرکہ میں حضرت عمرؓ کا خود آگے جانا اور کمان کرنا مناسب رہے گا یا نہ۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

فقام عثمان وطلحة والزبير وعبد الرحمن بن عوف فی رجال من اهل الرای فتكلم كل منهم بانفراده فاحسن واجاد واتفق رايهم علیٰ ان لا يسير من المدينة۔

اس مجلس شوریٰ میں حضرت علی بھی تھے آپ نے بھی کہا:۔

نحن علیٰ موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده ومكانك فيهم يا امير المومنين مكان النظام من الخرز يجمعه ويمسكه فاذا انحل تفرق ما فيه وذهب ثم لم يجتمع بحذا فيره ابدا والعرب اليوم وان كانوا قليلا فهم كثير عزيز بالاسلام فاقم مكانك [1]

(ترجمہ) ہم اللہ کے وعدے سے کھڑے ہیں اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کریں گے اور اپنے لشکر (لشکر اسلام) کی مدد کریں گے آپ کی حیثیت اے امیرالمومنین اس دھاگے کی ہے جو ہار کے دانوں کو جوڑتا ہے اور گرنے سے روکتا ہے اگر وہ کھل جائے تو جو کچھ اسمیں بندھا ہے سب بکھر جائے گا اور جاتا رہے گا اور پھر وہ دانے کبھی جمع نہ ہو سکیں گے اور عرب

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۱۰۷ ابن جریر طبری جلد ۴ صہ ۲۳۷۔

آج اگرچہ کم ہیں لیکن اسلام کے سبب سے یہ بھی غالب ہیں سو آپ اپنے مقام پر رہیں (خود میدان میں نہ جائیں، یہیں سے احکام دیں)

شریف رضی (۴۰۶ھ) نہج البلاغہ میں اس پر یہ عنوان قائم کرتا ہے:۔

ومن کلام لہ علیہ السلام وقد استشار عمر بن الخطاب فی الشخوص لقتال الفرس بنفسہ

اور حضرت علیؓ کے مشورے کو ان لفظوں میں نقل کرتا ہے:۔

ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز یجمعہ ویضمہ فان انقطع النظام تفرق وذھب ثم لم یجتمع بحذافیرہ ابدا والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فھم کثیرون بالاسلام وعزیزون بالاجتماع فکن قطباً واستدر الرحی بالعرب [1]

ترجمہ تقریباً وہی ہے جو البدایہ کی پچھلی عبارت کا ہے آخری جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ قطب بن کر رہیں اور اپنے گرد عرب کی اس چکی کو گردش دیتے رہیں۔

یہاں جو موعود من اللہ کے الفاظ ہیں اللہ کا وہ وعدہ کہاں ہے؟ قرآن پاک پ۱۸ سورہ نور میں ارشاد باری ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے عمل کیے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین پر ضرور خلافت دینگے۔ ع ۷، آیت ۵۵

حضرت علیؓ کے مذکورہ مشورے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت عمرؓ کی خلافت کو قرآن پاک کی خلافت موعودہ سمجھتے تھے جس میں مومنوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے جنگ فلسطین پر بھی نکلنے کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت بھی آپ نے مشورہ لیا تھا حضرت علیؓ نے اس موقع پر بھی یہی رائے دی تھی۔

انک متی تسیر الی العدو بنفسک فتلقھم لا تکن للمسلمین کانفۃ

---

[1] نہج البلاغہ جلد ا ص ۳۶۴۔

دون اقصی بلادھم ولیس بعدک مرجع یرجعون الیہ فابعث الیھم فادبث الیھم رجلاً مجربًا واحفز معہ اھل البلاء والنصیحۃ[1]

(ترجمہ) آپ جب دشمن کی طرف جایں گے اور خود ان کا مقابلہ کریں گے تو (اگر کوئی سانحہ پیش آجائے) مسلمانوں کو اپنے آخری شہروں تک کوئی پناہ گاہ نہ ملے گی اور آپ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہ ہوگی جس کی طرف لوگ رجوع کر سکیں لہٰذا آپ کسی اور تجربہ کار شخص کو وہاں بھیجیں اور اس کے ساتھ کسی آزمودہ کار اور مسلمانوں کے خیر خواہ کو لگادیں۔

اس عبارت کا لفظ لفظ بتلا رہا ہے کہ حضرت عمرؓ کی عظمت کس طرح حضرت علیؓ کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی اور کسطرح آپ مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے اور کس طرح ان کی فلاح و بہبود کے لئے حضرت عمرؓ کی شخصیت پر اعتماد کرتے تھے

حضرت علی قائم مقام خلیفہ کے طور پر

ملکی سربراہ جب کسی دورہ پر جاتے ہیں تو کسی دوسرے شخص کو قائم مقام چھوڑ کر جاتے ہیں وہ قائم مقام شخص ان کے ہاں بڑے اعتماد اور وقار کا شخص ہوتا ہے کوئی سربراہ کسی مشکوک یا کسی مخالف آدمی کو اپنا قائم مقام نہیں بناتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت رضؓ پر اعتماد اس درجے کا تھا۔ کہ آپ نے بارہا آپ کو اپنا قائم مقام بنایا ۱۴ ہجری کا واقعہ ہے آپ چشمہ صرار پر تشریف لے گئے آگے عراق کا ارادہ تھا آپ کے ساتھ حضرت عثمان اور دیگر کئی صحابہ بھی اس مہم میں ساتھ تھے۔ ابن جریر (۳۱۰ ھ) لکھتا ہے:۔

فعسکر بہ عازمًا علیٰ غزو العراق بنفسہ واستخلف علی المدینۃ علی بن ابی طالب واستصحب معہ عثمان بن عفان وسادات الصحابۃ[2]

(ترجمہ) آپ نے جنگ عراق کا ارادہ کرتے ہوئے فوج بھی ساتھ لی اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا حضرت عثمان اور دوسرے کئی سادات صحابہ کو ساتھ لیا۔

اسمیں یہ بحث چلی تھی کہ حضرت عمر خود اس غزوہ عراق پر جائیں یا نہ۔ سب صحابہ نے سوائے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے یہ رائے دی کہ آپ بیشک چلیں حضرت عمرؓ نے کوئی فیصلہ نہ کیا اور حضرت علیؓ

---

[1] نہج البلاغہ جلد ا ص ۲۵۴ [2] ابن جریر طبری جلد ۴ ص ۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۵۔

آپ نے حضرت علی کو نجران کا والی بھی بنایا اور یہ مستقل عہدہ تھا امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) روایت کرتے ہیں

کتب عمر بن الخطاب الیٰ اھل نجران انی قد استوصیت بعلی بمن اسلم منکم خیراً وَ اَمَرتُہ ان یعطیہ نصف ما عمل من الارض ولست اریدا خراجکم منھا ما اصلحتم ورضیت عملکم۔[1]

(ترجمہ) حضرت عمرؓ نے اہل نجران کو لکھا میں نے حضرت علی کو نصیحت کی ہے کہ تم میں سے جو اسلام لائے اس کے ساتھ خیر کا اور اچھا سلوک کریں اور میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اسے اپنی زمین کی نصف پیداوار دیں اور جب تک تم اچھائی سے رہو اور تمہارا کردار مجھے پسند لگے میں تمہیں اس زمین سے بے دخل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

کسی ذہن میں یہ کھٹکا نہ گزرے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ تعاون صرف جلال خلافت کے سامنے میں تھا آپ مجبور تھے دوسرے صحابہ ساتھ نہ دیتے تھے آپ کی عوامی مقبولیت نہ تھی اس لیے قبائے تقیہ زیب تن کر رکھی تھی یہ ہرگز صحیح نہیں قائم مقام ہوتے کونسا رعب ان پر چھایا ہوتا تھا ہماری بات کی تصدیق کے لیے حضرت علی کو ان کے اپنے دور خلافت میں دیکھئے آپ کسطرح حضرت عمر کے حق میں نیک جذبات رکھتے تھے اور کسطرح آپ کی زبان حضرت عمر کے ذکر سے تر رہتی اس کے لیے ان شواہد کو سامنے رکھیے:

۱۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک چادر تھی جسے وہ بہت محبوب رکھتے اور بڑے شوق سے زیب تن فرماتے وہ آپ کو حضرت عمرؓ نے دی تھی آپ سے پوچھا گیا آپ اسے بڑے شوق سے پہنتے ہیں آپ نے فرمایا اور پھر رو پڑے۔

"انہ کسانیہ خلیلی وصفیی وصدیقی وخاصتی عمر۔ ان عمر ناصح اللہ فنصحہ۔ ثم بکی[2]

(ترجمہ) مجھے یہ چادر میرے خلیل میرے صفی میرے دوست اور میرے خاص مہربان عمرؓ نے پہنائی ہے بیشک عمر خدا کی خیر کے طالب تھے سو اللہ نے بھی ان سے خیر کا معاملہ کیا۔

---

[1] کنز العمال جلد ۲ صد ۳۱۳ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد صد

کو مدینہ سے یہاں صرار بلا بھیجا جب تک آپ نہ آتے اور رائے نہ دی آپ۔ نہ کوئی فیصلہ نہ کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت علیؓ کو اپنا کتنا معتمد اور مقرب بنا رکھا تھا اور یہ کہ ان دونوں بزرگوں میں باہمی مودت اور یگانگت کس درجہ کی تھی حضرت علیؓ نے یہاں بھی یہی مشورہ دیا کہ آپ نہ جائیں آپ نے پھر حضرت سعد بن ابی وقاص کو اس مہم پر روانہ فرمایا اور خود نہ گئے حضرت علیؓ کے مشورے پر عمل کیا۔

۲۔ پھر ۱۵ ہجری کا واقعہ ہے حضرت ابوعبیدہؓ بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوتے تھے محصورین اس شرط پر آمادہ تھے کہ حضرت عمر خود وہاں تشریف لائیں (وہ آپ میں فاتح بیت المقدس کے وہ نشان دیکھنا چاہتے تھے جو پہلی کتب مقدسہ میں انہوں نے دیکھ رکھے تھے) حضرت ابوعبیدہؓ نے صورت حال حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھ بھیجی آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت عثمانؓ نے نہ جانے کا مشورہ دیا اور حضرت علیؓ نے جانے کا مشورہ دیا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا حضرت علی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود لشکر کے ساتھ ادھر روانہ ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

واستخلف على المدينة على بن ابى طالب [1]

او آپ نے مدینہ پر حضرت علی کو اپنا قائم مقام بنایا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس شوریٰ کے باقاعدہ ممبر تھے اور یہ کہ حضرت عمرؓ آپ پر پورا اعتماد کرتے تھے اور یہ کہ آپ (حضرت علی) ہمیشہ اس اعتماد پر پورے اترتے تھے۔

۳۔ پھر ۱۷ ہجری کے واقعات میں بھی ملتا ہے کہ آپ جب ایلہ کی طرف نکلے تو مدینہ میں حضرت علی کو اپنا جانشین بنا کر نکلے ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) لکھتا ہے :۔

خرج عمر۔ وخلف علیا على المدينة وخرج معه الصحابة [2]

(ترجمہ) حضرت عمرؓ نکلے اور مدینہ پر علی کو اپنا جانشین چھوڑا اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابہ بھی اس مہم پر روانہ ہوئے

پھر یہی نہیں کہ حضرت علیؓ کو صرف قائم مقام خلیفہ ہی بناتے رہے جو صرف چند دنوں کی بات ہوتی ہے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۵۵ [2] ابن جریر طبری جلد ۴ صہ ۲۰۳۔

آپ نے یہ کہا اور رو پڑے۔

۲۔ آپ سے ایک دفعہ گزارش کی گئی حضرت عمر کے بارے میں کچھ فرمائیں یا امیر المومنین حدثنا عن عمر بن الخطاب آپ نے فرمایا

ذاک امرء سماہ اللہ الفاروق فرق بین الحق والباطل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اعز الاسلام بعمر [1]

(ترجمہ) آپ وہ ہستی ہیں جن کا نام اللہ نے (اپنی مخبر صادق کی زبان سے) فاروق رکھا ہے آپ نے حق اور باطل میں فرق کر دکھایا اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا اے اللہ اسلام کو عمر کے وجود سے قوت دے۔

آپ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب آپ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تھے حضرت عمرؓ فوت ہو چکے ہونے سے یہ بات جلال خلافت کے سائے میں نہ کہی گئی تھی یہ آپ کے دل کی آواز تھی اور صدق و اخلاص سے تھی منافقت اور تقیے سے نہ تھی

۳۔ سیدنا حضرت عثمانؓ شہید ہو چکے تھے باغیوں کا زور ابھی تھما نہ تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لیے کہا گیا آپ اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے تیار نہ تھے وہ آپ کا ہاتھ کھینچتے کہ آپ کی بیعت کریں اور آپ سمٹتے اور رکتے۔ آپ نے انہیں کہا جلدی نہ کرو حضرت عمرؓ پر جب وار ہوا (جس کے بعد آپ شہید ہو گئے) تو آپ نے جلدی نہ کی تھی انتخاب خلیفہ کا کام ایک شوریٰ کے سپرد فرمایا تھا سو تم بھی جلدی نہ کرو۔

اس وقت آپ نے حضرت عمرؓ کو جن لفظوں سے یاد کیا انہیں تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے اور ان کی شیرینی اب تک مومنین کے کام و دہن کو لذت بخش رہی ہے آپ نے فرمایا:۔

لاتعجلوا فان عمر کان رجلا مبارکا وقد اوصی بھا شوریٰ فامھلوا یجتمع الناس ویتشاورون [2]

(ترجمہ) جلدی نہ کرو بیشک حضرت عمر ایک مرد مبارک تھے اور آپ نے یہ کام ایک شوریٰ کے

---

[1] تاریخ عمر لابن الجوزی صہ ۱۶ ریاض النضرۃ جلد ۱ صہ ۲۴۶ [2] ابن جریر طبری جلد ۵ صہ ۱۵۶

سپرد کیا سو تم بھی کچھ ٹھہر جاؤ لوگوں کو جمع ہونے اور مشورہ کرنے کا موقعہ دو۔
اب آپ ہی سوچیں حضرت عمرؓ کے حق میں یہ رطب مبارک کی صدا کیا جلال خلافت کے سائے میں لگ رہی ہے یا یہ بات ان لوگوں کو کہی جا رہی ہے جو حضرت عثمان کے خلاف اٹھے ہوئے تھے اور اب اقتدار آپ کے سپرد کرنا چاہتے تھے اب تقیہ کی کونسی مصلحت آپ کے سامنے تھی۔

۴۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کے حق میں فرمایا۔

کانا اماھی ھدٰی راشدین مرشدین مصلحین خرجا من الدنیا خمیصین [1]

(ترجمہ) یہ دونوں حضرات امام الہدیٰ تھے دونوں رشد پر تھے دونوں مرشد تھے اور دونوں مصلح تھے دنیا سے اس حالت میں گئے کہ دونوں فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے والے تھے۔

کیا اس وقت بھی آپ کسی رعب سے مرعوب تھے اب یہ تقیہ کا کونسا موقعہ تھا حق یہ ہے کہ آپ اس وقت اپنے دل کے پورے خلوص سے یہ کلمات کہہ رہے تھے افسوس کہ شیعہ علماء نے یہاں بھی حضرت علیؓ کی قدر نہ کی اور یہی کہا کہ آپ مجبور تھے قاضی نور اللہ شوستری جو جہانگیر کے دور میں ایران سے ہندوستان آیا تھا اور آگرہ میں اس کی قبر ہے لکھتا ہے:۔

حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق مے دانند قدرت بر آں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت برفساد خلافت ایشان داشتہ باشد [2]

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں دیکھا کہ ان کے دائرہ حکومت کے لوگ بھی اکثریت سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے حسن سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو خلفاء برحق سمجھتے ہیں آپ میں یہ ہمت نہ تھی کہ کوئی ایسا کام کریں جو ان کی خلافت کے غلط ہونے پر دلالت کرے۔

اور پھر یہ بھی لکھتا ہے:۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۱۴۹ [2] مجالس المومنین جلد ۱ صہ ۵۴۔

اکثر اہل آں زماں را اعتقاد آں بود کہ امامت حضرت امیر مبنی بر امامت ایشاں است و فساد امامت ایشاں را دلیل فساد امامت او مے دانند

(ترجمہ) اس وقت کے اکثر لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت پر مبنی ہے اور اگر کوئی ایسی بات ہو جو ان دونوں کی خلافت کو فاسد قرار دے تو اس کو وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے فاسد ہونے کی دلیل سمجھتے تھے [۱]

الانتباہ لدفع الاشتباہ: ایک اہم سوال اور اس کا جواب

مذکورہ بیانات کی روشنی میں یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ سیدنا حضرت عمرؓ کو اپنے عہد خلافت میں بھی اپنا بزرگ مانتے تھے اور ان کے بصمیم قلب معتقد تھے یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ کیوں ہوا کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت علی سے خلافت کے موضوع پر بات کی اور آپ سے سیرت شیخین کی پابندی کا اقرار لینا چاہا۔ تو آپ نے سیرت شیخین کی پابندی قبول کرنے سے انکار کر دیا؟

جواباً گزارش ہے کہ یہ روایت غلط ہے اور شیعہ کی ایجاد ہے اسمیں ابومخنف ایک راوی ہے جو مذہباً شیعہ تھا اور کچھ اور غیر معروف نام ہیں جو ان لوگوں نے ایسی روایات کے لیے گھڑ رکھے ہیں۔ جیسے سالم بن جنادہ، سلیمان بن عبدالعزیز بن ابی ثابت اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون لوگ تھے اور کیسے رواۃ تھے سو اس قسم کی روایات کو وزن دے کر تاریخ کے ان یقینی واقعات کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا جن میں حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو دل سے اپنا بزرگ اور پیشوا مانا ہے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

عن رجال لا یعرفون ان علیا قال لعبد الرحمن بن عوف الی غیر ذلک من الاخبار المخالفۃ لما ثبت فی الصحاح فھی مردودۃ علی قائلیھا وناقلیھا [۲]

(ترجمہ) ان لوگوں سے جن کا پتہ ہی نہیں مروی ہے کہ حضرت علی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو کہا ہم سے دھوکا کیا گیا ہے۔ . . . اس قسم کی اور روایات بھی ہیں جو ان روایات سے جو صحیح ہیں ٹکرا رہی ہیں سو انہیں ان کے قائلین اور ناقلین پر ہی لوٹایا جائے گا

---

[۱] مجالس المومنین جلد ۱ صہ [۲] البدایہ جلد صہ

قبول نہ کیا جائے گا

اگر کوئی ایسی روایات ہو بھی تو دوسرے شواہد کی روشنی میں اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ نے ایسی بات بطور انکساری کہی ہوگی کہ کہاں میں اور کہاں حضرت ابوبکر وعمر کی عزیمتیں .میں توان کی سیرت پر نہ چل سکوں گا ایسے موقع پر اگر کہیں کوئی اقرار بھی کرے تو متواضع لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہاں اپنی ہمت کے مطابق ہم کوشش ضرور کریں گے طبری کی ایک روایت میں یہ پیرایہ بیان بھی ملتا ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے آپ کو کہا ۔

علیك عهد الله و میثاقه لتعملن بکتاب الله وسنة رسوله وسیرة الخلیفتین من بعده ۔

(ترجمہ) آپ پر خدا کا عہد اور اقرار ہے کہ آپ کتاب اللہ اس کے رسول برحق اور آپ کے جو دو جانشین ہوئے ان کی سیرت پر چلیں گے

اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

ارجوان افعل واعمل بمبلغ علمی وطاقتی [۱]

(ترجمہ) میں امید کرتا ہوں کہ کر سکوں گا اور اپنے علم اور عزیمت کی حد تک اس پر عمل کر سکوں گا ۔

کیا یہ روایت اس بات کی تائید نہیں کرتی کہ اگر کہیں آپ سے انکار بھی منقول ہو تو وہ محض ایک انکساری اور تواضع کی وجہ سے ہوگا ۔ اور اس تشریح سے ان روایات کے ساتھ تطبیق بھی ہو جاتی ہے جن میں آپ کا اقرار پیروی موجود ہے

پھر اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی جب خلیفہ بنے تو انہوں نے اس وقت ان تمام شرطوں کا اقرار کیا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد خلافت کے وقت ان سے لی گئی تھیں اگر وہ ذہنی طور پر سیرت شیخین سے جاہتے تو اس اگلے وقت میں وہ اس کا اقرار کیوں کرتے شریف رضی نقل کرتا ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے اثبات میں ایک یہ بات بھی کہی تھی ۔

بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علیٰ ما بایعوهم علیه [۲]

---

[۱] طبری جلد ۵ صہ ۳۷   [۲] نہج البلاغۃ جلد صہ

(ترجمہ) میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کی بیعت کی تھی اور انہی شرطوں پر انہوں نے میری بیعت کی ہے جو شرطیں ان کی بیعت کے وقت ان سے لی گئی تھیں۔

جب آپ کی خلافت ان تمام شرطوں سے وجود میں آئی جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافتوں کے وقت لی گئیں تو پھر آپ سیرت شیخین کی اصولی رہنمائی سے کس طرح اپنے آپ کو نکال سکتے تھے پھر حضرت حسن نے جب زمام خلافت حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ میں دی تو کیا انہوں نے ان سے یہ اقرار نہ لیا کہ وہ اپنی حکومت کتاب وسنت اور سیرت خلفائے راشدین کے طریق پر چلائیں گے ؎۱ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت حسن اس شرط کو عقد خلافت میں لا رہے ہوں جسے ان کے والد مرحوم عقد خلافت میں قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ نے کہیں اس سے انکار بھی کیا ہو تو وہ محض انکساری اور تواضع کے طور پر ہوگا کہ کہاں ان حضرات کی سیرتیں اور عزتیں اور کہاں میں۔ سو جن لوگوں نے انکار کو انکساری اور تواضع سے ہٹا کر اس کی بنا ذہنی مخالفت اور قلبی عداوت پر رکھی ہے وہ تحقیق کے میدان کے لوگ نہیں ان کے دلوں میں ایک آگ ہے جو مختلف پیرایوں میں ایسی موضوع روایات کے سہارے بھڑکتی رہتی ہے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

یتوھمہ کثیر من الرافضۃ واغبیاء القصاص الذی لا تمیز عندھم بین صحیح الاخبار وضعیفھا ومستقیمھا وسقیمھا ؎۲

(ترجمہ) (اس قسم کی باتیں) ان رافضیوں اور غبی قصہ خوانوں کا وہم ہے جو صحیح وضعیف خبروں میں تمیز نہیں رکھتے اور ثابت اور کمزور باتوں میں فرق نہیں کر سکتے۔

پھر اس احتمال کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم ولایت میں بہت راسخ تھا اصل تصوف کے تین سلسلے قادری چشتی اور سہروردی انہی سے جاری بتلائے جاتے ہیں سو یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ آپ اہل کشف میں بھی ہوں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ وقت کے تمام سیاسی حقائق آپ پر مکشوف ہوتے ہوں سو اگر یہ تکوینی راز آپ پر کھل گیا ہو کہ آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرح مدینہ منورہ

؎۱ تاریخ حبیب جلد ۲ صہ ۱۴۱ ؎۲ کشف الغمہ جلد صہ

میں نہیں کوفہ میں رہیں گے یا ساری قلمرو اسلامی کو آپ متحد نہ رکھ سکیں گے اور اس انکشاف پر آپ نے کہہ دیا ہو کہ میں سیرت شیخین پر عمل کیسے کرسکوں گا کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اور یہ بات عملاً بھی صحیح ہے کہ آپ مدینہ کو اپنا دارالحکومت نہ رکھ سکے تھے جو خلفائے ثلثہ کا دارالحکومت تھا۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ آپ حضرت عمر کے فضائل بیان کرتے ہوئے یہ بات صراحت سے کہتے تھے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ کی سیرت پر چلے ہیں سو یہ بات اگر خود ان کے ہاں عیب ہوتی تو وہ اسے فضائل عمرؓ میں کیوں ذکر کرتے ایک دن آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا:۔

قبض رسول اللهؐ واستخلف ابوبكر فعمل بعمله وسار بسيرته حتى قبضه الله على ذلك ثم استخلف عمر فعمل بعملهما وسار بسيرتهما حتى قبضه الله على ذلك [1]

(ترجمہ) آنحضرت کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو آپ حضور کے ہی عمل پر چلے اور آپ کی سیرت پر عمل پیرا ہوئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو آپ بھی اپنے ان دونوں پیشروؤں کی سیرت پر چلتے رہے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسی عمل پر وفات دی۔

حضرت علیؓ کس طرح سیرت عمر پر چلے:

شریک حضرت زبیر سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:۔

كان على يشبه بعمر يعني في السيرة [2]

سب حضرات جانتے ہیں کہ کوفہ چھاؤنی حضرت عمرؓ نے ہی قائم کی تھی اور یہیں حضرت علی اپنے عہد خلافت میں تشریف لے آئے تھے آپ نے کوفہ آکر ان تمام باتوں کو بحال رکھا جو حضرت عمر کی قائم کردہ تھیں کیا یہ صریح طور پر حضرت عمر کی سیرت کی پابندی نہیں؟ اور پھر اس کی حد بندی کوفہ تک نہ تھی آپ نے اسے ایک اصول کے طور پر قبول فرمایا ہوا تھا علامۃ التابعین حضرت علامہ شعبی کہتے ہیں:۔

قال على حين قدم الكوفة ما كنت لاحل عقدةً شدها عمر [3]

---

[1] مسند احمد ا صہ ۱۲۸ مجمع الزوائد جلد ۵ صہ ۱۷۶ [2] کتاب الخراج لیحیٰ بن آدم (۱۰۳ھ) صہ ۲۴ [3] ایضاً صہ ۲۴ کتاب الاموال صہ ۲۶۷

(ترجمہ) حضرت علی جب کوفہ آئے تو فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ جو گرہیں حضرت عمر نے باندھی ہیں میں انہیں کھولوں۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ نے انتظام سلطنت میں ان تمام باتوں کو قائم رکھا جو حضرت عمرؓ اختیار فرما چکے تھے۔ ایک دفعہ یہ بھی فرمایا۔

ان عمر كان موفقا رشيدا في الامور والله لا اغير شيئا صنعه عمر[1]

(ترجمہ) بیشک حضرت عمرؓ خدا کی طرف سے توفیق یافتہ تھے امور سلطنت میں صحیح طریق پر گامزن تھے بخدا میں کوئی چیز جو آپ کی اختیار کردہ ہو اسے ہرگز نہ بدلوں گا۔

آپ ۳۶ ہجری میں جب رجب کے بارہ دن باقی تھے اور سوموار کا دن تھا کوفہ تشریف لائے تھے لوگوں نے آپ کو ایک محل میں ٹھہرانا چاہا آپ نے فرمایا:۔

لا حاجة لي في نزوله لان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ كان يبغضه ولكني نازل الرحبة[2]

(ترجمہ) مجھے محل میں اترنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ محلات میں رہنا پسند نہ کرتے تھے سو میں تو اس چبوترہ میں ہی قیام کروں گا

آپ پھر مسجد میں تشریف لے گئے دو رکعت نماز ادا کی اور اس چبوترہ میں قیام فرمایا۔ اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بڑی شدت سے حضرت عمرؓ کی پالیسیوں کو اپنائے ہوتے تھے اپنی سیرت و کردار میں آپ کی یہی کوشش ہوتی کہ جہاں تک ہو سکے کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ سیرت شیخین کی بھی پابندی کرتے رہیں اور اب یہ کوئی نظریاتی بات نہ رہی تھی جسمیں اقرار وانکار کے احتمالات موجود ہوں یہ بات اب واقعات میں جلوہ گر تھی کہ آپ عملاً حضرت عمرؓ کو اپنا پیشرو اور پیشوا سمجھتے تھے۔ اور یہ بات درست نہیں کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے سامنے سیرت شیخین کی پابندی قبول کرنے سے انکار کیا تھا یہ بات شیعہ راویوں کی روایت ہے جو صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کی بیعت انہی شرطوں پر کی گئی تھی جو شرطیں آپ کے پیشروؤں سے لی گئی تھیں۔

---

[1] تاریخ کبیر امام بخاری جلد ۴ قسم ۲ صہ ۱۴۵۔ [2] الاخبار الطوال صہ ۱۵۲۔

★ — ابو الطاہر فدا حسین، فداؔ دیا ملی قبر داہ

فاروقِ اعظمؓ کا جمال و جلال

درِ فاروقِ اعظمؓ پر ملک ہی جبہ سا دیکھو
شکوہ و شانِ محبوبِ محمدؐ مصطفیٰ دیکھو

خجالت سے مہ و خورشید کیوں نہ منہ چھپائیں
دمکتا اُن کی پیشانی پہ ہے نورِ خدا دیکھو

جہالت ہو گئی کافور کس کے علم و عرفاں سے
ہے کس نے ہر طرف پھیلا دیا نورِ ہدیٰ دیکھو

تدبر میں، سیاست میں، شجاعت و عدالت میں
حبیبِ احمدِ مرسلؐ کی ہر بانکی ادا دیکھو

رہا آراستہ جو زیورِ شمشیرِ براں سے
امیرِ رزم و بزمِ عشق کا حسنِ وفا دیکھو

بیاں ہو سادگی شاہِ عالی مرتبت کیونکر
کمالِ عظمت و تزئینِ پیوندِ قبا دیکھو

شہیدِ عشق کرنے کو نہ آتی کیوں وہ چھپ چھپ کہ
عمرؓ کے نامِ نامی سے لرزتی تھی قضا دیکھو

سمجھتے تھے انہیں کو مستحق قصرِ خلافت کا
نہ کرتے ان کی بیعت کس لئے شیرِ خدا دیکھو

نہ جانے مفسد کیش کیوں اس پر الجھتا ہے؟
کہ ہیں بیشک وہ دامادِ علی المرتضیٰؓ دیکھو

نہ ہوتی وحیِ حق نازل نبیؐ پر کیوں پئے فاروقؓ
کہ تھا مستلزمِ حق جو تھی وہی انکی رضا دیکھو

تصرف یہ بھی ہے اک فاتحِ روم و مدائن کا
مسخر تھا شریلے سے جو تا تحت الثریٰ دیکھو

بہارِ روضۂ فاروقؓ لے کر اپنے دامن میں
باندازِ تبختر چلتی ہے بادِ صبا دیکھو

فرشتے بھی ہیں جس کی اقتدا پر مفتخر واللہ
رفیع الشان ہے کیا وہ شاہِ مقتدا دیکھو

نہ کی ہر چند اس سے درگزر حکمِ شریعت پر
کہ جو لختِ جگر سے تھی ہوئی سرزد خطا دیکھو

عمرؓ کے مرقدِ پرنور کی ارضِ مقدس پر
رہیگا تا قیامت سرنگوں عرشِ علیٰ دیکھو

تصور میں جنابِ حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کے
فداؔ اتم صورتِ حق اور شبیہِ مصطفیٰؐ دیکھو

قصہ قرطاس کا مختتم فیصلہ

حامدًا ومصلیًا — حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رح

واقعہ قرطاس یوں منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا کہ کاغذ قلم دوات لاؤ ایک تحریر لکھوا دوں جسکے بعد تم گمراہ نہ ہوگے حضرت عمر نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے اور ہمارے لیے کتاب اللہ کافی ہے لوگوں نے کہا ھجر استفہموہ یعنی کیا جدائی کا وقت قریب آگیا آپ سے دریافت تو کرلو۔

شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ ھجر کے معنی یہاں ہذیان کے ہیں اور یہ لفظ حضرت عمر ہی نے رسول کی شان میں استعمال کیا ہے۔

اس قصہ قرطاس میں تین الزام حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قائم کیے جاتے ہیں اول یہ کہ انہوں نے رسول کو ہذیان بکنے والا کہا۔ اور سخت توہین رسول کی ہے۔ دوم یہ کہ انہوں نے ایسی مفید تحریر نہ لکھنے دی جو امت کو گمراہی سے بچاتی۔ سوم یہ کہ کتاب اللہ کو کافی کہکر انہوں نے حدیث رسول کا لغو اور بےکار ہونا ظاہر کیا ہے

جواب پہلے الزام کا یہ ہے کہ اول تو لفظ ھجر حضرت عمر کا مقولہ نہیں صحیح بخاری میں سات جگہ یہ روایت ہے مگر کہیں بھی یہ لفظ حضرت عمر سے منقول نہیں بلکہ قالوا بصیغہ جمع ہے یعنی لوگوں نے کہا اب یہ کہنے والے کون لوگ تھے؟ ان کا نام معلوم نہیں شارحین نے اپنے قیاس سے کام لیا ہے۔ کسی نے کہا یہ قول اس جماعت کا ہے جو لکھوانے کی موید تھی اور کسی نے کہا کہ کچھ لوگ نومسلم تھے۔ یہ ان کا مقولہ ہے۔ غرضیکہ حضرت عمرؓ کی طرف اس قول کو منسوب کرنا بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ حدیث کی کسی کتاب میں کوئی صحیح معتبر روایت اس مضمون کی نہیں ہے۔ کہ یہ لفظ حضرت عمر نے کہا ہو سہیل والوں نے بڑا زور لگایا اور ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ تقریبًا ایک سو برس سے مجتہدین شیعہ اس تلاش میں سرگرداں ہیں کہ کوئی روایت مل جائے۔ جسمیں یہ لفظ حضرت عمر کا مقولہ ہو مگر نہیں ملی۔ سہیل والوں نے اس مطالبہ سے سراسیمہ ہوکر جیسی جیسی لطیف باتیں ارشاد کی ہیں وہ عجائب روزگار سے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ لفظ ہجر کے معنی یہاں ہذیان نہیں ہے بلکہ بمعنی جدائی کے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیماری کی حالت میں ایسی تحریر کے لکھوانے کا ارادہ ظاہر کیا جو آخری وقت میں ہوتی ہے تو صحابہ کرام کے قلوب پر ایک بجلی سی گری اور ان میں سے کسی نے کہا۔ أَهَجَرَ استفہموہ۔

کیا جدائی کا وقت آگیا پوچھو تو۔ یہ پوچھنے کا مضمون صاف قرینہ اس امر کا ہے۔ کہ ھجر بمعنی ہذیان نہیں جس کو ہذیان ہو گیا ہو اب اس سے پوچھنا کیا۔ یہ لفظ بمعنی جدائی قرآن مجید میں بھی مستعمل ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ پ۲۹ المزمل واھجرھم ھجرا جمیلا

تیسری بات یہ ہے۔ کہ لفظ ہمزہ استفہام کے ساتھ مروی ہے چنانچہ بخاری کی چھ روایتوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ صرف ایک میں بے ہمزہ ہے لہٰذا حسب قاعدہ اصول حدیث جو روایت بے ہمزہ کے ہے۔ اس میں بھی ہمزہ مانا جائے گا پس یہ لفظ اگر بمعنی ہذیان ہو تو بھی استفہام انکاری ہے۔

المختصر رسول کو ہذیان گو کہنے کا الزام حضرت عمر تو کیا کسی پر بھی قائم نہیں ہوتا۔

جواب دوسرے الزام کا یہ ہے کہ تحریر نہ لکھوانے کا الزام حضرت عمر پر ہرگز نہیں آسکتا۔ اگر وہ تحریر ایسی ہی ضروری تھی۔ تو اس واقعہ کے بعد پانچ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہے اس مدت میں جب حضرت عمر نہ ہوتے آنحضرتؐ کو چاہیئے تھا کہ لکھوا دیتے یا حضرت علی پر لازم تھا کہ وہ لکھوا لیتے اور حضرت عمر اگر اس تحریر کے مخالف بھی رہے تھے تو ان کا روکنا چیز ہی کیا تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمر سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے۔ اور مارے ڈر کے ان کے خلاف نہ کر سکتے تھے تو نبوت ایک کھیل ہو جائے گی۔ اور سارا دین ناقابل اعتبار ہو جائے گا یہ بات کس کی عقل میں آسکتی ہے کہ وہ رسول جس نے مکہ میں کفار مکہ سے کچھ خوف نہ کیا اور توحید کا اعلان کیا۔ شرک کا ابطال کیا وہ حضرت عمر سے اس قدر ڈر جائے کہ اپنی امت کے لیے ایک ایسی ضروری تحریر نہ لکھوائے۔ ان ھٰذا لشیٔ عجیب۔

اس مقام پر ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ کہ اس واقعہ قرطاس سے بہت پہلے یہ آیۂ قرآنی نازل ہو چکی تھی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی مگر واقعی کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی تو بغیر اس کے دین ہرگز کامل نہیں ہو سکتا لہٰذا آیۂ قرآنی غلط ہوئی جاتی ہے۔

اس بات پر غور کرنے سے اور اس کے ساتھ جب اس پر نظر پڑتی ہے کہ طبقہ صحابہ میں سوا ابن عباس کے اور کوئی متنفس اس واقعہ کو روایت نہیں کرتا عقل سلیم اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ یا تو یہ واقعہ سرے سے غلط ہے آیۂ الیوم اکملت کی تکذیب کے لیے کسی دشمن قرآن نے گھڑا ہے یا خود حضرت ابن عباس کو کچھ دھوکا ہو گیا ہے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے محض امتحان کے طور پر تحریر لکھوانے کو فرمایا کہ دیکھیں صحابہ کرام کا قرآن کریم پر

یقین کیا ہے۔ اگر کہیں اکابر صحابہ اس تحریر کو لکھوانے پر مستعد ہو جاتے۔ تو فوراً آپ فرماتے کہ آیت الیوم اکملت کے بعد بھی تم ایسی تحریر کی احتیاج سمجھتے ہو۔ اس قسم کے امتحانات اپنے صحابہ کرام کے آپ اکثر لیا کرتے تھے یہی وجہ ہے۔ کہ اس کے باوجودیکہ پانچ دن تک آپ رہے اور کوئی تحریر نہ لکھوائی۔

جواب تیسرے الزام کا یہ ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ حدیث رسول کی ضرورت نہیں ورنہ آیت قرآنی حسبنا اللہ کا یہ مطلب ہونا چاہیئے۔ کہ رسول کی ضرورت نہیں۔

ضمیمہ

صحابہ کو لوگوں نے کہا کہ مکہ والے پوری طاقت جمع کرکے تمہارے مقابلے میں آگئے انہوں نے کہا:۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل اللہ کافی ہے ہمیں اور وہ خوب کارساز ہے۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل پ آل عمران [۱۶۶]

کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حسبنا اللہ سے آپ کی مراد یہ تھی کہ ہمیں رسول کی ضرورت نہیں پھر حسبنا کتاب اللہ کا یہ مطلب لینا کہ ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں کسی شقی القلب کی سوچ ہو سکتا ہے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اسمیں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہو۔

یبین اللہ لکم ان تضلوا واللہ بکل شیئ علیم پ النساء (آخری آیت)

(ترجمہ) بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

قرآن اپنے عالی مضامین اور عمدہ احکام اس لیے بیان کرتا ہے کہ تم کہیں گمراہ نہ ہو جاؤ یہی لفظ ان تضلوا روایت زیر بحث میں لن تضلوا بعدہ کی صورت میں موجود ہیں تو حسبنا کتاب اللہ میں کیا قرآن کریم یقین دہانی کی طرف اشارہ نہیں؟ حضرت عمر اس امتحان میں کامیاب ہوتے اور کتاب اللہ کے والہ یقین کو فوراً دہرا دیا حسبنا کتاب اللہ کہا اور حضورؐ نے اس کی تردید نہ فرمائی۔

اور اگر یہ خلافت کا فیصلہ کرنا تھا تو حضورؐ نے رضاء الہی پر اطلاع پانے کے بعد (کہ اللہ تعالی اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی کو آگے نہ کریں گے اس کے لکھنے کا پھر حکم نہ فرمایا ـــــ حسبنا کتاب اللہ میں حضرت عمر نے صرف اپنی طرف سے جواب نہ دیا تھا سب مسلمانوں کی طرف سے یہ گذارش کی تھی اسمیں آپ سب کے نمائندے تھے ان حاضرین میں حضرت علی رضی بھی موجود تھے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ۔

تحقیق حدیث قلم دوات

فخر المحققین حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ صفوۃ الانبیاء، اما بعد

یہ بات بہت مشہور کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں کاغذ اور قلم دوات مانگے مگر حضرت عمرؓ نے پیش نہ کیے اور طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ آئیے اس الزام کی کچھ تحقیق کریں۔

سمع ابن عباس یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی بل دمعہ الحصا قلت یا اباعباس وما یوم الخمیس۔۔۔ قال اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجعہ فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعدہ ابداً فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازعٌ فقالوا مالہ اھجر استفھموہ فقال ذرونی الذی انا فیہ خیرٌ مما تدعونی الیہ۔ (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۲۹)

(ترجمہ) ”سعید بن جبیر نے عبد اللہ بن عباسؓ سے سنا۔ فرماتے تھے یوم خمیس بڑا ہی مصیبت کا دن تھا۔ پھر رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں سے سنگریزے تر ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کی کہ عباس کے باپ! یوم خمیس کا حال سنائیے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا خمیس کے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت پکڑ گئی۔ پس فرمایا لے آؤ میرے پاس ایک کاغذ لکھ دوں میں تمہارے لیے ایک کتاب جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پس حاضرین میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اور پیغمبر کے یہاں۔۔۔۔ جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔ پھر کہنے لگے آنحضورؐ کیا کر رہے ہیں۔ کیا اس جہان کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ پوچھو تو سہی۔ پھر آنحضورؐ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں جس خیال میں ہوں وہ اس سے بہت بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔“

اس روایت میں تنازع کی تفصیل نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت میں اس تنازعہ کی تفسیر موجود ہے۔

قال عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ واختلف اھل البیت واختصموا فمنھم من یقول

فتزیوًا یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاباً لَنْ تضلوا بعدہٗ ومنھم من یقول ما قال عمرؓ فلما اکثروا اللغط والاختلاف عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قوموا عنّی بخاری ص۱۹۵ جلد ۱

"حضرت عمرؓ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درد اور بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے لئے قرآن موجود ہے پس ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے اور اہل بیت میں اختلاف پیدا ہو گیا اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ پس ان میں سے بعض کہتے تھے کہ قلم دوات پیش کرو۔ لکھ دیں گے تمہارے لئے خدا کے رسول ایسی کتاب جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے اور ان میں سے بعض وہی بات کہتے تھے جو کہ حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ پس جب خدا کے نبی کے پاس شور اور اختلاف زیادہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو"

اس روایت میں لفظ ھَجَرَ موجود ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ چھوڑنے کا کیا ہے جو کہ کتب لغت کے عین مطابق ہے۔ اس صورت میں اس لفظ کے قائل جو صاحب بھی قرار دیئے جائیں کسی قسم کے اعتراض کے محل نہیں بن سکتے۔ حالتِ مرض میں قلم دوات کا طلب کرنا اور کچھ وصیت لکھ دینے کے متعلق ارشاد فرمانا فراق اور جدائی کی اطلاع دیتے ہیں۔ اس واسطے حاضرین نے کہا پوچھو تو کیا آنحضورؐ اس جہان سے روانگی کی تیاری فرما رہے ہیں۔ جو لوگ ھَجَرَ کے معنی بیہوشی کے کلام سے کرتے ہیں وُہ اگرچہ لغت کے اعتبار سے غلطی نہیں کرتے۔ (کیونکہ ارباب لغت نے یہ معنی بھی تحریر کیے ہیں) مگر خوب ظاہر ہے کہ اس موقع پر وُہ معنی مناسب معلوم نہیں ہوتے۔ اور جب آنحضورؐ کے اس ارشاد سے حاضرین میں روانگی کا تصور پیدا ہو گیا تو بعض نے کہا قلم دوات لاؤ تاکہ اس آخری وقت میں آنحضورؐ جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں وُہ لکھ لیا جائے۔ اور حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کی شدتِ مرض کا احساس کرتے ہوئے کہا کہ ایسے تکلیف دہ وقت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہے ہمیں خدا کا فیصلہ کافی ہے۔ تو اہل بیت میں سے کچھ لوگ حضرت عمرؓ کی بات کو پسند کر کے کہنے لگے کہ واقعی آنحضورؐ کو تکلیف نہ دینا چاہیئے۔ اب جو لوگ قلم دوات لانے اور وصیت نامہ لکھوانے کے حق میں تھے وُہ کثرتِ حرص کی وجہ سے اور زیادہ اشتیاق کے سبب سے آنحضورؐ سے بار بار عرض کرنے لگے کہ ارشاد ہو تو ہم قلم دوات لے آئیں۔ اس پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اب جس خیال میں ہوں وُہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ ظاہر باہر ہے کہ یہ لوگ

چاہتے تھے کہ آنحضورؐ ہمیں حکم دیں کہ ہم قلم دوات اور کاغذ لے آئیں اور آنحضورؐ کا ارادہ تبدیل ہو چکا تھا، آپ کو تو حضرت عمرؓ کی رائے پسند آ چکی تھی، اس لیے آپ بار بار فرماتے ہیں کہ مجھے چھوڑ دو میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہت بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بہت سے مواقع آنحضورؐ کی زندگی میں ایسے آئے ہیں جہاں آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا ہے، ان واقعات کو "موافقات عمرؓ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ "واقعۂ قرطاس" بھی "موافقات عمرؓ" میں سے ہے۔ مگر افسوس زمانۂ حال کے بعض فرقہ پرست محض اس لیے کہ اکابر صحابہؓ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہ جانے پائے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی اس عظیم منقبت کو ایک مذمت قرار دے رہے ہیں، مگر یہ امر پیش نظر رہے کہ اس کا منشاء تحقیق نہیں محض فرقہ بندی کے جراثیم کی پرورش ہے، علامہ اقبال مرحوم کیا ہی خوب فرما گئے ہے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد ۔۔۔ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

لفظ ھجر کس نے کہا؟

شارحینِ حدیث نے اس میں دونوں احتمال ذکر کیے ہیں بعض نے تو ھجر کو ہجرت سے تسلیم کرکے وطن چھوڑنے کے معنی مراد لیے ہیں، جیسا کہ راقم الحروف نے لکھا ہے۔ اور بعض اہل علم ایسے گذرے ہیں جنہوں نے ھجر کو ھجر مریض سے مشتق مان کر غیر ارادی کلام کے معنے کیے ہیں۔ مریض شدتِ مرض میں جب دماغی توازن سے الگ ہو جاتا ہے تو وہ بے محل، بے موقع، اور بے ربط کلام کرنے لگ جاتا ہے۔ اس لیے ربط کلام اور بے محل کلام کو مریض کی ھجر کہتے ہیں۔ ان علماء کرام نے ساتھ ساتھ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ لفظ ھجر کے اوپر جو ہمزہ استفہام ہے وہ انکار کے لیے ہے اور اس لفظ ھجر کے بولنے والے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے قلم دوات کاغذ لانے کو ترجیح دی تھی اور ان بزرگوں کے انکار کی توجہ ان لوگوں کی جانب ہے جو آنحضورؐ کو اس حالت میں تکلیف دینے کے حق میں نہیں تھے جن میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کا نام نامی سرفہرست ہے۔

تشریح اس کی یوں ہوگی کہ اے قلم دوات کے لانے سے روکنے والو! تم قلم دوات کاغذ کیوں نہیں لانے دیتے؟ کیا حضورؐ مریضوں کی سی بات فرما رہے ہیں؟ ہرگز نہیں، اگر آنحضورؐ کے کلام

کو مریض کا وہ کلام قرار دیا جائے جو کہ شدتِ مرض کی حالت میں سرزد ہو جاتا ہے تو بے شک قابلِ تعمیل نہ ہو سکے گا۔ مگر واقعہ یوں نہیں ہے، آپؐ کی مبارک زبان تو حقیقت کی ترجمان ہے۔ آپ کی زبان تو وحیِ الٰہی کی ترجمان ہے، اس لیے آپ کا کلام بے محل اور بے موقع ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس یہی مناسب ہے کہ قلم دوات پیش کرو تاکہ آنحضورؐ جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں لکھوا دیں، اب معلوم ہو گیا ہوگا کہ ھجر کہنے والے وہ بزرگ ہیں جو قلم دوات لانے کے حق میں تھے اور قلم دوات نہ لانے والوں کو الزام دے رہے ہیں کہ جب تم مانتے ہو کہ آنحضورؐ سے ھجو ناممکن ہے تو پھر قلم دوات لانے میں پس و پیش کیوں کرتے ہو؟

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے شیعہ دوست اس لفظ ھجر کو بلا کسی دلیل کے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کر رہے ہیں، حاشا و کلا، ھجو کی نسبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی نے بھی صحابہؓ میں سے نہیں کی تھی۔ صرف بات اتنی ہے کہ قلم دوات لانے کے حق میں جو صاحب تھے انہوں نے یہ لفظ بطور استفہام انکاری کہا تھا ؎

برافگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

قاعدہ کلیہ

حدیث کے فہم اور اس کے معانی کی تحقیق کے لیے یہ قاعدہ ہے کہ اس کی تمام روایات کو جمع کر لیا جائے اور مختلف الفاظ میں سے جو لفظ عقل و نقل اور موقع محل کے مطابق ہو اسے اصل قرار دیا جائے اور دوسرے الفاظ کو روایت بالمعنیٰ قرار دے کر اس کی طرف پھیرا جائے۔

قرطاس کی روایت مذکورہ میں آنحضورؐ نے اختلافِ اصوات کے موقع پر دَعُوْنِیْ فرمایا تھا یعنی مجھے چھوڑ دو۔ اسی مضمون کو بعض راویوں نے ذَرُوْنِیْ کے فقرہ سے ادا کیا اور اسی مضمون کو بعض راویوں نے قُوْمُوْا عَنِّیْ سے تعبیر کیا، اسی لیے راقم الحروف نے قُوْمُوْا عَنِّیْ کا ترجمہ "مجھے چھوڑ دو" کیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ قیام معنی میں "ترک" کے بھی آتا ہے؟ سو اس کے لیے شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ قَامَ عَنِ الْاَمْرِ اِذَا تَرَکَہٗ محاورات عرب میں موجود ہے[1] — فضائل قرآن میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے جسے تمام ائمہ حدیث نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے:-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ ـــــ (ترجمہ) "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھا کرو جب تک کہ تمہارے دل اس پر اکٹھے رہیں پھر جبکہ تمہارے دل پراگندہ ہونے لگیں تو چھوڑ دو"۔ ـــــ

مطلب حدیث مذکور کا یہ ہے کہ جب تمہارے دل قرآن پڑھنے میں خوشی اور اطمینان اور دلجمعی محسوس کریں تو پڑھتے رہو اور جب قرآن پڑھتے پڑھتے دل تنگ ہونے لگے اور خیالات متفرق ہونے لگے تو ترک کر دو۔

اس حدیث میں وہی لفظ ہے جو حدیثِ قرطاس میں ہے، پس کیوں نہ ترجمہ دونوں کا ایک طرح کیا جائے، صاحبِ صحیح حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۹۵ پر مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ اوّل حدیث قرآن کو درج کیا ہے اور پھر ساتھ ہی حدیثِ قرطاس کو درج فرما دیا ہے۔ آپ کے اس طریق کار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیثِ قرطاس کی تفسیر کر رہے ہیں اور آپ کے ادراک شریف میں قُوْمُوْا عَنِّیْ کے وہی معنی ہیں جو قُوْمُوْا عَنْہُ کے ہیں۔

صاحبِ مجمع البحار نے اپنی کتاب مجمع جلد اوّل صفحہ ۴۲ پر حدیثِ قرآن کی یوں تفسیر فرمائی ہے :۔

یعنی اقرأہ علی نشاط منکم وخواطرکم مجموعۃ فاذا حصلت ملالۃ و تفرق القلوب فاترکوہ فانہ اعظم من ان یقرأہ من غیر حضور ـــــ (ترجمہ) "مراد حدیث کی یہ ہے کہ قرآن پڑھتے رہو دل کی خوشی سے درآنحالیکہ خیالات ایک جگہ پر جمع ہوں پھر جس وقت دل تنگی حاصل ہو جائے اور خیالات پریشان ہونے لگیں تو قرآن کو چھوڑ دو اس لیے وہ حضورِ قلب کے بغیر پڑھنے کے قابل نہیں ہے اور اس سے کہیں زیادہ بلند ہے اور اس کی شان بہت اونچی ہے۔

ناظرین کرام! امید کرتا ہوں کہ مذکورہ تشریح کو اگر غور سے پڑھیں گے تو حدیثِ قرطاس کے معنی دریافت کرنے میں کسی قسم کی دقت سے دوچار نہ ہوں گے اور مخالفین عمرؓ کے دلوں میں چونکہ بغض اور کینہ بھرا ہوا ہے اس لیے وہ صحیح معانی بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال لما حضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال وفی البیت رجال فیھم عمرؓ بن الخطاب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلم اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ قال عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع وعندکم القرآن فحسبنا کتاب اللہ واختلف اھل البیت واختصموا فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ صلعم کتابا لن تضلوا بعدہ ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قوموا عنی ـــــ (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہا آنحضورؐ کی وفات قریب ہوگئی تو فرمایا لے آؤ قلم دوات تمہارے لیے ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد گمراہ نہ ہو سکو گے، اس وقت گھر میں بہت مرد تھے جن میں عمرؓ بن خطاب بھی تھے حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، پس ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے اور اہلبیت نے اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے، پس ان میں سے بعض وہ تھے جو حضرت عمرؓ کی تائید کرتے تھے، پس جبکہ نبی کریم کے نزدیک آواز اور اختلاف زیادہ ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو" ـــــ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹

ناظرینِ کرام! پہلی قسط میں واضح کر دیا گیا ہے کہ چونکہ دوسری روایات میں ایسے کلمات تحریف درج ہیں جن کے معنی چھوڑنے کے ہیں، اس لیے مذکورہ بالا روایت میں قُوْمُوْا عَنِّیْ کے معنی بھی ان کے مطابق کرنا ضروری ہے، اس واسطے اوپر کی روایت کے ترجمہ میں راقم الحروف نے "مجھے چھوڑ دو" لکھا ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ حاضرینِ مجلسِ نبوت میں دو رائیں ہوچکی تھیں، کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ قلم دوات پیش کر دینی چاہیئے اور کچھ لوگ اس حالت میں آپ کو تکلیف دینا گوارا نہ کرتے تھے اس لیے کہا کہ "خدا کی کتاب کافی ہے" یہ رائے حضرت عمرؓ بن الخطاب کی تھی اور چونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے (حضرت عمرؓ کی) پسند آگئی تھی اس لیے دوبارہ قلم دوات آنے کے بارہ میں ارشاد نہ فرمایا۔ کتب احادیث میں آیا ہے کہ آنحضورؐ کسی کو بلاتے تو عموماً تین دفعہ بلایا کرتے تھے اور کسی کو سلام دیتے تھے تو تین دفعہ سلام دیا کرتے تھے اور وعظ و نصیحت اور خطبوں میں ایک ایک بات کو تین تین دفعہ دہرایا کرتے تھے تاکہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ پھر آخر اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے کہ آپ نے

قلم دوات کے بارے میں دوسری دفعہ ارشاد نہ فرمایا، ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کی رائے پسند خاطر شریف ہو گئی، اس پسندیدگی کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک اجتہاد اور دوسرا وحیِ خداوندی۔ پہلا ارشاد قلم دوات لانے کے بارے اجتہاد پر مبنی تھا۔ حاضرینِ مجلس کی دو رائیں ملاحظہ فرمائیں تو اجتہاد میں تبدیلی واقع ہو گئی اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کی رائے کو پسند فرمالیا اور آنحضورؐ آزاد تھے کسی کے ماتحت نہ تھے، اگر آنحضورؐ اُن صحابہؓ کی رائے پسند فرمالیتے جو قلم دوات لے آنے پر اصرار کر رہے تھے تو بھی آپؐ کو اختیار تھا، مگر خدا کی قدرت کہ آنحضورؐ نے قلم دوات لے آنے پر اصرار کرنے والوں کی رائے کو پسند نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "مجھے چھوڑ دو" پس اب قلم دوات منگوانے والوں کے حق میں نہیں ہوا۔ معلوم ہو گیا کہ "قُوْمُوْا عَنِّیْ" کا خطاب ان بزرگوں سے ہے جو قلم دوات لے آنے کے حق میں تھے۔ یہ خطاب اُن لوگوں سے نہیں ہو سکتا ہے جو اس حالت میں آنحضرتؐ کو تکلیف دینا گوارا نہ کر سکتے تھے۔ نفی کا انکار تو عادت کے خلاف ہے، تکرار تو اثبات میں واقع ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے تو ایک دفعہ عرض کر دیا کہ ہم اس حالتِ مرض میں آنحضورؐ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھتے اور اہلبیت میں سے بعض بزرگوں نے تائید بھی کر دی۔ اب یہ چیز تو تکرار کے قابل ہی نہیں ہے۔ اب تو صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ حاضرینِ مجلسِ نبوت میں سے کوئی صاحب قلم دوات لانے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حضرت عمرؓ انہیں پکڑ لیتے ہیں جانے نہیں دیتے۔ کیا کوئی اہلِ علم ایسا ہے جو ہمیں یہ چیز کسی معتبر کتاب سے دکھلا دے کہ فلاں صاحب قلم دوات لینے کے لیے جا رہے تھے اور حضرت عمرؓ نے انہیں پکڑ لیا اور جانے نہ دیا۔ جہاں تک راقم الحروف کے مطالعہ کا تعلق ہے یہ چیز نہیں ملتی۔ ہاں قلم دوات کے خواہشمندوں کی بات قابلِ تکرار ضرور ہے، کیونکہ آنحضورؐ خاموش ہیں اور یہ صاحب چاہتے ہیں کہ آنحضورؐ دوبارہ ارشاد فرمائیں تو ہم قلم دوات حاضر کریں۔ اس واسطے بار بار عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! کیا ارشاد ہے؟ قلم دوات لائیں۔ آخر آنحضورؐ نے مُہرِ خاموشی توڑ دی اور فرمایا اس بات کو چھوڑ دو، مجھے قلم دوات کی ضرورت نہیں رہی اور اس کی وجہ تبدیلیِ رائے اور تبدیلیِ اجتہاد تھی۔ چنانچہ ہمارے علمائے اہلِ سُنّت نے تبدیلیِ اجتہاد کو واضح طور پر اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو فتح الباری جلد ۸ صـ۱۰۹ و عمدۃ القاری جلد ۲ صـ۱۷۱

شہباز عالم تکوین

حضرت عمرؓ کا روحانی مقام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اما بعد

پاک ہے وہ ذات جس نے حکم کُنْ سے کائنات کو تکوین بخشی اور عالم تکوین اسی کے ارادہ وحکم سے ایک نظام میں چل رہا ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے اس نے عالم تشریع بنایا اور اسے اشرف المخلوقات کا شرف بخشا۔ اس کی غایت یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے حکم خالق بجا لائے اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرے عالم تشریع اور عالم تکوین دونوں کا قیام اسی ایک ذات سے ہے۔ اور بے شک ہر امر کا مبداء اسی کی ذات ہے۔ بنی نوع انسان ہمیشہ سے عالم تشریع کے ماتحت ہیں گو ان کا وجود عالم تکوین سے ہے۔ دیکھیے:۔ پ۲۵ الشوریٰ ع ۲ آیت ۱۳

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وموسیٰ وعیسیٰ.

ترجمہ:۔ اس نے راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جس کا اس نے حکم نوح کو کیا تھا اور جس کا حکم ہم نے تیری طرف بھیجا اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ موسیٰ اور عیسیٰ کو کیا اور اپنے امر کی اس طرح خبر دی:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (پ۱۳ الرعد آیت ۲)

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنائے اونچے آسمان، تم انہیں بغیر ستون کے دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر قائم ہے اور کام پر لگا رکھا ہے اس نے چاند اور سورج کو ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر پر، تدبیر کرتا ہے امر کی"

دونوں کا مبداء اسی کی ذات ہے اسے اس طرح بیان فرمایا۔

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ پ۸ الاعراف ع۱۴ آیت ۵۴

ترجمہ:۔ سن لو اسی کے لیے ہے عالم خلق اور اسی سے عالم امر۔ بڑی برکت والا ہے جو پالنے والا ہے سب جہانوں کا۔

عالمِ تشریع میں اس کے نائبین انبیاء و مرسلین ہیں اور عالمِ تکوین میں ملائکہ مقربین اس میں کچھ اختلاف ہے کہ دونوں میں افضل کون ہے۔ فیصلہ انسان کے حق میں ہوا اور تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ ریز ہوئے) یہ صحیح اللہ رب العزت کی تکوینی قدرتوں کا ظہور بیشتر ملائکہ کے ذریعے ہوتا ہے مگر کبھی اللہ تبارک و تعالےٰ شانِ تکوین کی جھلک انبیائے علیہ السلام پر بھی ڈالتے ہیں۔ اس موقع پر پیغمبروں کے معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ معجزہ اصل میں فعل الٰہی ہوتا ہے۔ مگر اس کا ظہور پیغمبر کے ہاتھوں ہوتا ہے اسی طرح امورِ تکوینی جیسے زمین کی گردش، آندھیاں اور زلزلے احیاء و اماتت سب حکمِ الٰہی سے ہوتے ہیں۔ گو ان کا ظہور فرشتوں کے ذریعہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ احد پر تھے کہ زلزلہ آیا۔ یہ سب تکوینِ الٰہی سے تھا اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکوین کی جھلک ڈالی تو آپ نے کہا:

اثبت احد فانما علیک نبیٌّ وصدّیقٌ وشہیدان [1]

ترجمہ: (اے اُحد سکون کر تجھ پر ایک نبیؐ ایک صدّیق اور دو شہیدؓ کھڑے ہیں) پھر کیا تھا؟ — زلزلہ رُک گیا۔ ان چار بزرگوں میں دو بالفعل اپنے وصف سے موصوف تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدّیق نبوت اور صداقت اپنی جگہ موجود تھی اور دو آئندہ اس وصف سے موصوف ہونے والے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ، جنہوں نے بعد میں مرتبہ شہادت پایا۔ یہاں صرف یہ بات لائق توجہ ہے کہ جو زلزلہ امرِ الٰہی سے آ رہا تھا۔ اسے روکنے والا حقیقت میں وہی تھا مگر یہ امرِ تکوین لسانِ نبوت سے ظاہر ہوا اور زلزلہ رُک گیا۔ یہ تکوینِ الٰہی کا ظہور اور نبوت کا اعتراف ہے۔ انبیائے کرام پر اپنی زندگی میں چند ایسے مواقع ضرور آتے ہیں جب ان پر تکوین کی تجلی پڑتی ہے اور معجزات کا صدور ہوتا ہے اور باقی تمام انسان اس سے عاجز ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں

اس وقت سورہ اعراف کی آیت اَلَا لَہُ الخلق والامر کی طرف توجہ دلانا ہے جہاں امر کو خلق کے مقابل رکھا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مدّ بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک خلق دوسرا امر۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ ان مخلوقات

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۹

کو ایک معین نظام پر چلاتے رہتا ہے تدبیر و تعریف کہہ سکتے ہیں یہ امر ہوتا.... گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانے کی طرح۔ جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں... حق تعالیٰ نے اول آسمان اور زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو خلق کہتے ہیں ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے تقدیر کہتے ہیں۔ کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے تصویر کہتے ہیں... یہ سب افعال خلق کی مدیں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام پر لگانا ہے لگا دیا جائے آخر مشین کو چالو کرنے کے لیے امر الٰہی کی بجلی چھوڑ دی گئی ہے شاید اس کا تعلق اسم باری سے ہے

(موضح الفرقان ص ۳۴۹)

عالم خلق میں انسان کو اپنے ارادہ واختیار سے چلنا سکھایا اور اوپر ایک قانون مقرر کر دیا یہ عالم تشریع ہے اور جس میں کسی کے ارادہ واختیار کا دخل نہ ہو اسے حکم کُن سے وابستہ کیا یہ عالم تکوین ہے۔ عالم کی تقدیر و تصویر اور تدبیر سب اسی کے حکم سے ہے۔ صرف ایک تخلیق میں کچھ مخلوق کو مکلف کیا کہ وہ ارادے کا قدم اٹھائے اور اپنے اختیار سے ہماری مرضیات میں چلے یہ تشریع کا ایک سایہ ہے جو رب العزت نے انسان پر ڈالا

بعض علمائے کرام نے اسے مجاز قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ حقیقت ہے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ساتھ ہی پہاڑ پر پاؤں سے ایک ضرب لگائی تھی ان مواقع پر انبیائے کرام کو اذن خدا تعالیٰ سے ملتا ہے اور یہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح فرشتے خدا سے ماذون ہوتے ہیں اور ان کا تصرف خدا کی شانِ تکوین کے تحت وقوع میں آتا ہے ادھر "کُن" کہا ادھر کائنات وجود میں آگئی حکم ہوا اور مدبرات سب اپنے اپنے عمل پر لگ گئے۔ مجال ہے کہ اس میں کسی کی اپنی رائے یا سمجھ راہ پا سکے یا اس میں کسی قسم کا تخلف واقع ہو۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ انبیاء علیہ السلام کا تعلق اصلاً عالم تشریع سے ہے اور فرشتوں کا عالم تکوین سے۔ گو انبیاء علیہم السلام کی افضلیت ظاہر کرنے کے لیے کبھی ان کے ہاتھوں بھی ایسا ہوا کرے۔ اور ان کے معجزات ظاہر ہوں

عالم تشریع میں سب سے اونچا مقام نبوت و رسالت کا ہے یہ حضرات بنی نوع انسان پر خدا کی حجت ہوتے ہیں اور ان کا علم ان سب کے لیے جہاں تک ان کی بات پہنچے واجب التسلیم BINDING ہوتا ہے ان کے علم میں قطعیت ہوتی ہے اور اس کا انکار کفر قرار پاتا ہے۔ نبوت کے نیچے مجتہد کا مقام ہے اور اس کا اجتہاد غیر مجتہدین کے لیے بشرطیکہ وہ کسی اور مجتہد کے پیرو نہ ہوں حجت ہوتا ہے گو اس کے قول میں قطعیت نہیں ہوتی نہ اس کا انکار کفر ہوتا ہے لیکن یہ بات اپنی

جیگر درست ہے کہ مجتہد دین کی جو بات بھی کہتا اپنی طرف سے نہیں کہتا نہ اسے خدا کی طرف سے براہِ راست کوئی علم ملتا ہے وہ صرف شریعت کے امور خفیہ کا مظہر ہوتا ہے اور چونکہ اس اظہار اور استخراج میں خدائی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ مجتہد کی بات نبی کی بات کا درجہ نہیں رکھتی اور اس میں صواب اور خطا دونوں کی گنجائش رہتی ہے۔

نبی پر جب خدا کی طرف سے شانِ تکوین کی جھلک آئے تو اس کی اس حیثیت میں اس کے نیچے محدثیت کا مقام ہے محدث وہ حضرات ہوتے ہیں جو نبی تو نہیں لیکن خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے اور ان کے قلوب میں وہ حقائق اتارے جاتے ہیں کہ پھر شریعت بھی ان کے مطابق بیٹھتی ہے اور حقائق و واقعات ان کے مطابق اترتے ہیں۔

عالم تشریع نبوت کا مستقل دائرہ ہے اور اس کے نیچے مجتہد کا مقام ہے۔ سو مجتہد اس امت میں بہت ہوئے ہیں۔ عالم تکوین نبوت کی کبھی کبھار کی سیرگاہ ہے سو محدث اس میں کم ہوتے ہیں

عالم تکوین کے ان مسافروں میں سب سے اونچی پرواز محدث کی ہے۔ ان کا ظن ہمیشہ صادق نکلتا ہے، عالم تشریع کی پرواز کرنے والے مجتہد کے لیے ضروری نہیں کہ ہمیشہ درست نکلے اس میں خطا بھی راہ پا سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۱۰۹۲

ترجمہ :۔ جب حکم کرنے والے نے جب اجتہاد سے کام لیا اور صحیح بات پالی تو اسے دو اجر ملیں گے۔ اور اگر مجتہد نے خطا کی (صحیح بات کو نہ پہنچ سکا) تو اسے صرف ایک اجر ملے گا۔

تشریع (قانون سازی) میں اجتہاد سے چارہ نہیں جس میں اجتہاد کی شرائط پائی جائیں اور وہ اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہو تو اگر وہ خطا بھی کرے تو بھی یہ ایک اطاعت ہے جس پر وہ اجر کا مستحق ہے۔ شریعت ہر دور کی ضرورت کو اسی راہ سے شامل رہی ہے۔ یہاں صحیح بات تک پہنچنے والا اور خطا کار دونوں مثاب و ماجور ہیں۔ مجتہد صحیح بات تک پہنچنے کی پوری کوشش کرے اور اس کے لیے محنت کرے اس لیے اسے دو اجر پانے کی رغبت دلائی گئی۔ حضور صلعم نے اگر یہ فرق نہ بتلایا ہوتا تو بہت سی ہمتیں کمزور پڑ جاتیں۔ اسلام کا دعوے جامعیت اسی راہ سے قانون کی ایک شاہراہ بنا رہا ہے اور اسی جہت سے اسلام میں ہر مسئلے کا جواب ملتا رہا ہے۔

اسلام دین توسب کے لیے ہے مگر اسے صرف مجتہد سمجھ پاتے ہیں قرآن پاک میں عالم سے مراد یہی پختہ علم کے لوگ ہیں

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (پ ۲۰ عنکبوت ع ۱۵ آیت ۴۳)

ترجمہ :۔ اور یہ کہاوتیں بٹھلتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اور ان کو بوجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے

پس دوسروں کے لیے راہ یہی ہے کہ وہ غیر منصوص مسائل میں (اور اسی طرح ان منصوص مسائل میں جن میں صحابہ کرام عملاً مختلف ہوں) کسی مجتہد کی پیروی سے چلیں اور وہ مجتہد بھی ایسی شخصیت ہو جس کا مجتہد ہونا اُمت میں کسی معرض خفا میں نہ ہو جو خود پردہ میں ہوگا وہ شریعت کے امور خفیہ کا کیا اظہار کرے گا۔ مجتہد مخطی بھی ہو تو ایک اجر کا ضرور مستحق ہوتا ہے۔

یہ مقام صرف نبوت کا ہے کہ اس میں غلطی راہ نہ پائے اس کے قریب قریب محدث کا مقام ہے اس کی بات میں گو نبی کی طرح قطعیت نہیں ہوتی لیکن وہ صادق الظن ضرور ہوتے ہیں ان کا یہ ظن شرعی دلیل نہیں ہوتا وہ نبوت کی تصدیق سے شرعی دلیل بنتا ہے۔ نبوت اور رسالت کو اللہ تبارک نے یہ امتیاز دیا ہے کہ شیطان ان کی بات میں اپنی بات نہ ملا سکے وہ ایسا کرے بھی تو اللہ تعالیٰ ان شبہات و وساوس کو مٹا دیتے ہیں اور بقا صرف محکم باتوں کو ملتی ہے اور محکم یہی ہے کہ اس میں پختگی ہو اس کے ساتھ اگر کوئی مقام ہے تو وہ محدث کا مقام ہے۔ محدث اور عام ملہم میں فرق ہے تو یہ کہ الہام کبھی شیطانی بھی ہوتا ہے لیکن محدث وہ حضرات ہیں جن کا ظن بھی درست بیٹھتا ہے اس اعتبار سے یہ انبیاء کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (پ ۱۷ الحج آیت ۵۲)

ترجمہ :۔ اور ہم نے جو رسول یا نبی آپ سے پہلے بھیجا سو جب اس نے پڑھا تو شیطان نے اس کی پڑھائی میں اپنی بات چلائی پھر اللہ تعالیٰ مٹا دیتے ہیں شیطان کی ڈالی بات کو اور پکا کر دیتے ہیں اپنی بات کو اور وہ خبر رکھتا ہے حکمتوں والا

حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی قراءت یوں کرتے تھے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَانَبِیٍّ ولامحدث اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ .... الاٰیۃ

ترجمہ :۔ اور ہم نے جو رسول یا نبی یا محدث تجھ سے پہلے بھیجا اور شیطان نے اس کی بات میں اپنی بات چلائی تو اللہ تعالےٰ مٹا دیتے ہیں شیطان کی ڈالی بات کو اور پکا کرتے ہیں اپنی بات کو

حضرت امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ قرأت بھی نقل کی ہے۔

قَالَ ابْنِ عَبَّاس مِنْ نَّبِیٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ [1]

اس سے قرأت مشہورہ میں شک نہیں پڑتا۔ قرآن کریم سات مختلف قرأتوں میں اترا ہے اور ہر قرأت اپنے درجہ میں حق ہے۔ قرأت متواترہ مشہورہ کا منکر کافر ہے اور جو خلاف قرأت صحیح سند سے منقول ہو اس کا درجہ حدیث صحیح کا ہے اس پہلو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محدث کی بات بھی دخل شیطانی سے محفوظ رکھی جاتی ہے اور ان کا گمان جو الفاء ربانی پر مبنی ہوتا ہے ہمیشہ سچ بیٹھتا ہے۔ اور ایسا ہی نکلتا ہے جیسے کسی نے یہ بات اسے پہلے سے بتا دی ہو۔ صحابی کی قرأت صحیح حدیث کے حکم میں ضرور ہے۔

اِس اُمت کے پہلے محدّث

یوں تو اس اُمت میں کئی محدّث ہوئے ہوں گے لیکن جس ہستی کے محدّث ہونے پر لسانِ رسالتؐ کی شہادت موجود ہے اور اس کی رائے نے بارہا وحی خداوندی سے تصدیق پائی ہے وہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کے باعث آپ کو اس روحانی مقام پر فائز و سائز سمجھنا ضروری ہے اور یہی اہلِ حق کا اعتقاد ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا

قد کان فیما قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی اُمتی احد فعمر

ترجمہ :۔ بے شک تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جنہوں نے خدا سے شرف ہمکلامی پایا لیکن وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ میری امت میں کوئی ایسا ہے تو وہ عمر ہیں

دوسری روایت میں ان کیلئے لفظ محدث وارد ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

---

[1] صحیح بخاری جلد۱ ص ۵۲۱

"قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء فان یک فی امتی منہم احد فعمر" [1]

ترجمہ :۔ بے شک تم سے پہلی امتوں میں بھی محدث ہوئے ہیں میری اُمت میں کوئی ہے تو وہ عمر فاروق ہیں ۔

یہ روایت خبر عزیز ہے ، تواتر کے قریب ہے ، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ بے شک اس امت کے محدث تھے ۔ آپ نبی نہ تھے لیکن خدا ان سے ہم کلام ہوتا تھا ۔ وہ القائے ربانی سے نوازے جاتے تھے ۔ صادق الظن تھے ۔ صواب ان کی زبان پر جاری تھا اور ان کا گمان ہمیشہ سچ نکلتا تھا ۔ آپ ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کوئی بات کہہ دیتے تو لیا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی بات مان لیتے اور پھر تاریخ اس کی تصدیق کرتی ۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام علالت میں حسبنا کتاب اللہ کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی منظور فرمالیا ۔

چھٹی صدی کے جلیل القدر محدث حافظ ابن اثیر الجزری (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں ۔

قد کان فی الامم محدثون فان یکن فی امتی احد فعمر بن الخطاب ۔۔۔ جاء فی الحدیث تفسیرہ انہم ملہمون والملہم ہوالذی یلقی فی نفسہ بشئ فیخبرہ بہ حدسا و فراسۃ وھو نوع یختص بہ اللہ عزوجل من یشاء من عبادہ الذین اصطفی مثل عمر کانہم حدثوا بشئ فقالوہ [2]

ترجمہ :۔ پہلی امتوں میں بھی محدث گزرے ہیں میری اُمت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہیں ۔ حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ وہ صاحب الہام ہوتے ہیں ۔ ملہم وہ ہے جس کے جی میں کوئی بات ڈالی جائے اور وہ اس کی اپنی فہم و فراست سے خبر دے سکے اور محدث ہونا اس کی ایک خاص نوع ہے جس پر اللہ عزوجل اپنے چنے ہوئے بندوں میں سے جس کو چاہیں سرفراز فرماتے ہیں جیسے حضرت عمرؓ تھے گویا انہیں کچھ بتایا جاتا ہے اور وہ اسے آگے کہہ دیتے ہیں ۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۱ ۔ [2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۶

امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں ۔

قال ابن وھب ملھمون وقیل مصیبون اذا ظنوا فکانھم حدثوا بشئ نظنوه وقیل تکلمھم الملئکۃ وجاء فی روایۃ مکلمون وقال البخاری یجری الصواب علی السنتھم وفیہ اثبات کرامات الاولیاء [1]

ترجمہ :۔ عبداللہ بن وہب کہتے ہیں محدث سے مراد ملہم لوگ ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صادق الظن ہوتے ہیں ان کا گمان بھی درست بیٹھتا ہے گویا انہیں کوئی بات بتائی جاتی ہے اور وہ اس پر رائے قائم کر لیتے ہیں ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے ان سے باتیں کرتے ہیں ۔ بعض روایات میں ان کے لیے مکلمون کا لفظ بھی آیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں ۔ حق اور صواب ان کی زبانوں پر گردش کرتا ہے ۔ اس حدیث سے اولیاء کے لیے کرامات کا ثبوت بھی ملتا ہے ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں ۔

المحدث بالفتح وھو الرجل الصادق الظن وھو من القی فی روعہ شئ من الملأ الاعلیٰ فیکون کالذی حدثہ غیرہ وبھذا جزم ابو احمد العسکری [2]

ترجمہ :۔ محدث کا لفظ دال کی زبر سے ہے اس سے صادق الظن بزرگ مراد ہیں ۔ ان کے قلوب میں ملاء اعلیٰ سے کوئی چیز ڈالی جاتی ہے اور پھر اسی طرح ہوتا ہے جیسے انہوں نے اس کی کسی کو خبر دی تھی ۔ ابو احمد عسکری نے یہ بات بڑے یقین سے کہی ہے

علامہ محمد بن طاہر فتنی (۹۸۶ھ) لکھتے ہیں ۔

محدث بروزن معمر وہ شخص ہے جس سے بات کی جائے یعنی اس کے دل میں عالم غیب سے الہام ہوتا ہے یا فرشتے اس سے باتیں کرتے ہیں یہ صفت احادیث صحیحہ میں حضرت عمر فاروق کے لیے وارد ہوئی ہے ۔ مجمع البحار جلد ۳ صہ

شیطان کے تسلط سے خدا کی حفاظت میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کے چیدہ حضرات جنہیں وہ اپنے بندے کہے وہ شیطان

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۷۶ ، [2] فتح الباری

کے تسلط سے خدا کی حفاظت کے سائے میں ہیں لیکن ان میں کچھ ایسے کاملین بھی ہیں کہ اگر شیطان ان پر اتری بات میں اپنی بات ڈالے بھی تو اللہ تبارک و تعالےٰ فوراً اس شیطانی زنجیر کو کاٹ دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے شیطان کو پہلے ہی کہہ دیا تھا

ان عبادی لیس لك علیهم سلطان پ بنی اسرائیل ع، آیت ۱۰

انبیائے و مرسلین کے ساتھ صرف محدّث ہیں جو اس کامل حفاظت سے نوازے جاتے ہیں۔ سورۃ حج کی مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کس طرح ان پاک لوگوں کی بات میں اپنی بات داخل کرتا ہے اور اللہ طرح پھر کس طرح ان کی حفاظت فرماتا ہے اور شیطان کی بات کو کاٹ دیتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔

قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت سے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت حرم علیکم المیتة پڑھ کر سنائی۔ شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام ہے یا آپ نے آیت انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم دپ پڑھی کس نے شبہ ڈالا کہ ما تعبدون من دون الله میں حضرت مسیح، عزیر اور ملائکہ بھی شامل ہیں یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا کلمة الله القاها الی مریم و روح منه شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیح کی ابنیت و الوہیت ثابت ہوتی ہے اس القاء شیطانی کے ابطال و رد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالےٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے گویا متشابہات کی ظاہری سطح کو شیطان جو اغوا کرتا ہے۔ آیات محکمات اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔ جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں (تفسیر عثمانی ص۴۴۸)

پیش نظر رہے کہ سورہ حج کی اس آیت میں تمنّیٰ بمعنی قرأ ہے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت سیدنا حضرت عثمانؓ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

تمنّیٰ کتاب اللہ اوّل لیلۃ　　　　وآخرہ لاقی حمام المقادر

اس آیت سے یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو گئی کہ نبی اور رسول اللہ سے جو علم لائیں اس

پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا پورا پہرہ ہوتا ہے

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اپنی قرأت میں محدّث کا لفظ بھی پڑھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدث بھی اسی صیانت اور حفاظت میں داخل ہیں جو انبیائے کرام کے لیے موعود ہے اس اُمت میں یہ مقام حضرت عمر فاروقؓ کو ملا ہوا تھا ان کے دل میں ملاء اعلیٰ اور عالمِ غیب سے حقائق اترتے تھے پھر وحی رسالتؐ سے بات نکھرتی تو بالکل اس کے مطابق اترتی تھی چونکہ قطعیت کا مقام صرف نبوت و رسالت کا ہے اس لیے آپ اپنی بات کو پیرایہ ظن میں سامنے لاتے لیکن پھر بھی صادق الظن نکلتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدّث بھی خدائی حفاظت کے سایہ میں اپنی بات کہتا ہے اور اس پر رسالت کا پرتو پڑتا ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔

بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں۔ حظیرۃ القدس (دربارِ خداوندی) کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس (دربار خداوندی) میں مقدر ہو چکا ہو۔ اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں پس جب اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی اور دربارِ الٰہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا اور رفیقِ اعلیٰ میں مقام صدق پا لیا تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پرتو نیک بندوں پر پڑ جاتا ہے [۱]

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں

کمالاتِ راہ نبوت، ارباب کمال کی بصیرتوں کو کحل قدسی سے سرمگیں کر دیتے ہیں اور کحل قدسی کے سبب ان کی بصیرتوں کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں۔ اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ دریافت کر لیتے ہیں [۲]

حضرت عمرؓ کی قدسی آنکھ کا ادراک

حضورؐ نے بلا وجہ حضرت عمرؓ کے محدث ہونے کی خبر نہ دی تھی آپؐ نے ان کی قدسی

آنکھ کے ادراک کو پوری طرح بھانپ لیا تھا پھر اسی قدسی آنکھ کے کمالات صحابہؓ نے خطبے میں بھی دیکھے کہ ہزاروں میل کے فاصلے سے "یا ساریہ الجبل" کی آواز دے رہے ہیں اور نماز میں حقائق آپ پر بلا التفات اس طرح کھلتے کہ اسلامی لشکر کی پوری تیاری آپ پر اتار دی جاتی اور پھر اس قدسی آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہوتا وہ عالم وجود کا لباس پہنتا۔

لوگ کہنے لگے ساریہ یہاں کہاں ہیں وہ تو عراق گئے ہوئے ہیں حضرت علی مرتضیٰ نے انہیں بات کرنے سے منع کیا فرمایا

دعوا عمر فانه ما دخل فی شئی الاخرج منه [1]

(ترجمہ) حضرت عمر کو رہنے دو (ان پر سوال نہ اٹھاؤ) آپ جب بھی کسی بات میں پڑے آپ کے پاس اس کا حل ضرور ہوتا ہے۔

زیادہ دن نہ گذرے کہ ساریہ عراق سے واپس آئے اور انہوں نے بتایا کہ :-

سمعت صوت عمر فصعدت الجبل [2]

(ترجمہ) میں نے وہاں حضرت عمر کی آواز سنی تھی اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔

وہ آواز کیا تھی؟

یا ساریہ الجبل من استرعی الذئب ظلم۔

(ترجمہ) ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جا جس نے بھیڑیئے کی رعایت کی اس نے ظلم کیا

عالم تکوین کے مسافر کہاں تک اڑتے ہیں اسے شرائع میں تلاش نہ کریں بلا التفات لشکروں کو ترتیب دینا کیا کسی کے بس کی بات ہے اگر نہیں تو یہ ایک تکوین کی جھلک ہے جو اس نماز کے ہرگز منافی نہیں جو کاملین کا حصہ ہے۔

اس عظیم تر روحانی شان کے باوجود ان مشاہدات کا حاصل وہ شرعی درجہ نہیں رکھتا جو پیغمبر کی بات کو حاصل ہوتا ہے۔ پیغمبر کا علم رسالت کی راہ سے دوسروں کے لیے حجت بنتا ہے۔ محدث کی بات اس ربط عالم علوی کی راہ سے دوسروں کے لیے حجت اور واجب التسلیم نہیں ٹھہرتی۔ حضرت عمرؓ کی بات صحابہ کرامؓ کے لیے خلافت کی راہ سے سند بنتی تھی۔ اولیاء اللہ کو، گو وہ محدث کے درجہ تک پہنچے ہوں، الہام کے ذریعے جن امور کی خبر دی جاتی ہے اور جو حقائق و معارف ان پر کھلتے ہیں ان کا علم دینی نوعیت کا نہیں ہوتا یہ کچھ انتظامی قسم کے امور ہوتے ہیں یا کچھ خدائی

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۶۵ کنز العمال جلد ۶ صہ ۳۲۳ [2] سیرت سیدنا عمر لابن الجوزی صہ ۱۵۰۔

اشارات جو نصوص کا درجہ نہیں رکھتے، اور ان کو وہی لوگ سمجھ پاتے ہیں جنہوں نے اس روحانی دائرہ میں کبھی قدم رکھا ہو۔

یہ بات صحیح ہے کہ الہامات و معارف مقام اجتہاد کو نہیں پہنچتے، مجتہد کا اجتہاد دوسروں کے لیے جو اجتہاد کے درجہ کے نہیں حجت اور سند ہوتا ہے۔ مگر اہلِ باطن کا کشف از روئے قانون دوسروں کے لیے سند نہیں بنتا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں۔

قیاس و اجتہاد اصلی است از اصولِ شرعیہ کہ ما بر تقلید آں ماموریم بخلاف کشف و الہام کہ ما را بتقلید آں امر نفرمودہ اند۔ الہام بر غیر حجت نیست و اجتہاد بر مقلد حجت است۔

ترجمہ:۔ قیاس اور اجتہاد ماخذ شریعت میں ایک ماخذ ہے ہمیں اس میں تقلید کا حکم ہے بخلاف کشف و الہام کہ ہمیں اس کی تقلید کا حکم نہیں دیا گیا۔ کسی ولی کا الہام دوسرے پر حجت نہیں اور مجتہد کا اجتہاد مقلد پر شرعاً حجت ہوتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ملاءِ اعلیٰ میں پرواز کرنے والے کسی درجے میں کم ہیں۔ نہیں، قانون کی دنیا اور ہے اور تکوین کی دنیا اور۔ مجتہد کی نظر کتاب و سنت میں گڑی رہتی ہے اور ارباب ولایت زمین و آسمان کے آگے چلتے ہیں۔ اور کبھی آسمانوں میں اڑتے ہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں۔

الہام مثبت حل و حرمت نبود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نہ نماید ارباب ولایت خاصہ با عامہ مومنین در تقلید مجتہداں برابر اند، کشف و الہامات ایشاں را مزایت نے بخشد و از ربقہ تقلید نے بر آرد ذوالنون و بسطامی، جنید و شبلی با زید و عمرو بکر و خالد کہ از عوام مومناں اند در تقلید مجتہداں در احکام اجتہادیہ مساوی اند آرے مزیت ایں بزرگواراں در امور دیگر است اصحاب کشوف و مشاہدات ایشانند و ارباب تجلیات و ظہورات ہم ایشانند کہ بواسطہ استیلائے محبت محبوب حقیقی جل سلطانہ از ماسوائے او تعالیٰ گسستہ اند و از دید و دانش غیر و غیریت آزاد گشتہ اگر حاصل دارند او را دارند و اگر واصل اند او را واصل اند در عالم بے عالم اند و با خود بے خود اند اگر مے زیند برائے او مے زیند و اگر میرند برائے او میرند

---

۱ مکتوبات دفتر اول ص ۳۴۷ — مکتوبات دفتر ۲ ص ۱۰۸

ترجمہ :- الہام سے کسی چیز کا حلال یا حرام ثابت نہیں ہوتا اور اہلِ باطن کے کشف سے کسی چیز کا فرض یا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ولایت خاصہ کے حضرات مجتہدوں کی تقلید کرنے میں عام مسلمانوں کے ساتھ برابر ہیں۔ کشف و الہام انہیں کوئی امتیاز نہیں بخشتا اور انہیں تقلید کے پٹے سے باہر نہیں کرتا۔ حضرت ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور شبلی زید و عمر اور بکر و خالد کہ عام مسلمانوں سے ہیں۔ ان کے ساتھ ہیں اور غیر منصوص مسائل میں تقلید مجتہدین کی پابندی میں ان کے برابر ہیں — ہاں ان بزرگوں (ارباب ولایت) کا امتیاز دوسرے امور میں ہے۔ کشف و مشاہدہ کی دولت پانے والے یہی حضرات ہیں، تجلیات انہیں پر آتی ہیں اور حقائق کا ظہور انہی پر اترتا ہے۔ یہ لوگ محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ میں اس کے سوا ہر چیز سے کٹے ہوتے ہیں۔ اس کے سوا ہر ایک دید و دانش سے آزاد ہیں اگر ان کے لیے کوئی حاصل ہے تو وہ اسی کی ذات ہے اور وہ واصل ہیں تو اسی کے واصل ہیں وہ یہاں رہتے ہوئے بھی اس عالم کے نہیں اور اپنی شخصیت کے باوجود وہ اپنے آپ میں نہیں ہوتے اگر وہ زندہ ہیں تو اسی کے لیے اور مرتے ہیں تو اسی کے لیے۔

عالم تشریع میں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سب سے اونچا مقام نبوت اور رسالت کا ہے اور عالم تکوین میں ملائکہ کا۔ نبوت اور رسالت کے نیچے مجتہد کا مقام ہے۔ اور ملائکہ کے بعد وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جس میں فالمدبرات امرا میں داخلہ ملا ہو۔ اس دائرہ میں سب سے اونچی پرواز محدث کی ہے۔ وہ تشریعاً گو نبوت کے ماتحت ہوتا ہے۔ مگر تکویناً اس کا ربط عالم علوی سے ہوتا ہے جو یہ مقام پالے۔ پھر اس کے دل میں توارے کی طرح عام لوگوں کی خیر خواہی موجزن ہوتی ہے اس نکتے پر سب سے گہری نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے جب حضرت عمر فاروق کو اپنا جانشین مقرر کیا اور بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی سختی کی گزارش کی تو آپ نے فرمایا جب ان پر ذمہ داری آئے گی تو وہ سخت نہ رہیں گے۔ لوگوں کی خیر خواہی ان کے دل میں موجزن ہوگی اور دنیا نے دیکھا کہ پھر ایسا ہو کر رہا۔

صدیق ربط رسالت میں جس طرح مقام انتہا پر ہے محدث ربط ملأ اعلیٰ میں سب سے اونچے درجے پر ہوتا ہے اس کا دل حظیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس پر بہت سے ایسے امور کا عکس پڑتا ہے جو کہ عرصہ بعد نبی کے توسط سے شریعت بن جاتے ہیں کتنے امور ہیں جن میں وحی خداوندی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی اور حضرت عمرؓ نے ادباً کہا کہ میں نے اپنے رب کی موافقت کی ہے۔

اولیاء اللہ جب اس خاص جہت سے بولتے ہیں تو یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی ذات میں فنا اور ذات احدیت میں بالکل کھو چکے ہوتے ہیں۔

رہی جب تک خودی اس کو نہ پایا جب اسکو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے

ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے متعلق ماذون اور مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کو حق پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے۔ معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولے کی سلطنت ہے [1]

ربط ملاءِ اعلیٰ کے اعتبار سے یہ حضرت عمرؓ کا مقام تھا کہ حضورؐ کے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے۔ ربطِ رسالت میں کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور آپؐ کے سب سے قریب وہی ہو سکتا تھا جو "ارحمہ امتی بامتی" کا مصداق ہو اور جس پر اللہ کے جلال کا پرتو پڑا ہو وہ اشدھم فی امر اللہ کا مصداق ہو گا۔ ویسے تو یہ دونوں بزرگ خدا اور رسول کے ہی تھے لیکن ایک ربط رسالت سے زیادہ ممتاز ہوا اور دوسرا ربطِ خداوندی سے الہام مربوط کہ کلام ناظر بدیں میں اس کا وصف پہلے مذکور ہوا حضورؐ نے ان دونوں کو اس ترتیب سے ذکر کیا ہے ارحمہ امتی بامتی ابوبکر و اشدھم فی امر اللہ عمر۔ لیکن اللہ تبارک و تعالےٰ نے اشد ہونا حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کی پہلی صفت بیان کی پہلے اشداء علی الکفار فرمایا اور پھر دوسری صفت رحماء بینھم ذکر کی عجیب شان ہے ہر ایک اپنے اپنے کو پہلے لا رہا ہے۔

زمین و آسمان کو مخاطب کرنا کس کی شان ہے؟ اللہ رب العزت کی۔ یہ عالم تکوین کے دائرے ہیں جو اسی کے حکم سے گھوم رہے ہیں۔

ہواؤں اور پانیوں کو حکم دینا عالم تشریع کی بات نہیں۔ عالم تکوین کی ایک کڑی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس روحانی مقام پر تھے کہ ہوا کو کہیں تو وہ ہزاروں میلوں سے ساریہ کے کانوں سے جا ٹکرائے اور پانی کو حکم دیں تو دریائے نیل کو خط لکھیں اور پھر وہ ایسی چال چلے کہ اب تک خشک نہ ہو۔ یہ اندازِ خطاب اور یہ حکم حاکم آپ نے انسانوں میں بہت کم سنا ہو گا۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

---

[1] صراط مستقیم ص۱۱۳

محدث عالم تشریع کے تحت

محدث عالم علوی کے اس ربط کے باوجود نبوت کی پیروی کا مکلف ہے سو اعزازِ نبوت کے لیے ضروری تھا کہ نبوت پر بھی کبھی تکوین کی جھلک اترے اس بارے میں دیکھیے تو پیغمبر پہاڑوں کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے

اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق و شھیدان ؎

ترجمہ :۔ اے احد پہاڑ سکون اختیار کر اس وقت تجھ پر ایک نبی ، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں لہ

یہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لیے لفظ صدیق لسان رسالتؐ کی تصدیق ہے۔ حضرت عثمانؓ کو لسانِ رسالتؐ نے شہید کہا ہے۔ معلوم ہوا حضرت عثمان سے اقالہ بیعت کا مطالبہ کرنے والے سب ظالم تھے اور حضرت عثمانؓ اس میں مظلوم، ورنہ لسانِ شریعت ان کے لیے شہید ہونے کا فیصلہ نہ دیتی۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں اس وقت اُحد پہ دو شہید حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہما تھے۔ احادیث میں عام طور پہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ذکر اکٹھا ہوتا ہے اور یہاں حضرت عمر اور حضرت عثمان یکجا جمع ہیں۔ یہ حضرت عثمانؓ کی فضیلت ہے کہ لسانِ رسالتؐ نے انہیں حضرت عمر کے ساتھ ملایا

عزت اور ذلت تکوینی فیصلے ہیں

دنیا میں اقتدار اور ماتحتی، عزت اور ذلت، دولت اور غربت سب الٰہی فیصلے ہیں اور تکوینی امور ہیں۔ قرآن کریم میں ایک دعا یہ بھی ہے ۔

اللھم ملک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر ۵ (پ آل عمران ع ۲ آیت ۲۵)

ترجمہ :۔ اے مالک الملک تو جس کو چاہے سلطنت دیوے اور جس سے چاہے لے لے اور

لہ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۹

جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہاتھ میں ہے ہر بھلائی اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے

حضرت عمرؓ کے اسلام میں آنے سے اسلام کو عزت ملی۔ چالیس کا عدد پورا ہوا کھلے بندوں نماز ہوئی سب۔ یہ تغیرات سب عالم تکوین کا پر تو ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو انہیں مانگا ہی اسلام کی عزت کے لیے تھا اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب اور آپ کے اسلام میں آنے سے یہ مقصد پورا ہو کر بار بار اسلام کو آپ سے عزت ملتی رہی۔ حدیبیہ میں حضورؐ نے پہلے حضرت عمرؓ کو سفیر بنانا چاہا مگر علم الٰہی میں یہ طے تھا کہ کفار اس سال مسلمانوں کو عمرہ نہ کرنے دیں گے۔ حضرت عمرؓ کا اس فیصلے کو لے کر لوٹنا اس عزت اسلام کے خلاف تھا۔ جس کا آپ پیکر تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں بات ڈال دی اور انہوں نے حضورؐ کے سامنے معذرت کر دی اور پھر حضرت عثمانؓ سفیر اسلام بن کر مکہ بھیجے گئے تھے۔ آپؓ حیا کا پیکر تھے سو بات ایک صلحنامے پر ختم ہوئی۔ اور اگلے سال مسلمانوں کو حج کرنے دیا گیا۔

انعام الٰہی پانے والے چار طبقے

قرآن کریم میں انعام پانے والے صرف چار سیقوں کا ذکر ہے۔ (۱) انبیاء (۲) صدیقین (۳) شہداء اور (۴) صالحین۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے حسب حال انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت عطا فرمائیں گے اور یہ بہت اچھی رفاقت ہے۔ رب العزت فرماتے ہیں۔

فاولٰئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين و الصديقين والشهداء والصالحين و حسن اولٰئك رفيقا ۔ (پ ۵ النساء ع ۹ آیت ۶۹)

ترجمہ :۔ سو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ انعام کر چکا نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہداء میں سے اور صالحین میں سے اور ان لوگوں کی رفاقت بہت اچھی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چار طبقوں میں سے محدث کس طبقے میں شامل ہے۔ اس طبقے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک محدث نبیوں کے ساتھ ملحق ہے دوسرے علماء کے نزدیک وہ صدیقوں کے ساتھ شامل ہے، صدیقیت

اور محدثیت میں اخوت کی نسبت ہے اور یہ دونوں آپس میں بہت قریب ہیں یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں جو تعلق اور قرب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو آپس میں تھا وہ کسی اور دو صحابیوں کو حاصل نہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

و از لوازم خلافت خاصہ آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نص فرمائند کردے از طبقۂ علیائے امت است از صدیقین یا شہداء وصالحین و محدث نیز شقیق صدیق است و بیک اعتبار داخل در مدعے یا بیان علو درجہ او در بہشت فرمودہ باشند و ایں لازم بودن شخص است از طبقۂ علیائے امت یا رائے او موافق باشد با وحی و آیات کثیرہ بر وفق رائے او نازل شدہ باشد و ایں معنی نیز لازم بودن شخص است از طبقہ علیا۔ یا بتواتر ثابت شود کہ سیرت او در عبادات و تقرب الی اللہ اکمل است از سیرت سائر مسلمین ؎ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص۵۰)

ترجمہ:۔ اور لوازم خلافت خاصہ میں سے ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کا اُمت کے اونچے طبقہ میں سے ہونا صدیق ہونا یا شہید ہونا یا صالح ہونا صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے اور محدّث بھی صدّیق کا ہم رُتبہ ہے اور ایک اعتبار سے محدث، صدیق کی تعریف میں ہی داخل ہے یا شارع علیہ السلام نے اس کا بہشت میں اونچے درجے میں ہونا بتلا دیا ہو اس سے بھی اس شخص کا امت کے اونچے درجہ میں سے ہونا ثابت ہو جاتا ہے یا وہ ایسا شخص ہو کہ اس کی رائے وحی کے مطابق پڑتی ہو اور بہت سی آیتیں اس کی رائے کے مطابق اتری ہوں اور اس سے بھی اس کا امت کے اونچے طبقہ میں سے ہونا لازم آتا ہے۔ یا تواتر سے معلوم ہو چکا ہو کہ اس کی سیرت عبادات اور قرب الٰہی کی منازل میں باقی سب مسلمانوں سے ممتاز ہے وہ خصائل پسندیدہ، بلند مقامات، روشن حالات اور کرامات واضحہ سے کہ آج کل آپ صوفیہ کے طریق سے موسوم کرتے ہیں، آراستہ ہو۔ یہ وہ امور ہیں جنہیں صاحب قوت القلوب اور دوسرے حضرات نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر بات کو احادیث و آثار سے مدلل کیا ہے اور یہ امور بھی صدیقین اور شہداء میں سے ہونے کی دلیل ہیں اور یہ امور خلیفہ میں اس لیے مطلوب ہیں کہ اس کی ظاہری سرداری باطنی سرداری سے ملی ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری مشابہت پائی ہو۔ اور وہ آیت کریمہ (پ ۲۶

الفتح آیت ۲۹) کے تحت اور آیت (پ۶ المائدہ ع۸ آیت ۵۴) کے تحت داخل ہوجائے ان تمام باتوں کا خلفائے اربعہ کے لیے ثابت ہونا ضروریات دین میں سے ہے اور بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس آخری جملہ کے حضرت شاہ صاحبؒ کے فارسی الفاظ یہ ہیں

وثبوت ایں معنی برائے خلفائے اربعہ از ضروریات دین است وثابت با حادیث بے شمار [1]

حضرت شاہ صاحبؒ نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے محدّث کو صدیق کی تعریف میں داخل کیا ہے ورنہ محدثین تو اس باب میں انبیاء سے ملحق ہیں۔ اہل سعادت کا سب سے اونچا مقام انہی حضرات (انبیاء و محدثین) کا ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں۔

ان افضل اهل السعادة من البشر الانبياء ومن فى حكمهم من المحدثين ثم الحكماء ثم اصحاب الولاية الكبرى ثم اصحاب الولاية الصغرى [2]

ترجمہ:۔ انسانوں میں بہترین اہل سعادت انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے حکم میں داخل محدثین ہیں۔ پھر حکماء اسلام ہیں۔ پھر ارباب ولایت کبریٰ اور ان کے بعد عام درجے کے اولیائے کرام ہیں۔

○

---

[1] ازالۃ الخفاء ص۱۵ [2] عبقات ص۱۱۲

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی مخالفت کے اسباب

مفکرِ اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امّا بعد!

سرزمین عرب پر رحمت کا نزول

جب حرص وہوا کے لالچ اور فانی لذتوں کے انہماک نے دنیا کی اخلاقی حالت بالکل تباہ کر رکھی تھی، اغراض واوہام کی تہ بہ تہ مادّی کثافتوں کے نیچے دینِ سماوی کی لطیف روحانیت دب کر رہ گئی تھی، آسمانی کتابوں کے چہرے مسخ کیے جاچکے تھے اور ہندی، یونانی، رُومی اور ایرانی عقائد وادیان سسکیاں لیتی ہوئی انسانیت کو امن ورحمت کا پیغام دینے سے قاصر رہے تھے، ہدایت کے جتنے چراغ تھے سب گل ہوچکے تھے اور آفتاب عالمتاب کا انتظار تھا، کائنات کو سچی روشنی کی ضرورت اور تلاش تھی۔

سرزمینِ عرب میں فاران کی چوٹیوں سے ایک عالمگیر تحریک اُٹھی اور خدا کی آخری ہدایت کا نزول ارضِ حجاز میں ہوا، عالمی رحمت کا مرکزی نقش اسی خطۂ زمین میں پیوست ہوا اور یہیں سے ابدی صداقت اور لافانی رحمت کے چشمے پھوٹے، بیرونی اقوام اور دشمنانِ اسلام ابتداء میں اس کی ترقی کا اندازہ نہ کرسکے اور وہ ہمسایہ سلطنتیں جو صدیوں کے تمدن کی وارث اور اپنے اپنے خیال میں ایک ناقابلِ زوال مرکزی طاقت تھیں اِس انتظار میں تھیں کہ شاید خود عرب ہی اس انقلابی تحریک کا جواب ہوجائیں، اُنہیں اس وقت یہ گمان بھی نہ تھا کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب انہی بے سروسامان عربوں کا جھنڈا ان عجمی ممالک پر بھی آلہرائے گا۔

مکہ والے ابھی اپنے اقتدار کے نشہ میں ہی مخمور تھے کہ دیکھتے دیکھتے مکہ فتح ہوگیا اور پھر

سارے جزیرۂ عرب پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ اسلام کی اس روز افزوں ترقی سے قیصر روم اور کسرائے ایران کی نگاہیں بہت تشویشناک تھیں مگر ایک موہوم اُمید انہیں سہارا دے رہی تھی کہ چونکہ پیغمبر اسلام کی کوئی نرینہ اولاد نہیں اس لیے آپ کی وفات پر دُنیا ایک نیا رُخ بدلے گی اور آندھی کی طرح اُٹھنے والی قوم ایک بگولے کی طرح اُڑ جائے گی ان ہمسایہ ملکوں کے تصورات کسی جمہوری نظام مملکت سے یا شورائی نظام حکومت سے ناآشنا تھے اور یہ بات ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھی کہ جانشینانِ رسالت حضور رحمۃ اللعالمینؐ کے پیغام رحمت کو نہ صرف دُنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں گے بلکہ عربوں کی اس سیادت اور قیادت کے آگے دُنیا کی سب طاقتوں کو سرنگوں ہونا پڑے گا۔

یہ خدا کی تقسیم ہے کہ عالمی ہدایت کا آفتاب سرزمینِ عرب سے طلوع ہوا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے جو عربوں کے تفوق کو برداشت نہ کر سکنے کی جاہلی عصبیت کا شکار تھے اس حقیقت پر غور نہ کیا کہ خدا کی رحمت کے خزانے انسانی ہاتھوں سے تقسیم نہیں ہوتے، قرآنِ کریم میں ہے:۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ (ترجمہ) ربّ العزت ہی جانتے ہیں کہ رسالت کا نزول کہاں ہو۔

اھم یقسمون رحمۃ ربک۔ (ترجمہ) وہ تیرے رب کی رحمت کو کیا خود تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟

مگر ان عجمی حریفوں اور ہمسایہ سلطنتوں کی تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں، جب انہوں نے دیکھا کہ اس مرکزِ رحمت اور پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں نے آپ کے مقصدِ بعثت کے ساتھ پوری وفا کی اور اصل تحریک کی نزاکت کا یہاں تک احترام کیا کہ جذبات غم میں کھونے اور اپنے آقا و مولا کو رونے کی بجائے اصل تحریک کی نزاکت کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے سے پہلے پہلے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ یہ تحریک کس نظام ملی کے ساتھ جاری رہے گی، اب وہ دشمن جو گھات لگا کر وقت کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے کھانے لگے، اُنہیں سب سے زیادہ رنج اس بات کا تھا کہ اصحابِ رسولؐ نے آپ کے دفن سے پہلے پہلے نظام خلافت کے سربراہ کا انتخاب اور تعین کیوں کر لیا ہے کیوں نہ مسلمانوں اور عربوں کو کچھ وقت کے لیے لاوارث چھوڑ دیا گیا تا ہمسایہ اقوام اور دشمنانِ اسلام اپنے خوابوں کی کوئی تعبیر اور اپنی امیدوں کی کوئی صورت تکمیل

دیکھ سکتے، رب العزت کی کروڑوں رحمتیں ان نفوسِ قدسیہ پر جنہوں نے غم و ماتم کا شکار ہونے کی بجائے زندہ قوموں کی طرح اپنی زندگی باقی رکھی، اور دستور بھی یہی ہے کہ پہلے سربراہِ سلطنت کو بعد میں دفن کیا جاتا ہے اور اس کے جانشین کا تعین پہلے عمل میں لایا جاتا ہے، اب ان لوگوں نے رُخ بدل کر یہ تعبیر اختیار کی کہ انتخابِ خلافت کی یہ جلدی کسی سیاسی مصلحت اور حالات پر قابو پانے کیلئے نہ تھی بلکہ محض حُبِ ریاست کے لیے تھی، انہی دشمنانِ اسلام کے پیروؤں میں سے کسی نے کہا ؎

چوں صحابہ حبِ دُنیا داشتند مصطفٰے را بے کفن بگذاشتند

اور پھر یہیں تک نہیں بلکہ بعض لوگوں نے تحریف سے کام لیتے ہوئے اسے مولانا روم ؒ کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ یہ شعر مثنوی مولانا روم میں کہیں موجود نہیں اور اس کے برعکس صحابۂ کرام ؓ کے فضائل و کمالات متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔

سلطنتِ اسلام کے اس تحفظ سے اہلِ اسلام کے قدم کچھ آگے بڑھے اور جب سلطنتِ ایران اور دولتِ یونان ضربتِ فاروقی کے ایک ہی صدمہ سے پاش پاش ہوگئیں تو توپھر ان ناکام تمناؤں نے انداز بدل کر کلمۂ اسلام کا اقرار کیا اور پھر مارِ آستین بن کر تحریکِ اسلام کی بیخ کنی پر اُتر آئے، اسلام کی ترقی اور ملت کی مرکزیت چونکہ نظامِ خلافت سے وابستہ تھی اور نگہبان کی موجودگی میں کوئی بھیڑیا تحریکِ اسلام کے اس ریوڑ پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا اس لیے ان دشمنانانِ اسلام کا پروگرام یہی بنا کر خلافت کو بدنام کیا جائے اب ان کی تحریک رسالت کے اقرار اور خلافت کی مخالفت کے عنوان سے چلنے لگی حضرت فاروقِ اعظم ؓ کی مخالفت کا پہلا سبب یہ تھا کہ عربوں کو ایران و عجم پر تفوق کیوں مل رہا ہے اور عالمی قیادت اور سیادت عربوں کے حصے میں کیوں آرہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم ؓ کی مخالفت کے جراثیم زیادہ تر انہی عجمی ممالک میں پھیلے، حضرت فاروقِ اعظم ؓ کی ذاتِ اقدس میں اگر واقعی کوئی کمزوری ہوتی تو ان کے خلاف عرب سے ہی کوئی آواز کیوں نہ اُٹھتی۔ پس جبکہ یہ مخالفانہ ہوائیں ان حریف ملکوں سے چلیں تو یہ بات ایک امرِ یقینی ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم ؓ کی یہ مخالفت عربوں کے خلاف محض ایک سیاسی رقابت کا نتیجہ تھی۔

اسلام اور فتح ایران

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت واضح الفاظ میں اسلام کے قیصر و کسریٰ پر غالب آنے کی پیشگوئی فرما چکے تھے۔ ملا محمد بن یعقوب الکلینی سند معتبر کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ جنگِ خندق کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

فتح شد برمن دریں ضربت گنج ہائے کسریٰ و قیصر۔[۱] [ترجمہ] (کدال کی اس ضرب میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے مجھ پر فتح ہوئے (دکھائے گئے))۔

یہ تو اس وقت کی بات ہے جب سلطنتِ مدینہ کا قیام ہو چکا تھا اور معرکہ بدر وغیرہ نصرت اسلام کی پوری شان کے ساتھ ظہور میں آ چکے تھے، اس سے بہت عرصہ پہلے جب آپ مکہ میں تھے اور کفر و شرک کی طاقتیں بری طرح برسرِ اقتدار تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات اس وقت بھی مشہور تھی کہ آپ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرنے کی پیشگوئی فرما رہے ہیں۔

ھو یزعم انہ ستفتح لہ کنوز کسرٰی و قیصر۔[۲]

آپ کا خیال ہے کہ عنقریب کسریٰ اور قیصر کے خزانے آپ کے لیے فتح کیے جائینگے۔

عربوں کے خیال میں ایران کی سرحد سب سے زیادہ خطرناک اور مستحکم تھی اور وہ سلاطینِ عجم کے ان کارناموں سے بھی پوری طرح باخبر تھے جنہیں وہ دیگر قوموں کو زیر کرنے کے لیے عملاً دکھا چکے تھے پھر بھی فتح ایران نے جانشینانِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چومے اور آنحضرتؐ کی وہ پیشگوئیاں ایک شانِ اعجاز کے ساتھ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے ہاتھوں پر پوری ہوئیں۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی خلافت اور سیادت اگر کسی درجہ میں بھی مشتبہ ہوتی تو آنحضرتؐ اس عہد میں ہونے والے ان کارناموں کو اپنی طرف نسبت نہ فرماتے۔

اسلام اپنی پوری شانِ اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی سپہ سالار رستم نے اسلام کی فتح عظیم کی ایک مافوق الاسباب جھلک بھی دیکھی جس سے ان نامورانِ عجم کے قدم اور

---

[۱] حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ مطبوعہ ایران [۲] کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ۲۵ مطبوعہ ایران۔

بھی اُکھڑ گئے۔ الفخری اس باب میں لکھتا ہے:۔

"جب رستم حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مقابلہ پر آیا تو اُس نے خواب دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک فرشتہ اترا ہے اور اُس نے ایرانیوں کی کمانوں کو جمع کر کے اُن پر مُہر لگائی ہے اور انہیں اپنے ساتھ لے کر آسمان کی طرف چلا گیا ہے اس پر عربوں کے سچے اقوال، ان کی خود اعتمادی، حقیقت پسندی اور مصائب میں ان کے بے حد صبر کے متعلق ایرانیوں نے جو کچھ باتیں دیکھی تھیں.... وہ مستزاد تھیں...... پھر سب سے آخری اور سب سے بڑا سانحہ یہ گذرا کہ جنگِ قادسیہ میں دفعۃً اُن کے خلاف ہوا کا رُخ بدل گیا جس کی خاک نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور ان کے چاروں طرف تباہی کا ایک حصار کھینچ دیا...... پس ان علامتوں پر غور کرو اور جانو کہ خدا ایک مقصد رکھتا ہے جسے وہ پورا کرتا رہتا ہے۔" انتہیٰ

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کی تائید مزید

حضرت علی المرتضیٰ ان فتوحاتِ ایران کے سلسلے میں تدبیر سے لے انجام تک حضرت فاروقِ اعظمؓ کے ساتھ پوری طرح مؤید اور موافق تھے۔ نہج البلاغۃ جلد اول ص۳۲۶ مطبوعہ مصر میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے وہ عظیم مشورے ملتے ہیں جو آپ نے ان فتوحات کے تدبیری مرحلوں حضرت امیر المومنینؓ کے حضور میں پیش کیے اور انجام تک کی موافقت کا آئینہ دار یہ امر ہے کہ اس جنگ کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم کیا جا رہا تو حضرت علی مرتضیٰ بھی اس میں برابر کے شریک تھے پھر آپ نے اپنے حصہ میں آنے والے ان غلاموں اور باندیوں کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ آپ نے اس کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا:۔

أنا أشهد الله واشهد كم اني قد اعتقت نصيبي منهم لوجه الله تعالى[1]۔ (ترجمہ) میں اللہ تعالیٰ کو اور تم سب کو اس پر گواہ بناتا ہوں کہ

---

[1] بحار الانوار جلد ۱۱ ص۴۳ مطبوعہ ایران۔

کہ میں نے ان میں سے اپنے حصے کے افراد اللہ کی راہ میں آزاد کر دیئے ہیں۔"

حضرت علی مرتضےٰؓ نے ان حاضرین کے ساتھ رب العزت کو اس لیے گواہ بنایا کہ آئندہ آنے والی نسلوں میں کوئی شخص یہ گمان بھی نہ کر سکے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کا یہ آزاد کرنا محض ان حاضرین مجلس کے سامنے کی ایک کارروائی تھی ورنہ آپ دل سے تو ان پر اپنا قبضہ اور تملک بھی تسلیم نہ فرماتے تھے، آپ نے اپنے اس اعتاق (آزاد کرنے کے عملِ خیر) پر خدا کو گواہ کر کے اس امر پر متنبہ کر دیا کہ آپ صمیم قلب اور دل کی پوری گہرائیوں سے ان فتوحاتِ ایران میں حضرت فاروق اعظمؓ کے شریکِ کار تھے۔

مفتوحہ علاقے کا نفسیاتی تجزیہ اور عجمی عصبیت کے اثرات

ایران فتح ہو گیا لیکن فتوحاتِ فاروقی کی تیز رفتاری کے باعث ان نئے مفتوحہ علاقوں کی ذہنی تربیت کی طرف پوری توجہ نہ دی جا سکی اور ماسوائے ان لوگوں کے جن کی فطری صلاحیت اور جبلی انصاف پسندی نے ان میں ذہنی پختگی پیدا کر دی تھی، باقی عوام اسلام کی اس عالمی تحریک اور اصولی دعوت کو عربی عجمی کشمکش کی مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگے جن کو طبعی تدین اور اعتدال مزاج کی دولت حاصل تھی اور وہ وطن کی جغرافیائی حدود پر اسلام کی اصولی ملت کو ہر طرح سے فائق سمجھتے تھے ان کے سوا عوامی قدریں پھر جاہلیت کا شکار ہونے لگیں اور ایرانیوں کے پرانے اخلاقی، سماجی اور سیاسی رجحانات عربوں کے خلاف بالعموم اور مرکزِ ملت حضرت فاروقِ اعظمؓ کے خلاف بالخصوص پراپیگنڈے کا ایک مستقل مرکز بن گئے۔ یہ لوگ اقرار کلمہ اسلام کے ساتھ اسلامی روایات کے تقریباً ہر دروازے پر تاویل کی دستک دینے لگے اور یہ احساس شدید اُن کے دلوں کو بُری طرح زخمی کر رہا تھا کہ عربوں کو ایرانیوں پر یہ سیاسی تفوق کیوں حاصل ہو رہا ہے اور جس نے بھی تحقیق کے میدان میں اتر کر دیکھا اُسے یہی حقیقت نظر آئی کہ ان کے اندر عجمی عصبیت کا لاوا نہایت تیز اُبل رہا ہے۔

دشمنانِ اسلام نے ایرانیوں کے اس نفسیاتی تقاضے کا پوری طرح فائدہ اُٹھایا اور کلمہ گویانِ اسلام کے ایک پورے طبقے کے سامنے حضرت فاروقِ اعظمؓ کو ایک غاصب، جابر اور غیر ملکی حکمران قرار دیا، یہ لوگ حضرت عمرؓ پر غصبِ خلافت کا الزام لگاتے تھے، لیکن

اس اندیشے سے کہ کہیں ان کا اقرارِ کلمہ ہی بے اعتبار نہ ہو جائے، اس غصب حکومت کی نسبت شاہانِ عجم کی طرف کرنے کی بجائے خود عربوں میں ہی تفریق ڈالنے کی سوچنے لگے! اور جبر و غصب کے مظلوم شاہانِ عجم کو قرار دینے کی بجائے بنو ہاشم کی مظلومیت اور ان کے استحقاقِ خلافت کا دعویٰ اس غلط پراپیگنڈے کا عنوان بنا، لیکن جب بھی ان لوگوں کو موقع ملتا اندر کی بات اُگل دیتے اور عربوں کے حملہ ایران کو واشگاف الفاظ میں ایک جاہ طلب سیاسی غارت گری کہتے، ایک ایرانی شاعر اپنے ان ایرانی جذبات کی یوں ترجمانی کرتا ہے ؎

ہر چند در کشمکش جاہ و مناصب — گمنام نمودند ہمہ دودۂ جم را
از نقش و نگار در و دیوار شکستہ — آثار پدیداست صنادیدِ عجم را

(ترجمہ "جاہ و منصب کی کشمکش میں ان لوگوں نے جمشید کے خاندان کو کتنا گمنام کر دیا ہے لیکن ایران کے شکستہ در و دیوار سے عجم کے ان سرداروں کے آثارِ عظمت پھر بھی پوری طرح ہویدا ہیں"۔

ایک اصولی نکتہ اور عجمی عصبیت کے چند نظائر

ایک غیر جانبدار تحقیقی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے کہ آیا ایرانی صرف حضرت فاروقِ اعظمؓ کو ہی ایک غاصب اور جابر حکمران کہتے ہیں یا ایرانیوں کا یہ پرانا دستور ہے کہ جس غیر ملکی شخصیت نے بھی ایران پر قبضہ کیا ایرانیوں نے اس سے یہی سلوک کیا۔ اس کی ایک مثال ہمیں اسکندر رُومی کے قبضۂ ایران سے ملتی ہے، اسکندر نے ایران کے ھخامنشی خاندان کا خاتمہ کر کے وہاں ایک غیر ملکی حکومت قائم کی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خالص زرتشتی روایات میں اسے "مردود سکندر رومی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[1]

اور بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان کے ایماء سے اُس نے ایران کو ویران بنایا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ملعون نے اصطخر اور ساحلِ ایران کے سرمایۂ ایران یعنی زرتشت نامہ کو جو بارہ ہزار بیلوں کی

---

[1] دیکھئے پہلوی اردو وراف نامگ صک اور صلا وغیرہ

دباغت شدہ کھالوں پر آبِ زر سے لکھا ہُوا اصطخر پاپکان کے دفتروں میں محفوظ تھا اُس نے جلا کر خاکستر بنا دیا تھا۔۔۔۔ پھر آخر کار اسے جہنمی قرار دیا جاتا ہے اور ناری بتایا جاتا ہے[1]

اس کے مقابل میں حضرت فاروقِ اعظمؓ کے خلاف کیے جانے والے پراپیگنڈے پر بھی توجہ کیجئے کہ کس طرح ان کے خلاف بغض و عناد پھیلایا جاتا ہے، اسکندرِ اعظم کے خلاف بھی ان کے بنیادی اعتراض دو ہی تھے اول غصب حکومت اور دوسرا آسمانی کتاب کی تحریف و بربادی —— حضرت فاروقِ اعظمؓ کے خلاف بھی بنیادی اعتراض یہی قرار پائے کہ انہوں نے معاذ اللہ خلافت بھی غصب کی اور اللہ کی کتاب کو بھی اس کی اصلی رسُولی شان پر نہ رہنے دیا، باقر مجلسی لکھتے ہیں :-

"عمرؓ نے اس قرآن کو (جسے حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا) قبول نہ کیا۔ پس جناب امیر علیہ السلام خشمناک ہو کر اپنے حجرۂ طاہرہ کی جانب تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اب اس قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائم آلِ محمد نہ دیکھو گے"[2]

اصولِ کافی میں یہ الفاظ ہیں :-

فقال اما واللہ لا ترونہ بعد یومکم ھٰذا ابداً انما کان علی ان اخبرکم حین جمعتہ[3]

حضرت فاروقِ اعظمؓ پر یہ الزام کہ انہوں نے اہلِ اسلام کے سرمایۂ ایمان کو ضائع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ سارے الزامات اور ساری بہتان تراشیاں وہی نہیں ہیں جو یہ قوم پہلے اسکندرِ اعظم کے ذمہ لگا چکی تھی۔ ان لوگوں نے پہلے غیر ملکی فاتح ایران سکندر اعظم کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہی انہوں نے دُوسرے غیر ملکی فاتح ایران حضرت فاروقِ اعظمؓ کے بارے میں اختیار کیا، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فارُوقؓ کے خلاف یہ سارا زور و شور اس لیے نہیں کہ واقعی وہ غاصبِ خلافت تھے بلکہ یہ سارا پراپیگنڈہ صرف اس لیے ہے کہ ایک قوم پرست ایرانی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ ایران پر غیر ایرانیوں کو کوئی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے "کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی ص۹۱ مطبوعہ مصر"

[2] جلاء العیون اردو مطبع جعفری لکھنؤ ص۱۵۰ [3] اصول کافی لکھنؤ جلد ۲ ص۲۳ مع الشرح

سیاسی تفوق حاصل ہو۔

قومی افتخار کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے تاریخ میں جھوٹ ملانا ایرانیوں کے نزدیک ایک قومی خدمت ہے۔ فردوسی جس نے اپنے شاہ نامہ میں سلاطینِ ایران کی قومی تاریخ نظم کی ہے جب اسکندرِ رومی کو ایران پر قابض دیکھتا ہے تو اُس کی قومی رگ پھڑک اٹھتی ہے اور وہ تاریخ میں یوں جھوٹ ملاتا ہے کہ فیلقوس مقدونوی کی بیٹی دارائے اوّل شہنشاہِ ایران کے عقد میں تھی جسے بعد میں اُس نے طلاق دے کر واپس بھیج دیا تھا، رُوم میں اسی کے بطن سے اسکندر پیدا ہوا جو دراصل ایرانی تھا اور اسی نے اپنے چھوٹے بھائی سے سلطنت چھین کر ایران پر قبضہ کیا۔

اس کے متعلق براؤن لکھتا ہے:۔

"بہرکیف اہلِ ایران نے واقعات گھڑ کر سکندر پر اس طرح قبضہ کرلیا۔" [۱]

قومی وقار کو بحال رکھنے کیلئے تاریخ کو مسخ کرنے کی ایک اور بیّن مثال

شاہ عباس کبیر شاہنشاہِ ایران نے ۱۲۹۹ھ میں اپنا ایک وفد یورپ بھیجا تھا، اور اسے دولِ روس، پولینڈ، جرمنی، فرانس، ہسپانیہ، انگلستان اور سکاٹ لینڈ وغیرہ کے نام تعارف نامے دیئے۔ اس وفد کے تین ارکان نے ہسپانیہ پہنچ کر عیسائی (رومن کیتھلک) مذہب اختیار کرلیا، جن کے نام ڈان فلپ ڈان ڈی گو اور ڈان جان ایرانی رکھے گئے۔ اب دیکھئے کہ مشہور ایرانی مؤرخ رضا قلی خان جس نے تاریخ "روضۃ الصفا" کا ضمیمہ لکھا ہے، قومی افتخار کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے اس ضمیمہ میں واقعات یوں گھڑتا ہے:۔

"وہاں کے کئی لوگ اسلام قبول کرنے اور ایران آنے کے لیے تیار تھے، لیکن سفیرِ ایران نے ان کے ساتھ اتنی بدسلوکی کی کہ وہ اپنے ارادے سے تائب ہو کر پھر عیسائی ہوگئے اور اپنے ملک میں ہی رہ گئے۔"

انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن اس مقام پر ایرانیوں کی تصنیف کردہ تاریخوں کے متعلق

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو ترجمہ تاریخ ادبیات ایران از سید سجاد حسین ایم، اے جلد ا صہ ۲۰۲

اصولی نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"اس طرح دیدہ دانستہ تاریخ کو مسخ کرنے کی جو وجہ میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ رضا قلی خان کو یہ گوارا نہ ہو سکتا تھا کہ کسی ایرانی مسلمان کا عیسائی ہونا دکھایا جائے۔ بہرحال اس قصہ کے بیان کرنے سے میرا مطلب صرف یہ دکھانا ہے کہ بعد کی ایرانی تاریخوں کو بڑی احتیاط سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور جہاں تک ہو سکے ان کے ہر بیان کو اسی زمانے کے دوسرے وقائع سے تصدیق کر لینا چاہیئے"[1]

اس بیان سے ہمارے قارئین پر یہ راز بھی کھل چکا ہوگا کہ حضرت فاروق اعظمؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ پر اعتراضات کرنے والے عام طور پر ان تاریخی کتابوں کا سہارا کیوں لیتے ہیں، جو یا تو ایرانی مصنفین کی رہین قلم ہوتی ہیں اور یا ان کا مواد پہلے ایرانی مؤرخین کا رہین احسان ہوتا ہے، ایسے موقع پر ایک تحقیق کرنے والے طالب علم کا فرض ہے کہ وہ یہ امر پیش نظر رکھے کہ جن لوگوں کے نزدیک دیدہ و دانستہ تاریخ کو مسخ کرنا قومی افتخار کے زخموں کو مندمل کرنے کا ایک مایۂ ناز سرمایہ ہو اُن کے کسی ایسے بیان یا روایت کو درجۂ اعتبار نہیں دیا جا سکتا جن کی رُو سے فاتحین ایران میں سے کسی پر کوئی اعتراض وارد ہو سکے کیونکہ ایسی تمام روایات ایک ملکی تعصب کی پیداوار ہیں۔ یہی انگریز مورخ جو خود بھی ایران رہا ہے، ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے :-

"ایرانی لوگ یوں بھی اور بالخصوص اپنے معاصروں کے معاملے میں ذاتی، سیاسی حتیٰ کہ مذہبی تعصبات اور رجحانات کی رو میں بہہ جانے پر مائل ہو جاتے ہیں"[2]

ایسی غلط بیانیوں کو اصولاً جائز بلکہ واجب قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانیوں میں تلون مزاجی بڑھتی گئی، اور بیشتر یہ لوگ سکون اور یقین کی دولت سے محروم ہوتے گئے آئے دن نیا مذہب اُٹھنے لگا اور ذہنی قطعیت یکسر ختم ہونے لگی۔ ایڈورڈ براؤن لکھتا ہے :-

"ایران میں خاصی کثرت سے آپ کو ایسے اشخاص ملیں گے جو لوم واحد

---

[1] تاریخ ادبیات ایران از سید دراج الدین کنتوری جلد ۴ ص۱۰ مطبوعہ دہلی [2] براؤن جلد ۳ ص ۱۲۳

کے عرصے میں اپنے قول و فعل میں یکے بعد دیگرے مقدس مسلمان رند، غافل پرلے درجے کے دہریئے اصوفی وجودی حتیٰ کہ خدا کا اوتار بننے والے آپ کے سامنے آئیں گے۔[1]

اس غیر جانبدار انگریز محقق کا فیصلہ یہ ہے کہ :-

"ایرانیوں نے مذہب میں جتنے بدعتی فرقے پیدا کیے غالباً دنیا کی کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔"[2]

حضرت فاروق اعظمؓ کی مخالفت کے اسباب میں ہمارے نزدیک پہلا اور بنیادی سبب وہی ہے جو ایک غیر جانبدار تنقیدی نگاہ کا فیصلہ ہے۔ یہ فاضل روزگار ایڈورڈ براؤن کی رائے ہے:-

"راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ سے جو اہلِ عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ غارتِ گرِ عجم تھے اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا، لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے۔"[3]

پھر اسی کتاب میں لکھتے ہیں :-

"معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمرؓ سے جو عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حقوق کو غصب کیا، بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کیا۔"

مرزا حسین دانش نے اپنے ایک مکتوب میں ایرانی شاعر رضائے کردکے یہ دو شعر نقل کیے ہیں ؎

بشکست عمر پشت ہژبران اجم را | برباد فنا داد رگ و ریشۂ جم را
این عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست | با آل عمر کینۂ قدیم است عجم را

(ترجمہ) "عمر فاروقؓ نے جنگل کے شیروں یعنی ایرانیوں کی پشت توڑ دی

---

[1] براؤن جلد ۳ ص۴۲۴ [2] ایضاً جلد ۱ ص۲۲۸ مطبوعہ دکن [3] ایضاً جلد ۱ ص۲۱۷ مطبوعہ دکن

اور جمشید (مورثِ اعلیٰ شاہانِ ایران) کے خاندان کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ (ایرانیوں) کا یہ سارا جھگڑا اس لیے نہیں کہ عمرؓ نے حضرت علیؓ سے خلافت چھین لی تھی بلکہ دیہ تو اس لیے ہے کہ) اہلِ عجم کی ساری آلِ عمرؓ سے پرانی دشمنی چلی آرہی ہے[1]۔"

حضرت علی المرتضیٰؓ کی نظرِ بصیرت

ایرانیوں کی یہ غیر معمولی عصبیت جس نے مرورِ دہور پر ایک مذہبی فرقے کی شکل اختیار کر لی، اور آخرکار اس سیاسی اور نظریاتی شکست کا سامانِ تسکین فاتح ایران کی تنقیص و توہین قرار دیا گیا، سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی، چنانچہ جب حضرت فاروقِ اعظمؓ نے بنفسِ نفیس جنگِ فارس میں قیادت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؓ نے اسے شانِ مرکزیت کے خلاف سمجھتے ہوئے آپ کو جانے سے روکا، اُس وقت آپ نے یہ بھی عرض کی تھی،۔

"انّ الاعاجم ان ینظروا الیك غداً یقولوا ھذا اصل العرب فاذا قطعتموہ استرحتم...... واما ماذکرت من عددھم فانالم نکن نقاتل فیما مضیٰ بالکثرۃ وانما کنا نقاتل بالنصر والمعونۃ[2]۔"

(ترجمہ) "بیشک جب ایرانی آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہی عربوں کی جڑ ہے پس اگر اس جڑ کو کاٹ ڈالو تو ہمیشہ کا آرام پاؤ گے اور یہ جو آپ ایرانیوں کی تعداد کا ذکر فرما رہے ہیں تو یاد رکھیے کہ ہم لوگ پہلے بھی تو کثرتِ عدد کے بل بوتے پر نہیں لڑتے رہے بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و معونت کے سہارے ہی ہم میدانِ جنگ میں اُترتے رہے ہیں۔"

حضرت علیؓ کے اس بیان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنی نظرِ بصیرت سے جنگِ فارس کے نتائج میں عربی عجمی کشمکش کا اندازہ بھانپ رہے تھے، مابعد کے حالات نے بتلا دیا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی یہ پیش بینی بالکل درست تھی۔

---

[1] تاریخ ادبیات ایران در عہدِ جدید جلد ۲ ص ۴۹ مطبوعہ دہلی [2] نہج البلاغۃ جلد ا ص ۳۲۶

حضرت فاروق اعظمؓ کی شخصیت کریمہ اور ان کا اعتبار کرامت آثار

باوجودیکہ سرزمین ایران اور اس کے ملحقہ علاقے اس عجمی عصبیت سے بری طرح متاثر تھے، پھر بھی حضرت عمرؓ کی شخصیتِ کریمہ میں وہ نفوذ تھا کہ کلمہ گویانِ ایران کی غالب اکثریت تہ دل سے اُن کی عظمت اور عقیدت کی معترف تھی، ان کا اعتبار کرامت آثار اس طرح تھا کہ عربوں کے خلاف ملکی عصبیت کا پراپیگنڈا کرنے والے تعداداً مغلوب تھے۔ خود عراق کو ہی لیجئے جو ان عجمی اقوام کا مرکز اور سیدنا حضرت علی مرتضےٰؓ کا دارالخلافہ تھا وہاں بھی انہی لوگوں کی ہی اکثریت تھی جن کے دلوں پر حضرت عمر فاروقؓ کا حکم چلتا تھا۔ "شہید ثالث دفین آگرہ" ملا نوراللہ شوستری حضرت علی مرتضےٰ کے عہدِ خلافت کے متعلق رقمطراز ہے :۔

"حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابی بکرؓ و عمرؓ را معتقد اند و ایشاں را برحق مے دانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں باشد"[1]

(ترجمہ) "حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی حُسنِ سیرت کے اب بھی معتقد ہیں اور انہیں خلیفہ برحق جانتے ہیں، پس آپ میں اتنی قدرت نہ تھی کہ کوئی کام ایسا کریں کہ جو ان کی خلافت کے خلاف ہو۔"

اسلام کے کمالات نے ایران کے دائرۂ عصبیت میں بھی وہ شانِ اعجاز دکھلائی کہ وہاں کی عجمی اقوام ایک عظیم غالب تعداد میں فاروق اعظمؓ کے امام المتقین اور امیرالمومنین ہونے کی برابر معتقد اور معترف ہوئیں، آج ایران میں جو شیعہ اکثریت نظر آتی ہے وہ صفویوں کے عہدِ جبر و تشدد کی یادگار ہے، ایران کے مشہور ایرانی فاضل اور یگانہ روزگار مؤرخ پروفیسر سعید نفیسی مقدمہ نثر فارسی میں رقمطراز ہیں :۔

---

[1] مجالس المؤمنین صفحہ ۲۴ مطبوعہ طہران ۱۲۹۹ھ

"پادشاہان صفوی کہ توجہ وعنایتِ خاص بانتشار دین شیعہ داشتہ اند نظر بانکہ اکثریت مردم ایران پیش ازاں حنفی بودہ اند"[1]

(ترجمہ) "صفوی بادشاہوں نے شیعہ مذہب کی اشاعت پر بہت زور دیا کیونکہ ان سے پہلے ایران کی اکثریت حنفی مسلک رکھنے والے مسلمانوں کی ہی تھی"

احسن التواریخ میں لکھا ہے کہ "صفوی خاندان کے بانی" شاہ اسماعیل نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت کے تمام خطیبوں کو حکم دیا تھا کہ خالص شیعہ کلمہ اشھد ان علیاً ولی اللہ۔ کو اقرار ایمان کا جزو بنایا جائے"

فاضل روزگار ایڈورڈ براؤن اس مضمون پر ایک مستقل سُرخی قائم کرتے ہیں"

عقیدہ شیعت کی تبلیغ بزورِ شمشیر

اور پھر گورنمنٹ کا یہ حکم نقل کرتے ہیں :-

"بازاروں اور گلیوں میں پہلے تین خلفائے راشدین پر تبرا بازی کا حکم دیا اور عدول حکمی کی سزا قتل قرار دی"[2]

تبلیغ عقائد کے اس وحشیانہ جذبہ اور مذہبی دیوانگی کی اس شدید بربریت نے نہ تو "فریدالدین احمد جیسے جلیل القدر عالم کو چھوڑا جو مشہور عالمِ دین علامہ سعدالدین تفتازانی کے پوتے تھے اور تیس سال تک "ہرات" میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہ چکے تھے"![3]

"انہیں میں سے ایک واقعہ میر حسین یبذی کے قتل کا بھی ہے جو مشہور فلسفی اور قاضی تھے اور جن کا سارا قصور یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ سُنی غالی تھے"![4]

"کازرون کے علمائے اہلسنت والجماعت پر بہت مظالم کیے گئے ان میں سے اکثر تہ تیغ کیے گئے، ان کے اسلاف کے مقابر اور دوسری بنائیں مسمار کر دی گئیں"[5]

ایران کی وحشیت و بربریت یہاں تک بڑھی کہ شیعہ مجتہدین کو بھی فکر لاحق ہوئی اور

---

[1] مقدمہ نثر فارسی معاصر ص۱۲ مطبوعہ طہران [2] تاریخ ادبیات ایران از براؤن جلد ۴ ص۸۸
[3] ایضاً ص۱۰۲ [4] براؤن جلد ۴ ص۹۲ مطبوعہ دہلی [5] ایضاً ص۹۰

انہوں نے اکٹھے ہو کر شاہ اسماعیل کی خدمت میں عرض کی کہ :۔

"قربانت شویم دویست سی صد ہزار خلق کہ در تبریز است چہار دانگ ہمہ سُنی اند و از زمان حضرات دائمہ) تا حال این خطبہ را (خطبہ تبرا بر خلفائے ثلاثہ) کسے بر ملا نخواندہ و مے ترسیم کہ مردم بگویند کہ بادشاہ شیعہ نمے خواہیم و نعوذ باللہ اگر رعیت برگردند چہ تدارک دریں باب تواں کرد۔"

(ترجمہ) ہم آپ پر قربان ہوں تبریز کی اس قدر آبادی کے چاروں طرف سب سُنی ہیں اور حضرات ائمہ معصومین سے لے کر اب تک خلفائے ثلاثہ پر خطبہ تبرا کسی نے کھلم کھلا نہیں پڑھا ہمیں ڈر ہے کہ لوگ کہہ دیں گے ہمیں شیعہ بادشاہ منظور نہیں اور رعیت باغی ہو گئی تو پھر کیا بنے گا۔"

شاہ اسماعیل صفوی نے جواب دیا کہ :۔

"خدائے عالم با حضرات ائمہ معصومین ہمراہ منند و من از ہیچ کس باک ندارم اگر رعیت حرفے بگوید شمشیر بکشم و یک کس را زندہ نمے گذارم۔"

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ ائمہ معصومین کے ساتھ میرے ہمراہ ہیں اور مجھے کسی کی پرواہ نہیں، رعیت نے اگر کچھ بھی لب کشائی کی تو میں تلوار نکال لوں گا اور کسی کو زندہ نہیں رہنے دوں گا۔"

چنانچہ حکم دے دیا کہ پہلے تین خلفاء حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ پر عام مجمعوں میں تبرا کہی جائے اور حاضرین جلسہ اسے سنکر بآواز بلند "بیش باد کم مباد" کہیں اور جو نہ کہے اسے قتل کر دیا جائے[1]

اس کے متعلق فاضل موصوف لکھتے ہیں :۔

"چنانچہ اس نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا۔"[2]

"ارباب نقد و نظر جانتے ہیں کہ ایران کے اس ابتلائے عظیم کا سب سے بڑا سبب

---

[1] براؤن جلد ۴ صفحہ ۸ [2] ایضاً صفحہ ۳۶

تعصب اور تنگ نظری کی وہ آگ تھی جو ملائے موصوف باقر مجلسی اور ان کے ہم خیال لوگوں کی لگائی ہوئی تھی۔"[1]

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی مخالفت کے اسباب میں یہ واقعات تاریخ ایران کے صفحات پر نہایت بدنما داغ ہیں، جن سے مذہب کی خدمت تو درکنار اخلاق و شرافت بھی منہ چھپاتے نظر آتے ہیں۔

حاصل کلام ایں کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی مخالفت کا پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ فاتح ممالک عجم تھے اور ایرانی اقوام اس بات کو برداشت نہ کر سکتی تھیں کہ عربوں کو ان پر کوئی سیاسی تفوق حاصل ہو، یہ وہ جذبہ تھا جو مرکزِ ملت حضرت عمر فاروقؓ کی دبی مخالفت کی صورت میں جلوہ گر ہوا یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اُس نے ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی مخالفت کا دوسرا سبب

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی فتح ایران سے پہلے ایران میں ساسانی خاندان کی حکومت تھی۔ ساسانیوں کا طرزِ حکومت عربوں کے طرزِ حکومت سے بنیادی طور پر مختلف تھا۔ ایرانی "بادشاہوں کے آسمانی حق" (DIVINE RIGHT OF KINGS) میں پختہ یقین رکھتے تھے۔ جس نے ایک مستقل حکومتی مذہب کو جنم دے رکھا تھا۔

ڈنمارک کی کوپن ہاگن یونیورسٹی کے پروفیسر آرتھر کرسٹن سین لکھتے ہیں:۔

"دولت ساسانی کی دو بڑی امتیازی خصوصیتیں تھیں ایک تو شدید مرکزیت اور دوسرے حکومتی مذہب کی پیدائش، اگر پہلی خصوصیت کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عہد داریوش اول کی روایات کا احیاء تھا تو دوسری خصوصیت بالکل نئی ایجاد تھی لیکن وہ ایک تدریجی ارتقاء کا نتیجہ تھی ٹھیک جیسا کہ تیرہ سو سال بعد شیعیت کا مذہب حکومت قرار پانا اسی قسم کے ارتقاء کا نتیجہ تھا۔"[2]

---

[1] براؤن زیر عنوان "شیعہ ملاؤں کا اقتدار جس کی نمایاں مثال محمد باقر مجلسی تھے۔" جلد ۴ صفحہ ۱۹۲

[2] ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۱۲۵ از پروفیسر آرتھر کرسٹن سین

ایڈورڈ براؤن لکھتے ہیں :۔

"ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ جس تعمیم اور تشدد کے ساتھ ایران میں پالا گیا غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی"[1]

جرمن مستشرق نولڈیکی نے بھی باغی سردار بہرام چوبین اور غاصب شہر وراز کے حوالوں میں اس خیال کی تصریح کی ہے[2]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو دیوتا یا ربّانی وجود (پہلوی میں بغ کلدانی میں الاآھا اور یونانی میں تھیاس) کہتے تھے اور قدیم کیانی خاندان سے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو فرِ کیانی کا جائز وارث سمجھتے تھے۔

فرکیانی ایک طرح کا تابوت سکینت" تھا یا حکومت کرنے کے آسمانی حق کی ایک مادی صورت تھی، اس کی رو سے صرف آلِ ساسان کو ہی عجمی تاج پہننے کا حق حاصل تھا اور کسی خاندان کے کسی فرد کا اس منصب پر فائز ہونا نہ صرف بالائے فہم بلکہ بالائے وہم سمجھا جاتا تھا۔ مورخ دینوری نے (ص ۹۸) بہرام چوبین کا یزداں گشتاسپ کے ساتھ جبکہ وہ شہنشاہِ ایران خسرو پرویز اور اس کے بازنطینی معاونین سے شکست کھا کر فرار کر رہے تھے، ایک بڑھیا کے جھونپڑے میں اترنا اور بہرام کا اپنے آپ کو ظاہر کیے بغیر اس بڑھیا سے بہرام کے متعلق پوچھنا اور اس بڑھیا کا بہرام کو احمق کہنا کہ شاہی خاندان میں سے نہ ہونے کے باوجود بادشاہی کیوں طلب کرتا ہے، یہ سب واقعات نقل کیے ہیں جو بتلاتے ہیں کہ جب جنگل کی ضعیف عورتیں بھی بادشاہوں کے آسمانی حق کے عقیدہ پر اس قدر پختہ یقین رکھتی ہیں تو اندازہ کر لو کہ پایہ تخت کی مہذب دنیا اس باب میں کس قدر راسخ الاعتقاد ہوگی۔

اس کے بالمقابل عرب جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کبھی کسی کی قیادت قبول نہ کی تھی اور نہ اسلام سے پہلے وہاں کوئی باقاعدہ نظامِ حکومت تھا، کسی ایسے نظامِ حکومت کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے جو نسلی امتیازات پر مبنی ہو بلکہ وہ فطرتاً جمہوریت پسند تھے اور جمہوریت پسند

---

[1] براؤن جلد ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ دکن [2] دیکھئے تاریخ عہد ساسانی ص ۳۸۸ حاشیہ ص ۴۷۴ حاشیہ ۲

رہے تھے، ہر قبیلے کا اپنا اپنا سردار ہوتا تھا اور اسے کسی قسم کی نسلی مرکزیت کے ماتحت نہ سمجھا جاتا تھا، جب وہ لوگ دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باقاعدہ نظامِ حکومت کے قیام کے باوجود عربوں کی اس فطری جمہوریت پسندی کو قائم رکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو باوجودیکہ آپ نبی تھے مگر آئندہ کے لیے ایک اصول قائم کر دینے کے پیشِ نظر خالص دنیوی معاملات میں شوریٰ قائم کرنے کا حکم دیا، قرآن کہتا ہے :-

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (پ ۲۵) [ترجمہ] "اور آپ معاملاتِ حکومت میں اپنے صحابہؓ سے مشورہ لیتے رہیں"

آپ کے بعد چونکہ دین مکمل اور شریعت محفوظ تھی اس لیے کسی قسم کے آسمانی منصب کی ضرورت باقی نہ رہی تھی، پس آپ کے بعد امیر کا انتخاب بھی شوریٰ پر مبنی قرار پایا، سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے کے باعث یہ منصب ایک خالص "ارضی منصب" رہ گیا تھا، امیر کی ضرورت صرف اسی لیے تھی کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کا انتظام کرے اس کی امارت میں سرحدیں محفوظ رہیں، عدالتیں قائم ہوں اور کمزور زبردست سے اپنا حق لے سکے۔ اللہ کی حدیں قائم کی جائیں اور بدمعاشوں کا کھٹکا نہ رہے۔ یہ نہیں کہ اُمراء کو امارت کا ربانی حق حاصل ہو۔ امیر المومنین سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوهم علیہ فلم یکن للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه اماماً کان ذلك لله رضیً[1] (ترجمہ)

(ترجمہ) "بیشک میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی پس نہ کسی موجود کو حق ہے کہ وہ کسی اور کو چُنے اور نہ کسی غائب کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس انتخاب کو رد کرے، شوریٰ مہاجرین اور انصار کا حق ہے پس اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کر لیں اور اُسے قائد تسلیم کر لیں تو خدا کی طرف سے بھی اسی میں رضامندی ہے"

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ مطبوعہ مصر

یہاں حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کو خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر مبنی قرار دیا ہے اور پھر اس خیال سے کہ کوئی جاہل اسے الزامی خطاب پر محمول نہ کرے انما الشورٰی للمھاجرین والانصار کے ساتھ اس پر استدلال بھی پیش کیا ہے کیونکہ قاعدہ کے مطابق الزامی بیان پر دلائل پیش نہیں کیے جاتے بلکہ استدلال اسی بیان کی تائید میں ہوتا ہے جو اپنا نقطہ نظر ہو. سارے محاورۂ عرب میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی متکلم نے کوئی ایسی چیز الزامی طور پر بیان کی ہو جو اس کا اپنا نقطہ نظر نہ ہو اور پھر اس بیان کی حمایت میں دلائل پیش کئے ہوں (من ادعی فعلیہ البیان)

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دوسرے مقام پر قسم کھا کر کہتے ہیں:۔

ولعمری لئن کانت الامامۃ لاتنعقد حتّٰی تحضرھا عامۃ الناس فما الیٰ ذٰلک سبیل ولکن اھلھا یحکمون علیٰ من غاب عنھا ثم لیس للشاھد ان یرجع ولا للغائب ان یختار[1]

(ترجمہ) "اور اگر خلافت قائم ہی نہیں ہو سکتی جبکہ اس کے لیے عامۃ الناس حاضر نہ ہوں تو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا لیکن اس کے اہل لوگ ان کے لیے بھی فیصلہ کر دیتے ہیں جو وہاں موجود نہ ہوں پھر کسی حاضر کے اس فیصلہ کو لوٹانے یا کسی غائب کے کسی دوسرے کو چن لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

اب ظاہر ہے کہ قسم کے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں کہی جاتی جو اپنا اعتقاد نہ ہو اور اسے محض الزامی طور پر پیش کیا جا رہا ہو۔

قاضی نور اللہ شوستری حضرت علی مرتضیٰؓ کے عہدِ خلافت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اکثر اہل آں زماں را اعتقاد آں بود کہ امامت حضرت امیر علیہ السلام مبنی بر امامت ایشاں است"

(ترجمہ) "اس زمانے کے اکثر لوگوں کا یہی اعتقاد تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت انہیں بزرگوں کی خلافت پر مبنی ہے"

آمدم برسر مطلب:۔ ان تفصیلات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ عرب فطرتاً

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ا صفحہ ۳۹۷ مطبوعہ مصر

جمہوریت پسند تھے اور خلفائے راشدین کی خلافت بھی بشمولیت حضرت علیؓ جمہوریت اور شورای پر ہی مبنی تھی، یہ عرب لوگ جب سرزمینِ ایران میں داخل ہوئے تو عربوں اور ایرانیوں کا امتزاج دو زبردست سیاسی اصولوں کا ٹکراؤ تھا جسے وقتی طور پر تو دب کر تسلیم کر لیا گیا لیکن آہستہ آہستہ اسی اصولی تنازعہ نے شیعہ اور سنی اختلافات کی صورت اختیار کر لی۔

غیر جانبدار نقاد علامہ روزگار ایڈورڈ براؤن لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لیے تو بالکل قدرتی چیز تھا، لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت انگیز تھا۔"[1]

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

"شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی "جمہوریت" اور "بادشاہوں کے حق الٰہی" کا جھگڑا ہے، عرب زیادہ تر جمہوریت پسند ہیں اور ہمیشہ رہے ہیں لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الٰہی یا نیم الٰہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں۔"[2]

ایرانی سیاست نے عربوں کی مخالفت کے اس ضابطے سے حضرت علیؓ کو کیسے مستثنےٰ کیا

جرمن محقق گوبی نیو Gobeneau کا غیر جانبدارانہ محاکمہ ملاحظہ کیجیے۔

"ایران میں سیاسی تعلیم کا یہ ایک نا متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ صرف بنی علیؓ ہی جائز طور پر تاج و تخت کے مالک ہیں اور یہ اس دوہرے حق سے کہ ادھر تو وہ آخری تاجدار ایران یزدگرد کی بیٹی شہر بانو کی طرف سے ساسانیوں کے وارث ہیں اور اُدھر ملتِ حقّہ کے سرداروں کی اولاد ہیں۔"[3]

---

[1] براؤن جلد ا صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ دکن [2] تاریخ ادبیات ایران ترجمہ از سید وہاج الدین احمد کنتوری جلد ۳ صفحہ ۲۹، براؤن جلد ا صفحہ ۳۹۱ انگریزی مطبوعہ لندن [3] وسط ایشیا کا مذہب و فلسفہ صفحہ ۲۷۵ از گوبی نیو

ایڈورڈ براؤن لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت حسینؓ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ انہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا اس لیے شیعوں کے دونوں بڑے فریق یعنی اثنا عشریہ اور اسمٰعیلیہ کے نزدیک (ان کے اپنے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں پیغمبر عربی سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آلِ ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا"[1]

بذاتِ خود ہم "گوبی نو" کے اس خیال کو تسلیم کرتے ہیں کہ "آسمانی حق کی تعلیم" نے ایران کی تمام آئندہ تاریخ پر نہایت وسیع و دقیق اثر ڈالا، مذہب شیعہ یا علیؓ کی ہمنوائی پر ایرانیوں کا اصرار اس کی نہایت بیّن مثال ہے، آنحضرتؐ کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لیے بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت خیز تھا ..... اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے[2]۔

ایرانی اثرات کے ماتحت جب شیعہ اعتقاد نے جنم لیا تو ان کا یہ نظریہ ہو گیا کہ :-

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کو اس بات کا الٰہی حق حاصل ہے کہ وہ دینی اور دنیاوی دو حیثیتوں سے اسلام کے پیشوا مقرر ہوں"[3]

ایڈورڈ براؤن اس سرخی کے ماتحت کہ "عقیدۂ شیعیت ایرانی مزاج کو کیوں پسند ہے" رقمطراز ہیں :-

"یہ کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطور "حق الٰہی" کے منتقل ہونی چاہیئے تھی"[4]

شہزادی شہربانو کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں آنے کی روایت پر "پروفیسر آرتھر کرسٹن سین" لکھتے ہیں :-

---

[1] براؤن جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [2] ایضاً صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ دکن [3] ایضاً صفحہ ۴۶ [4] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۲۸ مطبوعہ دہلی ..

"دراصل اس روایت کا مقصد یہ تھا کہ امام حسینؓ کی اولاد کو قدیم شاہانِ ایران کی جلالتِ مقدسہ (خورنہ یا فرہ ایزدی) کا جائز وارث قرار دیا جائے"۔[1]

بہرحال میرے نزدیک حضرت فاروقِ اعظمؓ کی مخالفت کا دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ ان کا شورائی نظامِ حکومت ایرانیوں کے آسمانی حقِ حکومت اور مامور من اللہ خلافت سے مختلف تھا اور حضرت عمرؓ کو وہ محض اس لیے نشانہ بناتے تھے کہ:۔

"صحرائے عرب کے بادیہ نشینوں کو خلیفہ عمرؓ جیسے بے مثال مدبر نے مسلک تنظیم میں منسلک کر دیا تھا"۔[2]

ان نسلی اور فکری فاصلوں کے ساتھ ساتھ ایک نفسیاتی سبب بھی اس مخالفت میں دخیل رہا ہے۔ وہ آپ کی منع متعہ کی کاروائی تھی جس نے حضرت عمر کو ایرانی نوجوانوں کی نظر میں ایک بزرگانہ کرخت نظر بنا دیا تھا۔ ایران میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ساسانی سوسائٹی ایک متعہ کی خوگر تھی اور اسے وہ لوگ دینِ زرتشت کے تحت مذہبی استناد مہیا کرتے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ہندو سوسائٹی میں نیوگ کو ایک مذہبی تقدس حاصل ہے۔

ایران میں ساسانی تمدن کے تحت دو قسم کی بیویاں ہوتی تھیں۔ ایک اولاد پیدا کرنے کے لیے اور ایک دوستوں مہمانوں اور اپنے ذوقِ طبع کے لیے۔ اس دوسری بیوی سے نکاح وقتی ہوتے اور ان نکاحوں میں نہ گواہ کی ضرورت ہوتی۔ نہ طلاق کی حاجت پڑتی اور اولاد ہو جائے تو وہ وارث نہ ہوتی۔ ڈنمارک کے پروفیسر آرتھر کرسٹین نے تاریخ ایران بعہد ساسانیاں میں ایرانی سوسائٹی کے اس پہلو کو پوری طرح بے نقاب کیا ہے۔

ساسانی عہد کا یہ متعہ اس متعہ سے مختلف تھا جو جنگِ خیبر سے پہلے بعض مسلم حلقوں میں رائج رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یکسر حرام قرار دیا۔ مگر ایران میں اسلام آنے کے بعد شیعہ علماء ساسانی متعہ کو اپنے نقطہ کے استدلال سے جواز بخشتے رہے اور اسے قرآن کریم سے علمی استناد مہیا کرتے رہے۔

عربی تمدن اور ایرانی تمدن میں اخلاقی فاصلہ بھی ایک بڑا فاصلہ رکھتے ہیں عرب کسی قیمت پر متعہ کو باقی نہ رکھنا چاہتے یہ عمل شرف انسانی کے یکسر خلاف تھا۔ مرد

---

[1] ایران بعہد ساسانیان ص ۶۸۷ از پروفیسر آرتھر کرسٹن سین مطبوعہ ڈنمارک [2] ایضاً ص ۳۹۰

عورت کا ملاپ کسی اعلیٰ مقصد کے لیے ہونا چاہیے سفلی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں ساسانی تہذیب کے رسیا اسے کسی قیمت پر نہ چھوڑنا چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے متعہ سے نہایت سختی سے منع کیا۔ اس دور میں تو یہ لوگ آپ کے خلاف کچھ نہ کر سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ ناعاقبت اندیش ایرانی نوجوان نفسیاتی طور پر حضرت عمرؓ کے مخالف ہو چکے تھے۔ وہ یہاں تک کہہ اٹھے:-

لولا نهى عمر عن المتعة مازنى الاشقى

ترجمہ: اگر حضرت عمرؓ متعہ سے منع نہ کرتے تو بدنصیب کے سوا شاید ہی کوئی زنا کرتا۔

یعنی ان خواہشات سفلی کی تکمیل جب متعہ کے سائے میں ہو سکتی ہے تو آپ زنا کا ارتکاب کسی انتہائی بے وقوف کا کام ہی ہوگا۔ پھر شیعہ علماء نے نہ صرف متعہ کو علمی استناد مہیا کیا بلکہ اس کی فضیلت اور اجر میں روایات بھی وضع کر ڈالیں۔

یہ نفسیاتی وجہ بھی ان اسباب میں سے ہے جس نے ایران میں حضرت عمرؓ کی مخالفت کو اور تیز کر دیا اور ایران میں دیگر اسلامی ممالک کی نسبت شیعہ کی آبادی کہیں زیادہ ہوئی اور ملکوں میں یہ دو چار فی صد تھے تو ایران میں ان کا تناسب بیس فیصد کے قریب رہا۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں اسمٰعیل صفوی نے بزور شمشیر وہاں کی اسی فیصد سنی آبادی کو چالیس فیصد میں بدلا اور اب وہاں سنی اقلیت میں ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

حضرت عمرؓ کی مخالفت میں جو تھا سبب ان کا یہود کو خیبر سے نکالنا ہے یہ یہودیوں کو پورے عرب سے بے دخل کرنے کا سیاسی خاکہ تھا جو حضرت عمرؓ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا تھا اب یہودیوں کے لیے کوئی اور صورت عمل باقی نہ رہی تھی سوائے اس کے کہ منافقانہ طور پر اسلام میں گھس آئیں اور پھر مسلمانوں میں حضرت عمرؓ کے خلاف سازش اور ذہن سازی کریں۔ اور جب انہیں کوئی راہ نہ ملے تو اسلام کے نظام خلافت کو تہ و بالا کر دیں ــــ اس تحریک میں جو شخص آگے بڑھا اس کا نام عبداللہ بن سبا ہے صحابہ کے خلاف کام کرنے والے اور خلافت راشدہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کو اسی نسبت سے سبائی کہتے ہیں۔

خدا والوں کے میرِ کارواں فاروقِ اعظمؓ ہیں

شاعرِ تنظیم حضرت شوقی اسعدی انبالوی، لاہور

رسالت کی رضا کے ترجماں فاروقِ اعظمؓ ہیں ۔۔۔ کتابُ اللہ کی ناطق زباں فاروقِ اعظمؓ ہیں
پسِ بوبکرؓ، دنیا میں، یقین و علم کی رُو سے ۔۔۔ جنابِ مصطفیٰؐ کے رازداں فاروقِ اعظمؓ ہیں
پیمبرؐ کی دعائے صبح گاہی جن کی طالب تھی ۔۔۔ وہ مطلوبِ شہِ کون و مکاں فاروقِ اعظمؓ ہیں
بہ فیضِ ساقیِ کوثرؓ، ملی ہے ان کو وہ رفعت ۔۔۔ کہ ارضِ منقبت کے آسماں فاروقِ اعظمؓ ہیں
جو رہتے ہیں نبیؐ کے عشق میں سرشار ہر ساعت ۔۔۔ وہ مردِ باخدا، فخرِ زماں، فاروقِ اعظمؓ ہیں
انھیں کے دم سے زندہ ہے صلاح و رشد کی محفل ۔۔۔ خدا والوں کے میرِ کارواں فاروقِ اعظمؓ ہیں
ہدایت کی ضیائیں پھیلتی ہیں اُن کے قدموں سے ۔۔۔ سمائے اہلِ دل کے کہکشاں فاروقِ اعظمؓ ہیں
وہ جن کے نام سے اسلام کی تاریخ بنتی ہے ۔۔۔ وہی شخصیّتِ کوہِ گراں فاروقِ اعظمؓ ہیں
گلیمِ فقر جن کی خندہ زن ہے قیصریّت پر ۔۔۔ وہ کسریٰ کی قضائے ناگہاں فاروقِ اعظمؓ ہیں
مثالِ تیغِ برّاں ہیں عدوئے شرع کے حق میں ۔۔۔ مگر اسلامیوں پر مہرباں فاروقِ اعظمؓ ہیں
زبردستوں پہ رکھتے ہیں جلال و قہر کا کوڑا ۔۔۔ ضعیفوں کیلئے بس ناتواں فاروقِ اعظمؓ ہیں
سیاست ہو شجاعت ہو دیانت ہو امانت ہو ۔۔۔ غرض ہر وصف کی روحِ رواں فاروقِ اعظمؓ ہیں

عیاں ہیں جن پہ اسرار و رموزِ لم یزل شوقی
وہ دانائے حقیقت بےگماں فاروقِ اعظمؓ ہیں

حضرت عمر فاروقؓ اور نکاح اُمِ کلثومؓ

محقق العصر حضرت علامہ خالد محمود صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد!

تاریخ کے ان ناقابلِ انکار حقائق میں سے جن کے سامنے ہر صاحبِ علم کو بلا امتیازِ مسلک سرِ تسلیم خم کرنا پڑا، ایک حقیقت حضرت عمر فاروقؓ کا وہ نکاح بھی ہے جو ۱۷ھ میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے منعقد ہوا، یہ نکاح حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے مخلصانہ تعلقات، اچھے مراسم اور ان دو بزرگوں کے ایمان و اخلاص کی ایک منہ بولتی عملی تصویر ہے۔ یہ نکاح محض ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ اس کے دامن میں حق و صداقت کے وہ گوہر ہائے گرانمایہ ہیں جن کے ساتھ غلط الزامات کے ہر دھبے کو دھویا جا سکتا ہے اور اخلاص و محبت کے ان پھولوں سے نفرت و عداوت کے جملہ کانٹے از خود اکھڑ جاتے ہیں۔

اس عالمِ ہست و بود میں جو واقعہ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے کچھ اس میں تشریعی اسباب ہوتے ہیں اور کچھ اس میں تکوینی راز۔ ظاہری اسباب وعلل کے ترتیب پانے سے اس واقعہ کا تقوم ہوتا ہے اور تکوینی مصلحتیں اور حکمتیں اس وقت کھلتی ہیں جب تاریخ ایک نئے موڑ میں داخل ہوتی ہے، حضرت عمر فاروقؓ کا مذکورہ بالا نکاح بھی اپنے اندر یہ دونوں پہلو رکھتا ہے اس کے کچھ تشریعی اسباب ہیں اور کچھ تکوینی راز۔ ہم پہلے وہ وجوہ وعلل بیان کرتے ہیں جو اس نکاح کا سبب ہوئے اور اس کے بعد اس کے تکوینی راز کی تفصیل کی جائے گی جو تجاذبِ افکار کے اس ظلمت کدہ میں ایک روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے بعد اس نکاح کے تحقق پر فریقین کی بے لاگ شہادتیں پیش کی جائیں گی اور آخر میں ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے گا جو آج تک اس باب میں پیدا کیے گئے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

اِس نکاح سے حضرت عمرؓ کی غرض

حضرت عمر فاروقؓ نے جب وقت یہ نکاح کیا اُس وقت آپ کافی عمر رسیدہ تھے اولاد کی نعمت بھی حاصل تھی اور بیویاں بھی موجود تھیں، ظاہری اعتبار سے انہیں اس نکاح کی بنظاہر ضرورت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں کچھ ایسی وابستگی تھی اور کچھ ایسا والہانہ رابطہ تھا کہ وہ خاندانِ نبوت سے تعلق بڑھانے کے انتہائی متمنی تھے اس ارشادِ نبوت نے ان کے ارادے اور ان کی طلب کو اور قوت دی خود فرماتے ہیں:۔

(۱) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل نسب وسبب وصھر ینقطع یوم القیمۃ الانسبی وسببی وصھری نکان لی بہ علیہ السلام النسب والسبب فاردت ان تجمع الیہ الصھر[۱]

(ترجمہ) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ قیامت کے دن کل نسبی سببی اور صھری رشتے ٹوٹ جائیں گے ماسوائے میرے نسب وسبب اور صھر کے، مجھے حضورؐ سے نسب (قرشیت) اور سبب (حفصہؓ کے نکاح کا تعلق) تو حاصل تھا میں نے چاہا کہ یہ تعلقِ صھر بھی مجھے حاصل ہو جائے"۔

(۲) حضرت امام زین العابدینؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے اُم کلثومؓ کا رشتہ مانگا تو حضرتِ علی مرتضیٰؓ نے کہا کہ میں نے تو اسے اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفرؓ کے لیے رکھا ہوا ہے حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ رشتہ مجھے دے دیں۔ بخدا کوئی شخص مجھ سے زیادہ اس اعزاز کا امیدوار نہیں فانکحہ علیؓ۔ پس حضرت علیؓ نے اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ مہاجرین کے پاس (اور ایک دوسری روایت کے مطابق مہاجرین اور انصار کے پاس) آئے اور کہا کہ مجھے مبارکباد کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے پوچھا کس بات کی؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

بام کلثوم بنت علی وابنۃ فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی سمعت

---

[۱] استیعاب جلد ۲ باب کنی النساء ص ۷۴۳ ذکر ام کلثوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل نسب وسبب ینقطع یوم القیٰمۃ الّا ما کان من سببی ونسبی فاحببت ان یکون بینی وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسب وسبب..... ھٰذا حدیث صحیح ولم یخرجاہ۔[1]

(ترجمہ) "ام کلثومؓ بنت علیؓ کی جو حضرت فاطمہؓ کی بیٹی ہیں، میں نے آنحضرت کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر نسب اور سبب منقطع ہو جائے گا مگر میرا نسب اور میرا سبب، پس میں نے چاہا کہ مجھے آنحضرت کے ساتھ نسب اور سبب دونوں حاصل ہو جائیں۔ (یہاں سبب سے مراد سبب کامل ہے جو ایک طرف سے حضرت حفصہؓ کے ذریعہ اور دوسری طرف سے حضرت ام کلثومؓ کے ذریعہ صھری تعلق سے تکمیل پذیر ہو)۔"

(۳) امام بیہقیؒ نے اکابر اہلبیت کی سند سے حضرت عمر فاروقؓ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ:۔

انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل صھر او سبب او نسب ینقطع یوم القیٰمۃ الّا صھری وسببی ونسبی وانہ کان لی صحبۃ فاحببت ان یکون لی معہا سبب۔[2]

(ترجمہ) "انہوں نے آنحضرت کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن ہر تعلق صھر کا ہو یا سبب کا یا نسب کا ہر ایک سلسلہ ٹوٹ جائے گا ماسوائے میری صھری، سببی اور نسبی تعلق کے، مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مجلسی ربط تو حاصل تھا، میں نے چاہا کہ اس کے ساتھ مجھے حضور سے یہ سببی تعلق بھی حاصل ہو جائے۔"

(۴) طبقات ابن سعد میں بھی یہ حدیث منقول ہے۔[3]

شیعہ کے علمائے کبار بھی اپنی کتابوں میں اسے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کی غرض اس سے یہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے اپنا تعلق بڑھایا جائے۔ علی بن عیسیٰ اردبیلی یہ بحث کرتے ہوئے کہ اہلبیت رسول شرف اور مرتبہ میں دوسروں کی طرح نہیں، لکھتے ہیں:۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۴۲ [2] سنن کبریٰ ج ۷، ص ۶۳ ، ص ۱۱۴ طبع دکن [3] دیکھئے طبقات ابن سعد جلد ۸ ترجمہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب

ولو کانوا کغیرھم لما قال عمر حین طلب مصاھرۃ علی انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل سبب ونسب منقطع یوم القیمۃ الا سببی ونسبی۔[1]

(ترجمہ) "اگر یہ اہلبیتِ رسالت اوروں جیسے ہوتے تو حضرت عمرؓ حضرت علی مرتضیٰؓ کی دامادی طلب کرتے وقت یہ دلیل ہرگز پیش نہ فرماتے کہ میں نے آنحضرت کو ارشاد فرماتے سُنا ہے کہ قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا ماسوائے میرے سبب اور نسب کے"۔

(۵) فاضل ادیب علامہ ابن عبد ربہ (متوفی ۳۲۸ ھ) بھی حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل سبب و نسب مُنقطع یوم القیمۃ الا سببی ونسبی وقد تقدمت لی صحبۃ فاحببتُ ان یکون لی معھا سبب فولدت لہ ام کلثوم زید بن عمر ورقیۃ بنت عمر۔[2]

یہ صحیح ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی غرض اس نکاح سے یہی تھی اور اہلِ سُنت اور شیعہ ہر دو کے علمائے اعیان اس پر متفق ہیں لیکن اس کے ساتھ اور وجوہ اور دواعی بھی جمع ہو سکتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ختمی مرتبت کا امتثال بھی چاہتے ہوں کہ جس طرح حضور اکرم کا ایک نکاح حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس طرح ہُوا کہ زوجین میں عمروں کا بہت فرق تھا آپ نے بھی چاہا کہ میرا بھی ایک نکاح عمروں کے اسی تفاوت کے ساتھ منعقد ہو تاکہ اس باب میں بھی مجھے آنحضرت کے منہاج پر چلنے کا موقع ملے، آنحضرت کی اولادِ نرینہ نہ تھی اور آپؐ نے حضرت زیدؓ کو اپنا متبنیٰ بنایا ہُوا تھا جو آپ کے لیے بمنزلہ بیٹے کے تھے، پھر آنحضرت کی ایک صاحبزادی رُقیہؓ نامی تھیں جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئی تھیں، حضرت عمر فاروقؓ نے جب حضور ختمی مرتبت کے طریق پر اس تفاوت عمری کے ساتھ نکاح کیا تو اس سے جو اولاد پیدا ہوئی اُن کے نام بھی زید اور رقیہ رکھے۔ یہ بذاتِ خود ایک امتثال امرِ نبوت تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کس طرح سیرت میں جزئیات اور کلیات میں امرِ رسالت کو

---

[1] کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ صفحہ ۱ [2] عقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ مصر

پیشِ نظر رکھتے تھے۔

حضرت عمر فاروق نے اپنے اس نکاح کی جو مصلحت بیان کی ہے، اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو ام کلثوم حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں وہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ہی صاحبزادی تھیں، اگر وہ حضرت علی مرتضیٰ کی کسی اور بیوی کے بطن سے ہوتیں یا محض ان کی ایک ربیبہ ہوتیں تو پھر اس نکاح کی وہ غرض جو حضرت عمر فاروقؓ کے پیشِ نظر تھی کسی طرح پوری نہ ہو سکتی تھی، اس صورت میں حضرت علیؓ سے تو رشتہ قائم ہو جاتا ہے لیکن اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ قائم ہونے کی کوئی صورت نہیں حالانکہ اس نکاح کی علتِ غائی ہی یہ تھی کہ آنحضرت سے صہری تعلق قائم ہو جائے۔ پس یہ ایک امر مسلّم ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا نکاح حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی بیٹی حضرت ام کلثومؓ سے ہی ہوا اور اس کا اکابر اہلِ سنّت اور محققینِ شیعہ میں سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔

اِس نکاح کا تکوینی راز اور اس میں حکمتِ ایزدی

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالفین جب اصولی مسائل میں شکست کھا جاتے ہیں اور دلائل کے میدان میں عاجز رہ جاتے ہیں تو پھر ان کا ردِّ عمل عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ نہایت انتہا پسندی میں حضرت امیر عمرؓ کے ایمان کا انکار کر دیتے ہیں اور پھر اس مطالبہ سے ذرا بھی نہیں چوکتے کہ ان کا ایمان ثابت کرو۔

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ آغا تیغ درمیان کن)

رب العزت جانتے تھے کہ ایسا وقت بھی آئے گا جب امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظمؓ جیسے عظیم مسلمان کے ایمان کا بھی انکار کیا جائے گا، بعض اشقیا اس ذاتِ اقدس کے ایمان کو شک کی نگاہوں سے دیکھیں گے جس کے قدموں کا صدقہ اطرافِ عالم میں اسلام پھیلا، ایسے فتنوں کی روک تھام کے لیے رب العزت کے بے شریک ہاتھ بہت پہلے سے وہ کام کر جاتے ہیں جن کے تکوینی اسرار صدیوں کے بعد کھلتے ہیں، نوشتۂ تقدیر نے اس فتنہ کا یوں سدِ باب کیا کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم امیر المؤمنین

حضرت عمر فاروق رضؓ کے نکاح میں دے دی تاکہ خود اہل بیت کے ہاتھوں حضرت فاروقِ اعظم رضؓ کے ایمان اور کمالات پر مُہر تصدیق ثبت ہو جائے۔ اگر حضرت عمر رضؓ کا ایمان کسی اعتبار سے بھی مشتبہ ہوتا تو حضرت علی مرتضیٰ اپنی بیٹی کبھی حضرت عمر رضؓ کے نکاح میں نہ دیتے کیونکہ شریعت اسلام نے اس سے منع کیا ہے کہ کوئی مسلمان کوئی لڑکی کسی کافر اور مشرک کے نکاح میں نہ دے۔ ہاں پہلی شریعتوں میں یہ ضروری نہ تھا کہ خاوند اور بیوی کا دین ایک ہو۔ شیعہ حضرات کی معتبر تفسیر مجمع البیان میں حضرت لوط علیہ السلام کے تذکرہ میں لکھا ہے:

کان یجوز فی شرعہ تزویج المومنۃ بالکافر۔ (ترجمہ) "ان کی شریعت میں جائز تھا کہ مومن عورت کا نکاح کسی کافر سے کر دیا جائے۔"

خلاصۃ المنهج میں ہے:-

در شریعتِ او تزویج مومنات بہ کفار جائز بود۔ (ترجمہ) "حضرت لوط اور حضرت نوح علیہم السلام کی شریعت میں مومنہ کا نکاح کافر سے جائز تھا۔" خود ابتدائے اسلام میں خاوند اور بیوی میں وحدتِ دینی ضروری نہ تھی، خود سرورِ کائنات علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں رقیہؓ اور اُمّ کلثومؓ کے نکاح عُتبہ اور عتیبہ سے کر رکھے تھے مگر رخصتی کی نوبت نہ آئی تھی کہ طلاق ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوا کہ پاک پیغمبر کی پاک بیٹیاں ناپاکوں کے گھر جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضؓ کا ابوالعاص سے نکاح بھی اسی ضمن میں آتا ہے کہ اس وقت کافروں سے نکاح حرام نہ تھا۔ ثقہ جلیل محمد ہاشم خراسانی مشہدی لکھتے ہیں:-

"تزویج آں مخدرہ بابی العاص قبل از بعثت وقبل از حرام شدن دختراں بکفار بود۔"[1]

(ترجمہ) حضرت زینب رضؓ کا ابوالعاص سے نکاح حضور کی بعثتِ شریفہ سے پہلے کا تھا اور اس وقت تک لڑکیوں کی شادی کافروں سے حرام نہ تھی۔" —— پھر ایک وقت آیا اور اسلام نے اعلان کر دیا کہ آج کے بعد خاوند اور بیوی میں (ماسوائے اہل کتاب) وحدتِ دینی شرط ہے۔ پہلی سب مثالیں اور نظیریں اب استدلال کے لائق نہیں، اب کے بعد کوئی مومن کسی کافر عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور نہ کوئی مومن عورت کسی کافر کے نکاح میں دی جا سکتی ہے۔ قرآن عزیز میں ہے

---

[1] منتخب التواریخ ص۲ مطبوعہ ایران۔

لاتنکحوا المشرکات حتّٰی یؤمن .... ولا تنکحوا المشرکین حتّٰی یؤمنوا[۱] (پ ۲ بقرہ)

(ترجمہ) "تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں .... اور نہ تم کسی مومنہ کا نکاح کسی مشرک سے کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئے۔"

نکاتِ قیمہ

نکتہ اولیٰ:- مشرک کا لفظ جب مومن کے مقابلہ میں آئے تو اس سے مطلق کافر مراد ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ اس سے کافروں کی صرف وہ خاص نوع مراد ہو جسے مشرک کہتے ہیں۔ اس آیت شریفہ میں مشرکات اور مشرکین کے الفاظ "حتّٰی یؤمن" اور "حتّٰی یومنوا" کے مقابل میں وارد ہیں، پس یہاں یہ الفاظ عام اور ہر قسم کے کافروں کو شامل ہوں گے اور آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ مومن یا مومنہ کا نکاح کسی کافر سے نہیں ہو سکتا خواہ وہ کافر دہریہ ہو خواہ زندیق، خواہ مشرک ہو خواہ ملحد اور خواہ مجوسی، کسی بھی قسم کا کافر ہو، مومن مرد اور مومن عورت کا نکاح اس سے قطعاً نہیں ہو سکتا۔ رئیس محدثین شیعہ شیخ محمد بن حسن طوسی اس آیت میں مشرک سے مطلق کافر ہی مراد لیتے ہیں۔ تہذیب الاحکام میں باب "من یحرم نکاحھن بالاسباب دون الانساب" کے ماتحت لکھتے ہیں:-

نکاح الکافرۃ محرم بسبب کفرھا سواء کانت عابدۃ وثن او مجوسیۃ او یھودیۃ او نصرانیۃ یدل علی ذٰلک قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات حتّٰی یؤمن فنھی عن تزویج المشرکات قبل ایمانھن ونھیہ تعالیٰ علی الحظر ویدل علیہ ایضاً قولہ تعالیٰ ولا تمسکوا بعصم الکوافر فنھی عن التمسک بعصمۃ الکافرات[۱] (ترجمہ) "کافرہ سے نکاح بوجہ اس کے کفر کے حرام ہے خواہ وہ کافرہ مشرک ہو، خواہ مجوسی اور اس پر قرآن پاک کی یہ آیت دلالت کرتی ہے ولا تنکحوا المشرکات حتّٰی یؤمن پس اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کے نکاح سے منع فرمایا ہے اور خدا کا منع کرنا

---

[۱] تہذیب الاحکام ص ۱۹۸ ص ۱۹۹

امر مخطور سے ہی ہوتا ہے اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے ولا تمسکوا بعصم الکوافر جس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور عورتوں کی عصمت کے تمسک سے منع فرمایا ہے۔

نکتہ ثانیہ:۔ نکاح کی حلت اور حرمت کا مدار ایمان پر ہے محض ظاہر اسلام پر نہیں، ایمان ایک فعل قلب ہے اور حلتِ نکاح کا دارومدار اسی پر ہے، اگر کسی اعتبار سے بھی اس فعل قلب کی نفی ہو جائے نکاح کا جواز باقی نہیں رہے گا۔ قرآنِ پاک نے اس آیت شریفہ میں حتیٰ یومن اور حتّٰی یؤمنوا کے ساتھ اس امر کی تصریح فرما دی ہے۔ پس ان علمائے شیعہ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جو حضرت عمرؓ کے ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کو محض ظاہری اسلام کی بنا پر جائز کرتے ہیں:۔

چرا آنحضرت دختر خود را بعمر بن خطاب داد گفت بواسطہ آنکہ اظہار شہادتین مے نمود بزبان[1] (ترجمہ) "حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی بیٹی حضرت عمرؓ کے نکاح میں کیوں دی؟ اُس نے جواب دیا اس وجہ سے کہ حضرت عمرؓ زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتے تھے"

اگر حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثومؓ سے یہ نکاح ہوا اور یقیناً ہوا جس کا انکار ہرگز ممکن نہیں تو پھر اس یقین سے بھی چارہ نہیں کہ حضرت عمرؓ مومن کامل تھے اور ایمان کی نہایت اعلیٰ شان سے متصف تھے

نکتہ ثالثہ:۔ قرآنِ پاک نے یہ نہیں کہا کہ تم صرف اپنی لڑکیاں کافروں کے نکاح میں نہیں دے سکتے بلکہ فرمایا کہ کسی بھی مومنہ کا نکاح (جس کا نکاح تمہارے ہاتھ میں ہو اور اس کا انتظام تمہیں کرنا ہو) مشرک اور کافر سے نہیں ہو سکتا۔ اس تفصیل سے ان لوگوں کا وسوسہ بھی زائل ہو گیا جو اس سوال کے جواب میں (کہ اگر حضرت عثمانؓ مومن نہ ہوتے تو حضور نبی کریم حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ انہیں نکاح میں کیوں دیتے) یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ حضور اکرم کی اپنی بیٹیاں نہ تھیں حضرت خدیجہؓ کی پچھلگ تھیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کیونکہ اگر ایسا بھی ہوتا تو آنحضرت ان مومن لڑکیوں کو کسی ایسے انسان کے نکاح میں ہرگز نہ دیتے جس کا ایمان شرعاً معتبر نہ تھا۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو تو مومن کے نکاح میں دیں اور ان یتیم مومن بچیوں کو جو آپ کے

---

[1] مجالس المؤمنین ص۸۵ ایران و کذلک فی کتاب الشافی للشریف مرتضیٰ ص۲۱۶ ایران۔

زیر سایہ پرورش پا رہی ہوں معاذاللہ ثم معاذاللہ آپ کافروں کے سپرد کردیں۔ یہ جواب اس صورت میں ہے کہ اگر وہ واقعی ربائب ہوتیں لیکن حق یہ ہے کہ وہ بھی آنحضرت کی حقیقی بیٹیاں ہی تھیں اور ائمہ اہلبیت خصوصاً حضرت امام باقرؒ اور حضرت امام جعفر صادقؒ اس پر نص فرما چکے ہیں۔ اسی طرح اس تفصیل سے ان لوگوں کا وسوسہ بھی اٹھ گیا جو حضرت عمرؓ کے ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کرنے کو حضرت عباسؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ام کلثومؓ کو حضرت عمرؓ کے نکاح میں خود حضرت علی مرتضیٰ نے نہیں دیا تھا بلکہ ان کی طرف سے اس کی وکالت حضرت عباسؓ نے کی تھی کیونکہ حضرت عمرؓ کے ایمان میں اگر کسی قسم کا بھی شبہ ہوتا (معاذاللہ ثم معاذاللہ) تو حضرت عباسؓ بھی اس مومنہ کو کبھی حضرت عمرؓ کے نکاح میں نہ دیتے اس لیے کہ قرآنی حکم یہ نہیں کہ تم اپنی لڑکیاں تو کفار کے نکاح میں نہیں دے سکتے لیکن دوسروں کی دے سکتے ہو، بلکہ یہ آیتِ قرآنی یہی کہتی ہے کہ ہر وہ مومن لڑکی جس کا نکاح تمہارے ہاتھوں میں ہو تم اُسے کافروں کے سپرد نہیں کر سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اذا جاء کم من ترضون خلقه و دینه فزوجوه الا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر[1] (ترجمہ) "جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے کہ تمہیں اس کا خلق اور دین پسند ہو تو لڑکی اسی کے نکاح میں دو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں ایک بہت بڑا فتنہ اور ایک بہت بڑا فساد برپا ہو گا۔"

پس جب نکاح کا دارومدار دین اور ایمان پر ہے تو (۱) حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباسؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی لختِ جگر حضرت ام کلثومؓ حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں دے کر اُن کے کامل الایمان ہونے کی تصدیق کر دی، اور (۲) آنحضرت نے اپنی صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے نکاح میں دے کر ان کے کامل الایمان ہونے کی شہادت دے دی، اور (۳) حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی بھاوج حضرت اسماءؓ بنت عمیس (جو حضرت جعفر طیارؓ کی بیوہ تھیں) کے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نکاح کرنے پر اظہار رضا کر کے حضرت صدیق اکبرؓ

---

[1] فروع کافی جلد ۲ ص ۱۴۱ مطبوعہ لکھنؤ

کے ایمان کی بھی تصدیق کردی اور (۴) آنحضرت نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ صادقہ کو اپنے نکاح میں قبول کرکے ان کے ایمان کی تصدیق فرمادی، اور (۵) حضور اکرم نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کو حضرت علی مرتضیٰ کے نکاح میں دے کر حضرت علیؓ کے ایمان کی بھی شہادت دے دی۔ ان مذکورہ نکاحوں سے حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان سب بزرگوں کے کامل الایمان ہونے کی ایسی قطعی شہادت ملتی ہے کہ اس کے سامنے شکوک وشبہات کے تمام کانٹے خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ واللہ علی ما نقول شہید۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کا نکاح حضرت اُمِ کلثومؓ سے!

دلائل از کُتب اہلِ سُنت

(۱) حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمۃ رضی اللہ عنہا ولدت قبل وفات جدھا صلی اللہ علیہ وسلم تزوجہا عمر علی صداق اربعین الفاً فولدت لہ زیداً ورقیۃ وتزوجت بعدہ بعون بن جعفر[۱] (ترجمہ) "حضرت ام کلثوم بنت علیؓ جو حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھیں اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ سے پہلے پیدا ہوچکی تھیں ان سے حضرت عمرؓ نے چالیس ہزار درہم مہر پر نکاح کیا اور ان کے ہاں زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ام کلثومؓ نے پھر عون بن جعفر سے نکاح کیا"۔

نوٹ:۔ عون بن جعفر کی وفات کے بعد حضرت ام کلثومؓ نے ان کے بھائی عبداللہ بن جعفر سے نکاح کیا تھا اور انہی کے نکاح میں وہ فوت ہوئیں[۲]۔

(۲) حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرمارہے تھے کہ ایک بہت عمدہ چادر بچ گئی، حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا:۔

۱؎ تجرید اسماء الصحابہ صفحہ ۲۵۰۔ ۲؎ اصابہ، از حافظ ابن حجر عسقلانی جلد ۸ باب کنی النساء قسم ثانی صفحہ ۹۵۵ سنہ ۱۳۴۲ مطبوعہ کلکتہ

اَعطِ ھٰذا ابنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی عندك یریدون ام کلثوم رضؓ بنت علیؓ ـــــــ (ترجمہ) "یہ چادر آپ حضور اکرم کی صاحبزادی کو جو آپ کے نکاح میں ہے دے دیں، اس سے ان کی مراد حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثوم تھیں"ـــــــ

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ام سلیط اس چادر کی زیادہ حق دار ہیں وہ جنگِ اُحد کے دن ہمارے لیے پانی کی مشکیں اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں۔[1]

(۳) امام نسائیؒ اپنی سُنن میں حضرت نافعؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ نو اکٹھے جنازے پڑھائے انہی میں حضرت ام کلثومؓ بنت علیؓ کا جنازہ بھی تھا یہ سعید بن عاص کی حکومت کا دور تھا۔

وضعت جنازۃ ام کلثوم بنت علی امراۃ عمر بن الخطاب وابن لھا یقال لہ زید وضعا واحدا ـــــــ (ترجمہ) "حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثومؓ جو حضرت عمرؓ کے نکاح میں رہ چکی تھیں ان کا جنازہ اور ان کے بیٹے زیدؒ کا جنازہ اکٹھا رکھا گیا"

نماز جنازہ میں حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید اور ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب حضرات شامل تھے حضرت ابن عمرؓ نے امامت فرمائی۔[2]

سیدنا حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ اس نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں میں حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، امام محمد بن حنفیہؒ اور حضرت عبد اللہ بن جعفر کا ذکر بھی کرتے ہیں۔[3]

حافظ ابن عبد البر علیہ الرحمۃ "استیعاب" میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو امامت کے لیے خود حضرت امام حسنؓ نے ہی تجویز کیا تھا۔

(۴) سُنن ابی داؤد میں حضرت عمار مولیٰ حارث بن نوفل سے روایت ہے کہ :-

انہ شھد جنازۃ ام کلثوم وابنھا فجعل الغلام مما یلی الامام[4] ـــــــ (ترجمہ) "وہ بھی حضرت ام کلثومؓ اور ان کے بیٹے زید کے جنازہ میں حاضر تھے جو اس میں لڑکے کے جنازے کو

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد اول باب حمل النساء القرب ص۴۰۳ کتاب المغازی جلد ۲ باب ذکر ام سلیط ص۵۸۲

[2] سنن نسائی جلد ۱ ص۲۸۰ کتاب الجنائز باب اجتماع جنائز الرجال والنساء ص۲۱۵ مطبوعہ دہلی [3] تاریخ الصغیر للامام بخاری ص۵۳ مطبوعہ الہ آباد

[4] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص۴۵۵ مطبوعہ کراچی

اس جہت میں رکھا گیا جو امام کی طرف تھی"۔۔۔۔

⑤ سنن دار قطنی میں ہے ؛۔

وضع جنازہ ام کلثوم بنت علی امراۃ عمر بن الخطاب وابن یقال لہٗ زید بن عمر والامام یومئذٍ سعید بن العاص[1] ۔۔۔۔ (ترجمہ) "ام کلثومؓ بنت علیؓ جو حضرت عمرؓ کی بیوی تھیں ان کا اور ان کے لڑکے زید بن عمرؓ کا جنازہ رکھا گیا اور وہاں اُن دنوں حاکم سعید بن عاصؓ تھے"۔۔۔۔

⑥ مستدرک حاکم میں ہے :۔

عن علی بن الحسین ان عمرؓ بن الخطاب خطب الی علیؓ ام کلثوم فقال انکحنیھا فقال انی ارصدھا لابن اخی عبد اللہ بن جعفر فقال عمر انکحنیھا فواللہ ما من الناس احد یرصد من امرھا ما ارصدہ فانکحہ علیؓ[2]۔

(ترجمہ) "امام زین العابدین کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے ام کلثومؓ کا رشتہ مانگا حضرت علیؓ نے کہا میں نے تو اسے اپنے بھتیجے کے لیے رکھا ہوا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا آپ ام کلثومؓ میرے نکاح میں دے دیں بخدا مجھ سے زیادہ کوئی اس اعزاز کا منتظر نہیں اس پر حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ نکاح دے دیا"۔۔۔۔

⑦ امام ابوبکر احمد البیہقی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علی مرتضیٰ کو کہا :۔

انکحنی ابنتک ام کلثوم بنت فاطمۃ بنت رسول اللہ ۔۔۔ (ترجمہ) "مجھے اپنی لڑکی ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ کا رشتہ دے دیں"۔۔۔۔

حضرت علی مرتضیٰ نے اس تفصیل کے بعد جسے ہم "مستدرک حاکم" کی روایت سے پیش کر آئے ہیں، فرمایا ؛۔

قد انکحتھا...[3] (ترجمہ) "میں نے اس کا رشتہ (آپ کو) دے دیا ہے"۔

⑧ حافظ ابو عبداللہ محمد بن سعد زہری (متوفی ۲۳۰ھ) "طبقات" میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] دار قطنی جلد ۱ ص ۱۹۴ مطبوعہ دہلی [2] مستدرک جلد ۳ ص ۱۴۲ مطبوعہ دکن [3] سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ ص ۶۴/۱۱۴

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب ... وامھا فاطمۃ بنت رسول اللہ تزوّجھا عمر بن الخطاب وھی جاریۃ ... ولدت لہٗ زید بن عمر ورقیۃ بنت عمر[1]

(ترجمہ) "ام کلثومؓ بنت علیؓ جن کی والدہ حضرت فاطمہؓ تھیں ان سے حضرت عمرؓ نے نکاح کیا اور وہ چھوٹی عمر کی تھیں اُن کے ہاں حضرت عمرؓ سے زیدؒ اور رُقیہؒ پیدا ہوئے"۔

(۹) ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (متوفی ۲۷۶ھ) لکھتے ہیں :-

اما ام کلثوم الکبریٰ وھی بنت فاطمہ فکانت عند عمر بن الخطاب[2]

(ترجمہ) "ام کلثوم کبریٰؓ جو حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی تھیں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے نکاح میں تھیں"۔

(۱۰) ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی مشہور عالم تاریخ میں لکھتے ہیں :-

تزوّج ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب وامھا فاطمۃ بنت رسول اللہ واصدقھا فیما قیل اربعین الفا فولدت لہٗ زیدًا ورقیۃ[3] ——— (ترجمہ) "حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ بنت علیؓ سے نکاح کیا اُن کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنت رسول تھیں، ان کا مہر جیسا کہ بیان کیا گیا ہے چالیس ہزار درہم باندھا گیا، ان کے ہاں ام کلثومؓ سے زید اور رُقیہ دو بچے پیدا ہوئے"۔

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

نوٹ ۱:- حضرت ام کلثومؓ کے ذکر میں بنت علیؓ کہنے کے ساتھ بنت فاطمہؓ کی تصریح اس لیے کی جارہی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کی ایک اور صاحبزادی بھی ام کلثومؓ نامی تھیں جو معرکۂ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کے ساتھ موجود تھیں یہ ام کلثومؓ صغریٰ کے نام سے معروف ہیں اور یہ حضرت علیؓ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھیں، جو ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں تھیں وہ حضرت فاطمہؓ کی بیٹی تھیں اور انہیں ام کلثومؓ کبریٰ کہا جاتا ہے۔

نوٹ ۲:- پچھلے دو حوالے (ابن قتیبہ دینوری اور طبری کے) ہر دو فریق میں برابر کے مقبول ہیں اور یہ دونوں کتابیں بلا امتیاز فرقہ تاریخ کے عظیم ذخیروں میں شمار ہوتی ہیں، اب ہم خالص وہ حوالے پیش کرتے ہیں جو صرف مذہب شیعہ کی معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ وباللہ التوفیق وبیدہٖ ازمۃ التحقیق۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۳۹ [2] کتاب المعارف ص ۹۲ مطبوعہ مصر [3] تاریخ الامم والملوک جلد ۵ ص ۱۶ مطبوعہ مصر

حضرت فاروقِ اعظمؓ کا نکاح حضرت اُمِ کلثومؓ سے

بحوالہ کتب معتبرہ شیعہ

(۱) ملا محمد بن یعقوب الکلینی "فروعِ کافی" میں جو شیعہ حضرات کے ہاں اوّل درجے کی کتاب حدیث ہے۔ روایت کرتے ہیں:۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ عن المراۃ المتوفی عنہا زوجہا تعتد فی بیتہا وحیث شاءت ان علیًا صلوات اللہ علیہ لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بہا الی بیتہ[۱] (ترجمہ) "میں نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے اس عورت کے متعلق جس کا خاوند فوت ہو جائے یہ مسئلہ پوچھا کہ وہ اپنی عدت کہاں گذارے اپنے ہی گھر میں یا جہاں جاہے، حضرت امام نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علیؓ ام کلثومؓ کے پاس آئے تھے اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے تھے"۔

(۲) ملا ابو جعفر محمد بن حسن طوسی شیعہ محدثین کے نہایت بلند پایہ فاضل "فروعِ کافی" کی اس روایت کو "تہذیب الاحکام، کتاب الطلاق باب عدۃ النساء جلد ۲ صـ۲۳۸ مطبوعہ ایران" اور "الاستبصار، فیما اختلف من الاخبار جلد ۳ صـ۳۵۲ مطبوعہ نجف اشرف" اور جلد ۲ صـ۱۸۵ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی دو دو علیحدہ سندوں سے روایت کرتے ہیں:۔

(۳) فخر المجتہدین شہیدِ ثانی زین الدین بن علیؒ بن احمد عاملی "شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام" کی شرح میں متن کی اس عبارت یجوز نکاح الحرۃ العبد والعربیۃ العجمی والھاشمیۃ غیر الھاشمی وبالعکس کے تحت لکھتے ہیں:۔

زوج النبی ابنتہ عثمان زوج ابنتہ زینب بابی العاص ولیسا من بنی ہاشم وکذلک زوج علی ابنتہ ام کلثوم من عمر وتزوج عبد اللہ بن عمرو بن عثمان فاطمۃ بنت الحسین وتزوج مصعب بن الزبیر اختہا سکینۃ وکلہم من غیر بنی ہاشم[۲]

---

[۱] فروعِ کافی جلد ۲ صـ۳۱۱ [۲] مسالک الافہام مصنفہ ۹۶۳ھ کتاب النکاح جلد اول مطبوعہ ایران ۱۲۸۲ھ

(ترجمہ) آنحضرت نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا اور ایک بیٹی کا ابوالعاص سے حالانکہ دونوں بنی ہاشم میں سے نہ تھے، اسی طرح حضرت علی مرتضٰی نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے کیا اور حضرت عثمانؓ کے پوتے عبداللہ کا نکاح امام حسینؓ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے ہوا اور فاطمہ کی بہن سکینہ سے مصعب بن زبیرؓ نے نکاح کیا اور یہ سب مرد بنی ہاشم میں سے نہ تھے۔"

④ شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا:-

ماتت ام کلثوم بنت علی وابنها زید بن عمر بن الخطاب فی ساعة واحدة لا یدری ایهم هلك قبل فلم یورث احدهما من الآخر وصلی علیهما جمیعاً۔[1]

(ترجمہ) "ام کلثوم بنت علی اور ان کے بیٹے زید بن عمرؓ کی وفات ایک ہی ساعت میں واقع ہوئی یہ پتہ نہ چل سکا کہ پہلے کون فوت ہوا پس ان میں سے کوئی دوسرے کا وارث نہیں ہوا اور دونوں پر نماز جنازہ اکٹھی پڑھی گئی"۔

⑤ شیعہ شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری (متوفی ۱۰۱۹ھ) آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ کے امور مشابہت شمار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد[2] — (ترجمہ) "اگر نبی نے بیٹی عثمانؓ کو دی تو ولی نے بیٹی حضرت عمرؓ کے نکاح میں دے دی"۔

⑥ علامہ ابن شہر آشوب ماژندرانی (متوفی ۵۸۸ھ) لکھتے ہیں:-

نولد من فاطمة علیها السلام الحسن والحسین والمحسن سقط وزینب الکبریٰ وام کلثوم الکبریٰ تزوجها عمر[3] — (ترجمہ) "حضرت فاطمہؓ کی اولاد یہ تھی، الحسن والحسین، محسن سقط، زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ جن سے حضرت عمرؓ نے نکاح کیا تھا"۔

نوٹ:- علامہ ابن شہر آشوب نے جلد ۲ ص۱۴۴ پر بھی اس نکاح کا تذکرہ کیا ہے۔

⑦ شیعہ کے بڑے مجتہد مرتضیٰ علم الہدیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) لکھتے ہیں:-

---

[1] تہذیب الاحکام جلد ۲ کتاب المیراث ص۳۸۰ [2] مجالس المؤمنین جلد ۱ ص۲۰۴ مطبوعہ ایران [3] مناقب آل ابی طالب جلد ۳ ص۱۶۲ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۱۳ھ

لم یمتنع ان یزوجه لانه کان علی ظاهر الاسلام والتمسك بشرائعه واظهار الاسلام[1] ـــــــ (ترجمہ) "یہ کوئی امر ممنوع نہ تھا کہ حضرت علیؓ اپنی بیٹی حضرت عمرؓ کے نکاح میں دے دیں کیونکہ حضرت عمر اسلام کے قائل اور اس کے طریقوں پر عامل تھے" ـــــــ

(۸) شیخ عباس قمی حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد کے ذکر میں رقمطراز ہیں :-

اما ام کلثوم حکایت تزویج او با عمر در کتب مسطور است[2] ـــــــ (ترجمہ) "ام کلثوم کے حضرت عمرؓ کے نکاح میں آنے کی حکایت تقریباً تمام کتابوں میں مسطور ہے" ـــــــ

(۹) علامہ محمد ہاشم خراسانی مشہدی لکھتے ہیں :-

اما جناب ام کلثوم بنت فاطمہؑ این مخدرہ اسم شریفش رقیۃ الکبریٰ بود چنانچہ در عمدۃ الطالب است وانیز خیلے جلالت قدر داشت وزوجہ عمر بن الخطاب بود[3] ـــــــ (ترجمہ) "ام کلثوم بنت فاطمہ اس پاکدامن کا اصل نام رقیہ کبریٰ تھا جیسا کہ عمدۃ الطالب میں مذکور ہے، وہ بہت جلالتِ شان رکھتی تھیں اور حضرت عمرؓ کی بیوی تھیں" ـــــــ

(۱۰) شیعہ کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں :-

فبعد ورود تلك الاخبار وما سیاتی باسانید ان علیا لما توفی عمر اتی ام کلثوم فانطلق بها الی بیته وغیر ذلك مما اوردته فی کتاب بحار الانوار انکار ذلك عجیب والاصل فی الجواب هو ان ذلك وقع علی سبیل التقیة والاضطرار ولا استبعاد فی ذلك[4] ـــــــ (ترجمہ) "ایسی احادیث وارد ہونے کے بعد اور جو روایات بالاسناد آگے آ رہی ہیں کہ جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علیؓ ام کلثومؓ کے پاس آئے اور انہیں اپنے گھر لے گئے، اور اس طرح کی اور روایات جنہیں کہ میں نے "بحار الانوار" میں درج کیا ہے اس نکاح کا انکار ایک بہت امر عجیب ہے اور اصل جواب یہی ہے کہ یہ نکاح تقیہ اور حالتِ اضطرار میں ہوا اور ایسا ہونا کوئی امر مستبعد نہیں" ـــــــ

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

---

[1] کتاب الشافی ص ۲۱۶ [2] منتہی الآمال جلد اص ۱۳۵ [3] منتخب التواریخ ص ۹۳ مطبوعہ ایران
[4] مرآۃ العقول فی شرح فروع کافی جلد ۳ ص ۴۴۹

ہمیں اس سے اتفاق نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی لختِ جگر حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ جبر و اضطرار کی صورت میں حضرت عمرؓ کے نکاح میں دی تھی لیکن اس کا ہمیں نہایت افسوس ہے کہ شیعہ کے بعض محدثین اسے ایسے انداز میں نقل کرتے ہیں کہ جو قطعاً حضرات اہل بیت کے شایانِ شان نہیں مثلاً

(۱) ملا محمد بن یعقوب الکلینی نے "فروع کافی" میں "فی تزویج ام کلثوم" کے نام سے ایک مستقل باب باندھا ہے اس میں حضرت امام جعفر صادقؒ سے یہ روایت منقول ہے:۔

ان ذٰلک فرج غصبناہ[1] (ترجمہ) "یہ پہلی عزت ہے جو ہم سے لوٹی گئی"۔۔۔

اصولِ کافی کے اس آسمانی وصیت نامے میں بھی جو ائمہ اہلبیت کے لیے دستور العمل تھا اس نکاح کا اشارہ موجود ہے، اس کی روایت حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے ہے، اس کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ سے بامرِ جبریل یہ عہد بھی لیا تھا کہ خواہ ان کی عزت لٹ جائے وہ وہ اس انتہاک حرمت پر صبر کریں گے، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

قبلتُ ورضیت وان انتهكت الحرمة وعطلت السنن ومُزق الكتاب وهدِمت الكعبة[2] (ترجمہ) "میں نے اسے قبول کیا اور راضی رہا اگرچہ عزت لٹ جائے اور خدا اور رسولؐ کے طریقے معطل ہو جائیں، قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور کعبہ گرا دیا جائے۔" الخ

اب اس انتہاک حرمت اور عزت جاتے رہنے کا معنی شارحینِ اصول کافی سے سنیئے اور شیعہ کے احترام اہلبیت کی داد دیجئے۔

(۲) ملا خلیل قزوینی شارح اصول کافی اس کا یہ معنی لکھتے ہیں:۔

مراد غصب دختر من است کہ بزور خواہند گرفت اشارہ است بغصب ام کلثوم فاطمہ علیہا السلام۔[3]

(ترجمہ) "اس سے میری بیٹی کا غصب مراد ہے جسے جبر و ظلم و سے لے جائیں گے، یہ اشارہ ہے حضرت فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثومؓ کے غصب کی طرف" (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ آغا تیغ در میان کن)۔۔۔

(۳) شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ میں لکھتے ہیں:۔

اما انكاحه بنت عمر لم يكن الا بعد توعد وتهدد و مراجعة ومنازعة وكلام

۱ے جلد ۲ ص۱۴۱ ۲ے اصول کافی ص۲۷۳ مطبوعہ لکھنؤ ۳ے الصافی جلد ۲ ص۲۸۱/۲۸۲ مطبوعہ لکھنؤ

طويل معروف اشفق معه من شرورق الحال وظهر مالا يزال يخفيه وان العباسؓ لما رای الامر يفضي الى الوحشة ووقوع الفرقة سال عليه السلام رد امرها اليه ففعل فزوجها منه ۔ ۔ ۔ على انه لا يمتنع ان يبيح الشرع ان يناكح بالاكراه من لا يجوز مناكحته مع الاختيار لا سيما اذا كان المنكح مظهراً للاسلام والتمسك بظاهر الشريعة۔[1]

(۲) شیعہ کے مشہور مجتہد قطب راوندی (متوفی ۵۷۳ھ) نے یہاں یہ تاویل کی ہے کہ حضرت علی مرتضےٰ نے ایک جنیہ کو ام کلثوم کی شکل میں متشکل کرکے بھیجا تھا، یہ جنیہ اہل نجران کی یہودیہ تھی جس کا نام سحیقہ بنت جویریہ تھا۔ جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو پھر حضرت علیؓ نے اصل ام کلثومؓ کو ظاہر کیا تھا۔[2]

یہی بات مشہور شیعہ عالم سید محمد باقر موسوی نے فتح علی شاہ قاچار کے زمانے میں کہی تھی۔[3]

ہمارے نزدیک ان تاویلات رکیکہ کا کوئی وزن نہیں، ہم ہر اس بات کو جو اہلبیت کرام کی شان کے لائق نہ ہو غلط اور ایک افترا سمجھتے ہیں۔ ان اقوال کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ حضرت ام کلثومؓ کا حضرت عمرؓ کے نکاح میں آنا ایک ایسا امر مسلّمہ ہے کہ اشد ترین مخالف سے بھی اس کا انکار نہیں ہو سکا، انہوں نے جبر و غصب اور اکراہ و اضطرار کی جو تاویلات کی ہیں اگرچہ وہ قابل قبول نہیں اور حضرت علی مرتضےٰ کی شان کے لائق نہیں لیکن ان کے ضمن میں اس نکاح کا ایک ایسا اقرار بھی سامنے آرہا ہے جس کا انکار کسی صورت میں ممکن نہ تھا اور کہ یہ نکاح تواتر معنوی سے منقول اور فریقین کی کتابوں میں مسلّم و موجود ہے۔ واللہ علی ما نقول شہید

اب آخر میں ہم بعض ان شبہات و وساوس کا ازالہ کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں پیش کیے گئے ہیں۔ وباللہ التوفیق

حضرت ام کلثوم عمر میں بہت چھوٹی تھیں اور حضرت عمر فاروقؓ کافی سن رسیدہ تھے اسلئے یہ نکاح بظاہر ایک امر مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] کتاب الشافی ص۲۵۴ مطبوعہ ایران۔ تنزیہ الانبیاء ص۱۴۵ مطبوعہ ایران [2] دیکھئے کتاب الخرائج والجرائح ص۱۳۶ مطبوعہ بمبئی
[3] بحر الجواہر ص۲۱۲ مطبوعہ ایران ۱۲۹۷ھ

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمروں میں کافی فرق تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے بھی چھوٹی تھیں اور نہایت چھوٹی عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں۔ اگر اس نکاح میں کوئی استبعاد نہیں تو حضرت ام کلثومؓ کا حضرت فاروقِ اعظمؓ کے نکاح میں آنا یہ کون سا امر مستبعد ہے۔ تمدن عرب میں خاوند اور بیوی کا قریب العمر ہونا چنداں ضروری نہ تھا۔

ثانیاً۔ حضرت علی مرتضیٰ کی صاحبزادی ام کلثومؓ جو اس وقت صغیرہ تھیں اور پانچ سال کے قریب تھیں وہ اور ام کلثوم تھیں جو حضرت فاطمہؓ کے بطن سے نہ تھیں کسی اور بیوی سے تھیں۔ یہ ام کلثوم صغریٰ کہلاتی ہیں، ام کلثوم کبریٰ جو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی صاحبزادی تھیں وہ ہرگز صغیرہ نہ تھیں اور حضرت فاروق اعظمؓ کے نکاح میں وہی تھیں، اُن پر اگر کہیں صغر سنی کا اطلاق ہے تو فی نفسہٖ چھوٹا ہونے کی وجہ سے نہیں محض مقابلتاً چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہے۔

ثالثاً۔ حضرت ام کلثومؓ حضرت فاطمہؓ کی چوتھی اولاد تھیں اور حضرت زینبؓ سے چھوٹی تھیں، حضرت امام حسینؓ اور حضرت ام کلثومؓ کے مابین صرف ایک بیٹی حضرت زینبؓ ہیں شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی کے بیان کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہجرت کے تیسرے سال ربیع الاول کے آخر میں پیدا ہوئے۔ الحسین بن علی بن ابی طالب الامام الشہید سید شباب اھل الجنۃ ولد بالمدینۃ اخر شھر ربیع الاول سنۃ ثلاثۃ من الھجرۃ۔[1]

حضرت سیدہؓ کی اولاد میں فاصلہ بہت کم تھا، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی عمروں میں فرق ایک سال سے بھی کم تھا، پس قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت ام کلثومؓ پانچ یا زیادہ سے زیادہ چھ ہجری کے قریب پیدا ہوئیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے نکاح میں یہ کس وقت آئیں! حافظ ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ اس واقعہ نکاح کو کتاب الثقات کے ۱۷ھ کے وقائع میں ذکر کرتے ہیں، اندریں صورت حضرت ام کلثومؓ کا یہ نکاح بارہ سال کی عمر میں ہوا اور عرب کی گرم آب و ہوا کے پیش نظر یہ عمر کوئی ایسی نہیں کہ اسے صغر سنی کہا جا سکے۔

---

[1] تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۱۴ کتاب المزار مطبوعہ ایران

یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیعہ حضرات اسی ام کلثومؓ کو ھبہ فدک کے گواہوں میں پیش کرتے ہیں، اگرچہ ہمارے نزدیک ھبہ فدک کی تمام روایات یکسر باطل اور موضوع ہیں لیکن شیعہ حضرات کے اس مؤقف سے یہ امر ضرور واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ام کلثومؓ ۱۱ھ میں ادائے شہادت کے قابل تھیں ۔ سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۴۳۵" میں شیعہ حضرات کا یہ مؤقف پوری طرح منقول ہے۔ اسی طرح شمس الدین محمد جزری نے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی روایت سے حضرت ام کلثومؓ کی سند کے ساتھ بھی نقل کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے وقت حضرت ام کلثومؓ نقلِ روایت کے ضرور لائق تھیں۔

ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ام کلثومؓ پر صغر سنی کا اطلاق محض ایک امر اضافی ہے، حقیقت میں وہ اس وقت نہ صغیرہ تھیں اور نہ ان کا لائقِ نکاح ہونا کسی صورت میں محل تردد تھا واقعات بھی اس کی ہی تائید کرتے ہیں۔

ایک اور شبہ: حضرت ابوبکرؓ کی بھی ایک صاحبزادی کا نام ام کلثوم تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد ان کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ نے حضرت علی مرتضیٰ سے نکاح کیا تھا ہو سکتا ہے کہ جس طرح محمد بن ابی بکرؓ نے حضرت علیؓ کے گھر پرورش پائی اس طرح یہ ام کلثوم حضرت علیؓ کی ربیبہ ہی ہوں اور اسی ام کلثوم کا حضرت عمرؓ سے نکاح ہوا ہو۔

جواب: جو ام کلثوم حضرت عمرؓ کے نکاح میں تھیں وہ حضرت علیؓ کی ہی صاحبزادی تھیں اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے بطن سے تھیں اگر وہ حضرت علیؓ کی ربیبہ ہوتیں اور ان کی کسی دوسری بیوی کی پچھلگ ہوتیں تو حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے رشتہ طلب کرتے وقت قرابتِ رسول کے حصول کا ذکر نہ کرتے [۱]

ثانیاً: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ام کلثومؓ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے بطن سے نہ تھیں وہ حبیبہ بنت خارجہ کے بطن سے تھیں جو حضرت علیؓ کے گھر کبھی نہیں رہیں، محمد بن ابی بکر تو حضرت علیؓ کے اس لیے پروردہ تھے کہ اسماء بنت عمیسؓ کے لڑکے تھے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے نکاح کر لیا تھا

---

[۱] دیکھئے کشف الغمہ ص ۔ آخری سطر مطبوعہ ایران

لیکن ام کلثوم تو اسماء بنت عمیسؓ کی لڑکی نہ تھیں، پس ان کا حضرت علیؓ کی ربیبہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
ثالثاً: حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ام کلثوم جو حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں ان کا نکاح طلحہ بن عبیدہ سے ہوا اور ان سے زکریا اور عائشہ نامی دو بچے ہوئے، ان کی والدہ حبیبہ بنت خارجہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حبیب بن یسار سے نکاح کیا تھا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں :۔

حبیبہ بنت خارجہ بن زید وقیل ملیکہ ام ام کلثوم بنت الصدیق ثم تزوجھا بعد الصدیق حبیب بن یسار[1] (ترجمہ) "حبیبہ بنت خارجہ ام کلثوم کی والدہ تھیں، حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد انہوں نے حبیب بن یسار سے نکاح کیا تھا۔"

رابعاً: حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی اولاد کا تذکرہ مفصل طور پر استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۲۵ میں موجود ہے ان میں کہیں ام کلثوم کا نام نہیں ملتا، جب یہ حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں تو ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو حضرت صدیق اکبرؓ سے تھا، پھر حضرت علیؓ سے ان کے ہاں یحییٰ بن علی بن ابی طالب پیدا ہوئے تھے۔

ان حقائق سے واضح ہوا کہ جو ام کلثوم حضرت عمرؓ کی بیوی تھیں وہ یقیناً حضرت علیؓ کی بیٹی تھیں اور خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے بطن سے تھیں! ابن قتیبہ دینوری لکھتے ہیں :۔

ام کلثوم کبریٰ وھی بنت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فکانت عند عمر بن الخطابؓ وولدت لہ ولداً[2] (ترجمہ) "ام کلثوم کبریٰ یہ حضرت خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی تھیں ان کا نکاح حضرت عمر بن الخطابؓ سے ہوا تھا اور ان کے ہاں حضرت عمرؓ سے اولاد بھی ہوئی"

بایں ہمہ اگر اس غلط بیانی کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ حضرت علیؓ کی اپنی بیٹی نہ تھیں محض ربیبہ تھیں تو بات پھر بھی وہیں رہتی ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کا ایمان حضرت علی مرتضیٰ کے نزدیک مشتبہ تھا تو انہوں نے حضرت ام کلثوم حضرت عمرؓ کے نکاح میں کیوں دی؟ جب وہ حضرت علیؓ کی کفالت اور تربیت میں تھیں اور وہ آں کے ہر طرح سے نگران تھے تو حضرت علیؓ

---

[1] تجرید اسماء الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ [2] معارف صفحہ ۸۰ مطبوعہ مصر

نے حکم قرآن کے خلاف یہ بچی حضرت عمرؓ کے نکاح میں کیوں دی؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنی لڑکیاں تو کافروں کو نہ دو اور یتیم بچیوں پر بے شک ظلم کرو اور انہیں کافروں سے بیاہ دو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو حضرت علی مرتضیٰ کا ام کلثومؓ کو حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں دینا ان کے ایمان و اسلام اخلاص اور کمالات پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے

واللہ علی ما نقول شہید

تمت بالخیر و للہ الحمد ظاہراً و باطناً

عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نمبر

۱۹۶۳ء

○

ہفت روزہ "دعوت" لاہور

عثمانِ غنیؓ

عاشقِ ذاتِ خدا بیشک ہیں عثمان غنیؓ
پیکرِ شرم و حیا بیشک ہیں عثمانِ غنیؓ

نیت جس نے چار جانب دین کا پرچم کیا
وہ رفیقِ مصطفیٰ بیشک ہیں عثمانِ غنیؓ

مال و زر جس نے لٹایا دین برحق کیلئے
منبعِ جود و سخا بیشک ہیں عثمانِ غنیؓ

اسوۂ نبویؐ کے تھے کامل نمونہ بالیقیں
ناشرِ شرعِ ھدیٰ بیشک ہیں عثمانِ غنیؓ

نورِ چشمِ مصطفیٰ دو آئیں ان کے عقد میں
با حیا و با صفا، بیشک ہیں عثمانِ غنیؓ

غازیِ دینِ خدا ہیں اور شہیدِ راہِ حق
پیکرِ صبر و رضا بے شک ہیں عثمانِ غنیؓ

نبی نے ذی النورین کا رتبہ کیا جنکو عطا
وہ سراپا با حیا بے شک ہیں عثمانِ غنیؓ

یادِ حق میں رات دن انورؔ رہے جو عمر بھر
وہ مجسّم با صفا بے شک ہیں عثمانِ غنیؓ

(ماخوذ تنویرات)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یومِ عثمانؓ

اداریہ ہفت روزہ دعوت ۱۷ مئی ۱۹۶۳ء

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو مدینہ طیبہ میں باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن! جس بے دردی و مظلومیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے خلیفہ اور مسلمانوں کے امام عالی مقام شہید ہوئے، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

مدینۂ رسول میں صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں دن دھاڑے امیرالمؤمنین کا دردناک قتل! پھر قتل سے پہلے کئی دن تک مکان کا شدید محاصرہ! کھانا تو کھانا پانی تک بند کر دینا اور بعد شہادت دفن تک کی اجازت نہ دینا مظلومیت کی انتہا ہے جس کی مثال تاریخ انسانی پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حضرت عثمانؓ مجسم فضائل و مناقب تھے ان کے محاسن و محامد کا شمار و بیان مشکل ہے بطور نمونہ مشتے از خروارے چند فضائل درج ذیل ہیں۔

نسب آپ پانچویں پشت میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں آپ کی والدہ محترمہ حضرت اروی حضورؐ کی پھوپھی تھیں، آپ اُم حکیم بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں جو حضورؐ کے والد حضرت عبداللہ کے ساتھ توام (جڑواں) پیدا ہوئی تھیں۔

اسلام اسلام قبول کرنے میں سابقین اوّلین میں سے آپ ہیں آپ حضرت صدیق اکبرؓ کی تحریک سے اوائل دعوت میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس "جرم عظیم" کی پاداش میں صبر آزما مصائب اور جگر گداز مظالم کو صبر و سکون اور اطمینان قلب کے ساتھ برداشت کیا کہ کبھی ان شدائد کی کڑواہٹ آپ کے چہرہ پر نہ دیکھی گئی۔

دامادئ رسولؐ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا آپ سے نکاح فرما دیا۔ اور جب وہ فوت ہوگئیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں اس کی بہن اُم کلثومؓ کا نکاح ان

سے کر دوں . چنانچہ آپ نے حضرت اُم کلثومؓ کا نکاح آپ سے کر دیا پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میری اور کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ کے ساتھ کر دیتا .

چونکہ حضورؐ کی دو نورِ نظر یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں اس لئے آپ ذوالنورینؓ کے نورانی لقب سے ملقب ہوئے تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے سوا دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئیں ہوں .

ہجرت | آپ نے اعزاز دامادیٔ رسولؐ کی طرح ہجرت کا شرف بھی دو بار پایا . پہلی بار چند صحابہؓ کرام نے کفار و مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر حبش کی طرف ہجرت کی . آپ ان میں اپنی زوجۂ محترمہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ شریک تھے . اس موقعہ پر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مع اپنے اہل بیت کے ہجرت کی . اہل بیت سے مراد آپ کی زوجہ تھیں دوسری ہجرت آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف فرمائی اس طرح آپ ذوالنورین کی طرح ذوالہجرتین بھی ہوئے .

جہاد فی سبیل اللہ | تقریباً ہر غزوہ میں رسول کریم کے ساتھ شریک جہاد فی سبیل اللہ رہے . غزوۂ خیبر میں آپ امیرِ لشکر تھے بدنی طور پر بھی آپ نے جہاد فی سبیل اللہ میں بڑا حصہ لیا لیکن مالی طور پر تو آپ کے جہاد کی مثال صحابہؓ کی پوری جماعت میں نہیں ملتی . آپ نے کئی موقعوں پر لاکھوں روپے سے اسلام ، اہلِ اسلام اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی مدد اور خدمت فرمائی . اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایسے موقعوں پر خوش ہو کر آپکو جنت کی بشارت دی .

سفارتِ رسولؐ | حدیبیہ کے موقعہ پر سفارتِ رسول کا وہ اعزاز نصیب ہوا جو کسی بھی صحابی کو نصیب نہ ہو سکا . حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رسول اللہ ہیں اور حضرت عثمانؓ رسولِ رسولِ اللہ ہیں .

ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضورؐ نے بیعت الرضوان لی تو اس وقت

كَانَ عُثْمَانُؓ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ

حضرت عثمانؓ رسول کے رسول تھے

سُبحان اللہ : کیا شان ہے حضرت عثمانؓ کی : اور کیا منصب و مقام ہے رسولِ رسولِ اللہ کا جو اس ذات مقدس کو نصیب ہوا .

خلافت | حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد آپ نے مسندِ خلافت کو رونق دی اور بارہ دن کم

بارہ سال تختِ خلافت پر متمکن رہے۔ بلحاظ خلافت آپ بڑے کامیاب خلیفہ تھے مشرق و مغرب میں ہزاروں میل مربعہ رقبہ ان کے عہدِ خلافت میں دائرۂ اسلام میں آیا۔ اور سندھ سے لے کر جبرالٹر تک اسلام کا علم آپ کے عہد میں لہرایا۔

شہادت | ۱۸۔ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی بے دردی و مظلومیت سے باغیوں نے آپ کو اپنے گھر کے اندر شہید کر ڈالا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپکی شہادت قطعی طور پر شہادت ہے یہ اس لئے کہ آپکے شہید ہونے کی خبر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے تھے اور آپ اس درجہ کے شہید تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عمرؓ کے توسل سے لرزتے پہاڑ کو سکون کا حکم دیا تھا اور زلزلہ رک گیا تھا اللہ تعالیٰ نے نبی و صدیق اور ان دو شہیدوں کی تکریم کی اور پہاڑ میں سکون آگیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ تو ایک کافر کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے لیکن سیدنا حضرت عثمانؓ کی شہادت باغیوں کے ہاتھوں ہوئی جو بظاہر اسلام کے قائل تھے اور یہ اسی قسم کا گھناؤنا جرم ہے جو بنو اسرائیل قتل انبیاء کی صورت میں کرتے رہے سو قاتلین عثمانؓ کی تاریخ، تاریخ یہود سے رنگین ہے نبی کے قتل بے جا پر زمین ستر ہزار انسانوں کا خون مانگتی ہے خلیفہ راشد کی اس شہادت کے ایسی خون ریزیاں ہوئیں کہ پینتیس ہزار انسانوں کا خون زمین پر گرا پھر بھی مسلمانوں کو وہ وحدت نصیب نہ ہوئی جس پر امام مظلوم نے قوم کو چھوڑا تھا۔

اس تاریخی موقعہ پر ہم اسکے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ آہ مظلوم سے ڈرو اس صدا سے عرش کانپتا ہے اس مظلومانہ شہادت پر ہماری ہمدردیاں اعتقاد اور دل و دماغ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہونے چاہئیں۔

تمام اہل اسلام سے پُرزور درخواست ہے کہ وہ ذی قعدہ اور ذی الحجہ میں "یوم عثمانؓ" منائیں۔ ہر جگہ تبلیغی جلسے منعقد کر کے امام مظلومؓ کی یاد تازہ کریں اور آپ کی عظمت کا نقش قلب انسانیت پر ثبت کریں اور آپ کی سیرت طیبہ کو مجلس عامہ میں بیان کر کے دنیا میں آپ کی عظیم شخصیت کے حضور عقیدت پیش کرنے کا موقع دیں اور ملک کے ہر گوشے کونے میں حضرت ذوالنورینؓ کی نورانی زندگی اور نورانی شہادت کو پیش کر کے اپنی عاقبت کو سنوارنے اور قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے استحقاق کی کوشش کریں۔ خدا ہمارے ساتھ ہو۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

یہ جب تک محفل کون و مکاں زندہ رہے گی
زمانے میں عشق کی داستاں زندہ رہے گی

سدا محسوس ہوگی اُس کے لفظوں کی ضرورت
شریعت کے محافظ کی زباں زندہ رہے گی

رکھیں گے یاد اُس کو تا ابد محراب و منبر
قیامِ حشر تک اُسکی اذاں زندہ رہے گی

بکھر جائے گا آخر ٹوٹ کر ہر ایک منظر
مگر اُس کے لبوں کی کہکشاں زندہ رہے گی

چراغِ گنبدِ دل کی طرح اُس کی خلافت
مکان و لامکاں کے درمیاں زندہ رہے گی

کبھی مدھم نہ ہوگی روشنی اُس کے سفر کی
یہاں زندہ ہے برسوں تک وہاں زندہ رہے گی

بنو امیہ اور بنو ہاشم کا تاریخی تعارف
خاندان حضرت عثمان کا تاریخی نقشہ

علامہ خالد محمود صاحب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے دادا عبد مناف کے نام سے کون مسلمان واقف نہیں حضورؐ کا اتنا شجرہ نسب تو سب کو یاد ہوتا ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ یہ عبد مناف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے جد اعلیٰ ہیں عبد مناف کے بیٹے ہاشم کی اولاد بنو ہاشم کہلاتی ہے اور عبد مناف کے پوتے امیہ بن عبد الشمس کی اولاد بنو امیہ کے نام سے موسوم ہے سو بنو ہاشم اور بنو امیہ آپس میں چچیرے بھائی Cousins ہیں اور دونوں عبد مناف کی اولاد ہیں —— یہ سب حضرات ایک دوسرے کا کفو تھے اور ان کے آپس میں رشتے تھے حضرت علی مرتضیٰ ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لم یمنعنا قدیم عزنا ولا عادی طولنا علی قومک ان خلطنا بکم بانفسنا فنکحنا وانکحنا فعل الاکفاء [1]

(ترجمہ) ہماری قدیمی عزت اور پرانے وقار نے جو ہمیں تم پر حاصل رہی نے ہمیں تمہیں (رشتوں میں) ملنے سے نہ روکا ہم تم میں نکاح کرتے بھی رہے اور نکاح دیتے بھی رہے جیسا کہ ایک درجے کے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں۔

اسمیں آپ نے جس پرانی بزرگی اور قدیمی عزت کا ذکر کیا ہے وہ بیشک بنو ہاشم کو بنو امیہ پر حاصل تھی لیکن اس شک نہیں کہ سرداری اور شوکت میں بنو امیہ پورے قریش کا مرکز بنے ہوئے تھے اور قریش کا مشہور عہدہ عقاب جو فوجی علمداری کا نشان تھا انہی کے پاس تھا۔

حضرت عثمانؓ اموی تھے لیکن ان کی نانی ام حکیم البیضاء عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کی پھوپھی تھیں حضرت عبدالمطلب نے یہ رشتہ کریز بن ربیعہ جو امیہ کے بھتیجے تھے کو دیا تھا پھر یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہاشمی تھے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیں حضرت طیار جو حضرت علی کے بھائی تھے کی پوتی ام کلثوم بنت عبداللہ حضرت عثمان کے بیٹے

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۳ صہ ۳۲ ۔

ابان کے نکاح میں آئیں [1] حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیٹیاں سکینہ اور فاطمہ حضرت عثمان کے دو پوتوں زید بن عمرو اور عبداللہ بن عمرو کے نکاح میں تھیں [2] ـــــ حضرت حسن کے بیٹے حسن مثنیٰ کی بیٹی ام القاسم حضرت عثمان کے پوتے مروان بن ابان کی زوجہ تھیں [3] ـــــ سو حضرت علیؓ ارشاد فنکحناد انکحنا (ہم امویؓ خاندان میں نکاح کرتے بھی رہے اور انہیں نکاح دیتے بھی رہے) حضرت علی مرتضیٰ کے بعد میں سابقہ روایات سے جاری رہا۔

حضرت امیر معاویہ حضرت علی سے جب اس ہم جاری کا ذکر کرتے تو حضرت علی بھی اس کا اقرار کرتے گو شریف رضی نے یکن کہہ کر اسمیں ایک اپنی بات بھی حضرت علی کے نام سے شامل کر دی ہے حضرت علی سے مخفی نہیں کہ ابوطالب ایمان لائے تھے یا نہ اور یہ بات بھی ان سے مخفی نہ تھی کہ ابوسفیان فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے اب کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ حضرت ابوسفیانؓ اور ابوطالب میں موازنہ کریں شریف رضی حضرت علی سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے امیر معاویہؓ کو لکھا :۔

واما قولك انا بنو عبد مناف فكذلك نحن ولكن ليس امية كهاشم ولا حرب كعبد المطلب ولا ابوسفيان كابى طالب ولا المهاجر كالطليق [4]

(ترجمہ) تمہارا یہ کہنا کہ ہم سب بنی عبد مناف ہیں ہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن امیہ ہاشم کے برابر نہیں نہ حرب عبد المطلب کے برابر اور نہ ابوسفیان ابوطالب کے درجہ میں ہے نہ مہاجر (علی) طلیق (معاویہ) کے برابر ہے۔

لیکن کے بعد جتنی بات ہے حضرت علی کے شایان شان نہیں امیہ اور ہاشم حقیقی چچا بھتیجہ تھے اور کون کہتا ہے کہ بھتیجہ چچا کی منزلت میں ہے یہی فرق حرب اور عبد المطلب میں چلے گا ابوسفیان درجے گئے تو ایمان لانے کی وجہ سے اور پھر آپ ہی دیکھیں حضرت علیؓ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا صرف ہجرت میں ہی فضیلت تھی جیسا کہ اس تحریر میں کیا جا رہا ہے ـــــ جو شخص بھی ان سطور پر غور کرے گا اس کا دل کہے گا یہ بات حضرت علی نے ہرگز نہ کہی ہو گی ہاں یہ بات صحیح ہے کہ بنو ہاشم بزرگی میں سارے قریش پر فائق سمجھے جاتے تھے۔

بنو ہاشم خاندانی بزرگی میں

دنیوی اقتدار اور قوت میں بنو امیہ بڑھ گئے تھے اور خاندانی بزرگی بنو ہاشم کے پاس رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] انساب ص ۸۶، ص ۹۰ [2] المعارف ص ۸۷، ص ۹۲، ص ۹۲ طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱ [3] جمہرۃ انساب ابن حزم جلد ص ۸۵ [4] نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۷.

اس خاندان میں پیدا ہونے تو بنو ہاشم کو مزید عقیدت و نجابت مل گئی بنو امیہ کے سردار اپنے مقابل ہاشمی پیغمبر کے حضور تسلیم و انقیاد کے لیے جلدی آمادہ نہ ہوتے ایک حضرت عثمانؓ ہیں جنہوں نے سابقین اولین میں جگہ پائی اور حضورؐ کے ارقم میں آنے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔

بنو امیہ کی مرکزیت

بنو امیہ قریش کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ امیہ سے دو سلسلے چلے ایک ان کے بیٹے ابو العاص سے اور دوسرے بیٹے حرب بن امیہ سے حرب کے بیٹے ابو سفیان اور پوتے امیر معاویہ ہیں اور ابو العاص کے دو بیٹے عفان اور حکم ہیں ایک پوتے عثمان بن عفان اور ایک پوتے مروان بن حکم ہوئے سو امیر معاویہ حضرت عثمان اور مروان تینوں امیہ کے پڑپوتے تھے اور اب انہیں اور ان کی اولاد کو ہی بنو امیہ کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمان اور مروان دونوں ابو العاص کے پوتے اور امیہ کے پڑپوتے تھے امیہ کے دوسرے بیٹے حرب سے ان کے پڑپوتے امیر معاویہ ہوئے اور یہ پورا خاندان عبد مناف کی اولاد ہے جن کے بیٹے ہاشم کے پڑپوتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے — مروان حضرت عمر بن عبد العزیز کا دادا تھا[1] یہ صحابی نہ تھا عبد مناف کے ان دونوں پوتوں کا نقشہ اولاد حسب ذیل ہے۔

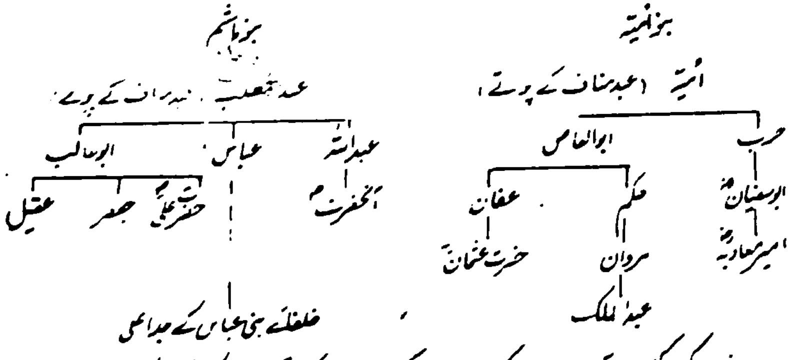

بنو امیہ کی مرکزیت آخر میں عبد الملک بن مروان کی اولاد میں آگئی تھی عبد الملک کے ایک بیٹے کا نام عبد العزیز تھا حضرت عمر بن عبد العزیز انہی کے بیٹے تھے

عبد الملک کے بعد ولید بن عبد الملک (۹۶ھ) خلیفہ ہوا پھر سلیمان بن عبد الملک (۹۹ھ) خلیفہ بنایا

---

[1] امام ترمذی کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں … لم یصحب … وھو من التابعین۔ ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۸ طبع لکھنؤ

حضرت عمر بن عبدالعزیز بن عبدالملک خلیفہ ہوئے جو ۱۰۱ھ میں فوت ہوتے پھر انکا چچا یزید بن عبدالملک (۱۰۵ھ) خلیفہ ہو گئے اور پھر ہشام عبدالملک نے ۱۲۵ھ تک خلافت کی ہشام کے بعد عبدالملک کا پوتا ولید بن یزید اس کا جانشین ہوا۔

بنو امیہ اور بنو ہاشم کا امتزاج

حضرت عثمان غنی بنو امیہ میں سب سے زیادہ بنو ہاشم کے قریب تھے آپ کی والدہ اروی ماں کی طرف سے ہاشمی تھیں اروی بنت کریز کی والدہ ام حکیم البیضا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں حضور کے والد عبداللہ اور ام حکیم جڑواں پیدا ہوتے تھے یہ حضرت علی کی بھی پھوپھی تھیں دوسرے لفظوں میں یوں کہیے اروی حضورؐ اور حضرت علیؓ دونوں کی پھوپھی زاد بہن تھیں حضرت عثمان اسی جہت سے حضرت علی کو ماموں زاد بھائی کہا کرتے تھے علامہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے کئی جگہ حضرت عثمان رضؓ کی زبان سے حضرت علی کے لیے ابن خالی (میرے ماموں کے بیٹے) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

حاصل اینکہ حضرت علی حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی تھے حضرت عثمانؓ حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو بھتیجے کہا کرتے تھے اور آپ کے یہ دونوں بھتیجے باغیوں کے محاصرہ کے وقت آپ کے پہرہ دار تھے۔

عبداللہ بن رباح کہتے ہیں کہ انہوں نے ان ایام میں حضرت حسن اور حضرت عثمان کو آپس میں باتیں کرتا پایا حضرت حسنؓ پہرہ دے رہے تھے۔

انا هذا یا امیرالمومنین فامرنی بامرک۔

(ترجمہ) میں یہاں موجود ہوں اے امیرالمومنین آپ مجھے حکم دیں اپنا حکم

امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

اجلس یا ابن اخی حتی یاتی اللہ بامرہ فانه لاحاجة لی فی الدنیا [1]

(ترجمہ) اے بھتیجے آپ بیٹھیں یہاں تک کہ اللہ کا حکم تقدیر ظاہر ہو جائے اب مجھے دنیا میں رہنے کی خواہش نہیں بعض طرق میں ہے کہ آپ نے کہا مجھے اب مقابلہ آرائی کی ضرورت نہیں۔

یہاں بیٹھنے سے مراد پاس بٹھانے کی فرمائش نہیں مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ہاں تشریف لے جائیں

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ ص ۴۴۷

اور ان کے مقابلے کی نہ سوچیں۔

قطب البلاد لاہور کے امام اولیا حضرت علی ہجویریؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں

سیدنا حضرت حسن نے حضرت عثمان رضؓ سے کہا:۔

تو امام برحق مرا فرمان دہ تا بلائے ایں قوم از تو دفع کنم

(ترجمہ) آپ امام برحق ہیں مجھے حکم دیں میں اس قوم کا بلوہ آپ سے پسپا کروں۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

یا ابن اخی ارجع واجلس فی بیتک حتی یاتی اللہ بامرہ فلا حاجة لنا فی اھراق الدماء [1]

(ترجمہ) اے میرے بھتیجے آپ واپس ہوجائیں اور اپنے گھر بیٹھیں اور دیکھیں خدا کا حکم اور فیصلہ کیا ہے ہمیں مسلمانوں کا خون نہیں گرانا۔

اپنے گھر جانے کو اس لیے کہا کہ ان کے وہاں بیٹھنے میں انہیں بھی خطرہ تھا مبادا حملہ آور انہیں بھی قتل نہ کردیں آپ کا بھتیجے پر جذبہ شفقت ابھر رہا تھا اور اسمیں حضرت علی کی دلجوئی بھی پیش نظر تھی کہ حسن کو کہیں گزند نہ پہنچے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ومعه السیف متقلداً به یحاجف عن عثمان فخشی عثمان علیه لیرجعن الی منزلهم تطییباً لقلب علی وخوفا علیه [2]

(ترجمہ) اور حضرت حسن آپ کے ہاں گلے میں تلوار ڈالے آپ کی مدافعت کر رہے تھے حضرت عثمان کو خوف ہوا کہ کہیں حسن کو گزند نہ پہنچے سو آپ نے حسن کو قسم دی کہ وہ واپس اپنے گھروں کو جائیں یہ بات حضرت علی کی دلجوئی کے لیے بھی تھی اور حضرت حسن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ بھی تھا۔

(نوٹ) یہ حضرت علی کی اولاد ہی آپ کی پہرہ دار نہ تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ حضرت حسن کے ساتھ تھے وہ بھی امیر المومنین کے حکم کے منتظر تھے لیکن آپ انہیں کہہ رہے تھے کوئی میری خاطر جنگ نہ کرے حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں:۔

---

[1] کشف المحجوب ص ۵۲ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۳۷۔

عن ابن عمر قال اقبل هو والحسن بن علی یوم قتل عثمان فقالا لو امرنا لقاتلنا ولکنه قال کفوا [1]

(ترجمہ) عبداللہ بن عمر اور حسن بن علی اس دن جس دن حضرت عثمان کی شہادت ہوئی آپ کے پاس آئے اور کہا آپ حکم دیں تو ہم ان سے جنگ شروع کریں لیکن آپ نے کہا اپنے ہاتھ روکو لڑائی سے باز رہو۔

یہاں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ اپنا بھائی سمجھتے تھے ان کی اولاد کو بھتیجے کہتے تھے اور جسطرح باپ اولاد کی بلائیں لیتا ہے اور ان پر آنچ آنے نہیں دیتا اسی جذبہ کے تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھتیجوں کو جنگی کاروائی سے روک رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے بھی اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چچا کہتے تھے جب باغیوں نے آپ پر پتھر پھینکنے شروع کیے تو حضرت عثمان کے بیٹے حضرت ابان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے خود کہتے ہیں :- اتیت علیا فقلت یا عم قد کثرت علینا الحجارة [2]

(ترجمہ) میں حضرت کے پاس گیا اور کہا چچا اب تو ہم بڑی مقدار میں پتھر آرہے ہیں۔

صحابہ میں نظم وضبط اور ڈسپلن کی بہت پابندی تھی وہ بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کر لیتے لیکن ضابطہ اسلام پر کوئی آنچ آنے نہ دیتے اسلام میں امیرالمؤمنین کے حکم کے بغیر کسی قسم کی کوئی جنگ نہ ہو سکتی تھی اس لیے یہ حضرات حکم امیرالمؤمنین کے خلاف کسی کاروائی کا آغاز نہ کر سکتے تھے بایں ہمہ حضرت حسن کے ہاشمی خون نے کچھ جوش مارا اور وہ حضرت عثمان کے دفاع میں زخمی ہوئے اور ابو محمد انصاری انہیں اٹھا کر لاتے آپ کہتے ہیں :-

فجرح الحسن فکنت فیمن حمله جریحا [3]

(ترجمہ) حسن بن علی زخمی ہو گئے اور میں ان لوگوں میں سے تھا جو آپ کو زخمی حالت میں اٹھا کر باہر لائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی پیچھے نہ رہے ریاست خیرپور کے مشہور شیعہ عالم عارف حسین اپنی زبان میں لکھتے ہیں :-

پسنے دشمنوں کو اپنے کو ٹھے پر دیکھ کر حضرت عثمان نے حضرت علی کو خط لکھا یا علی جلد مدد کرو

---

[1] اخبار اصفہان لابی نعیم الاصفہانی جلد ۲ صہ ۱۳۹ [2] انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ صہ ۸۰ [3] ایضاً صہ ۶۹، ۹۵

پسر خضر میہ میر اخون بہایا جا رہا ہے حضرت علی فوراً بنی ہاشم کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے [1]

اس سے پہلے موصوف یہ لکھ آئے ہیں :-

تاریخیں گواہ ہیں حضرت علیؓ نے عثمان کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر کی اہل مصر کو سمجھایا اہل بصرہ کو روکا اہل کوفہ کو منع کیا [2]

ان تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں بنی عبد مناف ہونے کا پورا حق ادا کیا خاندانی حیثیت سے یہ دونوں عبد مناف کی اولاد تھے اور عبد مناف بنو امیہ اور بنو ہاشم دونوں کے مورث اعلیٰ تھے

جاہلیت کی خاندانی رقابتیں

یہ صحیح ہے کہ عرب اپنی خاندانی رقابتوں میں دور تک شہرت رکھتے تھے لیکن بنو امیہ اور بنو ہاشم آپس میں بہت قریب تھے اپنے مورث اعلیٰ عبد مناف سے بہت قریب العہد تھے اور آپس کا بھائی چارہ ان میں برابر قائم تھا۔ یہ بات صحیح نہیں کہ کفر و اسلام کے معرکے میں ان کے عقائد نہیں خاندانی رقابتیں آپس میں لڑ رہی تھیں اور اسی جاہلی جذبے سے وہ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے افسوس کہ ہم اس سے اتفاق نہیں کر سکتے

حضرت عمر کو اپنے زمانے کے آخر میں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے بعد عرب کی قبائلی عصبیتیں جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود ابھی بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں پھر نہ جاگ اٹھیں —— قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام کو ہی پھونک کر رہا۔

یہ دعوے کہ اسلام کے نور سے یہ خاندانی رقابتیں صرف دبی تھیں بجھی نہ تھیں قرآن کریم اس تصور کے قطعاً خلاف ہے۔

وَاذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا [3]

(ترجمہ) اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر جوڑ دیئے

---

[1] سید الاوصیا ص ۱۳۰ کتب خانہ اثنا عشری لاہور [2] سید الاوصیا ص ۱۲۸ [3] پ ۴ آل عمران ۱۰۳

اللہ نے دل تمہارے ـــــ سو تم ہو گئے اللہ کے فضل سے آپس میں بھائی ـــــ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے کہ اللہ نے تمہیں وہاں سے نجات دے دی

سو اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے ابر رحمت نے پشتینی رقابتوں کی وہ آگ یکسر بجھادی تھی جسمیں قبائل پہلے جل رہے تھے اور اب اگر ان میں کچھ اختلافات ہوئے تو اس کے عوامل Factors اور ہو سکتے ہیں۔ جاہلیت کی چنگاریاں نہیں۔

کیا اختلافات نئے سرے سے پیدا نہیں ہو سکتے؟ کیا ضرورت ہے کہ ہم ان اختلافات کی آگ کو پہلی جاہلیت سے متصل کریں۔ کیا اس سے قرآن کریم کی کھلی تردید نہ ہو گی؟ کیا یہی وہ اخوت اسلامی ہے جو چند سال میں دم توڑ گئی اگر اسے اسی طرح لیا جائے کہ اسلام کی دعوت نے جاہلیت کی چنگاریاں صرف دبی تھیں بجھی نہ تھیں تو کیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مبین اور غلبہ رسالت پر حرف نہ آئے گا؛ اگر ان غلط تاریخی روایات کو جوں کا توں لے لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں معاذ اللہ ناکام رہے شیعہ کے مقتدر انقلابی رہنما علامہ خمینی اپنا عقیدہ ان الفاظ میں درج کرتے ہیں:۔

جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین جو انسان کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے [1]

قرآن کریم غلبہ رسالت کی خبر دیتا ہے جاء الحق وزہق الباطل کا مژدہ سناتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب کو فتح مبین قرار دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کے دور کو خیر القرون کہتے ہیں اور تابعین بھی پھر انہی کی راہ پر چلے ہیں تو پھر اس ساری کاوش کو کس طرح کہہ دیا جائے کہ جاہلیت کی چنگاریاں صرف دبی تھیں بجھی نہ تھیں اور خود صحابہ کے دور میں ہی جاہلیت کے سیلاب پھر سے امڈ آتے تھے اور مشن رسالت یکدم ناکام ہو کر رہ گیا تھا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

حضرت عثمان غنی قرآن پاک کی روشنی میں

(امام اہلسنت حضرۃ مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ ، علیھم واثابھم فتحا قریبا و مغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزا حکیما (پ ۲۶ سورۃ الفتح ع آیت ۱۸و۱۹)

(ترجمہ) بتحقیق راضی ہوگیا اللہ ایمان والوں سے جبکہ (اے نبی) وہ تجھ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ پس جان لیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر اتارا اللہ نے سکینہ ان پر اور بدلہ میں دی ان کو فتح قریب اور بہت سی غنیمتیں جن کو وہ لوگ لیں گے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

سورہ انا فتحنا کی آیت کریمہ لقد رضی اللہ عن المومنین سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ اور تمام اصحاب حدیبیہ قطعی جنتی ہیں دنیا میں خدا نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان کرکے ان کے حال ومال کی خیریت سے تمام اہل ایمان کو آگاہ کر دیا اور ان کی خلافت کے منکروں کی راہ بند کر دی۔

اس واقعہ حدیبیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ سفیر رسالت ٹھہرے حضرت عمرؓ نے ان کی وجاہت اور سیاسی بصیرت کی شہادت دی اور حضورؐ نے ان کی بیعت خود اپنے بائیں دست مبارک سے لی آپ اس بیعت رضوان میں یقیناً سب سے ممتاز شخصیت تھے اس مضمون میں اسی کا بیان ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے واقعہ حدیبیہ کے کچھ مختصر حالات بیان کر دیئے جائیں تاکہ آیت کی تفسیر سمجھنے میں پوری بصیرت حاصل ہو۔

۶ھ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا۔ کہ آپ مع اپنے اصحاب کرام کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور سب نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے سر کے بال منڈوائے ہیں۔ اور کسی نے کتروائے ہیں۔ اس خواب کو آپ نے اپنے اصحاب کرام سے بیان فرمایا۔ سب نہایت خوش ہوئے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی از قسم وحی الٰہی ہوتا ہے۔ اس خواب کا تذکرہ بھی قرآن مجید کی اسی سورۃ میں ہے۔

پھر اسی سال کے آخر میں یعنی ذی قعدہ کے مہینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بارادہ عمرہ مکہ معظمہ کا سفر فرمایا۔ ایک بڑی جماعت صحابہ کرام کی آپ کے ہمراہ ہوئی۔ جن کا شمار بنا بر روایات صحیحہ چودہ سو اور

پندرہ سو کے درمیان میں ہے۔ بعض روایات میں اٹھارہ سو بھی وارد ہوا ہے۔ یہ سفر عمرہ کے ارادہ سے تھا[1]
مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر سب نے احرام باندھا۔ اور احرام کا لباس زیب تن کیا۔ قدوسیوں کی یہ
جماعت مقام حدیبیہ تک پہنچی تھی کہ کفار مکہ کی طرف سے مزاحمت ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ
کو اپنا سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ کہ کفار مکہ کو سمجھائیں کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں آئے۔ کعبہ کا طواف کر کے
واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے جا کر بہت سمجھایا۔ مگر ضد اور شرارت کا بُرا ہو کفار مکہ نے کسی طرح
اس کو منظور نہ کیا۔

حضرت عثمان رضؓ کی روانگی کے بعد کسی صحابی نے کہا۔ کہ عثمان رضؓ کی قسمت اچھی ہے۔ وہ تو مکہ جا رہے ہیں۔ کعبہ
کا طواف کر لیں گے۔ مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں۔ کہ کفار اجازت دیں یا نہ دیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو
اس بات کو سنا تو فرمایا:-

"عثمان رضؓ کے متعلق ہم کو ایسا وہم بھی نہیں ہے کہ بغیر ہمارے کعبہ کا طواف کرے"

اللہ اکبر حضرت عثمان رضؓ کے اخلاص پر کیسا اعتماد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور ویسا ہی اُن سے
ظہور میں آیا۔ جب حضرت عثمان رضؓ مکہ میں ابوسفیان سردار مکہ سے بات کر رہے تھے۔ تو ابوسفیان نے کہا۔ کہ اے عثمان رضؓ
اگر تم چاہو تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ کہ کعبہ کا طواف کر لو۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ کہ تمہارے نبی طواف کے لیے
آئیں۔ اور اپنی شان و شوکت ہم کو دکھائیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے کہا

بغیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ہم ہرگز طواف نہ کریں گے۔

اس جواب پر ابوسفیان نے حضرت عثمان رضؓ کو اور دس صحابی جو ان کے ساتھ تھے۔ ان سب کو قید کر دیا۔
حضرت عثمان رضؓ کے قید ہو جانے کے بعد کسی نے یہ غلط خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ کہ حضرت عثمان رضؓ اور ان
کے ساتھیوں کو کفار مکہ نے شہید کر دیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا اور آپ اٹھ
کر اس درخت کے نیچے جو اس میدان میں تھا۔ تشریف لے گئے اور اپنے اصحاب سے آپ نے موت کی بیعت

---

[1] آپ نے صحابہ کے کہنے سے یہ سفر خود اختیار فرمایا وحی خداوندی یا رویائے نبوت میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ آپ
کو داخلہ حرم اسی سال نصیب ہوگا رویائے صادقہ میں مطلق داخلے کی خبر دی گئی تھی اسی سال ارادہ کر لینا یہ
آپ کا اپنا فیصلہ تھا۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

لی اثنائے بیعت میں آپ کو خبر ملی۔ کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی زندہ ہیں[2]۔ تو آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت فرمائی اسی بیعت کا تذکرہ آیت رضوان میں ہے۔ اور اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعۃ الرضوان کہتے ہیں۔

یہ عظیم الشان بیعت حضرت عثمانؓ ہی کے طفیل ہوئی۔ اور سب سے زیادہ فضیلت بھی اس بیعت میں انہیں کی ظاہر ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنے کا ذکر کتب شیعہ میں بھی ہے کافی میں ہے۔

وبايع رسول الله صلى الله عليه وآله المسلمين وضرب باحد يديه على الاخرى لعثمان[3]

اور حیات القلوب میں ہے " :-

بروایت شیخ طبرسی چوں مشرکان عثمان را حبس کردند۔ خبر بحضرت رسید کہ او را کشتند حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا با ایشاں قتال کنم و مردم را بسوئے بیعت دعوت نمایم و برخاست و پشت مبارک بدرخت داد تکیہ کرد و صحابہ با آں حضرت بیعت کردند کہ با مشرکاں جہاد کنند و نگر

و بروایت کلینی حضرت یک دست خود را بر دست دیگرے زد و برائے عثمان بیعت گرفت[4] ۱۲۔

یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ مکہ جا چکے تھے اس لیے ان کی بیعت اس طرح لی کہ اپنے دست مبارک پر اپنے ہی دوسرے ہاتھ کو رکھ دیا۔ گویا کہ اشارۃً حضرت عثمانؓ کو بیعت میں شامل فرمالیا یعنی شیخ طبرسی کی روایت میں ہے۔ کہ جب مشرکین نے حضرت عثمان کو گرفتار کر لیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک ان سے لڑائی نہ کرلوں۔ اور لوگوں کو بیعت موت کی دعوت نہ دے لوں اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پشت مبارک درخت سے ٹیک دی۔ اور تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور صحابہ نے آنحضرت

---

[1] حضرت عثمان اور ان کے دس احباب کی کیا شان ہے کہ حضورؐ اپنے سب صحابہ کو ان کے بدلے قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ان سے موت کی بیعت لی [2] غیب کی بات آپ پر اسی وقت کھلی جب اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی خبر دیں از خود غیب جانتے ہوں یہ بات اہل السنۃ کے ہاں شرائط نبوت میں سے نہیں ہے۔ خالد محمود
[3] کتاب الروضہ صہ ۱۵۱۔ [4] حیات القلوب ملا باقر مجلسی جلد ۲ صہ ۴۰۴۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ مشرکین سے لڑیں گے۔ اور پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے۔ اور کلینی کی روایت ہے کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور حضرت عثمان رضؓ کے لیے بیعت لی۔

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کفار کے کچھ آدمیوں کو بھی گرفتار کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب کفار مسلمانوں کی قید میں آگئے۔ تو کافروں نے مجبور ہو کر حضرت عثمان رضؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا۔ اور ان کے عوض میں اپنے قیدیوں کو رہائی دلائی۔

اس سفر میں ایک معجزہ پانی کا ظہور میں آیا۔ حدیبیہ میں جو کنواں تھا۔ اس میں پانی بہت کم تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب پانی خرچ ہو گیا۔ اور ہر طرف سے العطش کی آواز بلند ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر اپنے ترکش سے نکال کر ایک صحابی کو دیا۔ کہ اس تیر کی نوک کنوئیں کی تہہ میں پہنچا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جیسے ہی تیر کی نوک تہہ میں گڑی۔ کنوئیں سے فوارہ پانی کا ابلنے لگا۔ اور پھر وہ پانی آخر تک کام دیتا رہا۔ اور سب نے پیا۔

اسی سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کفار مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی حالت جانچنے کے لیے آئے۔ انہوں نے یہاں آکر جو حالت دیکھی اس کا بڑا اثر ان کے دل پر ہوا۔ جو اطاعت وجاں نثاری صحابۂ کرام کی اور جو محبت وارادت عروہ کے مشاہدہ میں آئی اس سے ان کی عقل متحیر ہو گئی۔ کیونکہ تاریخ عالم میں کوئی مثال ان چیزوں کی نہیں مل سکتی۔ حملۂ حیدری کا مصنف باوجود متعصب ہونے کے لکھتا ہے۔

پس[1] آں گاہ در مجلس شاہ دیں — نشست او زمانے دگر در کمیں
کہ[2] اصحاب او را کند امتحان — ببیند کہ چوں است اخلاص شاں
بظاہر[3] گرہ کرد ابرو زخشم — نہانی ہمی دید از زیر چشم!

---

[1] پس عروہ کبھی آنحضرت کی طرف متوجہ ہو کر مجلس میں بیٹھتا اور کبھی گھات میں حالات کو جانچتا۔
[2] تاکہ آپ کے صحابہ کا امتحان کرے اور دیکھے۔ کہ ان کا اخلاص کیسا ہے۔
[3] ظاہری طور پر غصے کی وجہ سے ماتھے پر بل ڈال رکھے تھے۔ ویسے چپکے چپکے دیکھ رہا تھا۔

جو اکرام[1] و تعظیم و فرماں بری | ارادت شعاری عقیدت وری
ز اصحاب نسبت بسالار دیں | بیا بیدآں مرد و از دیدہ بیں
ازاں طور آمد شگفتش بسے | کزاں پیش دیدہ بنود از کسے۔

اب دیکھنا ہے۔ کہ پھر مکہ پہنچ کر اپنی قوم میں عروہ نے جو خیالات ظاہر کیے وہ کیا ہیں۔ عروہ نے کہا

کہ من[2] انجمن دیدم زیاران او | ازاں سربکف جاں نثاران او
در ایران نہ در روم و در زنگبار | ندیدم زنیک و بدآں دیار
کہ دارند پاس سر خود چنیں | بسایند بر نقش پایش جبیں
محمد[3] گر انداز دآب دہن | براں آب خوں مے کنند انجمن
کہ گیرند و مالند برچشم وُرد | وزآں آب تازہ کنند آبرد
وگر[4] مہتر کرا بینی از مہتراں | کند نقش او پاک چوں کہتراں
بر آب[5] وضویش نزاعے کنند | کہ خواہند سرہائے ہم بشکنند

---

[1] جب عروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عزت و تعظیم اور فرماں برداری، اخلاص اور عقیدت مندی صحابہ کرام کی طرف سے معلوم کی تو اسے اس طریقہ سے بہت تعجب اور حیرانگی ہوئی کیونکہ اس نے ایسی جاں نثاری اپنے بادشاہ کے متعلق پہلے کسی قوم میں نہیں دیکھی تھی۔

[2] عروہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کا برتاؤ میں نے دیکھا ہے کہ جاں نثار آپ کے لیے سربکف ہیں اس طرح میں نے ایران و روم اور حبش میں بھی نہیں دیکھا نہ ان کے بھلوں میں اور بروں میں کہ لوگ اپنے بادشاہ کی ایسی عزت کرتے ہوں۔ اور اس کے نقش قدم پر اپنی پیشانیاں رگڑتے ہوں۔

[3] مگر صحابہ کا تو یہ حال ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوکتے بھی ہیں تو اس تبرک پر اہل مجلس مرتے مارنے کی ٹھان لیتے ہیں کہ اس کو لیں اور چہروں پر مل لیں۔ اور اس تبرک تھوک سے اپنے چہروں کی رونق کو دوبالا کریں [4] اور جس بڑے سردار کو بھی دیکھے ، آپ کے جوتے صاف کرتا ہوا ملے گا

[5] ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کے حاصل کرنے کی کوشش میں جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اس کوشش میں ایک دوسرے کے سر پھوڑ دیں گے ۔

غرض[3] اے دلیران بانام و ننگ — ندارد برائے شما حرفِ جنگ
کہ ایشاں[1] زما بر نتابند رو — بجا ہائے نازک رسد گفتگو
ہماں[3] بہ کہ ایں قصّہ کوتہ کنید — اناں پیش کو رہ کنند رہ دہید

آخر کفارِ مکہ نے مجبور ہوکر صلح کی۔ اور یہ قرار پایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس جائیں۔ اور آئندہ سال پھر آکر کعبہ کا طواف کریں۔

اس صلح میں جو شرطیں کفار کی طرف سے پیش ہوئیں۔ان میں بظاہر مسلمانوں کا پہلو نہایت مغلوب تھا۔ مثلاً ایک شرط یہ تھی۔ کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہوکر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے۔ تو آپ اس کو مکہ واپس کریں گے اور اگر کوئی مسلمان خدانخواستہ مرتد ہوکر مکہ میں آجائے۔ تو کفارِ مکہ اس کو واپس نہ کریں گے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرائط کو قبول فرمالیا۔ اور صلح ہوگئی۔

اس مغلوبانہ صلح سے تمام صحابہ کرام کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور سب سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (جو اول روز سے دینی غیرت و حمیت میں ضرب المثل تھے) ہوا۔ اور اُن سے ضبط نہ ہوسکا۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر انہوں نے کہا۔ حضرت کیا آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں پھر انہوں نے کہا کہ پھر ہم کیوں مغلوبانہ صلح کریں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

"میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتا اور وہ میرا پروردگار ہے"

اور یہی گفتگو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے کی۔ اور انہوں نے بھی یہی جوابات دیئے۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو محض دین کی حمیت سے تھی۔ مگر پھر بھی ان کو بعد میں تنبہ ہوا۔ اور اس کے کفارے میں آپ نے نمازیں پڑھیں۔ روزے رکھے۔ صدقہ دیا اور غلام آزاد کیا۔

---

[1] غرض اے غیرت مند دلیرو آنحضرت تمہارے ساتھ لڑائی کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔

[2] ۔ اگر انہوں نے لڑائی کا خیال ترک نہ کیا تو معاملہ نازک صورت اختیار کرے گا۔

[3] اس لیے یہی بہتر ہے۔ کہ اس قصہ کو صلح کرکے مختصر کرلو۔ اور اس سے پہلے کہ وہ خود بیت اللہ تک پہنچ جائیں صلح کرکے تم خود بیت اللہ تک آنے کی اجازت دے دو ۱۲

چند روز سے مخالفین نے اس موقع پر ایک طعن حضرت عمرؓ پر تصنیف کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہو گیا تھا۔ اور اس کی تائید میں ایک روایت میزان الاعتدال کی پیش کرتے ہیں۔ کہ خود حضرت عمرؓ نے اقرار کیا۔ کہ مجھے نبوت میں ایسا شک پہلے کبھی نہیں ہوا

جواب یہ ہے۔ کہ اول تو میزان الاعتدال کی یہ روایت صحیح نہیں خود مصنف نے اس روایت کے ساتھ اس کا مجروح ہونا بھی بیان کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں نبوت کا لفظ نہیں ہے۔ یہ شیعوں کا خالص افترا ہے۔ صرف یہ مضمون ہے۔ کہ مجھے ایسا شک کبھی نہیں ہوا۔ اس شک سے مراد نبوت میں شک کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسی روایت میں حضرت عمرؓ نے بجواب حضرت صدیقؓ فرمایا ہے کہ انا اشھد انه رسول الله بلکہ اس صلح کے مفید ہونے میں اس کے مصالح میں شک مراد ہے۔ گویا اپنی ایک سیاسی غلطی کا اظہار فرمایا [1] اور یہ خود حق گوئی کا ایک نشان ہے۔

واقعہ صلح حدیبیہ میں کچھ ایسے پوشیدہ مصالح علم خداوندی میں تھے کہ اس وقت کسی کو بھی ان کا احساس نہ ہوا۔ مگر بعد میں سب کی آنکھیں کھل گئیں کہ یہ مغلوبانہ صلح نہ تھی۔ بلکہ فتح مبین کا پیش خیمہ تھی۔

صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ کہ ابو جندل جو شرف باسلام ہو چکے تھے۔ مگر کسی طرح ان کو ہجرت کا موقع نہ ملتا تھا کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا۔ اور بڑے ظلم ان پر کرتے تھے۔ اور یہ سب مظالم ان کے باپ سہیل کے ہاتھ سے ان پر ہوتے تھے۔ ایک روز موقع پا کر قید سے نکل آئے۔ اور حدیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ کفار نے مطالبہ کیا تو آپ نے ان کو ان کے باپ کے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا کہ اے ابو جندل خدا تم کو ان کے شر سے بچائے گا۔ تم پریشان مت ہو۔ اس کے بعد پھر ابو بصیر مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی بوجہ معاہدہ کے واپس کیا۔ اثنائے راہ میں انہوں نے اس کافر کو جو ان کے لینے کے لیے آیا تھا قتل کر دیا۔ اور پھر مدینہ منورہ آئے۔ آپ نے پھر ان کو واپس کیا۔ ابو بصیر مدینہ منورہ سے تو چل دیئے لیکن مکہ نہ گئے۔ بلکہ ساحل دریا کی طرف عیص نامی ایک مقام میں قیام کر لیا۔ اور مکہ معظمہ میں جو لوگ ابو جندل کی طرح مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ ستر آدمیوں کی جماعت ان کے پاس جمع ہو گئی۔ یہ مقام تجارتی قافلوں کی گذر گاہ تھا۔ اب ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا۔ کہ کفار قریش کا جو قافلہ ادھر سے گذرتا

---

[1] دیکھو فتح الباری جلد پنجم صہ ۲۵۵ مطبوعہ مصر۔

اس کو لوٹ لیتے۔ کئی قافلے اسی طرح تباہ و برباد ہوئے۔ لوگ بھی قتل کیے گئے اور مال بھی لٹا۔ آخر میں مجبور ہو کر خود کفار قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ یہ شرط صلح نامہ سے نکال دی جائے۔ اور آپ ان لوگوں کو اپنے پاس بلا لیجیے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بصیر کے نام خط بھیجا۔ کہ تم لوگ مع اپنی جماعت کے میرے پاس چلے آؤ۔ لیکن یہ خط ایسے وقت پہنچا۔ کہ حضرت ابو بصیرؓ حالت نزع میں تھے۔ نامۂ مبارک کا مضمون انہوں نے سنا۔ اور آنکھوں سے لگایا۔ اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مسلمانوں نے وہیں ان کی تجہیز و تکفین کی۔ اور اس کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ چلے گئے۔

یہ درخت جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک موجود تھا۔ لوگ وہاں جمع ہوتے تھے۔ اور نماز پڑھتے تھے۔ یہ خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو ملی تو آپ نے حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے [1] اسلام میں اس انداز عقیدت کی کوئی راہ نہیں۔

حدیبیہ کا واقعہ باختصار بیان ہو چکا۔ اب آیت رضوان کی تفسیر ملاحظہ کیجیے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے حدیبیہ کی بیعت کا تذکرہ فرمایا۔ اور جو لوگ اس بیعت میں تھے۔ ان کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے۔

(۱) حق تعالیٰ نے ان کو مومنین فرمایا۔ اس سے بڑھ کر ان کے ایمان کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو شخص اس بیعت کے شرکا کو مومن نہ کہے اس کا مکذب قرآن ہونا کس قدر واضح ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا۔ اور وہ بھی حرف تاکید یعنی لقد کے ساتھ ظاہر ہے کہ خدا جس سے راضی ہو گیا۔ اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی فرما دیا۔ اس کا انجام یقیناً بخیر ہوگا۔ اور اب کبھی اس سے خلاف مرضی الٰہی کوئی کام صادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر آئندہ ان لوگوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الٰہی صادر ہونے والا ہوتا تو وہ ان کی بیعت سے ہرگز راضی نہ ہوتا۔ چہ جائیکہ رضامندی کا اعلان۔ ہم لوگ جو آج کسی سے کسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں اور کل اس کی کسی خلاف مزاج حرکت پر ناخوش ہو جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ہم کو آئندہ کا علم نہیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کل ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گا تو ہم اس کی کسی بات پر ہرگز

---

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم صہ ۳۴۵۔

خوش نہ ہوں۔ چہ جائیکہ اپنی خوشنودی کا اعلان کریں۔ لہٰذا شیعہ حضرات کا یہ کہنا کہ خدا اُس وقت اُن کی بیعت سے خوش ہوگیا مگر بعد وفات پیغمبر کے جب انہوں نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی شروع کردی۔ تو خدا پھر اُن سے ناخوش ہوگیا۔ خدا کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

۳۔ حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں کی حالت کا علم بیان فرما کر اُن کی نیک نیتی اور ان کے اخلاص کی گواہی دی۔ گویا منکرین کے اس وسوسہ کا پہلے ہی جواب دے دیا۔ کہ ہم صرف اُن کے ظاہری فعل کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ ہم کو ان کے دل کا حال معلوم ہے۔ اسی لیے ہماری رضامندی ان کے شامل حال ہوئی۔

۴۔ حق تعالیٰ نے اُن پر سکینہ نازل فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس پر سکینہ نازل ہوجاتا ہے۔ اس کے ایمان کو پھر جنبش نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کی استقامت میں فرق آسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا انعام خداوندی ہے۔ جو ان کو حاصل ہوا۔

۵۔ حق تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں تین چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمایا اول فتح قریب دوم مغانم کثیرہ سوم کچھ اور مغانم جو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر تھے۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیبر کا مال غنیمت مراد لیا گیا ہے۔ اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کا لفظ اور مغانم کثیرہ کے بعد عَجَّلَ کا لفظ اسی کو بتا رہا ہے۔ کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور بہت جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ فتح خیبر تو حدیبیہ سے لوٹتے ہی حاصل ہوگئی۔ ذوالحجہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے۔ اور محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہوگیا اور مال غنیمت بکثرت ہاتھ آیا۔ لیکن تیسری چیز یعنی وہ مغانم جن کو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر فرمایا گیا ہے۔ اس کا مصداق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ خیبر کے بعد کوئی غنیمت ایسی حاصل نہیں ہوئی جس کو غنائم خیبر کے مقابلے میں اتنی اہمیت دی جائے۔ کہ عرب کے احاطۂ قدرت سے اس کو باہر کہا جائے۔ لامحالہ اس تیسری چیز سے فارس و روم کے فتوحات مراد لیے جائیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح البتہ ایک ایسی چیز تھی کہ عرب کے احاطۂ قدرت تو کیا۔ بلکہ وہم و گمان سے بھی بالاتر تھی۔

یہ تیسری چیز خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں حاصل ہوئی اور خدا کا یہ وعدہ انہیں تینوں کے ہاتھ پر پورا ہوا۔

۶۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو اَثَابَهُمْ کے تحت میں بیان فرما کر اس امر کو ظاہر فرما دیا۔ کہ یہ انعام

اس بیعت کا معاوضہ ہے۔ جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں ہیں ان کا کوئی حصہ اس انعام میں نہیں ہے چنانچہ خیبر کی غنیمتوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اہل حدیبیہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا کسی اور کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ تیسری نعمت کو اگرچہ کسی جماعت کے لیے مخصوص نہیں کیا۔ مگر اس کو اہل حدیبیہ کے ہاتھ پر پورا کرنا ہزاروں خصوصیتوں سے بڑھ کر ہے۔

۷۔ فرمایا کہ اب کوئی جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں فتح یاب نہ ہو گی۔ بلکہ جو تمہارے مقابلہ میں آئے گا پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اصحاب حدیبیہ کے مقابلہ میں کبھی کسی کافر کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ایران و روم جیسی زبردست سلطنتوں سے جب ان کا مقابلہ ہوا۔ اس وقت خدا کی قدرت سب کو نظر آگئی۔ اور یہ دونوں سلطنتیں دم کے دم میں زیر و زبر ہو گئیں۔

۸۔ ان انعامات کے وعدوں کے بعد فرمایا۔ کہ یہ ہمارا قدیم قانون ہے اور ہمارے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی یہ اشارہ ہے اس قانون خداوندی کی طرف جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین صادقین کے فتح و نصرت کے متعلق ہے جس کا بیان دوسری آیتوں میں بہت وضاحت کے ساتھ ہے قولہ تعالیٰ:۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ

وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ

(ترجمہ) ہمارا وعدہ اپنے رسولوں سے پہلے ہو چکا ہے۔ کہ انہیں کو فتح ملے گی۔ اور بالتحقیق یہ ہمارا لشکر غالب ہو کر رہے گا۔

۹۔ بیعت حدیبیہ کی عزت افزائی کی انتہا یہ ہے۔ کہ دوسری بیعتوں سے ممتاز کرنے کے لیے اس درخت کا بھی ذکر فرمایا جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی۔

۹۔ فتح مکہ اور فتح خیبر کو ایمان والوں کے لیے نشانی فرمایا۔ یعنی یہ دونوں فتوحات آئندہ فتوحات کی دلیل ہیں۔ یہ دونوں فتوحات یقین دلاتی ہیں کہ آئندہ فتوحات بھی اسی طرح پوری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو فارس و روم کی فتوحات کا وعدہ ہے۔ اور ان کی علامت و نشانی کے طور پر یہ فتوحات عطا ہوئی ہیں اس سے فاتحان فارس و روم کی شان اظہر من الشمس ہو رہی ہے۔

ف۔ اس آیت سے اصحاب حدیبیہ کا مومن بلکہ کامل الایمان اور پسندیدۂ خدا ہونا اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی قسم کی تاویل اور چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ اور یہ بات بھی بلاشک و شبہہ،

باتفاق فریقین ثابت ہے۔ کہ تینوں خلفاء اس بیعت میں شریک تھے اور جن لوگوں نے ان کا انتخاب خلافت کے لیے کیا۔ اور ان کو اپنا امام مانا وہ بھی اس بیعت میں شریک تھے

اس آیت کی رو سے وہ سب پسندیدۂ خدا اور مومن مخلص ہوتے سو جو ایسا ہو اس کی خلافت یقیناً خلافت راشدہ ہے۔ ایسے لوگوں کی خلافت کو ظلم وجور کی خلافت کہنا کلام الٰہی کی تکذیب کرنا ہے

مخالفین بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ کوئی تاویل اس آیت کی نہیں ہو سکتی۔ اور اصحاب حدیبیہ کے فضائل کا انکار بغیر اس آیت کی تکذیب کیے ہوئے ممکن نہیں۔ لہذا انہوں نے اپنے اسی آخری کید سے یہاں بھی کام لیا ہے۔ جس کو انہوں نے ہدایت قرآنی سے سرتابی کے لیے بڑے اہتمام سے تصنیف فرمایا ہے۔ یعنی کہتے ہیں کہ یہاں تحریف ہو گئی ہے۔ خدا نے اپنی رضامندی اس شرط کے ساتھ بیان کی تھی۔ کہ مرتے دم تک اسی بیعت پر قائم رہیں مگر وہ لوگ قائم نہ رہے۔ لہذا رضامندی بھی جاتی رہی۔ لیکن صحابہ نے شرط کے مضمون کو اس آیت سے نکال کر کہیں اور لگا دیا اور اس آیت کو بغیر شرط کے کر دیا۔ جس سے کلام کا مفہوم بدل گیا۔ [1]

ہمارے نادان دوست تحریف قرآن کا عذر کر کے سمجھتے ہوں گے۔ کہ اس آیت رضوان سے ان کی گلو خلاصی ہو گئی اور اس آیت سے جو فضائل اصحاب حدیبیہ کے ثابت ہوتے تھے۔ ان کا جواب ہو گیا۔ مگر خدا کی قدرت کہ اس جواب سے بھی اُن کو رہائی نہیں مل سکتی۔

اولاً اس لیے کہ اگر اس آیت کے ساتھ کوئی شرط پوری نہیں ہوئی تو ضرور خدا کو پہلے ہی سے اس شرط کے پورے نہ ہونے کا علم ہوتا۔ کیوں کہ خدا کو تمام آیندہ ہونے والی چیزوں کا علم ہے۔ پس اس صورت میں نعوذ اللہ فریب دہی کا الزام خدا پر قائم ہوتا ہے۔ ایک ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط کر کے اپنی رضامندی کا اعلان کر دینا فریب نہیں تو اور کیا ہے۔ اسے وہ عقیدہ بدا کہیں تو یہ اُن کی اپنی بات ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ آیت میں سب صیغے ماضی کے ہیں رَضِیَ اَنْزَلَ اَثَابَ یعنی خدا ان سے راضی ہو گیا۔ پھر ان پر سکینہ اتارا۔ پھر بدلے میں ان کو فتح قریب وغیرہ دی۔ حالانکہ اگر کسی شرط کے ساتھ یہ چیزیں مشروط ہوتیں تو بجائے ماضی کے مستقبل کے صیغے ہونے چاہئیں تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کے ساتھ کوئی شرط ہرگز نہ تھی۔

---

[1] تکملۂ تفسیر قمی ص ۳۲۶ ترجمہ مقبول ص ۸۱۵۔

ثالثاً۔ اس لیے کہ اگر کوئی شرط اس آیت میں ہوتی۔ تو وہ رضامندی اور نزول سکینہ اور فتح قریب وغیرہ سب کے ساتھ لگتی۔ اور بغیر اس شرط کے جس طرح رضامندی ان کو حاصل نہ ہوتی۔ اسی طرح نزول سکینہ اور فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بھی ان کو نہ ملتیں۔ حالانکہ فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں باتفاق فریقین قطعاً ان کو ملیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہرگز کوئی شرط اس آیت کے ساتھ نہ تھی۔ اور بالفرض اگر تھی۔ تو وہ پوری ہوتی ہے۔

رابعاً۔ اس لیے کہ اگر خدا کی رضامندی کسی آئندہ کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی تو پھر عَلِمَ مَا فِی قُلُوْبِهِمْ بالکل لغو ہو جاتا ہے۔ معاذاللہ کیونکہ اس جملہ کا مقصود تو یہ ہے کہ خدا اپنی رضامندی کی وجہ ظاہر فرما رہا ہے۔ کہ چونکہ ہم دلوں کی حالت سے واقف ہیں۔ اس لیے اُن سے راضی ہونے۔ حالانکہ صورت مذکورہ میں رضامندی کا وجود ہی نہیں ہوا۔ المختصر آیت کے الفاظ اور اُس کا مضمون اور اس کی پیش گوئی کا ظہور بتا رہا ہے کہ ہرگز اس آیت میں کوئی شرط نہ تھی۔ اور اگر تھی تو وہ پوری ہوگئی۔ اور خدا نے جس طرح فتح قریب مغانم کثیرہ وغیرہ کا وعدہ اُن سے پورا کیا۔ اسی طرح قطعاً و یقیناً خدا کی رضامندی بھی ان کو حاصل ہوئی۔ اور سکینہ بھی اُن پر نازل ہوا۔

بعض نادان لوگ گھبرا کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے تو اُن مومنوں سے جو اس بیعت میں شریک تھے۔ اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے۔ نہ منافقین سے۔ لہٰذا جو منافقین اس بیعت میں تھے۔ ان سے خدا کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مولوی فرمان علی شیعی نے اسی جواب کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ اپنے ترجمہ قرآن میں اسی آیت رضوان کے حاشیہ پر لکھتا ہے:-

اس سے یہ شبہ نہ ہو۔ کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا ہمیشہ کے لیے راضی ہوگیا۔ اور یہ لوگ جنتی بن گئے۔ کیونکہ اوّل تو خدا نے تمام بیعت کرنے والوں سے خوشنودی کا اظہار کیا نہیں بلکہ صرف مومنین سے۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ وہ تو اس وقت خوش ہوا جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی اب رہی آئندہ کی حالت۔ تو جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ تو خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہوا۔ کہ خدا اپنے ایمان داروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہوا۔ ص۸۱۶

مولوی فرمان علی نے یہ تو مان لیا۔ کہ خدا کی رضامندی ضرور اس آیت سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ دو باتیں لکھتا ہے:-

اوّل:- یہ کہ خدا کی رضامندی ہمیشہ کے لیے نہ تھی۔ بلکہ وقتی تھی۔ بعد میں جب انہوں نے خلاف شرع

کام لیے ۔ تو رضامندی جاتی رہی ۔

دوم :۔ یہ کہ خدا نے سب بیعت کرنے والوں سے رضامندی ظاہر نہیں کی ۔ بلکہ صرف مومنین سے ۔

جواب :۔ پہلی بات کا ہم اوپر دے چکے ہیں ۔ اجی حضرت خدا عالم الغیب ہے جس سے آئندہ خدا کی خلاف مرضی حرکات صادر ہونے والی ہیں ۔ خدا کو پہلے ہی اس کا علم ہے لہٰذا خداوند تعالیٰ اس شخص کی کسی اچھی سے اچھی بات سے ہرگز خوش نہیں ہو سکتا اور اپنی خوشی کا اعلان دے کر لوگوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا اہل سنت کا اعتقاد تو یہی ہے ۔ مگر شیعہ جو خدا کے لیے عقیدہ بدا کے قائل ہیں ۔ ان کے مذہب کی بنا پر یہ بات ممکن ہے ۔ کہ ایک وقت خدا ان سے راضی ہو گیا ۔ اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی کر دیا ۔ مگر بعد میں جب ان لوگوں نے بڑے کام کیے ۔ تو خدا کو بدا ہوا ۔ اور خدا کی رائے بدل گئی ۔ اور وہ ناراض ہو گیا ۔ استغفر اللہ

رہی دوسری بات اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ جس طرح آیت میں خدا نے ایمان والوں سے اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے ۔ اسی طرح فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو بدلہ میں ایمان والوں ہی کا قرار دیا ہے ۔ لہٰذا جس طرح خدا کی رضامندی ایمان والوں کے ساتھ مخصوص رہی ۔ اسی طرح خیبر کا مال غنیمت بھی ان کے لیے مخصوص ہونا چاہیے ۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بیعت کرنے والوں کو غنیمت خیبر میں حصہ دیا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب مومن تھے ۔ اور سب کو خدا کی رضامندی حاصل ہوئی اور یقیناً سب جنتی ہو گئے ۔ اگر کہا جائے کہ غنیمت خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ خوف کے منافقوں کا حصہ لگایا ۔ اگر ایسا نہ کرتے تو منافق لڑ بیٹھتے ۔ تو جواب اس کا یہ ہے ۔ کہ اگر اسی طرح رسول کو خوف کی وجہ سے احکام خداوندی کا خلاف کرنے والا قرار دیا جائے تو دین بازیچۂ طفلاں بن جائے گا ۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح حدیبیہ میں آنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت خیبر سے حصہ نہ دیا ۔ اور کوئی فتنہ نہ برپا ہوا ۔ اسی طرح حسن تدبیر سے ان منافقوں کو بھی علیحدہ کر سکتے تھے ۔ اور کوئی فتنہ نہ ہوتا ۔

بہرحال ان دوستوں کے بنائے کوئی بات نہیں بنتی ۔ اور آیت برملا ندا دے رہی ہے ۔ کہ جن لوگوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی ۔ ان سب سے خدا راضی ہو گیا ۔ سب پر سکینہ اترا اور سب قطعی جنتی ہیں ۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ان کا منکر کیسے مومن رہ سکتا ہے ۔

اسی آیت رضوان کی اور خدا کی رضامندی کی تفسیر ہیں وہ احادیث جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیبیہ کی نسبت ان کے خیر اور جنتی ہونے کی خبر دی آپ نے فرمایا :

اَنْتُمُ الیَوْمَ خَیْرُ اَھْلِ الارضِ ۔

(ترجمہ) یعنی آج تم تمام روئے زمین کے بہترین لوگ ہو۔ نیز فرمایا :۔

لَنْ یلج النّار اَحَدٌ مِمَّن بایع تحت الشجرہ [1]

(ترجمہ) یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ ان میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائیگا

یہ دونوں حدیثیں وہی خاص مضمون بیان کر رہی ہیں جو آیت میں ہے۔ جس سے خدا راضی ہے۔ اس کے بہتر ہونے میں کیا شک اور اس کے دوزخی نہ ہونے میں کیا تردد ——— آیت کی تفسیر ہو چکی۔

صلح حدیبیہ کی برکت سے حضرت خالد بن الولید اور حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر جیسے نامور صحابہ صف اسلام میں آئے یہاں حضورؐ کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانباز تھے دو برس بعد فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر جرار تھا اس صلح سے مسلمانوں کے لیے بے شمار ظاہری اور باطنی فتوحات کا دروازہ کھل گیا تھا:

اس فتح مبین کا پہلا نقش کون تھا کس نے مکہ جا کر حضورؐ کی نیابت کی سفارت رسول سے کون شرف ہوا اور دست نبوت نے کس کے دست بیعت کی تصدیق کی ——— یہ سب عظمتیں سیدنا حضرت عثمان غنی کا نصیب ہیں اصحاب بدر کے بعد افضل ترین لوگ اہل حدیبیہ ہیں [2] اور یہ سب کے سب قطعی طور پر عادل تھے مومن کو اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہیے۔

اعلم ان عدالۃ الصحابۃ الداخلین فی بیعۃ الرضوان و البدریین کلھم مقطوع العدالۃ لایلیق لمومن ان یتماریٰ فیھا [3]۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

---

[1] لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرہ جامع ترمذی ۲ صہ ۲۰۵ لکھنو۔ وروی مسلم لا یدخل النار ان شاء اللہ من اصحاب الشجرۃ احد من الذین بایعوا تحتھا۔ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۰۳

[2] دیکھئے مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صہ ۵۱۰ طبع قدیم [3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت جلد ۲ صہ ۱۵۶۔

حضرت عثمان غنی احادیث کی روشنی میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

علامہ خالد محمود

صحابہ وہ مومنین کرام ہیں جن کا باطن حلقۂ رسالت میں ایک کھلی کتاب تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی خداوندی سے ان کے باطن پر مطلع کر دیئے جاتے اور جب آپ کسی صحابی کے بارے میں کوئی آخرت کی بات کہتے تو وہ یوں سمجھئے کہ یہ آسمان سے اتری حقیقت ہے جسے ہفت اقلیم جھٹلا نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں جھانک چکا اور اس کے رسول خاتم نے اس کا تزکیہ کرکے اسے پوری امت کے لیے ایک روشن ستارہ بنا دیا ہے جو تیز چمکے یا مدہم اس سے روشنی ہی ملے گی ستارے کا اندھیرے سے کبھی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔

سیدنا حضرت عثمان غنی وہ خوش قسمت شخصیت ہیں جن کے انجام کی خود حضورؐ نے خبر دی اب واقعات حالات اور اختلافات کے ہر موڑ پر ان ارشادات رسالت کو اولیت حاصل ہو گی اور واقعات کی تفصیل و توجیہ میں وہی پہلو اختیار کرنا پڑے گا جو ایک وفادار رسالت کے ہاں تصدیق رسالت کا تقاضا ہو سکتا ہے کسی مسلمان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ خبر رسول مقبول کے بعد غلط تاریخ کی تاریکی میں گھسے۔

مبشر بالجنۃ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کے پاس اکابر صحابہ باری باری آئے پھر ایک شخص نے دستک دی اور آنے کی اجازت مانگی حضورؐ نے مجھے فرمایا کہ اس کے لیے دروازہ کھولو اور اسے جنت کی بشارت دے دو میں نے دیکھا کہ وہ عثمان ہیں اور میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی جو حضورؐ نے کہی تھی حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں۔

ثم استفتح رجل فقال لی افتح لہ وبشرہ بالجنۃ علی بلوی تصیبہ فاذا عثمان فاخبرتہ بما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

(ترجمہ) پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے فرمایا اسے آنے دو اور جنت کی بشارت دو جو اسے ایک بلوہ کے ساتھ ملے گی وہ آنے والے حضرت عثمان تھے میں نے آپ کو جو کچھ حضور نے فرمایا تھا بتلا دیا اس کی خبر دے دی آپ نے اس پر کہا

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صد ۲۷۷۔

اللھم صبرا و اللہ المستعان ۔ (اے اللہ صبر عطا فرما اور وہی ذات ہے جس سے مدد مانگی جائے)

مبشر بالشہادۃ ۔

آپ مقام شہادت پائیں گے اسکی حضورؐ نے صریح لفظوں میں خبر دی حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر تھے آپ کے ساتھ اس وقت حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے پہاڑ میں حرکت ہوئی کچھ زلزلہ محسوس ہوا آپ نے پہاڑ کو مخاطب کر کے فرمایا اے احد سکون میں آجا اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں آپ نے فرمایا

اُثبتُ اُحُدُ فانما علیکَ نبیٌ وصدیقٌ وشہیدان

آپ کا مقام تو شہداء کا ہے لیکن آپ کا جنت میں مقام آنحضرت کے ساتھ ہوگا جیسا کہ حضورؐ فرما چکے ہیں

رفیق مصطفٰے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا جنت میں ایک خاص ساتھی ہوگا میرے ساتھی جنت میں عثمان ہوں گے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ جسطرح پہلے دو خلفاء (شیخین کریمین) گنبد خضرا میں آپ کے رفیق ہیں مکین روضہ ہیں اور دنیا نے آنکھوں دیکھا کہ یہ حضرات مدینہ منورہ میں حضورؐ کی رفاقت پا گئے اگر تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کو وہاں جگہ نہ ملے تو لوگ ان کے حق میں کسی کمی کا تصور نہ کریں جسکی رفاقت کا یہاں مشاہدہ نہیں حضورؐ نے ان کی وہاں کی رفاقت کی خبر دے دی حدیث میں یہ خبر موجود ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل نبی رفیق فی الجنۃ و رفیقی فی الجنۃ عثمان بن عفانؓ ۔ رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضورؐ نے فرمایا ہر نبی کا جنت میں ایک خاص رفیق ہوگا اور میرے رفیق وہاں عثمان ہوں گے

مغبوط ملکہ

اللہ کے فرشتے قرب الٰہی سے مالا مال ہیں معصیت ان کے قریب نہیں پھٹکتی انسان کو خلعت خلافت ملا تو فرشتے غبطہ (رشک) کرنے لگے ۔

اب انسانوں میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس سے فرشتے اپنے آپ کو پیچھے جانیں تو وہ یقیناً اس لائق ہو گا کہ زمین پر خلافت کبریٰ پائے احادیث میں اگر کوئی ایسی شخصیت ملتی ہے جس سے فرشتے حیا کرتے ہوں تو

وہ حضرت عثمان ہیں ایمان کے سامنے مقتضیات ایک طرف اور حیاء ایک طرف ۔ آپ کے اس شرف حیاء سے آپ کے کامل الایمان ہونے کی بھی کھلی خبر ملتی ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں حضور نے حضرت عثمان کے بارے میں فرمایا۔

الا استحی من رجل تستحی منہ الملئکۃ لہ

(ترجمہ) کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

وصی رسول

وصی رسول اسے کہتے ہیں جسے حضورؐ نے شخصاً کسی خاص وصیت سے نوازا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو ایک وصیت کی آپ نے اس کی وفا میں اپنی جان دی اور اس حکم سے سرمو تجاوز نہ کیا حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں حضور نے فرمایا

یا عثمان ان ولاک اللہ ھذا الامر یوماً فارادک المنافقون ان تخلع قمیصک الذی قمصک اللہ فلا تخلعہ یقول ذلک ثلث مرات لہ

(ترجمہ) اے عثمان اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی دن یہ حکومت عطا فرمائے اور منافقین چاہیں کہ تو یہ قمیص اتار دے جو اللہ نے تجھے پہنائی تو تم ہرگز اسے نہ اتارنا آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی

۱۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ حضرت عثمان کو جو چھ رکنی کمیٹی نے خلیفہ چنا تھا یہ تکوین الٰہی تھی جو ان حضرات کے ہاتھوں پوری ہوئی آپ کو خلیفہ حقیقت میں اللہ ہی نے بنایا اور اسی نے آپ کو یہ قمیص پہنائی تھی سو آپ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کے تحت خلافت موعود کا ایک فرد ہیں تکوینًا ان کو خلافت خدا نے دی گو شرعیًا اس کا فیصلہ شوریٰ کے تحت ہوتا رہا۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام میں لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خلیفہ کو (بدوں کسی کھلے کفر کے) خلافت سے اتار سکیں۔ لوگوں کو اسے منتخب کرنے کا حق ہے لیکن اسے اتارنے کا حق نہیں خلیفہ بننے کے بعد اختیارات میں وہ خدا اور اس کے رسول کا نائب ہے عوام کے ماتحت نہیں جمہوریت اور شورائیت میں یہی فرق ہے جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں اور اسلامی شوریٰ میں طاقت اور اختیار کا مرکز اللہ اور اس کے رسول خاتم ہیں

لہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۷ لہ رواہ ابن ماجہ والترمذی

امیرالمومنین احکام ان سے لیتا ہے عوام سے نہیں حضرت عثمان رضؓ اگر ان چند باغیوں کے مطالبہ پر خلافت سے دستبردار ہو جاتے تو یہ خلافت نہ ہوتی جمہوریت بن جاتی آپ نے جان دینی تو پسند کی مگر جمہوریت کو سجدہ نہ کیا۔ یہ امتثال امر رسول تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت عثمان خلیفہ برحق تھے اور آپ کے مخالفین منافق تھے۔ سوء اسلام کی کوئی خدمت نہیں کہ ان منافقوں کے حق میں دلائل جمع کرنے کے لیے حضرت عثمان رضؓ کی سیاسی پالیسیوں کی کمزوریاں نکالی جائیں ان پر تنقید کی جائے اور اس پر تاریخی مواد کا سہارا لیا جائے تاریخی روایات غلط ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان باغیوں کے منافق ہونے کی سند جو حضور رسالت مآبؐ نے بیان فرمائی اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

معیار حق

اس امت میں جب فتنے اٹھیں اور مسلمان اپنی خلفشار میں کھو جائیں تو اس وقت حق ادھر ہو گا جدھر حضرت عثمان ہوں گے سو دور فتن میں حضرت عثمان حق کا نشان ہیں اور آپ کی ذات گرامی ہے جس سے حق و باطل کے فاصلے ناپے جا سکتے ہیں حضرت کعب بن عجرہ کہتے ہیں:۔

ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفتن فقربھا فمر رجل مقنع رأسہ فقال رسول اللہؐ ھذا یومئذ علی الھدیٰ فوثبت فاخذت بضبعی عثمان ثم استقبلت رسول اللہؐ فقلت ھذا قال ھذا۔ [1]

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے فتنوں کا ذکر کیا اور انہیں بہت قریب بتلایا اتنے میں ایک شخص پاس سے گزرا جس کا سر ڈھپا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس دن ہدایت پر ہو گا میں اپنی جگہ سے اچھلا اور میں نے حضرت عثمان کے بازو پکڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گیا میں نے کہا کیا یہ (نشان ہدایت) ہو گا فرمایا ہاں یہی ہے۔

آپ سے پہلے مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ تھا آپ کے اپنے دور خلافت میں بھی جو تقریباً بارہ سال تک رہا سب مسلمان ایک حکومت میں تھے نہ کوئی مذہبی فرقہ تھا اور نہ کوئی سیاسی گروہ ـــــ آپ کی خلافت کے آخر میں یہود کی سازش سے سبائی فتنہ اٹھا عمال حکومت پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور مسلمانوں میں اختلافات کا آغاز کر دیا گیا۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ والترمذی

حضورؐ کے بڑے داماد اور چھوٹے داماد کے باہمی تعلقات

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

علامہ خالد محمود صاحب

نرینہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں داماد بیٹوں کے درجے میں ہوتے ہیں اور اپنے سسرال کو وہ بیٹوں کے نہ ہونے کا غم نہیں دیتے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہلے شرف دامادی پا چکے تھے پھر آپ کو اپنی چوتھی بیٹی حضرت فاطمہ کے لیے مناسب رشتہ کی ضرورت ہوئی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نظر میں حضرت علی سے بہتر کوئی صالح نوجوان اس رشتہ کے لائق نہ تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کو حضرت فاطمہ کی خواستگاری کے لیے آمادہ کیا لیکن حضرت علی کی مالی پوزیشن اتنی کمزور تھی کہ مہر تک کی رقم ادا نہ کر سکتے تھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہونے والے ہم زلف کے لیے پیش قدمی کی اور حضرت علیؓ جب ادائیگی مہر کے لیے اپنی زرہ بیچنے نکلے تو آپ نے زرہ چار سو درہم کے عوض خرید کر پھر یہ زرہ بھی حضرت علی کو ہبہ کر دی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے پہلے ہی چار سو درہم حضرت علی کو ہدیہ کیوں نہ دے دیئے پہلے زرہ خریدی اور پھر یہ رقم آپ کو ہدیہ کی اس کی وجہ یہ تھی آپ چاہتے تھے کہ مہر فاطمی حضرت علی کے مال سے ادا ہو حضرت علی نے جب زرہ بیچی تو وہ مال جو آپ کو ملا حضرت علی کا اپنا تھا کسی کا احسان نہ تھا اور آپ نے اب جو زرہ ہدیہ کی وہ حضرت علی پر احسان تھا حضرت سیدہ کی عظمت قائم رکھتے ہوئے آپ نے یہ طریق اختیار کیا حضورؐ کے بڑے داماد کی چھوٹے داماد سے یہ پہلی مروت تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

فبعتہا من عثمان بن عفان باربعمائة وثمانین درہما [1]

(ترجمہ) پھر میں نے درع (زرہ) حضرت عثمان کے پاس چار سو اسی درہم میں بیچی۔

حضرت عثمان رضؓ نے یہ زرہ پھر حضرت علیؓ کو ہدیہ دے دی آپ ان دراہم اور زرہ کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئے اور حضرت عثمان کی اس مروت کی آپ کو خبر دی حضورؐ نے اس پر حضرت عثمان رضؓ کو بہت دعائیں دیں علی بن عیسیٰ اربلی حضرت علی سے روایت کرتا ہے۔

---

[1] زرقانی علی المواہب جلد ۲ صہ ۳ اس کے آخر میں ہے فدعا لعثمان بدعوات۔

قال (عثمان) فان الدرع هدية منی الیک۔ فاخذت الدرھم والدرع واقبلت الیٰ رسول اللہ فطرحت الدرع والدراھم بین یدیہ واخبرتہ بما کان من امر عثمان فدعا لہ بخیر[۱]

(ترجمہ) عثمان نے کہا یہ زرہ میری طرف سے ہدیہ لیجئے سو میں نے دراہم اور زرہ۔ دونوں چیزیں لیں اور حضورؐ کے پاس آیا اور دونوں چیزیں آپ کے سامنے ڈال دیں اور آپ کو بتایا جو حضرت عثمان نے کیا تھا آپ نے حضرت عثمان کے لیے خیر کی دعائیں دیں۔

حضرت عثمان کی حضرت علی سے ایک اور نیکی

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں۔

جاء علی رضی اللہ عنہ الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ ناقۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماھذہ الناقۃ؛ قال حملنی علیھا عثمان[۲]

(ترجمہ) حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ایک اونٹنی آپ کے پاس تھی آپ نے پوچھا یہ اونٹنی کہاں سے آئی ہے حضرت علیؓ نے کہا مجھے یہ سواری حضرت عثمان نے دی ہے۔

حضرت علی کی یاد اچھے موقعوں پر

عام زندگی میں جہاں آرام کا کوئی گوشہ میسر ہو یا کوئی مجلس لطف و لذت ہو حضورؐ کے بڑے داماد چھوٹے داماد کو ضرور یاد کرتے رہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے ان دونوں دامادوں میں کسطرح محبت و الفت کی فضا قائم تھی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں حارث آپکی طرف سے طائف کا والی تھا اس نے ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو کھانے پر دعوت دی اس دعوت میں چکور اور کچھ اور شکار کردہ پرندے تھے اور دعوت پر تکلیف تھی آپ کو یہ پر تکلف دسترخوان دیکھ کر حضرت علی یاد آگئے اور آپ نے انہیں بلانے کے لیے آدمی بھیجا حضرت علی اس وقت حالت احرام میں تھے شکار کا گوشت نہ کھا سکتے تھے آپ نے معذرت فرمائی اور فرمایا جو لوگ احرام میں نہیں انہیں یہ کھلا دیں سنن ابی داؤد میں ہے :۔

---

[۱] کشف الغمہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۵ ۔ [۲] بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۴۰

فبعث الى علیؓ فجاءه الرسول وهو یخبط الاباعر له فجاء وهو ینفض الخبط عن یده فقالوا له کل فقال اطعموه قوما حلالا فانا حُرُم [1]

(ترجمہ) آپ نے حضرت علی کی طرف ایک شخص کو بھیجا وہ آپ کے پاس آیا کیا دیکھتا ہے کہ آپ اپنے اونٹوں کے لیے پتے جھاڑ رہے ہیں آپ آئے اور آپ اپنے ہاتھ سے پتے اتار رہے تھے آپ کو کہا کھائیں آپ نے فرمایا سے شکار کے گوشت کو ان لوگوں کو کھلائیں جو حالت احرام میں نہیں ہم تو احرام میں ہیں۔

حضرت علیؓ گو اس دعوت میں شریک نہ ہوسکے تاہم اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے ساتھ کس انس و محبت سے چلتے تھے۔

حضرت علی کے لیے علیحدہ تحفے

حضرت عثمان کی طرف سے کوفہ کے والی سعید بن ابی العاص تھے آپ ایک دفعہ مدینہ تشریف لائے اور عمائد مہاجرین و انصار کے لیے کچھ عطیات اور کپڑے لائے حضرت علیؓ کیلئے علیحدہ تحفے تھے محدثین اس باب میں حضرت علی کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں حضور کے اس چھوٹے داماد کا کس درجہ امتیازی احترام کیا جاتا تھا اور آپ کے عہد میں کسطرح آپ کے امتیازی تذکرے ہوتے تھے ابن سعد لکھتا ہے۔

قدم سعید بن العاص المدینة وافدا علی عثمان فبعث الی وجوه المهاجرین والانصار بصلات وکسیٰ وبعث الی علی بن ابی طالب ایضا فقبل ما بعث الیه [2]

(ترجمہ) سعید بن عاص حضرت عثمانؓ کے پاس مدینہ آئے تو آپ نے اکابر مہاجرین اور انصار کو عطیات اور کپڑے بھجوائے اور حضرت علی کی طرف بھی بھیجے اور آپ نے انہیں قبول فرمایا۔

اگر ان دونوں حضرات کے دلوں میں کوئی بعد یا بوجھ ہوتا یا حضرت علی کے دل میں جتنا کہ میری خلافت انہوں نے غصباً سنبھالی ہوئی ہے تو وہ کیا آپ کے عہد خلافت کے ان تحائف کو قبول فرماتے کیا حضرت علی کی عزت انہیں ان کی قبولیت کی اجازت دیتی؟

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صہ ۲۵۶ ۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ ۲۱۔

حضرت علی سے امتیازی برتاؤ

اسلام کے مشہور جرنیل عبداللہ بن عامرؓ سے کون واقف نہیں ایک دفعہ آپ اپنی مہمات سے فاتح ہوکر مدینہ آئے یہ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ کا دور خلافت تھا عبداللہ بن عامر نے تقریبًا سب اہل مدینہ کو تین ہزار درہم بھجوائے اور حضرت علی رضؓ کو بھی یہی رقم بھیجی حضرت عثمان کو معلوم ہوا تو آپ عبداللہ بن عامر پر ناراض ہوئے اور فرمایا علی رضؓ کے ساتھ یہ سلوک؟ آپ سے خصوصی رعایت کا معاملہ تو پہلے سے چلا آرہا ہے انہوں نے پھر آپ کو بیس ہزار درہم اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے لوازمات دیئے آپ نے انہیں قبول فرمایا۔ اور عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمان کی خدمت میں معذرت کی اور کہا:۔

کرهت ان اغرق ولم ادر ما رایك قال فاغرق قال فبعث اليه بعشرين الف درهم وما يتبعها له

(ترجمہ) میں نے علی کو زیادہ دینا ناپسند سمجھا تھا اور آپ کی رائے اس سلسلہ میں مجھے معلوم نہ تھی آپ نے فرمایا علی کو مزید دینا ہے سو آپ نے حضرت علی کی طرف بیس ہزار درہم اور ان کے کچھ اور لوازم بھجوائے۔

رشتہ داروں سے زیادہ مروّت کا الزام

بعض لوگوں نے حضرت عثمان کے خلاف یہ شکایت بنا رکھی ہے کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو زیادہ دیتے تھے اور وہ یہ ذکر نہیں کرتے کہ حضرت علی رضؓ بھی ہم زلف ہونے کے ناطے آپ سے زیادہ حصہ لیتے رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ کی رائے میں امیر المومنین کو ایسا کرنے کا حق ہے کہ وہ ہر کسی کی ضرورتوں پر نظر رکھتے ہوئے اسے کم و بیش دے۔ یہ خلاف عدل نہیں گو خلاف مساوات ہے نائب رسول کی لوگوں کی ضروریات اور ان کے حالات پر نظر ہوتی ہے۔ اور ان کا اس سے مقصد ضرورتمندوں کو ان کی حاجات پہنچانا ہے۔ نہ کہ اپنی ذات کو عوام پر فائق کرنا۔ حضرت عمر رضؓ نے دو چادروں کی قمیص بنوانے پر اس لیے صفائی دی تھی کہ یہ انکی اپنی ذات کا مسئلہ تھا اور وہ نہ چاہتے تھے کہ امیر المومنین

لہ۔ طبقات۔ ابن سعد جلد ۵ صہ۳۳۔

کا حق عام افراد امت سے کچھ بھی زیادہ ہو۔

ان واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی کا معاملہ حضرت علی کے ساتھ کس قسم کا ہوتا تھا اور یہ صرف حضرت علی رضی سے ہی نہیں آپ کو حضرت علی رضی کی اولاد سے بھی وہ محبت اور پیار تھا جو کسی چچا کو اپنے ہونہار بھتیجوں سے ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن کثیر ایک بحث میں لکھتے ہیں۔

کان عثمان بن عفان یکرم الحسن والحسین ویحبھما [1]

(ترجمہ) حضرت عثمان حسن اور حسین کے ساتھ اکرام واعزاز کا معاملہ کرتے تھے اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

یہ اکرام محض بھتیجوں کی جہت سے نہ تھا اس اونچی نسبت کے سبب تھا جو ان بھتیجوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی ورنہ چھوٹے تو بڑوں کا اکرام کرتے ہیں بڑے چھوٹوں کا نہیں۔ وہ ان سے شفقت اور مروت کا معاملہ کرتے ہیں۔ پر حضرت عثمان ان کا اکرام کرتے تھے۔

حضرت علی اور ان کے خاندان کی ہی بات نہیں آپ نے اپنے عہد سعادت مہد میں ہاشمیوں کو ذمہ دارانہ مناصب وعطایا دیئے۔ کیوں کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاندانی نسبت تھی۔ اور ان سے محبت حضور سے تعلق کا ہی ایک پہلو ہوتا ہے۔

(۱) حضرت عبدالمطلب کے پڑپوتے مغیرہ بن نوفل حضرت عثمان کے عہد میں مجسٹریٹ لگے ہوئے تھے [2] دیکھئے ایک اموی خلیفہ نے ہاشمی کو کس اعزاز میں جگہ دے رکھی ہے یہی نہیں بلکہ آپ کے ایک دوسرے پڑپوتے عبداللہ بن حارث بھی مکہ کے والی تھے [3] پھر ربیعہ بن حارث کے بیٹے عباس بن ربیعہ نے جب آپ سے گذارش کی عبداللہ بن عامر کو کہیں کہ مجھے ایک لاکھ درہم حکومت کی طرف سے قرض دے اور رہائش کے لیے مجھے مکان فراہم کرے تو آپ نے یہاں بھی اس ہاشمی نسبت کا بہت اکرام فرمایا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۸ صہ ۲۵ [2] دیکھئے اصابہ مع الاستیعاب ترجمہ مغیرہ بن نوفل، جلد ۳ صہ ۳۲۲ ۴ اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۲۰۸۔ [3]۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ ۱۵ تہذیب التہذیب جلد ۵ صہ ۱۸۱۔

فقال العباس بن ربیعة لعثمان اکتب الی ابن عامر یسلفنی مائة الف فکتب
فاعطاه مائة الف وصله بها واقطعه داره دار العباس بن ربیعة الیوم [1]

(ترجمہ) عباس بن ربیعہ نے آپ سے گذارش کی عبداللہ بن عامر کو حکم دیں کہ وہ مجھے ایک لاکھ درہم قرض دے دے تو آپ نے یہ عبداللہ بن عامر کو لکھ بھیجا لکھ بھیجا سو یہ انہوں نے یہ رقم آپ کو دے دی اور ان کو رہنے کے لیے زمین کا ایک قطعہ دیا جو آج دار عباس بن ربیعہ کے نام سے معروف ہے۔

آپ کے دل میں اکابر بنی ہاشم کا اتنا احترام تھا کہ آپ اگر کہیں سوار ہو کر جا رہے ہوتے اور رستے میں حضرت عباس رضؓ مل جاتے تو آپ ان کے اکرام میں سواری سے اتر جاتے اور پیدل ہو جاتے۔ آپ نے یہ طریقِ اکرام سیدنا حضرت عمر رضؓ سے لیا تھا۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعثمان بن عفان کانا
اذا مرا بالعباس وهما راکبان ترجلا اکراماً له [2]

(ترجمہ) حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب کبھی حضرت عباس کے پاس سے گذرتے اور وہ سواری پر سوار ہوتے تو انہیں دیکھتے ہی دونوں پیدل ہو جاتے یہ ان کے اکرام کے طور پر ہوتا تھا۔

اس سے یہ بات مزید کھلتی ہے کہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں ہاشمی نسبت کس اکرام ومحبت اور اعزاز ومودت سے دیکھی جاتی تھی نماز میں امامت کوئی معمولی اعزاز نہیں حضرت عثمان رضؓ کے دور میں حضرت علی رضؓ مسجد میں تراویح پڑھاتے پہلی بیس راتوں میں آپ تراویح پڑھاتے اور پچھلی دس راتوں میں ابو حلیمہ معاذ جو بڑے قاری تھے امامت کرتے تھے۔ حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) روایت کرتے ہیں:۔

عن الحسن امنا علی بن ابی طالب فی زمن عثمان عشرین لیلة
... ثم امّهم ابو حلیمه معاذ القاری۔ [3]

---

[1] تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۳۸ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۲ تہذیب جلد ۵ ص ۱۲۳ [3] قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی ص ۱۵۵۔

(ترجمہ) حضرت علی حضرت عثمان کے دور میں بیس رات تراویح پڑھاتے پھر رک جاتے لوگوں نے بتایا کہ باقی راتوں میں وہ علیحدہ یکسوئی سے عبادت کرتے اور ان دس راتوں میں قوم کی امامت ابوحلیمہ معاذ قاری کراتے اور دعائے قنوت بھی پڑھتے یعنی وتر کی نماز بھی پڑھاتے۔

کیا یہ معاملات یکطرفہ ٹریفک تھے

حضرت عثمان رض کی طرف سے بنو ہاشم کا یہ اعزاز و اکرام اور حضرت علی رض کے صاحبزادوں سے یہ انس و یگانگت معاملات کی یکطرفہ ٹریفک نہ تھی ہاشمی صاحب بھی جہاں موقعہ بن پڑتا سیدنا حضرت عثمان رض کے حق میں دل و جان سے عقیدت کے پھول نچھاور کرتے تھے۔

حضرت علی رض حضرت عثمان رض کی شان میں

حضرت علی رض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کسطرح رطب اللسان رہتے اس کے لیے پہلے اس آیت کو پیش نظر رکھئے

ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولٰئک عنھا مبعدون ۰ لا یسمعون حسیسھا وھم فی ما اشتھت انفسھم خالدون ۰ لایحزنھم الفزع الاکبر وتتلقھم الملٰئکۃ پ۱۷ الانبیاء ع ۸

(ترجمہ) بیشک جن کے لیے پہلے سے ہماری طرف سے نیکی ٹھہر چکی وہ اس سے (آگ سے) دور کیے جا چکے ہیں وہ اس کی (آگ کی) آہٹ تک نہ سن سکیں گے اور وہ اپنے منزل میں ہمیشہ کی زندگی پائیں گے ۰ انہیں اس بڑی گھبراہٹ کا غم تک نہ ہوگا اور ان کو فرشتے۔

محمد بن حاطب حضرت علی کے ساتھ بصرہ آئے حضرت علی رض نے حضرت عثمان کا ذکر فرمایا آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اور اس سے وہ زمین کریدتے جاتے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے جب کہا اُولئک عنھا مبعدون۔ وہ لوگ آگ سے دور کیے جا چکے ہیں) تو فرمایا یہ حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کا درجہ ہے۔

اولئک عنھا مبعدون اولئک عثمان واصحاب عثمان [1]

---

[1] انساب الاشراف للبلاذری جلد ۵ صہ ۱۰

چنانچہ آپ اس مقام کے لیے خود بھی حضرت عثمان کے نقش قدم پر چلے خود فرماتے ہیں۔

لعمر اللہ علی اثر الذی اتی بہ عثمان لقد سبقت لہ فی اللہ سوابق

لا یعذبہ بعدھا ابداً [1]

ترجمہ: بخدا میں اسی نقش قدم پر ہوں جو حضرت عثمان نے اختیار کیا تھا آپ اللہ کی راہ میں وہ سبقتیں لے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی بھی بات پر اب نہ پکڑیں گے۔

آپ (حضرت علی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قرآن خوانی کے بھی اتنے معتقد تھے کہ چھپ چھپ کر ان کی قرأت سنتے اور اپنے ایمان کی لذت دوبالا کرتے حضرت سعد سے روایت ہے:

اقبلت مع علی بن ابی طالب من ینبع قال فصام علی وکان علی راکبا وافطرت لانی کنت ماشیاً حتی قدمنا المدینۃ لیلۃ فمررنا بدار عثمان بن عفان فاذا ھو یقرأ قال فوقف علی یستمع قرأتہ ثم قال علی لقد یقرأ وھو فی سورۃ النحل [2]

ترجمہ: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ینبع سے مدینہ آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سواری تھی اس لیے آپ نے روزہ رکھ لیا میرے پاس سواری نہ تھی میں نے بوجہ سفر روزہ نہ رکھا جب ہم مدینہ آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزرے کیا دیکھتے ہیں کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور بڑے غور سے آپ کا قرآن پڑھنا سنتے رہے آپ نے کہا آپ سورہ نحل سے پڑھ رہے ہیں۔

روایت میں یہ نہیں کہ یسمع قرأتہ بلکہ فرمایا یستمع قرأتہ۔ استماع میں پورا دھیان لگا کر سنتا ہے اور اس کی شان اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب پڑھنے والا اپنی دھن میں پڑھ رہا ہو اور سننے والا پوری عقیدت سے سرشار ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضرت عثمان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا:

ذاک امرء یدعی فی الملاء الاعلیٰ ذاالنورین [3]

---

[1] انساب الاشراف للبلاذری جلد ۵ صفحہ ۱۰ صفحہ ۹ نیز دیکھئے کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۷۳ صفحہ ۳۷۹ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صفحہ ۵۰ [3] الاصابہ ۲ صفحہ ۴۵۵ مع الاستیعاب۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۷۳

(ترجمہ) یہ وہ شخص ہے جسے ملاء اعلیٰ (اوپر کے جہان) میں ذوالنورین کے نام سے بلایا جاتا ہے آپ نے یہاں تک فرمایا :۔

من تبرأ من دین عثمانؓ فقد تبرأ من الایمان [1]

(ترجمہ) جو شخص حضرت عثمان کے دین سے لاتعلق ہو جائے وہ ایمان سے ہی لاتعلق ہو جائے گا

یہ حضرت عثمانؓ کی دینداری دیانت اور اللہ تعالیٰ سے صدق معاملہ کی ایک نہایت قوی شہادت ہے

مومنین کی شان میں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کامل مومنین کی شان یہ بیان کی ہے۔

الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت . . . ثم اتقوا و اٰمنوا وعملوا الصلحٰت ثم اتقوا و اٰمنوا ثم اتقوا و احسنوا واللہ یحب المحسنین پ المائدہ ع ۱۲ آیت ۹۳

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے . . . جب وہ آئندہ ڈرتے رہے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر وہ تقویٰ میں رہے اور انہوں نے یقین کیا پھر وہ ڈرتے رہے اور انہوں نے نیکی کی، اللہ ایسے نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

لوگوں نے حضرت علی سے حضرت عثمان کے بارے میں پوچھا تھا آپ نے یہ آیت پڑھ دی اور فرمایا حضرت عثمان ان لوگوں میں سے تھے فرمایا :۔

اخبرھو ان قولی فی عثمان احسن القول کان من الذین اٰمنوا و عملوا الصلحت . . . . الخ [2]

(ترجمہ) ان کو بتلا دو کہ میرا قول حضرت عثمانؓ کے بارے میں بہترین قول ہے وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے پھر وہ ڈرتے رہتے ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے رہے . . . . الآیہ (اور پھر ساری آیت پڑھ دی)

اور یہ بھی فرمایا :۔

---

[1] ۔ الاستیعاب جلد ۳ صہ ۷۶ مع الاصابہ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد صہ المستدرک جلد ۳ صہ ۴ ۱۰ کنز العمال جلد ۶ صہ ۳۰۹۔

كان عثمان رضى الله خيرنا واوصلنا للرحم واشدنا حياءً واحسننا

طهوراً واتقانا للرب عز وجل [1]

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب میں بہتر تھے سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے اور آپ ہم میں سب سے زیادہ حیادار تھے پاکیزگی میں سب سے زیادہ تھے۔ اور اللہ رب العزت سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

حضرت حسن حضرت عثمان کی شان میں

حضرت علی کے جانشین بلافصل حضرت حسن تھے اب اس شہزادہ صلح وصفا کی زبان سے حضرت عثمان کی مدح سنیے آپ اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں اور یہ واقعہ حضرت عثمان کی خلافت کا نہیں کہ انکی مدح وثنا کسی غرض سے ہو یہ حضرت علیؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے اور آپ جب اپنا یہ خواب بیان کر رہے تھے حضرت علیؓ پاس ہی بیٹھے تھے آپ کہتے ہیں:۔

رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم واضعا يده على العرش و رايت

ابا بكر واضعاً يدهٗ على النبيؐ ورايت عمر واضعًا يدهٗ على ابى بكرؓ

ورايت عثمان واضعًا يدهٗ على عمر ورايت دماءً دونهم فقلت ما

هٰذه الدماء فقيل دماء عثمان يطلب الله به [2]

(ترجمہ) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ عرش پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور میں نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا آپ کا ہاتھ حضورؐ کے کندھے پر تھا اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر پر ہاتھ رکھے دیکھا اور حضرت عثمان کو حضرت عمرؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھے دیکھا اور میں نے دیکھا ان کے ورے خون ہی خون بہہ رہے ہیں میں نے پوچھا یہ خون کی لہریں کیا ہیں؟ مجھے جواب دیا گیا یہ خون عثمان کی لہریں ہیں اللہ تعالی اس کے خون کا بدلہ لے رہے ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۱۹۴۔ [2] ازالۃ الخفاء جلد ۱ صہ ۱۰۰ فارسی صہ اردو مجمع الزوائد جلد ۹ صہ ۹۶ البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۱۹۵۔

ایک روایت میں ہے ۔

ثم جاء عثمان وکان بیدہ راسہ فقال رب سل عبادک فیم قتلونی قال فانبعث من السماء میزابان من دم فی الارض قال فقیل لعلی بن ابی طالب الاتری مایحدث بہ الحسن قال یحدث بما رای [1]

(ترجمہ) پھر حضرت عثمان آئے اور آپ کا سر آپکے ہاتھ میں تھا آپ نے کہا اے میرے رب اپنے بندوں سے پوچھ مجھے انہوں نے کس لیے قتل کیا پھر آسمان سے دو نالے اُٹھے خون کے زمین پر حضرت علیؓ سے کہا گیا حسن یہ کیا کہہ رہے ہیں فرمایا وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو انہوں نے دیکھا ہے ۔

حضرت حسن کی ایک اور روایت

حضرت حسن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا

ان ابا بکر منی بمنزلہ السمع وان عمر منی بمنزلہ البصر وان عثمان منی بمنزلہ الفواد [2]

(ترجمہ) ابوبکر میرے لیے کان کے درجے میں ہیں عمر میری آنکھ ہیں اور عثمان میرا دل ہیں ۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق آپ کا اعتماد تھے حضرت عمر آپ کی بصیرت تھے اور حضرت عثمان رضؓ سے تعلق جذبات کے درجہ میں تھا جن کا مورد دل ہوتا ہے سو آپ حضورؐ کے اخلاق کا پیکر تھے

حضرت حسین بھی خلافت عثمانی میں ساتھ رہے ۔

عبداللہ بن ابی سرح ۲۶ ہجری میں مصر کے والی ہوئے اور آپ نے حضرت عثمان رضؓ کے حکم سے افریقی ممالک پر چڑھائی کی آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اس میں مدینہ منورہ سے کئی لشکر تیار کیے ان میں کون کون حضرات تھے اس کی تحقیق کیجئے ملا یہ بات یقینی ہے کہ ان میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے اگر عثمانی خلافت حق نہ ہوتی تو یہ حضرات اس کے لیے جان کی بازی کیوں لگاتے ۔

---

[1] ۔ ازالۃ الخفاء جلد ۱ صہ ۱۰۷ فارسی ــ اُردو مجمع الزوائد جلد ۹ صہ ۹۶ البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۱۹۵ ۔ [2] معانی الاخبار للشیخ الصدوق صہ ۱۱۰ ۔

ابن خلدون لکھتا ہے ۔

فجهز العساكر من المدينة وفيهم جماعة من الصحابة منهم ابن عباس وابن عمرو ابن عمرو بن العاص وابن جعفر والحسن والحسين وابن الزبير وساروا مع عبدالله بن ابی سرح سنة ست وعشرين [1]

ترجمہ آپ نے بہت سے لشکر مدینہ سے روانہ کیے ان میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت شامل تھی ان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی حضرت عبداللہ بن عمر رض، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن جعفر، حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر یہ سب حضرات شامل تھے یہ عبداللہ بن ابی سرح کے ساتھ ۲۶ھ میں نکلے تھے۔

پھر ۳۰ ہجری میں جو لشکر اسلامی کوفہ سے خراسان اور طبرستان کی مہم پر روانہ ہوا اور اس کے قائد سعید بن العاص اموی تھے ان لشکروں میں بھی حضرت حسن اور حضرت حسین شامل تھے تاریخ ابن جریر طبری میں ہے:

غزا سعيد بن العاص من الكوفة سنة ۳۰ھ يريد خراسان ومعه حذيفة بن اليمان وناس من اصحاب رسول الله ومعه الحسن والحسين وعبدالله بن العباس وعبدالله بن عمر وعبدالله بن عمرو بن العاص وعبدالله بن الزبير [2]

ترجمہ، حضرت سعید ۳۰ ہجری میں کوفہ سے خراسان وغیرہ کی طرف روانہ ہوتے آپ کے ساتھ حضرت حذیفہ اور کئی دوسرے اصحاب رسول بھی شریک تھے حضرت حسن، حضرت حسین حضرت ابن عباس عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو العاص اور حضرت عبداللہ بن زبیر بھی تھے

حضرت زین العابدین کی شہادت

---

[1] ۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صہ ۱۰۰۳ ۔ [2] طبری جلد ۵ صہ ۵۷۔

حضرت علیؓ اور حضرات حسنین کی رائے گرامی اور انکی روایات آپ کے سامنے ہیں اب آپ کے پوتے حضرت زین العابدین کی شہادت لیجیے آپ کے پاس عراق (کوفہ) کے کچھ لوگ آئے جو حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان کے بارے میں کچھ ایسی ویسی باتیں کر رہے تھے حضرت زین العابدین نے ان سے پوچھا کیا تم مہاجرین میں سے ہو جو گھروں سے بے گھر کیے گئے صرف اس لیے کہ وہ اللہ کی رضا ڈھونڈتے تھے؛ انہوں نے کہا نہیں. آپ نے پوچھا تو کیا تم انصار میں سے ہو جنہوں نے مہاجرین کو جگہ دی انہوں نے کہا ہم وہ نہیں. اس پر آپ نے کہا:۔

اما انتم قد تبرأتم ان تکونوا من احد ھٰذین الفریقین وانا اشھد انکم لستم من الذین قال اللہ فیھم' والذین جاوٗ و امن بعد ھم یقولون . . . . الایۃ اخرجوا عنی فعل اللہ بکم[1]

(ترجمہ) اور تم نے خود ہی ان دو فریقوں (مہاجرین اور انصار) میں سے ہونے کا انکار کر دیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اس تیسرے فریق میں سے بھی نہیں جو ان کے بعد آئے اللہ نے ان کے بارے میں کہا ہے' وہ کہتے ہیں اے اللہ ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لے کر جا چکے اور ان کے بارے میں ہمارے دلوں پر بوجھ نہ لانا'
- - - تم میرے پاس سے نکل جاؤ۔ اللہ تم سے نبٹے۔

اس روایت سے حضرت زین العابدین کی رائے حضرت عثمان کے بارے میں بآسانی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ بیشک اپنے پیشروں کے قدم پر تھے اور ان کی شان میں بدگوئی ایسی ہے جیسی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حق میں ـــــ اب جو لوگ حضرت عمرؓ کی تو مدح کریں اور حضرت عثمان پر تنقید کریں حضرت زین العابدین ان سے یقینا بیزار ہیں آپ انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دیتے تھے۔

امام باقر حضرت عثمان کے حق میں

سیدنا حضرت محمد باقر روایت کرتے ہیں حضرت عثمان اپنی انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے یہ اسی طرح کی روایت ہے جیسے حضرت جعفر صادق نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اپنی تلوار کر

---

[1] کشف الغمہ ۲ صہ ۳۶۰ حلیۃ الاولیاء جلد ۳ صہ ۱۳۷۔

چاندی سے مزین رکھتے تھے[1] سلف سے یہ روایات ان حضرات نے اپنے استدلال میں نقل کی ہیں حضرت محمد باقر فرماتے ہیں۔

ان عثمان تختم فی الیسار[2] حضرت عثمان نے انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنی ہے۔

فقہی مسائل میں ان اکابر سے دلیل لانا بتلاتا ہے کہ اولاد علی میں ان حضرات کی یاد کس انداز کی تھی اور یہ حضرات کسطرح دینی مسائل میں حضرت عثمان کے عمل سے استدلال کرتے تھے۔

امام جعفر صادق حضرت عثمان رض کے حق میں۔

ینادی منادمن السماء اول النهار الا ان علیاً صلوٰات الله علیه وشیعته هم الفائزون وینادی مناد آخر النهار الا ان عثمان وشیعته هم الفائزون[2]

(ترجمہ) آسمان سے پہلے پہر اعلان ہوگا کہ علی اور انکی جماعت کامیاب ہیں اور پچھلے پہر آسمان سے آواز آئے گی۔ بیشک عثمان اور انکی جماعت وہی کامیاب ہیں۔

هم الفائزون میں خبر بوجہ معرفہ ہونے کے مبتدا میں منحصر ہے یہ حصر بتلاتا ہے کہ حضرت جعفر صادق کے عقیدہ میں حضرت علی اور حضرت عثمان کی جماعت ایک ہی ہے اور صرف وہی کامیاب اور فائز المرام ہیں اور حق یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان کے عقیدہ موقف اور عمل میں اصولاً کوئی اختلاف نہ تھا۔ نہ حضرت عثمان رض نے محمد بن ابی بکر کے کہنے پر خلافت چھوڑی نہ حضرت علی رض نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص کے کہنے پر ——— اور دونوں رضا الٰہی پاگئے۔

حضرت جعفر صادق صرف اپنی طرف سے حضرت عثمان کے معتقد نہ تھے وہ حضور سے حضرت عثمان کی منقبت نقل کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کے وقت حضور نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دایاں ہاتھ قرار دیا اور اپنے بائیں ہاتھ سے حضرت عثمان کی بیعت لی ملا محمد بن یعقوب الکلینی روایت کرتا ہے:۔

بایع رسول الله صلی الله علیه واله المسلمین وضرب باحدی یدیه علی الاخری لعثمان وقال المسلمون طوبیٰ لعثمان[3]

---

[1] کشف الغمہ جلد صہ [2] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۴۰ [3] فروع کافی جلد ۳ صہ ۱۴۶ طبع قدیم لکھنؤ۔

[2] فروع کافی جلد ۳ صہ ۱۵۱ لکھنؤ طبع قدیم جلد صہ طبع جدید ایرانی حیات القلوب جلد ۲ صہ ۳۸۹۔ باب ۳۸۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان کی بیعت لی مسلمان پکار اُٹھے کتنی بڑی سعادت ہے حضرت عثمان کی۔

یہ سعادت عظمیٰ کیا ہے اولاً یہ کہ حضورؐ کے بایں ہاتھ نے حضرت عثمان کے دائیں ہاتھ کی نمائندگی کی اس میں یہ راز بتلانا تھا کہ جسطرح حضورؐ کا ہاتھ خیانت نہیں کر سکتا حضرت عثمان رض کا دایاں ہاتھ ہر اندیشہ خیانت سے بالکل پاک اور بالا ہے کوئی شبہ نہ کرے کہ حضرت عثمان اب اس بیعت سے پیچھے ہٹ سکتے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بیعت کی جب وہ یداللہ پا گئے یداللہ فوق ایدیھم تو جس نے حضورؐ کے بایں ہاتھ کے توسط سے حضورؐ کی بیعت کی اس کا ہاتھ کسطرح خدا کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔

حضرت عثمان کو یہ سعادت عظمیٰ کیسے ملی کہ حضورؐ نے انکے دایں ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور پھر اسے اپنے ہاتھ میں لیا (اپنے دایں ہاتھ میں جگہ دی) یہ اس لیے کہ حضرت عثمان اپنے دایں ہاتھ کو اپنی بیعت اسلام سے ہی اسقدر مبارک سمجھتے تھے کہ آپ نے اسے پھر کبھی اپنی شرمگاہ پر نہ لگایا خود فرماتے ہیں۔

ولا مَسِستُ ذکری بیمینی منذ بایعت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

(ترجمہ) اور میں نے جب سے حضورؐ کی بیعت کی ہے اپنے دایں ہاتھ سے (جو حضورؐ کے ہاتھ میں دیا تھا) اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

پھر طبری الشان میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ وہ مسلمان سمجھ رہے تھے کہ حضرت عثمان جب مکہ میں ہیں تو آپ نے طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ کی دولت بھی پا لی ہوگی ادھر یہ سعادت ادھر وہ دولت ——— اور وہ یہ نہ سوچ سکے کہ حضرت عثمان رض کس طرح حضورؐ کے بغیر اس دولت طواف اور سعی کی طرف لپک سکتے تھے۔

مے بھی ہے مینا بھی ساغر بھی ہے ساقی نہیں
جی میں آتا ہے اٹھا دیں آج مے خانے کو ہم

۴ حضرت عثمان رض حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے افراد میں کس درجہ معزز اور بزرگ

---

[1] سنن ابن ماجہ ۔ ص ۲۷ ۔

سمجھے جاتے تھے اس کے لیے ہم حضرت جعفر صادق تک اکتفا کرتے ہیں حضرت موسیٰ کاظم حضرت رضا حضرت جواد حضرت نقی الہ الحسن الثالث اور حضرت حسن عسکری کی روایات نہیں لاتے کیونکہ اثنا عشری بھی تو نعرہ جعفری سے آگے نہیں بڑھتے جب وہ آگے چلیں گے تو ہم حضرت عثمان رضؓ کے حق میں ان حضرات کی شہادتیں بھی پیش کر دیں گے اور حق یہ ہے کہ اس دور اختلاف میں حق کا نشان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں ھذا یومئذ علی الھدیٰ [1] انہی کی شان میں وارد ہے۔

اب بنو ہاشم کی دوسری شاخ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے خاندان سے بھی شہادت لیجئے ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں رائے پوچھی اس میں دوسرے سامعین کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ حضرت عثمان کے حق میں ہم بنو امیہ ہی رطب اللسان نہیں بنو ہاشم بھی آپکے بارے میں ایسی ہی رائے رکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے فرمایا:

رحم اللہ ابا عمرو وکان واللہ اکرم الحفدہ وافضل البررۃ ھجاداً بالاسحار کثیر الدموع عند ذکر النار۔ نھاضاً عند کل مکرمۃ سباقاً الیٰ کل منحۃ۔ حییاً۔ ابیاً۔ وفیاً۔ صاحب جیش العسرۃ۔ ختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فاعقب اللہ علی من یلعنہ لعنۃ اللاعنین الیٰ یوم الدین [2]

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ ابو عمرو عثمان پر رحمت فرمائے آپ بہت عزت یافتہ داماد اور افضل الابرار تھے سحر میں تہجد گزار تھے جہنم کے ذکر پر ان کے آنسو جاری ہو جاتے عزت کے کاموں پر اٹھ کھڑے ہوتے اور بخشش کرنے پر لپک کر (سبقت کر کے) جاتے بہت حیادار تھے برائی سے انکار کرنے والے اور اچھائی سے وفا کرنے والے تھے تنگی کے وقت لشکر کے امدادی تھے اور آپ حضورؐ کے داماد تھے جو شخص آپکی برائی کرے اللہ تعالیٰ تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت اس پر قیامت تک مسلط رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ کے بارے میں یہ رائے اور بصیرت کہاں سے ملی اور

---

[1] جامع ترمذی سنن ابن ماجہ صہ ۱۱ [2] تاریخ مسعودی جلد ۲ صہ ۶ مصر ناسخ التواریخ از محمد تقی کتاب ۲ جلد ۵ صہ ۱۴۴

کن دلائل وشواہد سے انہوں نے یہ رائے قائم کی اس کے لیے صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ انکا علم بیشتر حضرت علی رضؓ سے ماخوذ تھا پس ان کی یہ رائے حضرت علی رضؓ کی رائے کی ہی صدائے بازگشت ہو گی آپ فرماتے ہیں:

علی علّمنی وکان علمه من رسول الله ورسول الله علمه من الله من فوق عرشه فعلم النبیؐ من الله وعلم علی من النبیؐ وعلمی من علم علی [1]۔

(ترجمہ) مجھے علم علی سے ملا ہے ان کا علم حضورؐ سے ماخوذ تھا اور حضورؐ کا علم اللہ سے عرش کے درے سے آیا ہے۔ سو حضورؐ نے علم اللہ سے پایا حضرت علیؓ نے حضور سے پایا اور میرا علم حضرت علی کے علم میں سے ہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں سخت قحط واقع ہوا استے میں حضرت عثمان کے ملازمین شام سے ایک بڑی مقدار میں غلہ لے آئے سو سواریاں گندم سے لدی تھیں۔ مدینہ کے لوگ حضرت عثمان کے دروازے پر آ جمع ہوئے وہاں منڈیوں کے تاجر بھی پہنچے ہوئے تھے اور وہ یہ غلہ خریدنا چاہتے تھے۔

ان تاجروں نے حضرت عثمان رضؓ سے کہا ہم سے دس کی بجائے بارہ لے لیجیے کیا اتنا نفع کافی ہے؟ حضرت عثمان رضؓ نے کہا مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے انہوں نے کہا دس کی خرید چودہ میں دے دیجیے آپ نے کہا اس سے بھی زیادہ مجھے مل رہا ہے۔ انہوں نے پندرہ کی پیشکش کر دی آپ نے فرمایا مجھے اس سے بھی زیادہ ملتا ہے وہ حیران ہوئے اور پوچھا اس سے زیادہ نفع آپ کو کون دے رہا ہے؟ آپ نے انہیں کہا:

زادنی الله عزوجل بکل درهم عشرة أعندکم زیادة (قالوا اللهم لا۔ قال) فانی اشهد الله انی قد جعلت هذا الطعام صدقة علی فقراء المسلمین [2]

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ مجھے ایک درہم کے بدلے دس درہم دے رہے ہیں کیا تم اس سے زیادہ

---

[1] کشف الغمہ جلد ا صہ ۵۰ [2] کتاب التمہید لمحمد بن یحیی الاندلسی ۱۴۱، صہ ۲۴۲ طبع بیروت ازالۃ الخفا جلد صہ ۲۲۴ فارسی طبع قدیم

دے سکتے ہو (انہوں نے کہا نہیں اس پر آپ نے کہا) میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے یہ سارا اناج فقراء مسلمین پر صدقہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں:۔

فرایت من لیلتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی فی المنام وھو علی برذون ابلق علیہ حلۃ من نور وھو مستعجل فقلت یا رسول اللہ فقد شوقی الیک والی کلامک فاین تبادر؟ فقال یا ابن عباس ان عثمان بن عفان قد تصدق بصدقۃ و ان اللہ عزوجل قد قبلھا منہ [1]

(ترجمہ) میں نے اسی رات حضور کو خواب میں دیکھا آپ ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار ہیں اور آپ کے اوپر ایک حلہ نور ہے اور آپ جلدی میں ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے آپ کو دیکھنے اور سننے کی بہت طلب تھی آپ کہاں جلدی جلدی جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابن عباس حضرت عثمان نے مال صدقہ کیا ہے اور بیشک اللہ عزوجل نے اس مال کو قبول فرما لیا ہے۔

یہ ہاشمی حضرات ہیں جو حضرت عثمان رض کی شان میں رطب اللسان ہیں اور نہ صرف اپنی رائے ان کے حق میں دے رہے ہیں بلکہ حضور سرکار رسالت کی بشارتیں بھی بیان کر رہے ہیں اور یہ وہ دور ہے جب حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ وقت تھے اور حضرت عثمان رض آپ کی بیعت کر چکے تھے۔

حضرت عباس کی نماز جنازہ حضرت عثمان رض نے پڑھائی

حضور کے بعد ہاشمی خاندان کے بزرگ ترین فرد سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب تھے آنحضرت ان کی بہت تعظیم کرتے اور انہیں والد کے درجہ میں سمجھتے تھے [2] حضرت علی بھی ان کی بہت تعظیم کرتے اور حضرت عثمان تو انہیں دیکھتے ہی پا پیادہ ہو جاتے جب یہ فوت ہوئے تو ان کا جنازہ کس نے پڑھایا! اس پر غور کریں اور ان حالات کی تصویر اپنے سامنے رکھیں جو ہاشمیوں اور اس اموی خلیفہ

---

[1] کتاب التمہید صہ ۲۴۳ الریاض النضرہ ۲ صہ ۱۴۳ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۱۶۱۔

کے باہمی تعلقات ومودت کا نقشہ پیش کرتی ہے

حضرت عباسؓ ۳۲ ہجری میں ۸۸ سال کی عمر میں حضرت عثمان کی شہادت سے دو سال پہلے فوت ہوئے حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ ھ) لکھتے ہیں:۔

صلی علیہ عثمان رضی اللہ عنہ ودفن بالبقیع وھو ابن ثمان وثمانین سنۃ [۱]

(ترجمہ) آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان نے پڑھائی اور آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا آپ کی عمر ۸۸ سال کی تھی۔

اولاد علیؓ اور اولاد عثمانؓ

حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کی نماز جنازہ ۸۱ ھ میں حضرت عثمان کے صاحبزادے ابان بن عثمان نے پڑھائی [۲] حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر طیار جو غزوہ موتہ میں حضورؐ کے دور میں شہید ہوئے تھے ان کے بیٹے عبداللہ بن جعفر (۸۰ ھ) کو ہاشمیوں میں کیا منزلت حاصل تھی یہ کسی سے مخفی نہیں ان کی نماز جنازہ بھی ابان بن عثمان نے پڑھائی [۳] یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ ان حضرات میں کوئی باہمی عداوت نہ تھی سب آپس میں خوشگوار تعلقات رکھتے تھے عداوت کی کہانی عرصہ بعد یہودیوں نے گھڑی اور نادان دوست یہود کے اسی ریلے میں بہہ گئے۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

اولاد علی اور اولاد عثمان کا یہ گہرا رابطہ صرف ایسے مواقع پر ہی نہ تھا انکے باہمی نکاح آپ پہلے دیکھ آئے ہیں حضرت علی کی پوتی سیدہ سکینہ بنت حسین حضرت عثمان کے پوتے زید بن عمرو کی بیوی تھیں حضرت علی کی دوسری پوتی فاطمہ بنت حسین حضرت عثمان کے دوسرے پوتے عبداللہ بن عمرو کے نکاح میں تھیں حضرت علی کی پڑپوتی ام القاسم بنت حسن حضرت عثمان کے پوتے مروان بن ابان کے نکاح میں تھیں ابان بن عثمان کے نکاح میں حضرت علی کے بھائی جعفر طیار کی پوتی ام کلثوم تھیں حضرت علی کے خاندان اور حضرت عثمان کے خاندان کے یہ رابطے اس خوشگوار فضا کا پتہ دیتے ہیں

---

[۱] الاستیعاب مع الاصابہ جلد ۳ صہ ۱۰۰ [۲] طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ ۸۶ [۳] الاستیعاب جلد ۲ صہ ۲۶۰

جو ان دونوں بنو ہاشم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین قائم تھی۔

حضرت علی کی حضرت عثمان سے بیعت

حضورؐ کے ان دونوں دامادوں میں کوئی ذہنی یا قلبی کھچاؤ نہ تھا نہ ان میں کوئی خاندانی چشمک تھی حضرت علی حضرت عثمان کو ہمیشہ اپنا بڑا سمجھتے رہے اور حضرت عثمان بھی ہمیشہ ان سے شفقت کا برتاؤ کرتے رہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لیے جو چھ رکنی کمیٹی قائم کی یہ دونوں حضرات اس کے ممبر تھے۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی ان چھ میں سے تھے حضرت طلحہ حضرت عثمان رضؓ کے حق میں اور حضرت زبیر حضرت علی رضؓ کے حق میں اور حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حق میں دستبردار ہو گئے تو پھر حضرت عبدالرحمن نے کہا میں خلافت کا امیدوار نہیں ہوں اب معاملہ میرے سپرد کر دیجیے کہ حضرت عثمان اور حضرت علیؓ میں سے کسی کے حق میں فیصلہ دوں حضرت عبدالرحمن نے اس میں پھر اور کئی صحابہ سے بھی مشورہ لیا امہات المومنین سے بھی رائے لی اور حضرت عثمان رضؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا اور سب سے پہلے آپ کی بیعت کی

حضرت عبدالرحمن نے بیعت سے پہلے دونوں حضرات سے میثاق لیا تھا کہ میں تم میں سے افضل ترین کو چنوں گا اور میں جو فیصلہ کروں تم دونوں کو ماننا ہوگا آپ نے کہا:۔

افتجعلونه الی والله علی ان لا الو عن افضلکم قالا نعم فاخذ بید احدھما فقال لک قرابة من رسول اللهؐ والقدم فی الاسلام ما قد علمت فالله علیک لئن امرتک لتعدلن ولئن امرت عثمان لتسمعن ولتطیعن ثم خلا بالآخر فقال له مثل ذلک فلما اخذ المیثاق قال ارفع یدک یا عثمان فبایعه فبایع له علی وَو لج اهل الدار فبایعوہ له[1]

(ترجمہ) کیا تم یہ معاملہ میرے سپرد کرتے ہو؟ خدا اسے دیکھے گا کہ میں تم میں سے بہترین کے انتخاب میں کوئی کمی نہ کرونگا۔ پھر دونوں نے آپ کو اسکا اختیار دے آپ نے ایک کا ہاتھ پکڑ کر (اور وہ علی تھے) عہد لیا اور آپ سے کہا آپ کو حضورؐ سے جو

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۵۲۵ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۸ صہ ۱۵۱۔

قرابت ہے (حضورؐ سے شرف دامادی حاصل ہے) اور آپ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں یہ آپ کو معلوم ہے اگر میں آپ کو امیر بنا دوں تو آپ عدل کا نظام قائم کریں گے اور اگر میں عثمان کو امیر بنا دوں تو آپ ان کی بات مانیں گے اور انکی اطاعت کرینگے۔ پھر آپ نے دوسرے (حضرت عثمان) سے بھی علیحدگی میں یہی بات کہی (کہ آپ کو حضورؐ سے شرف دامادی حاصل ہے اور آپ[1] بھی پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں اگر میں آپ کو امیر بنا دوں تو آپ عدل کا نظام قائم کریں گے اور اگر میں علی کو امیر بنا دوں تو آپ ان کی اطاعت کرینگے) آپ نے دونوں سے یہ عہد لے لیا توحضرت عثمان سے کہا ہاتھ بڑھائیں اور پھر آپ کی بیعت کر لی پھر حضرت علی رضؓ نے آپ کی بیعت کی اور گھر میں سب جمع لوگ اچھل پڑے اور سب نے آپ کی بیعت کی۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ پہلے حضرت عبدالرحمن نے بیعت کی پھر حضرت علی رضؓ نے کی لیکن ایک دوسری روایت میں حضرت علی کو سب سے پہلے بیعت کرنے والا بتلایا گیا ہے یعنی کہا ہے

ان ہایت علیاً بایع عثمان اول الناس ثم تتابع الناس فبایعوا[2]

حافظ ابن کثیر بھی لکھتے ہیں :

بایعہ علی اولاً ویقال آخراً[3]

پہلے حضرت علی نے آپ کی بیعت کی اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے بعد میں کی۔

یہ دوسرا قول جو عبدالرزاق کی روایت[4] میں مروی ہے صیغہ تمریض یقال سے نقل کیا گیا ہے حضرت علی کی یہ اولیت بیعت عامہ کے مقابلہ میں ہے ورنہ اس میں کلام نہیں کہ حضرت عبدالرحمن نے سب سے پہلے بیعت کی تھی[5]۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت تاریخ اسلام کا مضبوط ترین میثاق ہے اس بیعت میں جو احتیاط انتظار علیحدہ علیحدہ مشورے عورتوں تک سے رائے لینا اور پھر تین دن تک سوچ و بچار اور پھر فیصلہ اور اعیان صحابہ کا بروقت بلاکسی اختلاف اور تردد کے اس بیعت میں داخل

---

[1] آپ پانچویں نمبر پر اسلام لائے تھے اور بنی عبد مناف سے ہونے میں آپ کو حضورؐ کی نسبی قرابت بھی حاصل تھی۔

[2] طبقات جلد ۳ صہ ۴۳۔ [3] البدایہ والنہایہ جلد، صہ ۱۴۷۔ [4] المصنف جلد ۵ صہ ۴۷۸۔ [5] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۴۲۔

ہونا اس کی نظیر پوری تاریخ میں نہیں ملتی حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ میں اچانک عمل میں آیا اور پھر مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی حضرت علیؓ کا انتخاب بھی اچانک عمل میں آیا اور آپ بیعت لینے سے ہاتھ کھینچتے رہے سو یہ بات بلا خوف و تردد کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب خلافت میں جو حزم و احتیاط اور فکر و انتظار عمل میں لائی گئی یہ واقعی تاریخ اسلام کا مضبوط ترین میثاق تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:۔

لم يتفق الناس على بيعة كما اتفقوا على بيعة عثمان ولاه المسلمون بعد تشاورهم ثلثة ايام هم مؤتلفون متفقون متحابون متوادون معتصمون بحبل الله جميعا [1]

(ترجمہ) لوگ اس طرح قاطبۃً کسی بیعت پر متفق نہیں ہوئے جس طرح بیعت عثمان پر جمع ہوئے مسلمانوں نے تین دن کے سوچ و بچار سے آپ کو خلافت کے لیے چنا اور اس حال میں آپ کا انتخاب عمل میں آیا کہ سب آپس میں الفت سے تھے متفق تھے باہمی محبت و مودت رکھتے تھے اور سب اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔

حضرت علی کا اس اجماعی کیفیت پر تبصرہ

ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (۴۶۰ھ) سیدنا حضرت علی سے نقل کرتے ہیں:۔

لما قتل عمر جعلني سادس ستة فدخلت حيث ادخلني وكرهت ان افرق جماعة المسلمين واشق عصاهم فبايعتم عثمان فبايعته [2]

(ترجمہ) جب حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ نے مجھے چھ رکنی کمیٹی میں شامل کیا آپ نے جہاں مجھے داخل کیا میں داخل ہو گیا اور میں نے اسے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں کے اس اجماع میں تفرقہ ڈالوں اور انکی قوت میں تفریق پیدا کروں سو جب تم نے

---

[1] بحوالہ منہاج السنۃ جلد ۳ صہ ۲۳۳۔ [2] کتاب الامالی جلد ۲ صہ ۱۲۱۔

حضرت عثمان کو چن لیا تو میں نے بھی آپ کی بیعت کرلی۔

حضرت علی کے سامنے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے اس قومی ترین اجماع کو نہ توڑا جائے اور مسلمانوں کی مجموعی قوت دو ٹکڑے نہ ہو۔ خدمت اسلام کے اسی جذبہ سے آپ حضرت عثمان کی بیعت میں داخل ہوئے اور آخر تک حضرت عثمان رضؓ کے وفادار رہے اور حق یہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت پر یہ ایک ایسا اجماع ہے جس کی نظیر اول و آخر میں نہیں ملتی

حضرت علی حضرت عثمان رضؓ کی شوریٰ میں

حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ہوتے تو اجرائے احکام کی علمی ضرورتوں اور عملی صورتوں میں حضرت علی ان کے ساتھ برابر شریک رہے آپ نے ان سے وفا کا جو عہد باندھا تھا وہ پورا کیا اور حضرت عثمان بھی کوئی فیصلہ نہ فرماتے جب تک اس چھ رکنی کمیٹی کی اکثریت آپ کے ساتھ نہ ہوتی امام بیہقی روایت کرتے ہیں :۔

کان عثمان رضی اللہ عنہ اذا جلس علی المقاعد جاءہ الخصمان فقال لاحدھما اذھب ادع علیاً وقال للآخر فادع طلحہ والزبیر ونفراً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یقول لھما تکلما ثم یقبل علی القوم فیقول ما تقولون فان قالوا ما یوافق رایہ امضاہ والا نظر فیہ بعد [1]

(ترجمہ) حضرت عثمان جب کرسیوں میں آ بیٹھتے اور آپ کے پاس مقدمہ کے لوگ آتے تو آپ ایک کو ادھر بھیجتے کہ حضرت علی کو بلا لائیں اور دوسرے کو کہتے حضرت طلحہ و زبیر اور کچھ اور اصحاب رسول کو بھی بلائیں (وہ سب جب کرسیوں پر آ بیٹھتے تو) آپ ہر فریق مقدمہ کو کہتے اپنی بات کہو پھر ان ارکانِ شوریٰ سے پوچھتے اگر وہ حضرت عثمان کی رائے کے مطابق بات کہتے تو آپ اسی وقت حکم صادر فرما دیتے بصورت دیگر آپ اس میں اور غور کرتے۔

---

[1] ۔ سنن کبریٰ جلد ۱۰ صہ ۱۱۲ ۔

حضرت عثمان علمی مسائل میں اہل الرائے حضرات میں سے تھے آپ ان حضرات سے اس لیے پوچھتے کہ ممکن ہے ان میں سے کسی کے پاس اس مسئلے میں کوئی روایت موجود ہو اور حضرت علی اور حضرت طلحہ و زبیر کو مشورہ کے لیے خاص طور پر طلب فرماتے اور یہ حضرات بھی آپ کے عدالتی نظام کو کامیاب کرنے کے لیے کوئی کمی نہ کرتے فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اور اسی طرح سے خلافت راشدہ کی گاڑی آگے چلتی رہی حضرت علی المرتضیٰ اس سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں اترے۔

ولید بن عقبہ پر جب گواہ پیش ہو چکے تو حضرت عثمان رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے کہا کہ آپ اس پر سزا جاری کریں آپ نے اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر کو کہا کہ وہ ولید کو کوڑے لگائے وہ کوڑے لگاتے رہے اور حضرت علی رضؓ گنتے رہے صحیح بخاری میں ہے :۔

ان عثمان دعا علیا فامرہ ان یجلدہ فجلدہ ثمانین [1]

(ترجمہ) حضرت عثمان نے حضرت علی کو بلوا لیا اور آپ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں اس پر آپ نے اسے اسی کوڑے لگوائے۔

یہاں کوڑے لگانے سے مراد کوڑے لگوانا ہے حضرت علی رضؓ نے عبداللہ بن جعفر کو حکم دیا تھا کہ وہ کوڑے لگائے۔

فقال عثمان لعلی اقم علیہ الحد فامر عبداللہ بن جعفر ان یجلدہ فاخذ فی جلدہ وعلی یعد [2]

(ترجمہ) حضرت عثمان نے حضرت علی کو کہا آپ اس پر حد جاری کریں آپ نے عبداللہ بن جعفر کو کہا کہ وہ کوڑے لگائے اور آپ انہیں گنتے رہے۔

جب چالیس ہو چکے تو آپ نے اسے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا حضور اور حضرت ابوبکر رضؓ چالیس کوڑوں کا ہی حکم دیتے رہے ہے حضرت عمر رضؓ بھی پہلے اسی سزا پر رہے پھر آپ نے پوری سزا اسی کوڑے دینی شروع کی اور ان میں سے ہر ایک سزا سنت ہے قانون کے موافق ہے اور یہ اسی کوڑے کی سزا میرے نزدیک زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح آپ نے اسے اسی کوڑے لگوائے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۵۲۲ [2] کنز العمال جلد ۳ صـ ۱۰۲۔

محمد بن یعقوب کلینی نے چالیس کوڑوں کی مختلف صورت بتلائی ہے وہ کہتا ہے کوڑے کی دو شاخیں تھیں اور دونوں اسے لگتی تھیں چالیس ضربوں سے اس طرح اسی کوڑوں کی سزا تمام ہوگئی امام باقرؑ کہتے ہیں۔

قال عثمان لعلی صلوٰت اللہ علیہ اقض بینہ وبین ہؤلاء الذین یزعمون

انہ شرب الخمر فامر علی فجلد بسوط لہ شعبتان اربعین جلدۃ ؎

(ترجمہ) حضرت عثمان نے حضرت علی کو کہا آپ ولید میں اور ان لوگوں میں جو اسکے شراب پینے کے مدعی ہیں فیصلہ کر دیجیے حضرت علیؓ نے (جب اسپر گواہی ہو چکی) حکم صادر فرمایا اور اسے اس کوڑے سے جسکی دو شاخیں تھیں چالیس کوڑے لگائے گئے۔

اس وقت کوڑوں کی تعداد سے بحث نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ خلافت عثمانی میں حضرت علی کس طرح ان کے ساتھ ساتھ رہے اور بیعت کے وقت انہوں نے جو عہد کیا تھا اسے کس خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے فقہ جعفری میں بھی شراب کی سزا اسی کوڑے ہی ہے۔

حضرت علی کے اجرائے حکم کا ایک اور واقعہ

حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ایک قیدی نے ایک شادی شدہ قیدی عورت صفیہ سے زنا کیا اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا صفیہ کا خاوند اور زانی دونوں اس بچے کے مدعی ہوئے یہ مقدمہ عثمان کے پاس آیا آپ نے اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمایا حضرت علیؓ نے کہا میں اسکا فیصلہ حضورؐ کے فیصلے کے مطابق کروں گا امام احمد روایت کرتے ہیں:۔

فاختصما الی عثمان فرفعهما الی علی بن ابی طالب فقال علی اقضی

فیہما بقضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولد للفراش

وللعاہر الحجر وجلدہما خمسین خمسین ؎

(ترجمہ) سو دونوں جھگڑتے حضرت عثمان کے پاس آئے آپ نے یہ مقدمہ حضرت علی کے پاس بھیج دیا حضرت علیؓ نے فرمایا میں اس کا فیصلہ حضورؐ کے فیصلے کے مطابق کروں گا لڑکا اس خاوند

؎ فروع کافی جلد ۳ صہ ۱۰۷ لکھنؤ۔ ؎ مسند احمد ا صہ ۱۰۴۔

کھ ملے گا اور زانی اور زانیہ کو پچاس پچاس کوڑے لگوائے

حضرت کے شوریٰ میں ہونے کی ایک اور شہادت۔

حضرت عثمان رضؓ کے پاس ایک مقدمہ آیا کہ ایک شخص نے ایک قریشی لڑکے سے بدفعلی کی ہے وہ شخص شادی شدہ تھا مگر اس کی بیوی کی ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان سے کہا جب یہ شخص اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس پر کوڑوں کی سزا ہے رجم کی نہیں اس پر حضرت عثمان رضؓ نے اس شخص کو سو درے لگنے کا حکم دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان کے ممبر شوریٰ تھے۔

حضرت علی رضؓ کے اجرائے حکم کا ایک اور واقعہ

ایک شخص نے دوسرے کی آنکھ پھوڑ ڈالی اور اس کی بینائی جاتی رہی حضرت عثمان رضؓ نے اسے دیت لینے پر راضی کرنا چاہا وہ راضی نہ ہوا حضرت عثمان رضؓ نے مقدمہ حضرت علی کے پاس بھیج دیا آپ نے بھی اسے دیت پر راضی کرنا چاہا کہ وہ دیت لے لے لیکن قصاص نہ لے (دوسرے کی آنکھ نہ نکالے) آپ نے اسے دوگنی دیت لینے کے لیے بھی آمادہ کیا مگر وہ قصاص کے سوا کسی چیز کے لیے آمادہ نہ تھا حضرت جعفر صادق سے مروی ہے:۔

فارسل بھما الیٰ علی علیہ السلام وقال احکم بین ھذین فاعطاہ الدیۃ فابیٰ ۔ ۔ ۔ فقال لا ارید الا القصاص [2]

(ترجمہ) حضرت عثمان نے انہیں حضرت علی کے پاس بھیج دیا اور کہا ان میں فیصلہ جاری کیجئے آپ نے اسے دیت لینے کو کہا اس نے انکار کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔ اور کہا میں قصاص (آنکھ کے بدلے آنکھ) چاہتا ہوں۔

ایک کنیز جسے آزاد ہونے میں چوتھائی مدت باقی تھی زنا کی مرتکب ہوئی سوال پیدا ہوا کہ اس پر آزاد عورت کی حد لگائی جائے یا اسے باندی کی سزا دی جائے حضرت عثمان رضؓ نے یہ مقدمہ حضرت علی رضؓ کے سپرد کیا آپ نے فیصلہ دیا کہ اسے آزاد عورت کی تین چوتھائی سزا اور باندی کی ایک چوتھائی سزا دی جائے۔

ایک شخص کی دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دے دی وہ ابھی عدت طلاق میں تھی کہ وہ شخص فوت ہو گیا

---

[1] رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۶ صہ ۲۷۲ کنز العمال جلد ۳ صہ ۹۹ [2] فروع کافی جلد ۲ صہ ۱۷۵ [3] قرب الاسناد صہ ۱۳۳

اس مطلقہ نے خاوند کی میراث کا دعویٰ کیا حضرت عثمان نے یہ مقدمہ بھی حضرت علی کے سپرد کیا آپ نے فیصلہ دیا کہ جب تک عورت عدت میں رہے وہ زوجیت کے حکم میں ہے وہ اپنے خاوند سے گو وہ اسے طلاق دے چکا میراث پائے گی۔

ریاست خیرپور کے شیعہ سید المتکلمین عارف حسین نے سید الاوصیار کے نام سے حضرت علی کی سوانح العمری لکھی ہے جسے کتبخانہ اثنا عشری لاہور نے مغل حویلی سے شائع کیا ہے اسمیں یہ صرف ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

> اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے عثمان کے عہد میں بہت سے فیصلے کیے اور لوگوں کو ناانصافی سے بچاتے رہے ہیں [1]

اور واقعات بھی بہت ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ میں حضرت علی رض کس خلوص دل سے حضرات خلفائے ثلثہ کے ساتھ رہے ہیں ان تینوں خلافتوں میں اجرائے حدود کا کام زیادہ تر آپ کے ہی سپرد رہا۔

ان ابابکر وعمر وعثمان کانوا یرفعون الحدود الی علی بن ابی طالب [2]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان حدود کے فیصلے حضرت علی کے ہی سپرد کرتے رہے۔

یہ صورت عمل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت علی رض پہلی تین خلافتوں میں اپنے ان اکابر کے ساتھ پوری طرح ممد و معاون رہے ہیں اور اللہ کے احکام جاری کرنے میں وہ ان حضرات کے ساتھ پوری طرح شریک تھے اولاد علی میں آپ کو ابوبکر، عمر اور عثمان نام اس کثرت سے ملیں گے کہ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ سیدنا حضرت علی رض کو ان حضرات سے معاذ اللہ کسی قسم کا بعد اور بوجھ تھا ان حضرات میں باہمی بغض و عداوت ثابت کرنا اور ان میں نفرت اور تبرا کے کانٹے بونا نہ کوئی دین کی خدمت ہے اور نہ علم و شرافت اس کی اجازت دیتے ہیں مبارک ہیں وہ جو ان میں مودت کے داعی ہیں اور بدقسمت ہیں وہ جو ان میں عداوت اور نفرت پھیلانا عبادت سمجھتے ہیں۔

---

[1] سید الاوصیار ص ۱۳۱ [2] قرب الاسناد ص ۱۳۳۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

قسم کھاتے ہیں دو عالم تری شرم و حیا کی
گواہی دے رہی ہے آج بھی خوشبو حرا کی

لہو بن کر گرا قرآن پر تیرا تقدس
تری تائید میں انگلی اٹھی تھی مصطفےٰ کی
پلک جھپکی نہ دل دھڑکا نہ بل آئے جبیں پر
فرشتوں نے ترے حق میں تہِ دل سے دعا کی

ابھی تک یاد کرتی ہے تجھے خاکِ مدینہ
ابھی آتی ہیں آوازیں ادھر سے مرحبا کی

زہے قسمت کہ خود آکر ترا جسمِ مبارک
اٹھا کر لے گئی فردوس میں رحمت خدا کی
خدا اس کو نہ بخشے گا کسی صورت کہ جس نے
ترے عہدِ قدس میں سرکشی کی ابتدا کی
آنکھوں میں کون چھوڑ گیا نور کے چراغ
ہونٹوں پہ کون رہ گیا مسکان کی طرح
رکھتا ہے کس نے عظمتِ انسان کا بھرم
مرتا ہے کون حضرتِ عثمان کی طرح

افضلیت حضرت عثمان

علامہ خالد محمود صاحب

یہ صحیح ہے کہ سب صحابہ آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ سب ستارے ایک سے نہیں چمکتے ہر ستارے کی اپنی شان ہے اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے یہی صورت حال صحابہ کرام کی تھی سیدنا حضرت عثمان غنی اپنے وقت میں صف اسلام کی افضل ترین شخصیت تھے اور خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت الٰہی تکوین کے تحت اسی افضلیت سے واقع ہوئی ہے

حضرت حسن ابوبکرہ (۴۹ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت کیا کیا آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ معلوم ہوتا ہے حضور پر اس خواب کی جھلک آ رہی تھی اور آپ چاہتے تھے کہ بات سامنے آجائے اس پر ایک شخص نے اپنا یہ خواب سنایا۔

میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اترا ہے اور اس میں آپ اور حضرت ابوبکر تولے گئے ہیں اور آپ کا وزن حضرت ابوبکر سے زیادہ نکلا پھر اسی ترازو پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تولے گئے اور حضرت ابوبکر کا وزن زیادہ نکلا پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان تولے گئے اور حضرت عمر کا وزن زیادہ رہا پھر میزان اٹھ گئی [1]

خلفائے راشدین میں سے تین کا مرتبہ اسی ترتیب سے ظاہر ہوا اور حضرت علی اب خود ہی چوتھے درجہ میں آگئے اس کے لیے حضرت عثمان اور حضرت علی کے باہم تلنے کی ضرورت نہ رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواب بیان ہوا یہاں سے پہلے خود حضور پر اس کی جھلک آ رہی تھی پھر وہ میزان جس نے ان شخصیات کو تولا آسمان سے اتری تھی سو الٰہی فیصلے میں حضرت عثمان اپنے علم و عمل اور اپنی ایمانی قوت میں صحابہ میں تیسرے درجہ پر ہیں اور حضرت علی خلفائے راشدین کی اس سیڑھی پر چوتھے درجہ پر کھڑے ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمان اپنے وقت کی افضل ترین شخصیت تھے

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ (۴۱ھ) کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس طرح کا ایک خواب دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضؓ آپ کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں حضرت عمر حضرت ابوبکر کے ساتھ لٹکے کھڑے ہیں اور حضرت عثمان رضؓ حضرت عمر رضؓ کے ساتھ لٹکے کھڑے ہیں جابر کہتے ہیں صحابہ نے اس کی تعبیر یہ سمجھی :

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۳۶ [2] ایضاً

اما تنوط بعضهم ببعض هو ولاة هذا الامر الذی بعث اللہ به

نبیه صلی اللہ علیه وسلم۔ [1]

(ترجمہ) یہ جو بعض کا بعض سے ٹکنا ہے یہ اس کام کے والیوں کی ترتیب ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا یہ اس امر کی تصریح ہے کہ یہ صرف حکومت کی ترتیب نہیں جو حضورؐ کو دکھائی گئی بلکہ اسلام سے وابستگی میں یہ حضرات اس ترتیب سے کھڑے ہیں اور بار رسالت اٹھانے میں ان حضرات نے اسی ترتیب سے حضورؐ کی نیابت کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے صحابہ کو بلا لانے کے لیے کہا آپ نے صحابہ کے نام جس ترتیب سے لیے اسے علی بن عیسیٰ الاربلی (۶۸۷ھ) کی روایت میں دیکھئے۔

فانطلق فادع لی ابابکر وعمر وعثمان وعلیا وطلحة والزبیر وبعدهم من انصار [2]

حضرت علی کو بلانا اس موقع پر مقصود بالذات تھا کیونکہ نکاح انہیں کا تھا لیکن آپ نے اس دعوت میں بھی انہیں چوتھے نمبر پر ذکر کیا مبادا کوئی یہاں سے بلا فصل کا استدلال نہ کرنے لگے۔

قرآن کریم ہدایت کی نشاندہی جہاں ذات رسالت سے کرتا ہے وہاں سبیل المومنین کو بھی ساتھ لازم کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے :۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله

ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا پ٥ النساء ع ١٧

(ترجمہ) اور جو مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور وہ چل پڑا سبیل المومنین (مسلمانوں کی راہ) کے خلاف تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اسے پہنچائیں گے دوزخ میں اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اب آئیے معلوم کریں کہ اکابر صحابہ کی باہمی ترتیب میں سبیل المومنین کیا تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) کہتے ہیں :۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۶۳۶۔ [2] کشف الغمہ ا ص ۴۷۱۔

كنا نقول و رسول الله صلى الله عليه وسلم حيّ افضل امة النبي صلى الله عليه وسلم بعده ابوبكرؓ ثم عمرؓ ثم عثمان رضي الله عنهم [1]

(ترجمہ) ہم حضورؐ کی زندگی میں ہی کہا کرتے ہیں کہ اس امت کی بزرگ ترین شخصیت ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں اور پھر عثمانؓ ہیں اور اللہ ان سب سے راضی ہو گیا

مشورہ توقف اور ہماری دینی معذرت

بعض لوگ مشورہ دینے میں بہت تیز ہوتے ہیں ان بعض نے ہمیں بھی کہا کہ صحابہ کے مراتب میں بحث نہ کرنا چاہیئے سب ایک سے ہیں سب ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں ۔ یہ مشورہ تب لائق قبول ہو گا کہ اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے کوئی بات نہ ملے اور اگر حضورؐ اور صحابہ کی ہدایات اس باب میں موجود ہوں تو پھر انہیں قبول نہ کرنا اور سب کو ایک کہتے چلے جانا یہ بات منشار شریعت کے خلاف ہو گی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رح لکھتے ہیں ؛

توقف را وقتے گنجائش باشد کہ آں افضلیت را قبل از صاحب شریعت صریحاً او دلالۃً معلوم نہ کردہ باشند وچوں معلوم کردہ باشند چرا توقف نمانند [2]

(ترجمہ) اس مسئلہ میں توقف کرنے کی تب گنجائش ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس افضلیت میں کوئی بات صراحۃً یا دلالۃً نہ ملتی ہو اور جب اس بات میں وہ رہنمائی موجود ہو تو توقف کیوں کریں ۔

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں

وانکہ ہمہ را برابر داند وفضل یکے بعد دیگرے فضولی انگارد بو الفضول است عجب بو الفضولے کہ اجماع اہل حق را فضولی داند [3]

(ترجمہ) اور جو شخص سب کو برابر سمجھتا ہے اور ایک کے دوسرے پر فضیلت لیجانے کو فضول شمار کرتا ہے وہ خود بو الفضول ہے عجب بو الفضول ہے جو اہل حق کے اجماع کو فضول سمجھتا ہے ۔

سو ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں لیا جا سکتا کہ متعلق شرف صحابیت میں سب ایک ہیں باقی کمالات و فضائل ہر ایک کے اپنے اپنے ہیں ۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۶۳۶ ۔ [2] دفتر اول مکتوب ۲۶۶ صہ ۳۳۱ مطبوعہ لکھنؤ ۔

پھر دفتر دوم کے مکتوب ۶۷ میں لکھتے ہیں:-

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہ و افضلیت ایشاں ترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است . . . . افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است انکار نہ کند مگر جاہل یا متعصب [1]

(ترجمہ) حضور خاتم الرسل آپ پر اور تمام رسولوں پر درود و سلام ہو کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر صدیق (اللہ ان سے راضی ہو گیا) تھے ان کے بعد حضرت عمر فاروق اللہ ان سے بھی راضی ہوا پھر حضرت عثمان ذوالنورین تھے اللہ ان سے بھی راضی ہوا آپ کے بعد حضرت علی وہ اللہ سے مقام رضوان پا گئے ان حضرات کی افضلیت اس طرح ہے جسطرح ان کی خلافت واقع ہوئی ۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہوئی . . . . . سو ان کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے جاہل یا متعصب کے سوا کوئی اس کا انکار نہ کرسکے گا.

حضرت علی کی خلافت کچھ ایسے حالات میں منعقد ہوئی کہ امت میں انتشار تھا حضرت عثمان کے قاتل اور باغی حضرت علی کی فوجوں میں آشامل ہوئے تھے اور جب تک حضرت علی کی خلافت تمام قلمرو اسلامی میں تسلیم نہ ہو جائے آپ ان پر ہاتھ ڈالنے کی پوزیشن میں نہ تھے سو ان حالات میں حضرت عثمان کی افضلیت پوری طرح واضح نہ رہی تھی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ حضرات شیخین کے بعد حضرت عثمان کی افضلیت ہے اور اب اس حقیقت سے کوئی صاحب علم انکار نہیں کر سکتا کہ اکثر اہل سنت حضرت عثمان کے ان کے اپنے عہد میں باقی سب امت پر افضل ہونے کے قائل ہیں حضرت امام ربانی لکھتے ہیں۔

اکثر اہل سنت برانند کہ افضل بعد از شیخین عثمان است پس علی و مذہب ائمہ اربعہ مجتہدین نیز ہمیں است و توقفے کہ در فضیلت حضرت عثمان از امام مالک نقل کردہ اند قاضی

---

[1] مکتوبات شریف جلد ۲ صہ ۱۳۰ ۔

عیاض گفتہ کہ او رجوع کردہ است از توقف بسوئے تفضیل عثمان و قرطبی گفتہ است ہوا لاصح ان شاء اللہ تعالیٰ۔ [1]

(ترجمہ) اکثر اہل سنت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد حضرت عثمان افضل الناس ہیں اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے امام مالک (۱۷۹ھ) سے اس باب میں جو توقف منقول ہے قاضی عیاض مالکی (۵۴۴ھ) کہتے ہیں کہ امام مالک نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور علامہ قرطبی مالکی (۶۷۱ھ) کہتے ہیں کہ یہی صحیح بات ہے۔

روایت چلی آرہی تھی کہ اس امت میں ایک ایسا امام ہوگا جس کے وقت مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوگی اور مسلمان کی تلوار خود مسلمان کے مقابلے میں بے نیام ہوگی حضرت عثمان نے عظیم فوجوں کے باوجود حملہ آوروں کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی مبادا آپ ہی وہ امام نہ ہوں جن کے عہد میں مسلمان کی تلوار خود مسلمانوں پر اٹھے آپ آخر اس انجام سے کیوں گھبراتے تھے یہ باہمی خونریزی پھر حضرت علی کے عہد میں ہوئی حافظ ابن تیمیہؒ اسے بھی افضلیت عثمان میں ذکر کرتے ہیں

لا اجعل من خاض فی دماء المسلمین کمن لم یخض فیھا [2]

(ترجمہ) جو مسلمانوں کی باہمی خونریزی میں گھرا اسے میں اس کے برابر نہیں رکھ سکتا جو مسلمانوں کی باہمی خونریزی سے بچتا رہا۔

حضرت امام ربانی یہ بھی لکھتے ہیں:۔

حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم باحادیث صحاح کہ بحد تواتر معنوی رسیدہ مبشر بجنت اند احتمال کفر و ضلال از ایشاں مرفوع است [3]

(ترجمہ) حضرات خلفائے ثلثہ صحیح احادیث جو تواتر معنی کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں کی رو سے جنت کی بشارت پائے ہوئے ہیں اور پھر کافر ہو جانے یا گمراہ ہو جانے کا احتمال ان سے اٹھ چکا ہے۔

امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صاحب السنن ائمہ صحاح میں مجتہدانہ شان رکھتے ہیں آپ نے عقائد اہل السنۃ کے اثبات میں ایک مرکزی باب کتاب السنۃ باندھا ہے اس میں آپ فضائل صحابہ کا باب لانے سے پہلے ایک مستقل

---

[1] مکتوبات دفتر اول ص ۳۳۰۔ [2] منہاج السنۃ جلد ص [3] مکتوبات دفتر سوم ص ۲۶/۴۴ مکتوب ۲۴۔

باب باب التفضیل والخلفاء لانے میں جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت عثمان کی افضلیت زوائد میں سے نہیں اہل السنۃ کے عقائد میں سے ہے [۱]

آپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) سے روایت لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

کنا نقول فی زمن النبیؐ لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبیؐ لا نفاضل بینھم [۲]

(ترجمہ) ہم حضورؐ کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ ہم ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے پھر عمر کے برابر کسی کو نہیں جانتے پھر عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے پھر باقی صحابہ میں ہم افضلیت کی بحث میں نہیں پڑتے

صحابیؓ کا یہ کہنا کہ ہم حضورؐ کے عہد میں ایسا کرتے تھے اس حدیث کو مرفوع بنا دیتا ہے یعنی یہ بات اگر غلط ہوتی تو حضورؐ یقیناً ہمیں اس سے منع فرما دیتے حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کا عقائد کا رسالہ فقہ اکبر کس نے نہیں پڑھا اسمیں بھی آپ نے لکھا ہے:۔

وافضل الناس بعد رسول اللہؐ ابوبکر الصدیق ثم عمر ثم عثمان ثم علی بن ابی طالب

اس پاک گروہ میں خلافت یونہی کسی کو نہیں دے دی گئی تھی یہ ان حضرات کا علم و عمل اور کمال و فضل تھا جس پر ان کے یہ مناصب مرتب ہوئے حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

وھم قد اجمعوا علی تقدیم ابی بکر ثم نص ابوبکر علی عمر ثم اجمعوا بعدہ علی عثمان ثم علی علی رضی اللہ عنھم ولیس یظن منھم الخیانۃ فی دین اللہ لغرض من الاغراض وکان اجماعھم علی ذلک من احسن ما یستدل بہ علی مراتبھم فی الفضل ومن ھذا اعتقد اھل السنہ ھذا الترتیب فی الفضل [۳]

(ترجمہ) اور وہ سب اس پر جمع تھے کہ ابوبکر سب سے مقدم ہیں پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے سب سے آگے ہونے پر نص فرمائی پھر سب نے حضرت عثمان پر اجماع کیا پھر (ان کے بعد) وہ حضرت علی کی خلافت پر جمع ہوئے حضرات صحابہ سے اللہ کے دین میں کسی دنیوی غرض کے باعث خیانت کرنے کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا اور ان کا اس ترتیب خلافت پر اجماع وہ بہترین دلیل ہے

---

[۱] دیکھئے سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۶۳۶ صہ ۶۴۰ [۲] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۶۳۶ [۳] الاقتصاد صہ ۱۴۰ -

جس سے ان کے مراتب فضیلت پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور اسی لیے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرات اسی ترتیب سے افضلیت رکھتے تھے

مجدد مائۃ یازدہم ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) امام اعظم رح کی مذکورہ الصدر ترتیب پہ لکھتے ہیں :-

وهذا الترتيب بين عثمان وعلى وهو ما عليه اكثر اهل السنة خلافا لما روى عن بعض اهل الكوفة والبصرة من عكس القضية... والصحيح ما عليه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من قول ابى حنيفة على ما رتبه ههنا وفق مراتب الخلافة

(ترجمہ) اور حضرت عثمان اور حضرت علی کی افضلیت میں یہ ترتیب (اور یہ وہی ہے جس پر اکثر اہل سنت متفق ہیں) بعض اہل کوفہ اور بعض اہل بصرہ اس موقف کے خلاف ہیں وہ اس کے برعکس عقیدہ رکھتے ہیں اور صحیح بات وہی ہے جو جمہور اہل السنۃ کا موقف ہے اور امام ابوحنیفہ کا ظاہر قول بھی وہ ہے جس کی آپ نے یہاں مراتب خلافت کی موافقت رکھتے ہوئے ترتیب دی ہے شرح فقہ الاکبر مرقات شرح مشکوٰۃ میں بھی لکھتے ہیں :-

قال ابو منصور البغدادى اصحابنا مجمعون على ان افضل الخلفاء الاربعة على الترتيب المذكور ثم العشرة الخ مرقات جلد ۵ صد ۵۱۷

قرآن پاک سے نسبت بہت بڑی فضیلت ہے ظاہر ہے کہ اسمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں سب سے آگے ہیں آج منبر و محراب پر کس کے جامع آیات القرآن کی صدائیں اٹھتی ہیں اور کون ہے جو دن رات تلاوت میں رہا اور اس کا آخری وقت بھی وہ تھا جو اللہ کا قرآن اس کی گود میں تھا رہی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو وہ آپ کی دو صاحبزادیوں کے توسط سے تھی جو یکے بعد دیگرے آپ کے عقد نکاح میں آئیں خانہ کعبہ سے آپ کی نسبت مسجد نبوی کی وسعت سے وسعت لے گئی جسکے ساتھ کی زمین آپ نے اپنے مال سے خرید کر مسجد نبوی کے ساتھ شامل کی اور جہاں تک انفاق (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) کا تعلق ہے آپ سب صحابہ میں غنی کہلائے

اسی طرح جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر سرداران مکہ کے پاس بھیجا تو بعض صحابہ کو رشک ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ تو کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور کا پیغام پہنچاتے رہے جب واپس ہونے لگے تو کافروں نے کہا تم مکہ میں آئے ہو طواف کرتے جاؤ حضرت عثمان نے جواب دیا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو طواف سے روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں یہ جذب کی انتہا ہے۔

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ

وہ سیرت اور صورت میں نمونہ مصطفےٰؐ کا تھا
وہ ہر پہلو چمکتا تھا کہ آئینہ حیا کا تھا

وہ ٹھنڈک بانٹتا تھا لمحہ لمحہ اپنی صبحوں کی
وہ خوشبوؤں میں اک لپٹا ہوا جھونکا صبا کا تھا

کھلا رہتا تھا ہر اک آدمی کے واسطے ہر دم
وہ قلعہ تھا محبت کا وہ دروازہ وفا کا تھا
کسی کی جان لی اُس نے نہ اپنی جان کی خاطر
سراپا رحم تھا لیکن بہادر بھی بلا کا تھا

کبھی لشکر نہ ہارا اُس کا میدانِ شجاعت میں
سپہ سالار لاثانی مدبر انتہا کا تھا

ابوبکرؓ و عمرؓ کی جانشینی اُس کو سجتی تھی
وہ حاصل ہر تمنا کا وہ حصہ ہر دُعا کا تھا

وہ کیسے موڑ لیتا اپنا مُنہ اپنی شہادت سے
وہ پروانہ رسالت کا وہ دیوانہ خُدا کا تھا
زمانہ کر سکا پیدا نہ پھر ایسا غنی انجمؔ
وہ اک دریا اخوت کا عطیہ وہ خُدا کا تھا

حضرت عثمان کا مقام فراست

خالد محمود

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

اللہ تعالیٰ نہایت اونچے درجہ کے مومنین کے دلوں میں ایمان کی وہ روشنی پیدا کر دیتے ہیں جو اندر سے جھانک لیتی ہے اور بسا اوقات گرد وپیش کی چھپی باتوں کو سامنے لے آتی ہے یہ انکشاف امر کلی کے درجے میں نہیں ہوتا بطور کرامت اور اصابت ظن کچھ پردے اٹھتے ہیں اور ان اہل اللہ میں وہ بصیرت اور سمجھ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اعیان خارجیہ کے اندر کی بات کو پا لیتے ہیں یہ مقام فراست ہے ایک برہان اور بصیرت ہے جو وحی اور الھام سے مختلف ہے فراست میں مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور ان ایمانی شعاعوں سے گرد وپیش میں جھانکتا ہے جو محض توفیق ایزدی سے ملتی ہیں حضرت ابو سعید الخدری رضؓ (۷۴ ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله [1]

(ترجمہ) مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھ رہا ہے۔
صرف دیکھنے کی بات نہیں مومن کبھی اس برہان پر بول بھی پڑتا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ) نے اس مقام کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں:۔

المومن من ينظر الله بنور الله من وراء ستر رقيق والله انه للحق يقذفه الله في قلوبهم ويجريه على السنتهم [2]

(ترجمہ) کامل مومن اللہ کے نور سے ایک نہایت باریک پردے کے پیچھے سے جھانکتا ہے بخدا وہ بات سچ اترتی ہے اسے اللہ مومنوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں اور اسے ان کی زبانوں پر بھی جاری کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں ان مومنوں کو متوسمین (نشانوں سے پہچاننے والے) کہا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صورت دیکھ کر حقیقت کو تاڑ لیتے ہیں [3] صورت سے حقیقت دیکھ لی جائے یہ نہایت اونچا مقام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور ذات دیکھنے کی تمنا کی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ان سے آگے تھا آپ نے شان صفات

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ کنز العمال الجامع الصغیر جلد ۱ صفحہ ۹ [2] احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۲۳ [3] دیکھئے معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۱۴۶

دیکھنا چاہی اور کہا رب أرني كيف تحي الموتى اے اللہ مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے تو
خاتم الانبیاء نے یہ دعا کی ہے

اللهم ارنى حقائق الاشياء كما هي - اے اللہ مجھے چیزوں کی حقیقتیں دکھلا وہ جو بھی ہیں

کسی پر یہاں کی حقیقتیں کھل جائیں وہ بیشک رہنمائے فطرت ہوگا۔ قوموں کے انقلابات اور عروج و زوال میں اللہ تعالیٰ
نے اشیاء عالم کی حقیقتیں لپیٹ رکھی ہیں اور وہ کھلتی ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے آنکھوں والوں کے لیے پہچاننے
والوں کے لیے ارشاد الہی ہے -

ان فی ذلک لآیات المتوسمین پ۱۴ الحجر ع ۵ آیت ۷۵

(ترجمہ) بیشک اسمیں نشان ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :-

متوسم اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بعض ظاہری علامات و قرائن دیکھ کر محض فراست سے کسی
پوشیدہ بات کا پتہ لگالے حدیث میں ہے اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله
بعض روایات میں وبتوفيق الله کی زیادت ہے یعنی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو وہ خدا
کے عطا کیے ہوئے نور توفیق سے دیکھتا ہے شاید کشف اور فراست میں بقول امیر عبدالرحمن خاں مرحوم
اتنا ہی فرق ہو جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے [1]

کشف میں آمد باہر سے ہوتی ہے اندر سے صرف پردے اٹھتے ہیں اور فراست میں پیش رفت اندر سے ہوتی ہے
اور ایمان کی شعائیں اندر سے جھانکتی ہیں اور باہر سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور بات تار کے کوڈ حرفوں میں کھلتی ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله تو آپ نے یہ آیت
پڑھی ان فی ذلک لآیات للمتوسمین - اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں متوسم سے مراد فراست والے
انسان ہیں جو بات کو اندر سے پڑھ لیں امام ترمذی لکھتے ہیں :-

وقد روى عن بعض اهل العلم فى تفسير هذه الآية ان فى ذلك لآيات للمتوسمين
قال للمتفرسين [2]

---

[1] فوائد القرآن صہ ۳۴۴ -
[2] جامع ترمذی ۲ صہ ۱۴۳ لکھنؤ

محدثیت اور فراست میں یہ فرق ہے کہ محدث پر ملاء اعلیٰ سے روشنی اترتی ہے اور وہ وہاں کی باتوں کو پیش از وقوع پالیتا ہے اور فراست کا تعلق اس جہان سے ہے جسمیں مومن کو گردوپیش کا انکشاف ہوتا ہے وہ بہت سی ان غیبی باتوں کو پالیتا ہے جن کا جاننا بدون وحی والقاء ممکن نہ تھا یہ انکشاف کی ایک کھڑکی ہے جو کھلی تھی اور کامل مومن کبھی اسمیں جھانک لیتے ہیں اور پھر دنیا والے پھڑک اٹھتے ہیں کہ یہ غیب کے پردے کس پر اٹھ رہے ہیں اور کیسے اٹھ رہے ہیں ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔

حضرت عمرؓ محدثیت کے مقام پر تھے اور ان پر ملاء اعلیٰ سے روشنی اترتی تھی حضرت عثمانؓ مقام فراست پر تھے جسمیں بعض مخفی اعمال کا انکشاف ہو جاتا ہے ابن اثیر الجزری (۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

هو ما يوقعه الله تعالىٰ فى قلوب اوليائه فيعلمون احوال بعض الناس بنوع من الكرامات واصابة الظن والحدس [1]

(ترجمہ) فراست ایک شان ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دلوں میں اتار دیتے ہیں جس سے وہ بعض لوگوں کے حالات کو کرامت کے طور پر جان لیتے ہیں اور اس سے اصابت ظن (کہ گمان صحیح بیٹھے) اور حدس (تاڑ لینا) کا اثر پیدا ہو جاتا ہے ۔

تجربات حالات اور عادات سے لوگوں کے اندر کی بات پڑھ لینا مقام فراست ہے یہ مقام علم قیافہ کے بہت قریب ہے مگر قیافہ تجربات پر موقوف ہوتا ہے اور فراست نور ایمانی سے ملتی ہے حدیث مذکورہ میں فانه ينظر بنور الله کے صریح الفاظ موجود ہیں ۔

علم قیافہ کی مثال دینا برا نہ سمجھیں صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت اسامہ بن زید اور ان کے والد زید بن حارثہ دونوں مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے چہرہ دونوں کا ڈھپا ہوا تھا اور پاؤں دونوں کے ننگے تھے یمن کا ایک قیافہ شناس پاس سے گزرا اور اس نے دونوں کے پاؤں پر نظر کی اس نے حضرت اسامہ کے پاؤں کے بارے میں کہا کہ یہ پاؤں اُن پاؤں (حضرت زید کے پاؤں) سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں [2] اسے حضرت اسامہ اور حضرت زید کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اس پہچان پر بہت خوش ہوئے سو اسلام میں اس قسم کی محنت کوئی عیب نہیں ہے ۔

---

[1] النہایہ جلد ۳ صہ ۴۲۸ [2] صحیح بخاری جلد صہ

حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع بن نون جب ایک مرد غیب کی تلاش میں نکلے اور پھر ان کی حضرت خضر سے ملاقات بھی ہو گئی اور کشتی کے ایک سفر میں کشتی والوں نے انہیں بغیر اجرت کے کشتی پر بٹھا لیا تھا تو اس کی وجہ بھی یہی کہ کشتی والوں کو ان کے چہروں پر کوئی چمک دکھائی دی تھی جو عام طور دیکھی نہیں جاتی ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں کہ کشتی والوں کے سردار نے کہا انی ادی علی وجوھھم النور۔ ترجمہ میں ان کے چہروں پر نور دیکھ رہا ہوں

مقام فراست اس سے آگے کی منزل ہے اس ارادت ربانی سے کاملین پر غیب کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں گو یہ کیفیت دوامی نہ رہے لیکن یہ ضرور ہے کہ کاملین اس نور باطن سے بسا اوقات اندر کی بات کو جھانک لیتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عثمان رضؓ کے پاس ایک صاحب آئے جسکی نظر رستے میں کسی غیر عورت پر پڑی اور انکا دھیان اس کے محاسن پر جا لگا تھا آپ نے ان کے آتے ہی فرمایا۔

یدخل علی احدکم الزنا واثر الزنا ظاھر علی عینیہ

(ترجمہ) تم میں سے کسی پر زنا کا داخل ہوتا ہے اور اس کا اثر اس آنکھوں سے مل جاتا ہے۔

بات واقعہ کے بالکل مطابق تھی وہ شخص جس کا یہ واقعہ تھا اس غیبی انکشاف پر پھڑک اٹھا اور اس نے کہا۔

أوحیٌ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ترجمہ) کیا خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر سے وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔؟

آپ نے فرمایا۔ لا ولکن بصیرۃ وبرھان وفراسۃ صادقۃ

(ترجمہ) نہیں البتہ ایک بصیرت کی کھڑکی کھلی ہے وہ برہان ہے اور فراست صادقہ ہے۔

صدیقین اور محدثین (جن سے خدا ہمکلام ہوتا ہو) کے بعد یہ تیسرا درجہ ہے جو تیسرے خلیفہ راشد سیدنا حضرت عثمان غنی کو حاصل ہوا صدیقوں کے پیشوا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تھے محدثین کے سردار حضرت عمر رضؓ تھے متوسمین (دوسروں کی بات کو اندر سے پڑھ لینے والوں) کے امام حضرت عثمان غنی تھے۔ اور علم کی راہ سے ہر باطل سے بچ نکلنے والے باب العلم (علم کا دروازہ) حضرت علی مرتضیٰ تھے ابواب علم وہ حضرات ہوتے ہیں جن پر مرادات تنزیل کھلتی ہیں اور وہ قرآن پاک کی صحیح مرادات کو پالیتے ہیں ان کے علم سے شبے کا غبار اٹھا ہوا ہوتا ہے علمی اختلاف میں ان سے سچائی کی راہ ملتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔

۱؎ فتح الباری جلد ۸ صہ ۲؎ احیاء العلوم جلد ۳ صہ ۲۴ ۳؎ ایضاً صہ ۲۴

ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ[1]

(ترجمہ) بیشک تم میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو مراد تنزیل پر اسی طرح جہاد کریں گے جیسے تنزیل قرآن پر میں جہاد کرتا رہا۔

تنزیل قرآن پر اختلاف وقتال کفار سے تھا اور تاویل قرآن (مراد تنزیل) پر حضرت علی نے خوارج سے اختلاف اور جہاد کیا ظاہر ہے کہ الحاد کے خلاف سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ نے کمر ہمت باندھی اب جو لوگ دین متین کی حفاظت میں مختلف محاذوں پر ملحدین کے خلاف کام کرتے ہیں وہ اس چوتھے مقام پر خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ کے نقش پا پر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان متاخرین کو پہلوں سے جوڑ دیں گے وکفی بہ کرما وفضلا

سیکون فی آخر ھذہ الامۃ قوم لھم مثل اجر اولھم یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن[2]

(ترجمہ) اس امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اللہ کے ہاں نیکی کا اجر پہلوں جیسا ملے گا وہ معروف کی تعلیم دیں گے برائیوں سے منع کریں گے اور اہل فتن (اہل بدعت) سے جہاد کریں گے

اس وقت ان ابواب العلم کا تذکرہ مقصود نہیں باب العلم کا ذکر یہاں ضمناً آگیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خود علم تھے جس تک رسائی اختلاف والحاد کے وقت (جیسا کہ خوارج کی تحریک چلی) باب العلم علی مرتضیٰ سے ورا کسی طرح ممکن نہیں

مات حضرت عثمان غنی کی ہو رہی تھی آپ سرخیل متوسمین ہیں یہ وہ حضرات ہیں جو صورت دیکھ کر حقیقت کو تاڑ لیتے ہیں اور انکشاف پورے کمال سے ان پر اترتا ہے

آپ حدیبیہ کی رکاوٹ پر جب مکہ مکرمہ حضور کے سفیر بن کر گئے تو ان لوگوں نے آپ کو طواف کعبہ کی پیشکش کی آپ نے کہا عثمان حضور کے بغیر طواف نہیں کرے گا زندگی موت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا آپ نے کیسے اشارہ دیا کہ حضور یہاں آئیں گے طواف کریں گے اور آپ کا یہ سفیر بھی آپ کے ساتھ ہوگا اور اس وقت ہم اکٹھے طواف کریں گے یہ نہیں کہ عثمان اکیلے اکیلے طواف کرلے۔ اس یقین اور بصیرت سے بات کہنا اہل فراست کو ہی میسر آسکتا ہے

---

[1] مسند امام احمد جلد ۳ مشکل الآثار امام طحاوی [2] رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ مشکوٰۃ صہ ۵۸۴

وہ کسی چیز کے وقوع میں آنے سے پہلے نور الٰہی سے اسے دیکھ لیتے ہیں اور یہی فراست صادقہ ہے ۔

حضرت ابوبکر صدیق رض کے کاتب اور خلافت اسلامی کے چیف سیکرٹری کون تھے ؟ سیدنا حضرت عثمان رض ۔ حضرت ابوبکر صدیق کا آخری وقت تھا آپ وصیت لکھا رہے تھے ابھی آپ نے اپنے جانشین کا نام نہ لیا تھا کہ بوجہ ضعف آپ پر غشی طاری ہو گئی حضرت عثمان رض کو اندیشہ ہوا کہ آپ کہیں اسی حالت میں وفات نہ ہو جائے آپ نے از خود حضرت عمر کا نام لکھ دیا حضرت ابوبکر جب ہوش میں آئے تو پوچھا کہاں تک لکھا ہے ؟ حضرت عثمان رض نے بات عرض کر دی آپ نے فرمایا اگر تم اپنا نام لکھ دیتے تو بھی درست تھا بیشک تم اس کے اہل تھے

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضرت ابوبکر کا ارادہ حضرت عمر کا نام لکھانا تھا اور یہ بات حضرت عثمان نے اپنی فراست سے پالی تھی حضرت ابوبکر صدیق نے ابھی نہ کہی تھی کہ حضرت عثمان رض نے آپ کے اندر جھانک لیا اور وہی نام لکھا جو آپ لکھانے والے تھے اور پھر حضرت ابوبکر رض نے بھی اس کی تصدیق کر دی یہ فراست صادقہ نور الٰہی کی ایک جھلک ہے جس سے حضرت عثمان کو نوازا گیا

بلاد افریقہ کی فتوحات بڑی کٹھن تھیں فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص جیسے تجربہ کار جرنیل ادھر پیش رفت کرنے سے خائف تھے لیکن حضرت عثمان کی فراست اسے نور الٰہی اور فراست صادقہ سے دیکھ رہی تھی آپ کے سامنے یہ منزل قریب تھی آپ نے حضرت عمرو بن العاص کو تو اس پیشقدمی پر مجبور نہ کیا اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو اس مہم پر روانہ کیا اور جو کچھ آپ نے اپنی نظر فراست سے دیکھا وہ حقیقت بن کر سامنے آگیا اور افریقہ فتح ہو گیا

پھر آپ کے دور خلافت کے آخری دنوں میں جب آل سبا آپ کے خلاف سیاسی خلفشار پھیلا رہے تھے آپ کا اس بات پر اصرار کہ ان کے خلاف طاقت استعمال نہ کی جائے اس لیے ہوا کہ آپ اس امت میں آئندہ ہونے والی خونریزی کو دیکھ رہے تھے اور نہ چاہتے تھے کہ اس کا آغاز آپ کے حکم سے ہو ۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس امت میں باہمی خانہ جنگی آپ کے بعد ہو کر رہی اور مسلمان کی تلوار ایک دوسرے کے خلاف ایسی بے نیام ہوئی کہ اب قیامت تک اس کا نیام میں جانا نظر نہیں آتا ۔

حضور خبر دے چکے تھے کہ اس امت میں ایک ایسا امام ہوگا جس کے قتل پر مسلمانوں کی تلوار ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہوگی لیکن معلوم ہوتا ہے اس کا پورا نقشہ حضرت عثمان کے سامنے کھلی کتاب کی شکل میں تھا اور آپ نہ چاہتے تھے کہ اس کا آغاز میرے دفاع سے ہو یہ آپ کا مقام فراست تھا جس نے آپ کی آنکھوں سے آئندہ ہونے والے واقعات کے پردے اٹھا رکھے تھے یہ علم غیب نہیں ایمان کی وہ روشنی ہے جس میں آئندہ ہونے والے واقعات اندر سے نظر آجاتے ہیں اس کا مصدر القاء اور وحی نہیں فراست اصابۃ ظن اور حدس ہے جو مومنین کی شان ہے اور سیدنا حضرت

عثمان بیشک مومنین کے پیشوا تھے اور اس علم باطن کے امام تھے

حضرت عثمان بن عفان رض نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز اپنے دل میں چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے چہرے سے اور سبقت لسانی سے ظاہر کر دیتے ہیں یعنی دوران گفتگو اس سے کچھ ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جس سے اسکا دلی راز ظاہر ہو جائے ایسا ہی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کوئی بات چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے وجود پر اس چیز کی چادر اڑھا دیتے ہیں[1]

چہرے سے پہچان فراست صادقہ ہے اور اس سے بات اسی طرح کھلتی ہے جیسے کہ زبان اس کا اظہار کر دے یہ تجربات پر مبنی نہیں نور الٰہی کی ایک جھلک ہے جو مومنین پر پڑتی ہے حضرت عثمان اس نور الٰہی سے مالا مال تھے اور اس روحانی دولت نے ان کی ہر ادا اور جملہ اعضاء پر حیا کے پردے ڈال رکھے تھے اور آپ کا اسمیں اتنا راسخ قدم تھا کہ اللہ کے فرشتے بھی آپ سے حیا کرتے تھے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد یہ مقام حضرت سفیان ثوری کو ملا تھا آپ اعمال طیبہ کا اوپر اٹھنا اپنے نور ایمان سے دیکھتے تھے اعمال کا اوپر اٹھنا تو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ پ

اور حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) کا انہیں دیکھ پانا سنن ابی داؤد میں موجود ہے

من زعم ان علیاً رضی اللہ عنہ کان احق بالولایۃ منہما فقد خطأ ابابکر و عمر والمہاجرین والانصار وما اراہ یرتفع لہ مع ھذا عمل الی السماء[2]

(ترجمہ) جس نے یہ خیال کیا کہ حضرت علی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے اسنے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور تمام مہاجرین اور انصار کو غلطی پر جانا اور میں اس بات کے ساتھ اس کا کوئی نیک عمل آسمان کی طرف اٹھتا نہیں دیکھتا

یہ ایک روحانی مقام اور ایمانی فراست ہے جس سے مومنین اندر کی بات پڑھ لیتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ بھی اس روحانی درجہ میں میں تھے آپ نے نالی میں بہتے ہوئے پانی کو ایک دفعہ دیکھا تو فرمایا اسمیں زنا بہہ رہا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ پیچھے کوئی شخص غسل کر رہا تھا ــــــ یہ علم غیب نہیں فراست ہے جسمیں مومن نور الٰہی سے اندر کی بات جھانک لیتا ہے گو یہ بات قانون کی دنیا میں سند نہیں بنتی۔

---

[1] معارف القرآن جلد ۸ صہ ۴۴۳ [2] ابو داؤد کتاب السنۃ جلد ۲ صہ ۶۳۶

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

پاکیزہ کِس کی سوچ ہے قرآن کی طرح
مِلتا ہے کون موت سے عثمانؓ کی طرح

دیتا ہے کون مُردہ زمینوں کو روشنی
سچا ہے کون آیتِ قرآن کی طرح

رکھا ہے کِس کے سر پہ حیا داریوں کا تاج
آنکھیں ہیں کِس کی عرش کے مہمان کی طرح

سوچو تو کون کِس کی حفاظت کے واسطے
باہر کھڑے ہیں دُھوپ میں دربان کی طرح

کرتا ہے کون سب کی خطاؤں سے دَرگزر
سینہ ہے کِس کا وادیٔ فاران کی طرح

کِس ہاتھ کو نبیؐ نے کہا ہے غنیؓ کا ہاتھ
بیعت ہے کِس کی بیعتِ عثمانؓ کی طرح

انجمؔ مجھے یہ کون بچاتا ہے کُفر سے
رہتا ہے دِل میں کون یہ ایمان کی طرح

حضرتِ عثمانؓ کی سیاسی عظمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ ـــــ

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان شرافت وحیاء اور صفتِ جود وسخا تو پوری اُمت کے لئے ایک کھلی کتاب ہے لیکن ہمارے طلبہ کے بعض حلقے آپکی سیاسی بصیرت میں کچھ دبے بجھے دکھائی دیتے ہیں اور بعض لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر آپ باغیوں کی سرکوبی کیلئے اپنے گورنروں کی سفارشات مان لیتے تو شاید عالم اسلام پر وہ ابتلاء نہ آتی جو آپ کی شہادت کے بعد آئی اور مسلمانوں کی تلوار ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسی بے نیام ہوئی کہ اب قیامت تک اس کا نیام میں جانا بحالات ممکن نظر نہیں آرہا اس پیش منظر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سیاسی بصیرت پر کچھ قوی شہادتیں مہیا کی جائیں تاکہ اس پس منظر میں ان پیش افتادہ حالات کا صحیح جائزہ لیا جاسکے۔

حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر قرآن کی شہادت

اہل علم سے مخفی نہیں کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دنیوی انتظامی اُمور میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لے کر چلتے تھے۔ فریضہ رسالت ادا کرنے میں پیغمبر کسی کی رائے کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ وہ ان ابواب میں کسی سے مشورہ لیتا ہے لیکن اُمورِ سلطنت میں وہ خود مشورے کا داعی ہوتا ہے وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیتا ہے اور فیصلہ خود کرتا ہے اصحاب ارکان شوریٰ ہوتے ہیں اور وہ خود صاحب عزم ہوتا ہے۔ ہزاروں میں ارکان شوریٰ کتنے ہوتے ہیں یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں چند صحابہؓ ہیں جنہیں آپ نے اپنی مجلس شوریٰ میں جگہ دے رکھی تھی اور اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سیدنا حضرت عثمانؓ بھی تھے۔

جنگِ اُحد کے دن خالد بن ولیدؓ کے عقبی حملے سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدلی۔ جو صحابہؓ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب فتح ہو چکی ہے وہ اس نئے حملے سے اس طرح لڑکھڑائے کہ اپنے پاؤں پر جم نہ سکے اتنا وقت نہ ملا کہ وہ اس نئی صورتِ حال میں نیا عزم کرتے وہ اس گھبراہٹ میں دُور تک منتشر ہوگئے لوگوں نے سمجھا بھاگ نکلے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بھی ان میں جا نکلے تھے۔

اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کے حالات جانتے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ حضرات کس اچانک صورتحال سے دوچار ہوئے ہیں۔ سو اس نے فوراً ان کی معافی کا اعلان کر دیا۔ اور حضورؐ کو ہدایت فرمائی کہ آپ بھی ان سے درگزر فرمائیں ان کی اس غلطی کو دائمی نہ سمجھیں نہ ان کی سیاسی بصیرت کو مجروح قرار دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ انہیں اپنی مجلسِ شوریٰ سے خارج کر دیں وہ یہ درجہ رکھتے ہیں کہ آپ ان سے دنیوی انتظامی اُمور میں مشورہ لے کر چلیں قرآن کریم میں ہے:-

فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فى الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين۔ پ ۴ آل عمران آیت ۱۵۹۔

ترجمہ:- سو آپ انہیں معاف کر دیں ان کے واسطے بخشش مانگیں اور (سلطنت کے) کاموں میں ان سے مشورہ لے کر چلیں اور پھر جب آپ کام کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ میں دائمی جگہ دی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ اصحاب سے صرف سیاسی اُمور میں ہی مشورہ کرتے تھے سو ثابت ہوا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ اور ان کے دیگر ساتھیوں کی سیاسی بصیرت کی شہادت دی ہے اور انہیں اس درجہ میں ٹھہرایا ہے کہ حضور رسالت مآب بھی ان سے مشورہ لے کر چلیں۔ حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر اس سے بڑی گواہی کیا ہوگی۔!

حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک خواب کے اشارے پر عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر آپ آگے جانے سے رُوک دیئے گئے۔ حضورؐ نے یہ نہ کہا تھا کہ یہ خدائی ارادہ اسی سال پورا ہوگا یہ صحابہؓ کا فرطِ شوق تھا کہ آپ انہیں اسی سال لے کر چل پڑے خدا کے ہاں اس خواب کا اگلے سال پورا ہونا مقدر تھا مگر علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم میں اس خواب کا ذکر پ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۷ میں موجود ہے۔ جب آپ حدیبیہ کے مقام پر رُوک دیئے گئے اور اہلِ مکہ سے سفارتی سطح پر گفتگو ناگزیر ہوگئی تو آنحضرت

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمرؓ کو مکّہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔

مکّہ میں جو اہلِ مکّہ سے گفتگو ہوئی تھی ظاہر ہے کہ وہ خالصۃً سیاسی نوع کی تھی حضرت عمرؓ کو حضورؐ کے اس حکم سے انکار نہ تھا تاہم آپ نے حضورؐ سے گذارش کی کہ حضرت عثمانؓ کا وہاں جانا مجھ سے بہتر ہو گا۔ ان کی وہاں عزت و منزلت ہم سب سے زیادہ ہے۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کی اس تجویز سے اتفاق فرمایا اور آپ (حضرت عثمانؓ) حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سفیر کی حیثیت سے عازمِ مکّہ ہوئے۔

اب آپ ہی غور فرمائیں جس عبقری شخصیت کو حضورؐ اپنا سفیر مقرر کریں۔ اس کی سیاسی بصیرت پر کیا آپ کو اعتماد نہ ہوگا؟ اور پھر آپ نے انہیں کس کی سفارش پر چُنا جسکی سیاسی عظمت کی دھاک اب تک دُنیا کے مدبرین کے دِلوں سے محو نہیں ہوئی یعنی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس واقعہ میں اس بات کی کھُلی شہادت موجود ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نظر میں حضرت عثمانؓ ایک عبقری سیاسی شخصیت تھے جس پر ایسے نازک مراحل میں پُورا اعتماد کیا جا سکتا تھا اور انہیں آپنے سفارتی سطح پر اپنا نائب بنایا اور پھر اس رائے میں بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اکیلے نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ بلکہ اصل محرک وہی تھے دوسرے کی سیاسی اہلیت جانچنے کیلئے خود بھی سیاسی عظمت درکار ہے۔

حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر حضرت ابوبکرؓ کی شہادت

اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ بلافصل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق کے سیکرٹری تھے اور آپ کے فرامین و خطوط آپ ہی لکھتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے جانشین کی وصیت کرنی تھی اور اس کے لئے آپ تحریر لکھا رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ فرمان لکھ رہے تھے کہ آپ پر غنودگی طاری ہوگئی آپ نے اپنی وصیت کی تمہید لکھا دی لیکن ابھی وہ نام زبان پر نہ آیا تھا کہ کون آپ کا جانشین ہوگا۔ حضرت عثمانؓ اس موقعہ پر خاصے پریشان تھے کہ اُمت کہیں فتنے کا شکار نہ ہوجائے آپ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ آپ حضرت عمرؓ کے حق میں یہ تحریر لکھانا چاہتے تھے آپ نے اسی یقین پر اس تحریر میں حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔

چند لمحے گذرے کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے غنودگی دور ہوئی اور آپ نے حضرت عثمانؓ سے پُوچھا کیا لکھ رہے تھے؟ تحریر میں کہاں تک پہنچے تھے آپ نے تحریر سنائی اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پڑھا۔ اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا آپ اپنا نام بھی لکھ دیتے تو بیشک آپ اس کے اہل تھے حیاۃ الصحابہ ۲ ص ۲۴

حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر حضرت عمرؓ کی شہادت۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت عمر فاروق پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے ایک چھ رکنی کمیٹی نامزد کی جسمیں وہ لوگ تھے جنہیں اس وقت کے حالات اور تقاضوں کے مطابق پوری اُمت کا کشتیبان کہا جا سکتا ہے حضرت عمرؓ کی نظر اگر صرف علم پر ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس جانشین کے لائق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا مگر آپ کی نظر میں آپ کے جانشین میں وہ سیاسی بصیرت درکار تھی جو اس وقت کے بین الاقوامی تقاضوں میں امیر المؤمنین میں ہونی چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت عثمانؓ کو اس کمیٹی میں رکھنا حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت کا کھلا اعتراف ہے اور آپ کو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ رکھنا اس بات کی قوی شہادت ہے کہ آپ کی نگاہ میں حضرت عثمانؓ اپنی سیاسی بصیرت میں ان میں سے کسی سے پیچھے نہ تھے پھر حضرت طلحہؓ جیسے بہادر انسان کا حضرت عثمانؓ کے حق میں دستبردار ہونا آپ کی عظمت وشجاعت پر ایک عظیم عبقری شخصیت کی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ آپ صرف اس چنے جانے والے پر نظر نہ ڈالیں ان چُننے والوں کو بھی دیکھیں کہ وہ اپنی عبقریت وبصیرت اور اہلیت و فراست میں کس طرح اپنے وقت کے آفتاب و مہتاب تھے۔ یہ حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت کا فاروقی فیصلہ ہی نہیں، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بھی یہی رائے تھی۔

حضرت عمرؓ جب تک خلیفہ رہے حضرت عثمانؓ آپ کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔

حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت پر حضرت علیؓ کی شہادت

سیدنا حضرت عمرؓ نے اپنے بعد کے لئے چھ رکنی کمیٹی نامزد کی تھی کہ ان میں سے خلیفہ کا انتخاب ہو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس کمیٹی کے ناظم ہوئے آپ نے تنہائی میں حضرت علیؓ سے پوچھا۔

اِن لم نبایعک فمن تشیر علیّ بہ[1]

ترجمہ:۔ اگر ہم آپ کی بیعت نہ کریں تو آپ مجھے کس کے بارے میں رائے دیتے ہیں۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ۲ صفحہ ۹۹۶۔

آپؓ نے فرمایا میں حضرت عثمانؓ کے بارے میں رائے دیتا ہوں انہیں خلیفہ بنالیا جائے۔

حضرت عمرؓ کی جانشینی کا سوال تھا حضرت علیؓ سے اس مدبر اعظم کی سیاست اور اس اسلامی سلطنت کے تقاضے مخفی نہ تھے۔ آپ نے اس ذمہ داری کے لئے حضرت عثمانؓ کا نام پیش کیا یہ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت کی ایک کھلی شہادت ہے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت زبیرؓ سے بھی رائے لی کہ اگر ہم آپ کی بیعت نہ کریں تو آپ کی رائے میں خلیفہ کون ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا حضرت علیؓ یا عثمانؓ میں سے کسی کو منتخب کرلو — آپ کی نظر میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں برابر کی شخصی عظمت اور سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی سیاسی عظمت پروقت کی دیگر شہادتیں

۱۔ حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر سے کون واقف نہیں حضرت عثمانؓ نے چاہا مصر سے آگے افریقہ تک بڑھیں حضرت عمرو بن عاص اس کے حق میں نہ تھے ان کی رائے تھی یہاں مقابلہ بڑا سخت ہوگا اور ابھی مسلمان لڑنے تیار نہیں ہیں حضرت عثمانؓ کی فراست اور سیاسی نظر وہاں مسلمانوں کو فتحمند دیکھ رہی تھی۔ آپ نے اپنی رائے قائم رکھی حضرت عمرو بن عاص کو صرف ناظم مالیات رہنے دیا اور گورنر مصر اپنے رضاعی بھائی عبدالرحمٰن بن سعد بن ابی سرح کو بنا دیا۔ اور افریقہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ اور افریقہ کے متعدد علاقے فتح ہو گئے۔ حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرو بھی عبداللہ بن ابی سرح کے ساتھ تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی سیاسی آنکھ نے جو اندازہ کیا وہ صحیح تھا آپ کسی غیر پر یہ خطرہ مسلط نہ کرنا چاہتے تھے آپ نے اپنے رضائی بھائی پر یہ بوجھ ڈالا اور جب افریقہ فتح ہو گیا تو آپ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کی گورنری سے ہٹا دیا اور پھر حضرت عمرو بن عاص کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا یہ تبدیلی آپ نے اہل مصر کے مطالبہ پر کی تھی[1]

(نوٹ) اس سیاق میں کوئی انصاف پسند اس تقرری اور معزولی کو دیکھے تو وہ بھی یہ نہ کہے گا کہ حضرت عثمانؓ نے اقربا پروری کرتے ہوئے اپنے رضاعی بھائی کو مصر کا گورنر بنایا تھا۔

---

[1] تاریخ صغیر امام بخاری ص ۴۵۔

۲۔ حضرت حذیفہ بن الیمان حضورؐ کے وہ معتمد راز دان ہیں کہ آئندہ ہونے والے واقعات اور اخبار فتن میں وہ صحابہؓ میں اسی طرح ممتاز تھے جس طرح علم میں کوئی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ثانی نہ تھا آپ سے حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ کے مخالف کس درجہ میں حق بجانب تھے، آپ نے پوری بصیرت سے ارشاد فرمایا۔ ———

اگر حضرت عثمانؓ کا قتل ایک راست اقدام ہوتا تو اُمت پر اس کے بعد دُودھ کی بارش ہوتی (ان کے بعد حالات اچھے ہوتے) لیکن یہ اقدام ایک گمراہی اور اندھی کاروائی تھی سو اس سے اُمت پر خون کی بارش ہوئی۔[۱]

۳۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب امیر معاویہؓ سے صُلح کی تو آپ نے جو شرائط صلح لکھیں ان میں سے ایک شرط بھی تھی کہ امیر معاویہؓ نظام سلطنت کتاب، اللہ سُنّت نبویہ اور سیرت خلفائے صالحین کے مطابق چلائیں گے۔ حضرت حسنؓ کی طرف سے امیر معاویہؓ کی یہ سیاسی رہنمائی تھی۔

یہ خلفائے صالحین کون ہیں حضرت حسنؓ جنکی پیروی امیر معاویہؓ پر لازم کر رہے ہیں یہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ہیں جن کی پیروی حضرت حسنؓ کے عقیدہ میں رشد و صلاح اور پوری اُمت کے لئے فوز و فلاح کی راہ تھی۔ حضرت عثمانؓ کی سیاسی عظمت پر یہ حضرت حسنؓ کا خراج تحسین ہے جس پر اس وقت کے سب صحابہؓ اور اکابر تابعین نے اپنے اجماع کی مہر لگائی۔ وکفی بہ شرفاً وفخراً واللہ علی ما نقول شہید۔ معاہدہ کی تاریخی دستاویز میں یہ الفاظ اب بھی ملتے ہیں

ھٰذا ما صالح علیہ الحسن بن علی بن ابی طالب معاویۃ بن ابی سفیان صالحہ علیٰ ان یسلم الیہ ولایۃ امر المسلمین علیٰ ان یعمل فیھم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ وسیرۃ الخلفاء الصالحین[۲] معاہدہ میں وہ بات لکھی جاتی ہے جس پر دونوں فریق کا اتفاق ہو حضرت علیؓ کی خلافت مسلم بین الفریقین نہ تھی سو یہاں خلفاء صالحین سے مراد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تھے یہاں تقیے کا بھی احتمال نہیں معاہدے میں تقیہ نہیں ہوتا پھر حضرت حسنؓ کے ساتھ اس دن پہاڑوں کی مانند فوج تھی۔ حضرت عثمانؓ کی سیاسی عظمت پر حضرت حسنؓ کی یہ کھلی شہادت ہے۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ [۲] تاریخ حبیب السیر جلد ۲ صـ ۱۴، ۱۵ کشف الغمہ میں بھی یہ معاہدہ مذکور ہے۔

براءۃ عثمانؓ

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح

بسم اللہ الرحمن الرحیم میں حضرت ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق ان باتوں کا جواب دینا چاہتا ہوں جو بعض رسائل میں بطور تنقید کے لکھی گئی ہیں اور چاہتا ہوں کہ مدافعت سے پہلے اُن کی وہ عظمتِ شان بھی ظاہر کردوں جو آپ کو صحابہ کی نظر میں حاصل تھی۔ یہ اُن مناقب وفضائل عثمان کے علاوہ ہے جو بابُ المناقب میں محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیے ہیں۔

حضرت عثمان حضرت ابوبکر کی نظر میں

ا۔ ابن سعد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کا وقت قریب دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا چنانچہ حضرت عثمان کو بلا کر فرمایا کہ:۔

"حضرت عمر کے متعلق اپنی رائے بیان کرو۔

انہوں نے کہا کہ:۔ "آپ تو اُن کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں!"

فرمایا: "پھر بھی تم اپنی رائے ظاہر کرو!"

حضرت عثمان نے فرمایا کہ:۔

"بخدا جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا ہے اور ہمارے اندر اُن جیسا کوئی نہیں ہے۔"

حضرت صدیق نے فرمایا:۔

"اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ! اگر میں عمر کو چھوڑ دیتا تو ان کے بعد تم کو نہ چھوڑتا!"[1]

فائدہ:۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت صدیقؓ کے نزدیک حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہی خلافت کے لائق تھے!

---

[1] حیاۃ الصحابہ۔ ج ۲۔ص ۱۹

۲. لالکائی نے عثمان بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عثمان بن عفان کو بلایا تاکہ اپنے بعد کسی کے لیے خلافت کی وصیت لکھوائیں۔ وصیت نامہ ابھی کچھ لکھوایا ہی تھا کہ حضرت صدیق پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ ابھی تک کسی کا نام نہیں لکھنے میں آیا تھا تو حضرت عثمان نے خود ہی حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کو افاقہ ہوا، حضرت عثمان سے پوچھا، تم نے کسی کا نام لکھ دیا ہے؟ فرمایا:۔

مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ پر یہ غشی موت کی غشی نہ ہو، اور اختلاف وافتراق پیدا نہ ہو جائے، اس لیے میں نے حضرت عمر کا نام لکھ دیا ہے:

حضرت صدیق نے فرمایا:۔

'اللہ تم پر رحم کرے اگر تم اپنا ہی نام لکھ دیتے تو یقیناً تم اس کے اہل تھے!' [1]

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ کی اہلیتِ خلافت پر پورا اعتماد تھا!

حضرت عثمان حضرت عمر کی نظر میں

ابن جریرؒ نے محمد وطلحہ وزیاد رضی اللہ عنہم سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر (مدینہ سے) لشکر کے ساتھ نکلے اور ایک چشمہ پر جس کا نام "صرار" تھا پڑاؤ کیا۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ یہاں سے آگے جائیں گے یا اسی جگہ قیام کریں گے؛ اور جب حضرت عمر سے لوگ کچھ دریافت کرنا چاہتے تو حضرت عثمان کو واسطہ بناتے یا عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہما) کو۔ حضرت عمر کی خلافت میں حضرت عثمان کو ردیف کہا جاتا تھا۔ جس کے معنی لغتِ عرب میں پیچھے (آنے والے) کے ہیں۔ اہلِ عرب ردیف اس کو کہتے ہیں جس کے بارے میں یہ امید ہو کہ اس سردار کے بعد یہ سردار ہوگا۔ اگر کبھی یہ دونوں حضرات کسی بات کو حضرت عمر رضؓ سے معلوم نہ کر سکتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو واسطہ بناتے چنانچہ حضرت عثمان نے حضرت عمر رضؓ سے دریافت کیا کہ:۔

آپ کو کوئی نئی خبر پہنچی ہے (جس کی وجہ سے آپ لشکر کو یہاں لائے ہیں) آپ کا ارادہ کیا ہے؟ تو آپ نے نماز کے لیے جمع ہونے کا اعلان کیا جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے واقعہ بتلایا۔

---

[1] "حیاۃ الصحابہ" ج ۲، ص ۲۲

(کہ مقام نہاوند پر فارس کا بڑا لشکر جمع ہے اور کسریٰ خود میدان میں آگیا ہے، اب بتلاؤ کیا کرنا چاہیے؟
لوگوں نے کہا، آپ ضرور چلیں، اور ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ الخ (یہ ایک طویل حدیث ہے)۔!

فائدہ:۔ مجھے اس اثر سے یہ بتلانا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں لوگوں کی نظریں حضرت عثمان رضؓ پر تھیں کہ حضرت عمرؓ کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمر نے اپنی وفات کے قریب مسئلہ خلافت کو چھ حضرات کے سپرد کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔ اور ان چھ حضرات نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔! تو عبدالرحمان بن عوف دو تین راتیں مہاجرین و انصار اور امراء اجناد (افواج) و عمال وغیرہم سے مشورہ کرتے رہے اور تیسرے دن کی صبح کو انتخاب عثمان کا اعلان کرنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ "اے علی! میرے متعلق اپنے دل میں کچھ خیال نہ کرنا۔ میں نے صحابہ مہاجرین و انصار وغیرہ سب سے مشورہ کیا تو دیکھا کہ

لا یعدلون بعثمان احدا — وہ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تقدم و افضلیت اور اہلیت خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا۔ اس اجماع کے خلاف خبر واحد صحیح بھی ہو۔ تو قبول نہ کی جائے گی۔ چہ جائیکہ ضعفاء و مجروحین و مبتدعین (اور) شیعہ و خوارج کی روایتیں، کہ وہ کسی درجہ میں شمار نہ کی جائیں گی۔ اگر راویان اخبار و سیر کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ہر صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جتنی بھی روایتیں ہیں، سب ضعفاء و مجروحین اور اہل بدعت و اہوا کی روایات ہیں۔

حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ کی نظر میں۔

ابو احمد (حاکم) نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب (باغیوں نے) حضرت عثمان پر محاصرہ سخت کر دیا تو میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ باندھے ہوئے اور حضور ہی کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں اُن کے آگے آگے حضرت حسن اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت تھی۔ انہوں نے (باغی) لوگوں پر حملہ کیا اور اُن کو ادھر اُدھر منتشر کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضؓ کے مکان میں داخل ہوئے حضرت علی رضؓ

نے آپ سے کہا:-

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام (یعنی سلطنت کا استحکام) اُس وقت تک نہیں کیا، جب تک اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کو نہیں مارا۔ اور بخدا میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، تو ہم کو حکم دیجئے کہ ہم بھی اُن سے قتال کریں۔!

حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا:-

'میں ہر اُس شخص کو جو اللہ کا حق اپنے اوپر سمجھتا ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ میرا بھی اُس پر کچھ حق ہے، قسم دیتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی کا ذرا سا بھی خون نہ بہاتے، نہ اپنا خون بہائے۔!'

حضرت علی نے پھر اپنی بات دہرائی۔ حضرت عثمان نے پھر بھی یہی جواب دیا۔ تو میں نے حضرت علی کو دروازے سے نکلتے ہوئے یہ کہتے سُنا:-

"اے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے اپنی سی کوشش کر لی ہے!"

پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ نماز کا وقت آگیا تھا۔ (باغی) لوگوں نے کہا:-

يَا أَبَا الْحَسَنِ : (حضرت علی کی کنیت ہے) آگے بڑھیئے۔ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے۔!"

حضرت علی نے فرمایا:-

"میں تم کو اس حال میں نماز نہیں پڑھاؤں گا کہ امام (خلیفۃ المسلمین) گھر میں محصور ہو۔ میں تنہا نماز پڑھ لوں گا۔!"

چنانچہ آپ نے تنہا نماز پڑھی اور اپنے گھر کو لوٹ گئے۔ اُسی وقت اُن کے صاحبزادے (امام حسن رضؓ) پہنچے اور کہا:-

"واللہ ! (باغی) لوگ (حضرت عثمان کے) گھر میں گھس گئے ہیں!"

حضرت علی نے فرمایا:-

"إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ! بخدا یہ اُن کو قتل کر ڈالیں گے! شہید کر دیں گے"

لوگوں نے پوچھا

" اے ابا الحسن ! حضرت عثمان (قتل ہو گئے تو) کہاں پہنچیں گے۔!

انہوں نے فرمایا:-

جنت میں، مقام قرب پر پہنچیں گے"!

لوگوں نے عرض کیا:۔

" اور قاتل کہاں جائیں گے؟" فرمایا:۔

" بخدا جہنم میں جائیں گے؟" اس بات کو تین بار دہرایا۔![1]

ابو احمد حاکم نے حضرت امام حسن بن علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے کہ انہوں نے باغیوں سے قتال کرنے کی حضرت عثمان سے اجازت مانگی تو آپ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ:۔

" اے بھتیجے! لوٹ جاؤ۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم پورا کریں مجھے کسی کا خون بہانے کی حاجت نہیں۔!"

ابو عمرو بن عبدالبر نے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ محاصرہ کے وقت میں بھی حضرت عثمان کے گھر میں تھا کہ باغیوں نے ایک شخص کو تیر سے مار ڈالا۔ میں نے حضرت عثمان سے کہا! اب تو ہمارے لیے قتال کرنا بلاشبہ جائز ہو گیا ہے، کیونکہ انہوں نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا:۔

" اے ابوہریرہ! میں تم کو قسم دیتا ہوں، تلوار پھینک دو۔ یہ لوگ میری جان لینا چاہتے ہیں تو میں اپنی جان دے کر مسلمانوں کا وقایہ (ڈھال) بن جاؤں گا۔!"

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

" اس پر میں نے اپنی تلوار پھینک دی۔ اور اب تک مجھے معلوم نہیں کہ وہ تلوار کہاں گئی؟"[2]

فائدہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ بعض لوگوں کو جو شکایات حضرت عثمانؓ سے تھیں ان میں حضرت عثمانؓ حق پر تھے، مخالف ناحق پر تھے۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھ کر حضرت عثمان کے بارے میں قلم اٹھانا چاہیے۔ ان سے آنکھیں بند کر کے گفتگو کرنا کسی عالم کو جائز نہیں کہ

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ للمحب الطبری بحوالہ حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۱۱۵)

[2] حیاۃ الصحابہ ج ۲، ص ۱۲۶، ۱۲۷)

اس سے عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) "منهاج السنة" میں فرماتے ہیں کہ:-

"امام احمد بن حنبل اور بہت سے علماء حضرت علی کی سنت پر اُسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح سنت عمر اور سنت عثمان پر عمل کرتے ہیں مگر دوسرے بعض علماء امام مالک وغیرہ سنتِ علی کا اتباع نہیں کرتے حالانکہ سنتِ عثمان کے اتباع پر سب کا اتفاق ہے۔" ؎

فائدہ :- امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ جو سنتِ علی کی اتباع نہیں کرتے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں افتراق تھا، کچھ صحابہ حضرت علی کے ساتھ تھے اور کچھ اُن کے ساتھ نہ تھے اُن کی سنت پر سب کا اتفاق نہ تھا اور حضرت عمر و عثمان کی سنتوں پر سب صحابہ کا اتفاق تھا۔ اس لیے سُنتِ عثمان کے اتباع پر سب علماء فقہاء متفق ہیں، اس حقیقت میں جسقدر وزن ہے، اہل علم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

ابن عساکر وغیرہ نے حضرت شعبی (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک قریش اُن سے اکتا نہ گئے۔ انہوں نے قریش (کے مہاجرین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا، (کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں) حضرت عمر نے فرمایا:-

"مجھے سب سے زیادہ خطرہ تمہارے اِدھر اُدھر جانے سے ہے۔"

اگر ان محصورین مہاجرین میں سے کوئی جہاد کے لیے بھی اجازت مانگتا، تو فرما دیتے کہ:-

"تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت جہاد کر لیا ہے بس وہی کافی ہے۔ آج کل تمہارے لیے جہاد کرنے سے یہی بہتر ہے کہ نہ تم دنیا کو دیکھو، نہ دنیا تم کو دیکھے۔"

جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے: انہوں نے اِن حضرات کو رخصت دیدی کہ جہاں چاہیں جائیں۔ اب یہ لوگ بلادِ اسلام میں اِدھر اُدھر پھیل گئے اور لوگ ہر طرف سے اُن کی طرف رجوع ہونے لگے۔ محمد بن طلحہ کہتے ہیں کہ

"یہ پہلا ضعف تھا جو اسلام میں داخل ہوا اور عام مسلمانوں میں فتنہ کی ابتداء اسی سے ہوئی۔"

؎ "منهاج" ج ۳ ص ۳۰۵ بحوالہ مقدمہ "اعلاء السنن" ص ۱۱۱)

حاکم نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے پاس آئے اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی فرمایا کہ:۔

"اپنے گھر میں بیٹھو، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (بہت) جہاد کر لیا ہے"!

حضرت زبیر نے بار بار درخواست کی تو تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا۔

"اپنے گھر میں بیٹھو۔ واللہ! میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم مدینہ سے باہر نکلو گے تو صحابہ رسول کو فساد میں (غالباً جنگ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت زبیر و طلحہ جا نکلے تھے) مبتلا کر دو گے"

(اور حضرت عمر بڑے صاحب فراست اور صاحب کشف تھے،)

ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس سند کو صحیح کہا ہے۔!

فائدہ:۔ مگر صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت زبیر بن العوام جنگ یرموک میں موجود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اُن کے اصرار سے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ اجازت دیدی ہو گی غالباً اسی وجہ سے حضرت عثمان نے بھی ان صاحبوں سے پابندی اٹھا دی تھی کیونکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ جن صاحبوں پر حضرت عمر نے پابندی لگا رکھی تھی وہ اُس سے اکتا گئے تھے۔ جو روشن خیال علما رحضرت عثمان پر تنقید کرتے ہیں وہ اس بات کا جواب دیں کہ حضرت عمر نے اکابر مہاجرین کو مدینہ میں محصور کر کے اُن کی آزادی کیوں سلب کی؟ آج کل تو جمہوریت کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شخص کو رفتار و گفتار کی پوری آزادی ہو۔ اُس پر کسی جگہ کا داخلہ بند نہ کیا جائے۔ نہ سیر و سیاحت اور سفر پر پابندی لگائی جائے اس لیے ان متجددین (ماڈرن) کے نزدیک تو حضرت عثمان کا یہ کارنامہ جمہوریت کے موافق تھا اور حضرت عمر کا عمل سراسر خلافِ جمہوریت تھا۔! یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ حضرت عمر نے قریش کے اُن افراد پر کوئی پابندی نہ لگائی تھی جو مکہ میں رہتے تھے۔ جیسا کہ اسی روایت کے بعض الفاظ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ پابندی قریش کے ان افراد پر تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مہاجر ہو کر مدینہ آگئے تھے حضرت عمر اُن کو مدینہ سے باہر جانے سے روکتے تھے اور اپنے پاس مدینہ میں ہی رکھنا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ وہی تھی۔ جو ولی عہد سلطنت کو بادشاہ کے سامنے پایۂ تخت میں رہنے پر مجبور کرنے کی ہوا کرتی ہے، کیونکہ ولی عہد سلطنت کی

عظمت رعایا کے قلوب میں بہت ہوتی ہے۔ اگر اُس کو پایۂ تخت سے باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی جائے تو بہت سے لوگ اُس کے گرد جمع ہوجائیں گے جس سے بعض دفعہ سلطان وقت کی سلطنت کو خطرہ پیش آنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسے خطرات کا واقع ہونا مذکور ہے۔ اسلام میں خلافت۔ میراث تو ہے نہیں کہ بادشاہ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو۔ اسلام میں اس کا مدار قابلیت واہلیت پر ہے۔ اور قریش کے وہ افراد جو مہاجر بن کر مدینہ آگئے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لیے ان سب کو حضرت عمرؓ نے مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ مدینہ میں محصور رکھا۔ الاماشاء اللہ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح (رضی اللہ عنہ) اور اُن جیسے ایک دو صاحبوں پر یہ پابندی نہیں لگائی۔ پھر جس طرح وَلِیِ عہد سلطنت اس قسم کی پابندیوں سے گھبرا جاتا ہے، اُسی طرح یہ مہاجرین قریش بھی اس پابندی سے اکتا گئے اور بار بار جہاد کے لیے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت مانگنے لگے تو حضرت عمرؓ نے بعض کو اجازت دے دی۔ اور حضرت عثمانؓ نے اس پابندی کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کو اُن کی آزادی سے جو خطرہ تھا وہ صحیح ہو کر رہا۔ ان حضرات نے مدینے سے باہر قدم رکھا تو لوگ ان پر جھک پڑے اور حضرت عمر کی حیات ہی میں بعض لوگوں کی زبان پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں کہ حضرت عمر کے بعد ہم حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے آخری خطبہ میں اُن لوگوں کو سخت تنبیہ کی کہ:۔

"چند افراد یا کسی ایک جماعت کو حق نہیں کہ وہ کسی کو خلیفہ بنالے۔ خلافت سب مسلمانوں کے مشورہ سے کسی کو دی جاسکتی ہے، ورنہ دونوں پر قتل کا اندیشہ ہے[1]

حضرت عثمان ایک سال سخت بیمار ہوگئے تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان اس مرض میں وفات پاگئے تو ہم حضرت زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر نے ام المومنین حضرت عائشہ (سلام اللہ ورضوانہ علیہا) کو دم (خون) عثمان کے مطالبہ کے لیے باست اقدام کرنے پر اُبھارا تو یہ سوال اٹھا کہ یہ اقدام کہاں سے شروع کیا جائے؟ تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ:۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد

"بصرہ میں ہمارے حامی بہت ہیں، یہ اقدام وہیں سے ہونا چاہیئے!

چنانچہ جنگ جمل بصرہ میں واقع ہوئی۔ اگر یہ حضرات مدینہ سے باہر قدم نہ نکالتے، جیسا کہ حضرت عمر کا منشا تھا تو بصرہ میں ان کے حامی نہ پیدا ہوتے، نہ جنگ کی نوبت آتی، نہ خلافت عثمان میں وہ انتشار پیدا ہوتا، جو قتل عثمان کا سبب بنا۔

اب میں ان تنقیدات کا جواب عرض کرتا ہوں جو بعض، نو تعلیمیافتہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کی ہیں، سب سے پہلی تنقید یہ ہے کہ:۔

۱۔ حضرت عثمان خلیفہ ہوتے تو رفتہ رفتہ حضرت عمر کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے در پے بنو امیہ کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر موجب اعتراض بن کر رہیں۔ بنی امیہ میں جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقا میں سے تھے!

(طلقاء وہ صحابہ ہیں، جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کی آزادی کا اعلان کیا تھا)

اس کا جواب حضرت عثمان نے خود یہ دیا تھا کہ:۔

"میں نے اپنی خلافت میں بجز ایک شخص عبداللہ بن عامر بن کریز کے بنو امیہ میں سے کسی کو بھی از خود عامل نہیں بنایا، بلکہ سب حضرت عمر کے بنائے ہوئے عامل ہیں اور عبداللہ بن عامر جسے میں نے عامل بنایا ہے، اس سے کسی کو کوئی شکایت نہیں، بلکہ سب اس سے خوش ہیں۔"

فائدہ:۔ واقعہ یہ ہے کہ یزدجرد (گرد) شاہ فارس کو جب شکستِ فاش ہوگئی تو وہ ادھر اُدھر بھاگا پھرتا تھا۔ جس شہر میں جاتا، وہاں کا فارسی حاکم اس کی آؤ بھگت کرتا اور بھاگا ہوا لشکر اس کے گرد جمع ہوکر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ اس صورت میں ملک فارس کا نظام مختل رہتا تھا۔ حضرت عثمان نے بصرہ کے گورنر کو (جس کے تحت خراسان بھی تھا) یہ تاکید کی کہ جس طرح بھی ہو، کسریٰ کو گرفتار یا قتل کر دو، تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔ جب تک کسریٰ آزادی سے گھومتا رہے گا، فساد کا قلع قمع نہ ہوگا۔ مگر بصرہ کا کوئی گورنر اس مہم کو سر نہ کرسکا، تو حضرت عثمان نے عبداللہ بن عامر بن کریز سے مشورہ کیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ اس مہم کو سر کرلوں گا تو حضرت عثمان نے ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کو بصرہ کی گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن عامر کو یہ منصب عطا کر دیا۔ اور اس نے بڑی شجاعت اور سیاست

سے کسریٰ کو محصور کرلیا اور وہ محاصرہ ہی کی حالت میں مارا گیا جس کے بعد ملک فارس کا نظم ونسق مسلمانوں کے قبضہ میں پوری طرح آگیا۔ عبداللہ بن عامر صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا۔ بڑا بہادر، مُتقی اور ہوشیار تھا۔

ع کہ معنیٰ بود صورت خوب را!

(اچھی شکل میں ایک خاص رمز اور مفہوم ہوتا ہے)

اس شخص کے علاوہ جتنے عمال — (گورنر) — بنوامیہ یا طُلقا میں سے تھے، وہ سب حضرت عمر کے بنائے ہوئے عامل تھے۔

عِکرمہ بن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) بھی طُلقا میں سے تھے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ ان کو صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے ایک دستہ فوج کا قائد بنا کر مرتدین کے مقابلہ میں بھیجا تھا اور فتوحاتِ شام میں انہوں نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ بالآخر جنگِ اجنادین یا اسی کے قریب کسی جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ جس کا پورے لشکرِ اسلام کو سخت صدمہ ہوا۔

ولید بن عقبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صدقات کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمر نے بھی اس کو بعض مقامات کا عامل بنایا تھا،

یہ ضرور ہے کہ بنوامیہ کے یہ عمال حضرت عمر کے زمانہ میں معمولی مقامات کے عامل تھے۔ جب تجربہ کار ہو گئے، اُن کو ترقی دے کر کسی بڑے مقام کا عامل بنا دیا اور یہ کوئی نازیبا بات نہیں۔ عُمال کو ترقی دینا سب ہی متمدن حکومتوں کا طریقہ ہے۔! کہا جاتا ہے کہ

"اسلامی تحریک کی سربراہی کے لیے یہ لوگ موزوں بھی ہو سکتے تھے۔ وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوئے۔ لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کے لیے تو نہ آیا تھا۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوتِ خیر وصلاح تھا جس کی سربراہی کے لیے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ اور تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔!"

میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن لوگوں کو مکہ اور خیبر اور بحرین کا حاکم

بنایا گیا، کیا وہ صحابہ کی اگلی صفوں میں آتے تھے؟ بحرین کا پہلا گورنر منذر بن ساویٰ عبدی تھا، پھر علاء بن الحضرمی، مکہ کے حاکم عتاب ابن اسید تھے۔ اور خیبر کے سواد بن غزیہ۔ ان میں سے کوئی بھی صف اول میں نہ تھا۔ حضرت خالد بن ولید و عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) جب سے مسلمان ہوئے حضور نے ہمیشہ ان کو قائدِ عسکر، یا امیر بنایا۔ بلکہ غزوۂ ذات السلاسل میں حضرات شیخین کو بھی حضرت عمرو بن العاص کا ماتحت بنا دیا۔ اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کا حاکم بنایا اسی طرح جیش اسامہ میں اکابر مہاجرین و انصار حتیٰ کہ حضرت عمر کو بھی اسامہ کی ماتحتی میں کر دیا گیا فتح شام کے بعد پہلے گورنر ابو عبیدہ ابن الجراح (رضی اللہ عنہ) تھے۔ ان کے انتقال کے بعد خلافتِ فاروق میں (حضرت) یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گورنر ہوئے، یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ ان کے انتقال پر حضرت عمر نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو امارت شام پر مامور فرمایا یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ آپ عہد نبوت اور عہد صدیق، اور عہد فاروق کے عمال و حکام پر نظر ڈال جائیں تو ایک دو کے سوا تمام عمال صفِ ثانی۲ یا ثالث۳ ہی کے نظر آئیں گے۔ ولید بن عقبہ کے بارے میں کہہ چکا ہوں کہ اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر عامل بنا کر بھیجا تھا پھر حضرت عمر نے بھی اس کو عامل بنایا، حضرت عثمان نے بھی اس کو عامل کوفہ بنا دیا تو کیا جرم کیا؟ آپ کو تسلیم ہے کہ اس کے انتظام سے اول اول اہل کوفہ بہت مطمئن ہوئے، بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ مے نوش ہے۔ مے نوشی کے سوا اور کسی جرم کی نشان دہی کسی مؤرخ نے نہیں کی۔ سو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مے نوشی کا ارتکاب حضرت قدامہ بن مظعون صحابی بدری (رضی اللہ عنہ) سے بھی ہوا تھا، جن پر حضرت عمر نے حد جاری کی تھی۔ یہ صفِ اول کے صحابی تھے۔ مگر ان کو یہ مغالطہ ہوا تھا کہ آیت:-

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا
اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (المائدہ ع ۱۱)

(ترجمہ) نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور کام کیے اچھے کوئی گناہ اس چیز میں جو (ناجائز کھایا پیا انہوں نے (پہلے) جبکہ وہ متقی ہوگئے اور مومن بن گئے اور انہوں نے اچھے کام کیے۔

کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب پی کر ایمان وعملِ صالح اور تقوی پر قائم رہیں۔ اُن پر کوئی گناہ نہیں۔
حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا :۔

"تم نے آیت کا مطلب غلط سمجھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمتِ شراب سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی تھی اور ایمان وعمل اور تقوی پر کاربند رہے، اُن کو پچھلی مے نوشی کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا :"

کیونکہ فیما طعموا صیغۂ ماضی ہے، مستقبل نہیں، یہ مطلب نہیں کہ نزول حرمت کے بعد کوئی شراب پیئے اور ایمان وعملِ صالح وتقوی پر کاربند رہے اُس کو بھی گناہ نہیں کیونکہ حرمت کے بعد شراب پینے سے تقوی کہاں باقی رہا؟ اگر ایسا ہی مغالطہ ولید کو بھی ہوا ہو، جو صفِ اول کے صحابی نہیں تو کیا بعید ہے؟ پھر حضرت عثمان نے بتلا دیا کہ بنو امیہ کے جسقدر عمال ہیں، وہ حضرت عمر کے بنائے عمال ہیں، تو جو اعتراض حضرت عثمان پر کیا جا رہا ہے وہ دراصل حضرت عمر پر ہے۔ کہ انہوں نے ایسے لوگوں کو عامل کیوں بنایا جو صفِ اول کے صحابی نہ تھے بلکہ صفِ ثانی یا ثالث کے تھے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گورنری

ایک بڑا اعتراض حضرت عثمانؓ پر یہ کیا گیا کہ :۔

"انہوں نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶۔۱۷ سال مامور رکھا۔"

حضرت عثمان کی خلافت کی مدت کل ۱۲ سال ہے جو معترض کو بھی تسلیم ہے، پھر وہ حضرت معاویہ کو ۱۶۔۱۷ سال اپنی خلافت میں گورنر کیسے رکھ سکتے تھے؟ اور اگر خلافتِ عمر کا زمانہ بھی حضرت عثمان ہی کے نامۂ اعمال میں شامل کیا جاتا ہے تو ۱۶۔۱۷ سال نہیں بلکہ بیس۲ سال کہنا چاہیئے۔ حضرت معاویہ خلافتِ عمر میں ۸ سال سے زیادہ امیرِ شام رہے۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ میں ۱۲ سال۔ جس شخص کو حضرت عمر نے ۸ سال مسلسل امارتِ شام پر مامور رکھا، اگر حضرت عثمان نے اُسے ۱۲ سال مسلسل رکھا تو کیا جرم کیا؟ یہ سوال سب سے پہلے حضرت عمر سے کرنا چاہیئے کہ انہوں نے ایک شخص کو ایک ہی صوبہ پر مسلسل ۸ سال گورنر کیوں رکھا؟

پھر معترض کا یہ دعوی تسلیم نہیں کہ :۔

"حضرت عمر کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے۔" الخ

بلکہ اُن کا قاعدہ تھا کہ جس حاکم سے رعایا کو شکایت نہ ہو، اُس کو الگ نہیں کرتے تھے۔ (حضرت) ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) برابر بصرہ کے حاکم رہے۔ حضرت عمر نے ان کا تبادلہ نہیں کیا، نہ وہاں سے معزول کیا (حضرت) علاء بن الحضرمی (رضی اللہ عنہ) بحرین کے حاکم رہے، اُن کا تبادلہ نہیں کیا گیا۔ اُن کے انتقال پر دوسرا گورنر بھیجا گیا۔ اور یہ واقعہ کہ حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے رعایا شام خوش تھی۔ کسی کو کوئی شکایت نہ تھی اور وہ سیاست اور حلم میں ضرب المثل تھے شام کا صوبہ جیسا کہ معترض کو تسلیم ہے اُس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے ایک طرف تمام مغربی صوبے تھے۔ یہاں ایسے ہی سیاستدان (اور) حلیم کی ضرورت تھی، جس سے پورا صوبۂ شام خوش اور مطمئن ہو۔

<u>خُمس کا قصّہ</u>

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ:-

"حضرت عثمان نے افریقہ کی جنگ کا پورا خمسِ غنیمت مروان کو دے دیا جو پانچ لاکھ دینار تھا۔"

یہ غلط ہے (جناب) مروان (رضی اللہ عنہ) کا خمسِ افریقہ سے کیا واسطہ تھا؟ واقعہ یہ ہے، کہ افریقہ کی حدود مصر سے ملی ہوئی تھیں۔ مصر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا۔ مگر افریقہ کے عیسائی حدودِ مصر پر حملے کرتے اور کبھی مصر کے اندر آکر فساد برپا کرتے تھے۔ ضرورت تھی کہ افریقہ پر فوج کشی کی جائے تاکہ ان پر رعب قائم ہو۔ اور مصر کے نظام کو مختل نہ کرسکیں۔

اس وقت حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) مصر کے والی تھے۔ ان کو حضرت عثمان نے افریقہ کی جانب فوج کشی کا حکم دیا تو انہوں نے راستہ کی دشواری کا عذر کیا۔ ان کے نائب عبداللہ ابن ابی سرح نے اس پر آمادگی ظاہر کی تو حضرت عمرو بن العاص کو گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن ابی سرح کو والی مصر بنا دیا گیا۔ جب انہوں نے افریقہ پر حملہ کرنے کے لیے لشکرِ جرار کے ساتھ میدانِ کارزار میں قیام کیا، شاہِ افریقہ خود مقابلہ میں آگیا۔ اور اُس نے اعلان کر دیا کہ:-

"جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کا سر میرے پاس لائے گا، اس کو آدھا ملک دوں گا، اور اپنی بیٹی سے شادی کر دوں گا"۔

اب ہر افریقی سپاہی عبداللہ بن ابی سرح کا سر لینے کے درپے ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ میدان کارزار سے ہٹ کر خیمہ میں آگئے اور ایک دستہ فوج خیمہ کے گرد تعینات کر کے میدان جنگ میں اپنا ایک نائب مقرر کر دیا، جس کے پاس خیمہ ہی سے ہدایات پہنچ رہی تھیں۔

افریقہ کی اس جنگ میں عبداللہ بن ابی سرح کی امداد کے لیے مدینہ سے بھی ایک بڑا لشکر پہنچ گیا۔ جس میں (حضرت) عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، امام حسن، حضرت حسین، اور فضل بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم بہادران قریش بھی شریک تھے۔ اس لشکر نے افریقہ پہنچ کر دیکھا کہ عبداللہ بن ابی سرح میدان میں نہیں ہیں۔ عبداللہ بن زبیر ان کے خیمہ میں گئے اور پوچھا کہ:۔

"آپ خیمہ میں کیوں ہیں، میدان میں چل کر خود فوج کی کمان کیوں نہیں کرتے؟"

(انہوں نے کہا) :۔

"میرا سر کاٹنے پر شاہ افریقہ نے اپنی بیٹی دینے اور آدھی سلطنت دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس لیے ہر افریقی سپاہی میرا سر کاٹنا چاہتا ہے"۔

عبداللہ بن زبیر نے کہا:۔

"تو آپ یہ اعلان کر دیجیے کہ، 'جو شخص شاہ افریقہ کا سر لائے گا، میں اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور مال غنیمت کا پورا خمس دے دوں گا'"۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اب شاہ افریقہ میدان چھوڑ کر اپنے خیمہ میں بیٹھ گیا۔ اور عبداللہ بن ابی سرح میدان میں آگئے۔ جنگ شروع ہوئی تو عبداللہ بن ابی سرح نے ایک دستہ فوج کے ساتھ شاہ افریقہ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور خود اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کر کے سر نیزہ پر بلند کیا۔ افریقی فوج کو شکست ہوئی اور عبداللہ بن ابی سرح اعلان کے موافق خمس غنیمت کے مستحق ہو گئے۔ فوج اسلام نے ان کے استحقاق کو تسلیم کیا۔ حضرت عثمان کو اس کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے بھی اس حق کو تسلیم کیا۔ مگر جب عبداللہ بن سبا یہودی منافق اور اس کے ماننے والوں نے اس کو بری طرح اچھالا کہ:۔

"حضرت عثمانؓ نے اپنے رضاعی (دودھ شریک) بھائی کو اتنی بڑی دولت دی ہے، کیوں؟

یہ تو اقربا پر نوازی ہے ۔؟

تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو لکھا کہ :۔

"تم خمسِ افریقہ کو واپس بھیج دو، میں تم کو اپنے پاس سے مناسب انعام دے دوں گا۔ بعض لوگ، تم کو پورا خمس دینے پر چہ میگوئیاں کر رہے ہیں ۔!

بتلایئے اس میں الزام کی کونسی بات تھی ۔!

رہا یہ کہ حضرت مُعاویہؓ کے مسلسل صوبہ شام پر گورنر رہنے کا خمیازہ حضرت علی کو بھگتنا پڑا"

یہ خیالِ خام ہے ۔ میں پوچھتا ہوں کہ بصرہ میں تو حضرت مُعاویہ گورنر نہ تھے وہاں حضرت علیؓ کو کس چیز کا خمیازہ بھگتنا پڑا ؟ وہاں جنگِ جمل کیوں ہوئی ؟ اس جنگ سے پہلے تو حضرت معاویہ تردد اور تذبذب ہی میں تھے کہ حضرت علیؓ کی بیعت سے نہ صراحۃً انکار کرتے تھے ، نہ اقرار، جنگِ جمل میں حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) حضرت طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) ـــ کے ـــ مقابلہ نے حضرت مُعاویہ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ یہ معاملہ مشکوک ضرور ہے ۔ ورنہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، حضرت علی کی بیعت توڑ کر اُن کے مقابلہ میں ہرگز نہ آتے ۔ حضرت علی کو یہ مشکل اس لیے پیش آئی کہ انہوں نے امام حسن اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پر عمل نہ کیا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کو بالکل نہ چھیڑا جائے ۔ اُن صوبوں کا نظم و نسق سنبھالا جائے جن کے گورنروں نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی ہے ۔ معاویہؓ اکیلے کب تک رہیں گے ؟ آج نہیں تو کل مجبور ہو کر آپ کی بیعت قبول کر لیں گے ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی ۔ اس پر ناقد صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت علی اگر حضرت معاویہ کے معزول کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ اُن کے اس اقدام سے ابتداء ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہ کس مقام پر کھڑے ہیں ۔ زیادہ دیر تک ان کے مؤقف پر پردہ پڑا رہتا ۔ تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا ۔ جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے ۔" الخ

یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کو حضرت مُعاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم و تدبّر کا کچھ علم نہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مُعاویہ کا موقف تو اسی وقت معلوم ہو گیا تھا ، جب انہوں نے حضرت علی کی بیعت میں

توقف کیا۔ اور مطالبہ کے بعد سعید کا عذر صحیح دیا تھا۔ مگر حضرت امام حسن اور ابن عباس اور مغیرہ بن شعبہ حضرت معاویہ کے حلم وحکمت سے واقف تھے کہ ان کو نہ چھیڑا جائے تو وہ ہرگز مقابلہ پر نہ آئیں گے۔

مگر حضرت علی نے اُن کی بات نہ مانی۔ محمد بن ابی بکر اور اُن کے بڑے بڑے ساتھیوں ــ مالک اشتر نخعی وغیرہ کی رائے پر عمل کیا، جو حضرت معاویہ سے برائی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ شاید کثرتِ رائے کا غلبہ اس کا سبب ہوا ہو۔ اور اُن دونوں کی پوزیشن کو ایسا مضبوط کیا کہ اول الذکر کو اپنا مشیر خاص (سیکرٹری) بنایا اور دوسرے کو فوج کا کمانڈر انچیف۔ حالانکہ یہ دونوں قتلِ عثمان سے متہم اور اس فتنۂ کبریٰ کے بانی شمار ہوتے تھے۔ اسی چیز نے حضرت معاویہؓ اور ان کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافت علی کی پوزیشن کو مخدوش بنا دیا اور جنگ جمل نے اس خدشہ کو زیادہ قوی کر دیا۔ جنگ جمل نے حضرت علی کی جماعت میں بھی اضطراب پیدا کر دیا۔ اُن کے بہت سے حامی، جو اب تک اُن کو خلیفۂ برحق سمجھتے تھے، شک میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے جنگِ صفین بھی بے نتیجہ رہی۔ جو صوبے اُن کے ساتھ تھے، آہستہ آہستہ اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ صرف کوفہ میں خلافت قائم رہی۔ اور کوئی صوبہ اُن کے قبضہ میں نہ رہا۔

اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ مروان نے حضرت عثمان کی طرف سے حاکم مصر کو یہ لکھ دیا تھا کہ یہ لوگ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھی مصر پہنچیں تو انہیں قتل کر دینا حافظ ابن کثیر نے اس کے بارے میں لکھا ہے :-

كتبوا من جهة علي وطلحة والزبير إلى خوارج كتباً مزورة انكروها وهكذا زوروا هذا الكتاب على عثمان [1]

(ترجمہ) لوگوں نے حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف سے خوارج کے نام ایسے جعلی خطوط لکھے کہ ان سب حضرات نے ان کا انکار کیا ایسے ہی حضرت عثمان کے نام سے انہوں نے جعلی خط لکھا۔

یہ اس جعلی خط کا تذکرہ ہے جس سے نہ حضرت عثمان کو کچھ واسطہ تھا نہ مروان کو۔ یہ سب بلوائیوں کی حرکت تھی موطا امام مالک کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ امام مالک مروان کو فقہاء مدینہ میں شمار کرتے ہیں اور موطا میں ان کے اقوال فقہیہ بیان کرتے ہیں اگر ان سے کوئی امر خلاف عدالت و ثقاہت صادر ہوا ہوتا تو یہ حضرات (سہل بن سعد ساعدی، عمروہ بن زبیر، حضرت زین العابدین وغیرہم) ہرگز ان سے روایت نہ کرتے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۷۵۔

صحابہ کی سیرت کا روشن باب

خلیفہ کو خلافت کا پورا حق دو

علامہ خالد محمود

اپنی ذمہ داری میں پورے اترو اور دوسرں کے حقوق میں دخل نہ دو۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی ارشاد یزکیھم کا فریضہ ادا کرتے ہوئے جو پاک دل معاشرہ آباد کیا وہ آنحضرتؐ کی سیرت سازی کا نہایت روشن باب ہے اس ماحول میں یہ بات نمایاں طور پر ملتی ہے کہ ہر کسی کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے دو خواہ مخواہ اس کے کاموں میں دخل نہ دو جب تک شریعت نہ روکے اس کے صواب دید پر نکیر نہ کرو مشورہ لے تو مشورہ دو از خود اپنا مشورہ بھی اس پر مسلط نہ کرو خیر خواہی کے طور پر کوئی بات ہو تو یاد رہے بات ہے وہ بھی وہ ہو جس میں کسی بدگمانی کو راہ نہ ہو جس میں عمومی بھلائی ہو

اسلامی خلافت میں حکام و ولاۃ کا عزل و نصب خلیفہ کے صوابدید پر ہے پوری رعیت کی فلاح و بہبود کا وہی نگران اور مسئول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو نظم و ضبط دیا وہ اپنی مثال آپ ہے وہ اہم سے اہم حلقے میں بھی خلیفہ وقت کے حق میں کوئی مداخلت نہ کرتے تھے اسمیں افضل و مفضول اعلیٰ و ادنیٰ اور اقرب و اولیٰ کی کوئی بات نہ چلتی تھی اسلام میں عزل و نصب کا پورا حق و اختیار خلیفہ کو حاصل ہے مجدد مائۃ یازدہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

نصب و عزل مفوض است برائے خلیفہ اگر اجتہاد خلیفہ مؤدی شود بآنکہ از فلاں شخص کار امت سرانجام مے یابد لازم مے شود بوے نصب او[1]

(ترجمہ) والیوں کا نصب و عزل اسلام میں خلیفہ کی رائے پر موقوف ہے اگر خلیفہ کی یہ رائے ہو کہ فلاں شخص کے ذریعہ امت کا یہ کام سرانجام پاسکتا ہے تو خلیفہ پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو وہ ذمہ داری سپرد کرے۔

خلیفہ وقت اجتہاد کو عمل میں لاکر اپنا یہ حق استعمال کرے اور نتیجہ خدانخواستہ اس کے خلاف نکلا تو بھی شرعاً کسی کو خلیفہ پر طعن کرنے کا حق نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ علم غیب شرائط خلافت میں سے

---

[1] قرۃ العینین ص ۲۷۲۔

نہیں خلیفہ کو یہ علم نہ تھا کہ اس کی اس رائے پر یہ نتیجہ مرتب ہوگا اسے اس شبہ کا فائدہ دے کر زبان اس کے خلاف چلنے سے روکی جائے گی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ جان بوجھ کر کوئی ایسی غلطی کرے جو بلاشبہ راہ غلط ہو اور اسمیں کسی تاویل کو راہ نہ ملے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں شام کی طرف ایک مہم بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور حضرت ابوبکر اور عمر جیسے بزرگوں کے ہوتے ہوئے اسکی قیادت اسامہ بن زید کو دی یہ تقرری حضور کا اپنا صوابدید تھا اور اپنے وقت میں آپ ہی ولاۃ الامور میں نصب و عزل کا حق رکھتے تھے یہ ضروری نہ تھا کہ افضل کے ہوتے ہوئے کسی کو آگے آنے کا موقع نہ دیا جائے۔

۲۔ حضور نے غزوہ فتح میں انصار کے سردار سعد بن عبادہ سے بایں وجہ کہ ان کی زبان سے ایک نامناسب بات نکل گئی تھی انصار کی قیادت کا جھنڈا حکمتہ لے لیا اور ان کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا اس پر نہ کسی صحابی نے کوئی اعتراض کیا اور نہ حضور کے اس حق عزل و نصب میں کسی کو دخیل سمجھا گیا۔ سربراہ کا حق ہے کہ وہ جس کو چاہے مقرر کرے۔

۳۔ سیدنا حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو ولایت بصرہ سے معزول کیا کسی نے اس پر لب کشائی نہ کی حضرت خالد بن الولید کو سپہ سالار اعظم کے منصب سے معزول کیا اس پر ملک میں کوئی ہنگامہ نہ ہوا حضرت بلال کو ان کے گلے میں چادر ڈالنے کے لیے کہا گیا تو حضرت خالد نے اسلام کے نظم و ضبط کا پورا مظاہرہ کرتے ہوئے چادر گلے میں ڈلوا لی۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ سے معزول کیا اور حضرت عمار بن یاسر کو انکی جگہ مقرر کیا اور پھر حضرت عمار کو بھی ۲۲ ہجری میں کوفہ سے معزول کیا اور کوئی بڑے سے بڑا صحابی امیر المومنین کے اس حق میں دخل نہ دے سکا۔ عزل و نصب کے ان موقعوں میں حضرت عمر کی صرف اپنی رائے چلتی رہی اور یہ حق قانونی طور پر انہی کو تھا کہ جسے جہاں کے لیے مناسب چاہیں جب چاہیں مقرر کریں عزل و نصب کے ان موقعوں پر کسی دوسرے صحابی نے حضرت عمر کے صوابدید پر تنقید کی نہ آکو رائے دی وہ اس اصول پر جمے رہے کہ اپنی ذمہ داری خود ادا کرو اور دوسروں کے حقوق میں دخل نہ دو مشورہ بھی اس وقت دو جب وہ مشورہ طلب کرے ہاں خیر خواہی کے طور پر کوئی بات کہہ دو تو یہ اور بات ہے الدین النصیحۃ دین ہے یہی خیر خواہی خبر معرفہ ہو کر مبتدا میں منحصر ہے

یہ اسی احساس کا اظہار تھا کہ امیر المومنین نے مغیرہ بن شعبہ کو جب پھر کوفہ میں گورنر مقرر کیا تو وہ فوراً اس ذمہ داری پر آ گئے یہ نہ کہا کہ مجھے اس وقت بصرہ کی گورنری سے کیوں معزول کیا گیا تھا وہ جانتے تھے کہ ملکی مصالح پر نظر رکھتے ہوئے امیر المومنین کو عزل ونصب کا پورا حق حاصل ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹایا اور انکی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا عمرو بن عاص مصر سے آگے دیگر افریقی ممالک کی طرف بڑھنا بحالات مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اسکے لیے آمادہ تھے عبداللہ نے افریقہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو بن العاص بھی انکے ساتھ شریک جہاد تھے کسی صحابی نے کہا کہ آپ نے اتنے بڑے جرنیل کو معزول کر کے اپنے عزیز کو اس عہدے پر لگا دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور ان کے خاندان کے دلوں میں اس معزولی اور تقرری کا کوئی بوجھ نہ تھا سب ذہن میں یہ بات تھی کہ امیر المومنین کو عزل ونصب کا پورا حق حاصل ہے۔ جسے چاہے اور جب چاہے جہاں چاہے مقرر کردے وہ جب اپنا یہ حق استعمال کرے تو کسی کو اس پر بدگمانی کرنے کی اجازت کی نہیں۔ عبداللہ بن سعد نے جب افریقہ پر فتح بھی پا لی اور حضرت عثمان کے اس تقرر کے بہترین نتائج سامنے آ گئے اور حضرت عمرو بن عاص کے بیٹے کی اس معرکہ میں شمولیت اس احتمال کو بھی رفع کر گئی کہ حضرت عمرو عاص اپنے اس عزل سے ناراض ہوئے ہوں گے پھر یہ بھی امر واقع ہے کہ کچھ عرصہ بعد آپ نے پھر وہاں حضرت عمرو بن عاص کو گورنر لگا دیا اور حضرت عبداللہ بن ابی سرح ہٹ گئے تو اب اس وہم میں کیا وزن رہ جاتا ہے کہ حضرت عثمان اپنے اقربا کو آگے لانا چاہتے تھے اور جاہلیت کا ایک جذبہ تھا جو حضور کے بعد پھر سے ابھر آیا تھا اور پھر کیا اس کے لیے قرآن کریم کی یقین دہانی کنتم اعداء فالف بین قلوبکم کافی نہیں۔

پھر ۳۰ ہجری میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے جب خراسان کی مہم تیار کی تو اسمیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بصد رضا ورغبت شریک تھے اس میں امیر سعید بن العاص تھے حضرت حسن اور حسین اور عبادلہ ثلثہ بھی اس میں شریک تھے اسوقت حضرت عمرو بن العاص کے حلقے میں سے کسی نے نہ کہا کہ حضرت عمرو بن العاص کو پہلے مصر سے کیوں معزول کیا گیا تھا وہ سب جانتے تھے کہ ولاۃ الامر کا عزل ونصب خلیفہ کا حق ہے اور خلیفہ ان کا اپنا منتخب کیا ہوا ہے تو اب اس کے اپنا

حق استعمال کرنے پر کسی کو کیا شکایت ہو سکتی تھی ـــــــ یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہ جو حضور کے تربیت یافتہ تھے ان میں سے کسی نے سیدنا حضرت عثمان کے خلاف کوئی اعتراض نہ کیا نہ اسلام میں اس کی کچھ گنجائش تھی۔ نیک گمانی بلا دلیل بھی ہو سکتی ہے لیکن بدگمانی کے لیے دلیل چاہیئے جو بلا دلیل جائز نہیں بعض بدگمانیاں اسی راہ سے گناہ بنتی ہیں۔

معزول والیوں اور نئے والیوں کے باہمی احساسات

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ تقریباً پانچ سال سے بصرہ کے گورنر چلے آرہے تھے کہ حضرت عثمان رضؓ نے ۲۹ ہجری میں انہیں معزول کر دیا اور انکی جگہ عبداللہ بن عامر کا تقرر عمل میں آیا اب دیکھئے اس نئے والی کا تعارف پرانے والی حضرت ابوموسیٰ اشعری کن الفاظ میں کراتے ہیں۔

قد اتاکم فتی من قریش کریم الامہات والعمات والخالات [۱]

(ترجمہ) تمہارے پاس اب قریش کے ایسے باعزت جوان آتے ہیں جنکی مائیں پھوپھیاں اور خالائیں سبھی شریف اور سخی ہیں۔

اور عبداللہ بن عامر نے بھی حضرت موسیٰ اشعری کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:۔

یا ابا موسیٰ ما احد من بنی اخیک اعرف بفضلک منی انت امیر البلدان اقمت والموصول ان رحلت [۲]

(ترجمہ) اے ابوموسیٰ آپ کے اپنے برادری کے لوگوں میں سے بھی کوئی آپکے فضل و شرف کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتا آپ یہاں رہنا چاہیں تو آپ امیر البلد ہوں گے شہر کا انتظام آپ کے پاس رہے گا اور اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو بھی آپ سے رابطہ اور تعلقات قائم رہیں گے۔

اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس ماحول میں ذمہ داریوں کی تفویض میں کہاں تک احساس ذمہ داری کارفرما تھا اور کہاں تک عہدوں کا لالچ اور باہمی جذبہ مسابقت ـــــ حق یہ ہے کہ ان دنوں عہدے کوئی اعزاز و انعام نہ تھے ایک بڑی ذمہ داری ہوتی تھی جسے کاوشوں اور دعاؤں

---

[۱] ۔ نسب قریش صہ ۱۴۷ سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صہ ۱۴ [۲] ۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ صہ ۳۲۔

سے ہی سر کیا جاتا تھا سو پرانے اور نئے والیوں میں ہرگز تعصب و منافست کے فاصلے نہ تھے پھر ۳۴ ہجری میں جب حضرت عثمان نے پھر حضرت ابو موسیٰ کو کوفہ کا والی بنایا تو آپ نے اسے قبول کر لیا یہ نہ پوچھا میری پہلی غلطی کیا تھی جس کے باعث آپ نے مجھے بصرہ سے معزول کیا تھا؟

عزل و نصب میں حضرت عثمان رضؓ کا نقطۂ نظر اور طریق عمل

حضرت عثمان رضؓ کا نظریہ یہ تھا کہ ہر علاقے میں وہی حکام کام کریں جن سے وہاں کے لوگ راضی اور مطمئن ہوں سو جہاں کہیں سے کوئی شکایت آتی آپ اس کی زیادہ تفتیش نہ کرتے لوگوں کی خواہشات کا احترام کرتے امام بخاری روایت کرتے ہیں :۔

قال عثمان لیقم اهل کل مصر کرهوا صاحبهم حتی اعزله عنهم واستعمل الذی یحبون فقال اهل البصرة رضینا بعبد الله بن عامر فاقرہ وقال اهل الکوفة اعزل عنا سعید بن العاص واستعمل ابا موسی ففعل وقال اهل الشام قد رضینا بمعاویه فاقره وقال اهل مصر اعزل عنا ابن ابی سرح واستعمل علینا عمرو بن العاص ففعل [1]

(ترجمہ) حضرت عثمان رضؓ نے یہ حکم دیا ہر علاقے کے لوگ جو اپنے والی سے خوش نہیں کھڑے ہو جائیں تاکہ میں اسے وہاں سے ہٹا دوں اور اس شخص کو وہاں عامل بناؤں جسے وہ پسند کرتے ہوں اہل بصرہ نے کہا ہم عبداللہ بن عامر[2] سے خوش ہیں آپ نے انہیں وہیں رہنے دیا اہل کوفہ نے کہا سعید بن العاص کو ہٹا دیں اور حضرت ابو موسیٰ کو یہاں مقرر کر دیں آپ نے ایسا ہی کیا اہل شام نے کہا ہم حضرت معاویہ رضؓ سے خوش ہیں آپ نے انہیں وہیں رہنے دیا پھر مصریوں نے کہا ابن ابی سرح کو ہم سے ہٹا دیجئے

---

[1] تاریخ صغیر امام بخاری صہ ۴۵ ہند [2] یہ وہی عبداللہ عامر ہیں جن کے تقرر اور وہاں سے ابو موسیٰ اشعری کے عزل پر سبائیوں نے طوفان اٹھا رکھا ہے دیکھو کتنے بڑے آدمی کو معزول کیا گیا اور اپنے آدمی کو لگا دیا گیا اس یکطرفہ ذہنیت پر ہم افسوس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں عبداللہ بن عامر کی نیکیاں اور ان کی محبت اس طرح لوگوں کے دلوں میں گڑ چکی تھی کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا (منہاج السنۃ جلد ۳ صہ ۱۹۰)

اور حضرت عمرو بن العاص کو ہی وہاں والی بنا دیجیے آپ نے اس کے مطابق احکام صادر فرما دیئے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ والیوں کے عزل و نصب میں حضرت عثمان کو نہ کسی سے تعصب تھا نہ کسی سے قرابت داری تھی آپ نے رعیت کے حسب حال اور انکی طلب و سداد کو مقدم رکھا اور ان کی طلب اور خواہشات پر آپ ولاۃ الامر کو عزل بھی کرتے گئے اور نصب بھی کرتے گئے۔
اس ایک روایت میں ہی آپ دیکھیں کیا آپ نے سعید بن العاص کو جو اموی تھے ابن ابی سرح کو جو آپ کے (حضرت عثمان کے) رضاعی بھائی تھے معزول نہیں کیا؟ افسوس لوگوں کو ان کا تقرر تو یاد رہا تاکہ حضرت عثمان کے خلاف پراپیگنڈا کیا جا سکے اور آپ کی اس رعایا پسند پالیسی پر نظر نہ رہی۔ جسکے تحت آپ اپنے قرابداروں کو معزول بھی کرتے گئے۔ اور کبھی نصب بھی کرتے رہے۔

حضرت عثمان رضؓ کی خلافت میں اموی اور غیر اموی عہدیداروں کا تناسب

جہاں تک ہو سکے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی ذمہ داریاں صحابہ کو سپرد کرتے تھے مدینہ منورہ میں جب آپ نہ ہوتے تو وہاں فصل خصومات کا فریضہ صحابی رسول حضرت زید بن ثابت انصاری سرانجام دیتے ناظر بیت المال حضرت عبداللہ بن ارقم تھے مکہ مکرمہ میں والی صحابی رسول خالد بن العاص بن ہشام المخزومی تھے ان کے بعد اس عہدے پر حضرت علی بن عدی بن رابعہ آئے وہ بھی صحابی رسول تھے یمن کے علاقہ الجند پر والی عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے وہ بھی صحابی تھے آذر بائیجان میں اشعث بن قیس کندی تھے وہ بھی صحابی تھے اصفہان کی ولایت سائب بن الاقرع کے سپرد تھی وہ بھی صحابی تھے قرقیسا میں حضرت جریر بن عبداللہ والی تھے اور وہ بھی صحابی تھے شام میں امیر معاویہ رضؓ تھے وہ بھی صحابی تھے شام کے علاقہ الصنعار کے والی ثمامہ بن عدی صحابی رسول تھے کوفہ میں آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص کو گورنر مقرر کیا تھا مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص تھے ـــــ حج کے موقع پر آپ کی (حضرت عثمان کی) نیابت کے فرائض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرانجام دیتے تھے ان تمام ولاۃ الامور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص کے سوا اموی کوئی نہ تھا اور یہ دونوں حضرات حضرت عثمان کے مقرر کردہ نہیں پہلے سے ان ولایات کے گورنر چلے آرہے تھے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت علی بن عدی بن ربیعہ کے بعد عبداللہ بن عمرو الحضرمی کی اور ان کے بعد عبداللہ بن الحارث ہاشمی کی تقرری عمل میں آئی اور یہ دونوں بھی اموی نہ تھے طائف میں قاسم بن ربیعہ ثقفی اور صنعاء یمن میں یعلی بن منیہ التیمی والی تھے اور یہ بھی اموی نہ تھے فوج کے سربراہ قعقاع بن عمرو اور پولیس کے عبداللہ بن قنفذ تیمی تھے اور یہ دونوں بھی اموی نہ تھے۔

اس صورت حال سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ خلافت عثمانی میں اموی عہدیداروں کا کیا تناسب تھا اور ان اموی عہدیداروں میں بھی آپ کے معزول کردہ کتنے تھے آپ کا امارت حج حضرت عبداللہ بن عباس کو دینا اور مکہ میں عبداللہ بن حارث ہاشمی کی تقرری اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ آپ کو ہاشمیوں سے ہرگز کوئی تکدر اور بعد نہ تھا۔

ہاشمی حضرات سے یہ ربط و تعلق صرف اسلامی اخوت کے سہارے نہیں تھا ان کے ساتھ حضرت عثمان کی ایک خاندانی نسبت بھی تھی جس نے آپ کو بنو امیہ اور بنو ہاشم میں ایک نقطۂ اتصال بنا دیا تھا

ہاشمی سلسلے سے خاندانی نسبت

حضرت عثمان کی نانی ام حکیم البیضاء کون تھیں؟ یہ حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کی جڑواں بہن حضرت عبداللہ اور ام حکیم توام پیدا ہوئے تھے اور یہ ام حکیم حضورؐ اور حضرت علی دونوں کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

ام حکیم ہاشمیہ کی شادی کریز بن ربیعہ اموی سے ہوئی یہ امیہ (جن کے نام سے اموی خاندان معروف ہے) کے بھتیجے تھے اور حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف کے بیٹے تھے ام حکیم اور کریز کی بیٹی اروی حضرت عثمان کی والدہ ہیں اروی کا نکاح امیہ کے پوتے عفان بن ابی العاص سے ہوا۔ اروی مسلمان ہوئیں آپ نے مدینہ ہجرت کی اور حضرت عثمان کے دور خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔

سو حضرت عثمان ؓ حضرت علی کی سگی پھوپھی ام حکیم البیضاء کے نواسے تھے ابوطالب حضرت عثمان کی والدہ کے ماموں ہیں اور حضرت علی، حضرت جعفر طیار اور حضرت عقیل والدہ حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی۔

یہ وہ خاندانی نسبت ہے جس کا حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں ہمیشہ احترام فرمایا اس کی حرمت نگاہ رکھی باوجودیکہ آپ اموی ہیں مورخین اموی خلافت کا آغاز آپ سے نہیں امیر معاویہ سے کرتے ہیں آپ اس خاندانی نسبت سے مالا مال اور رشد راشدین سے مالا مال تھے آپ نے خلفاء راشدین میں جگہ پائی اور خاندانی امتیاز

سے کبھی سامنے نہ آئے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

یہ صحیح ہے کہ آپ کا سیکریٹری آپ کا داماد مروان بن الحکم تھا لیکن اسوقت سیکریٹری کی حیثیت محض ایک کاتب کی تھی آج کل کے سیکریٹری حکومت کی نہ تھی اس دور میں سیکریٹری بہت سے اختیارات رکھتا ہے اسے کوئی کوئی بات وزیر اعلیٰ یا گورنر سے پوچھنی ہوتی ہے وہ خود بڑے اختیارات کا مالک ہوتا ہے اس پہلے دور میں سیکریٹری کی حیثیت محض ایک کاتب کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکریٹری حضرت علی رض تھے اور یہ دونوں ہاشمی تھے حضرت عثمان کا کاتب مروان بن الحکم تھا اور یہ دونوں اموی تھے امیر اور کاتب کا ایک خاندان سے ہونا کبھی بھی لائق اعتراض نہیں سمجھا گیا اور مروان بن حکم حضرت عثمان رض کے ہی داماد نہ تھے حضرت علی مرتضیٰ کے داماد معاویہ اپنی کے بیٹے تھے حضرت علی کی بیٹی رملہ مروان کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں تھیں [1] حضرت امام حسن کی پوتی زینب (جو حضرت امام حسین کی بھی نواسی تھیں) اسی مروان کے پوتے ولید بن عبد المالک کے نکاح میں تھیں [2] سو یہ بھی کوئی ایسا بعد نہیں جو آل مروان کو حضرت علی کے خاندان سے یکسر جدا کر دے۔

مروان بن حکم نے حضرت عمر رض سے حضرت عثمان رض سے اور حضرت علی رض سے احادیث روایت کی ہیں اور مروان سے حدیث روایت کرنے والوں میں صحابی رسول حضرت سہل بن سعد [3] حضرت امام زین العابدین [4] اور حضرت عروہ بن الزبیر سر فہرست ہیں حضرت امام مالک حضرت امام محمد، محدث عبد الرزاق شاگرد امام ابو حنیفہ حضرت امام احمد اور حضرت امام بخاری رح نے اس کی روایات پر اعتماد کیا ہے امام مسلم کے سوا کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا [5]

آپ خود غور فرمائیں جو شخص خود حضور سے روایت کرتے حضرت عمر سے روایت کرتے حضرت عثمان سے روایت کرنے اور خود حضرت علی سے روایت کرنے میں متہم بالکذب نہیں اور حضرت سہل بن سعد صحابی اور زین العابدین جیسے تابعی حضرات جس سے حدیث کی سند لیتے ہوں اس کا حضرت

---

[1] ۔ دیکھئے جمہرۃ انساب العرب لابن حزم صہ ۸۴ نسب قریش لمصعب الزبیری صہ ۴۵ [2] ایضاً صہ ۵۲

[3] دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم جلد ۴ صہ ۲۷۱۔

[4] ۔ دیکھئے سنن نسائی جلد ۲ صہ ۱۰ الکنب الکج [5] دیکھئے مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صہ ۱۶۴۔

عثمان غنی کا سیکریٹری (کاتب) ہونا کیا محض اس بنا پر عیب سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اموی تھا اور امیر المومنین خود بھی اموی تھے۔

پھر آپ نے اگر کچھ عہدے اموی حضرات کو دیئے بھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت جو اکابر صحابہ موجود تھے کیا کسی نے اس پر اس جہت سے تنقید کی کہ آپ ان عہدوں پر اپنے رشتہ داروں کو کیوں لا رہے ہیں اور کیا کسی نے یہ کہا کہ یہ شرعاً عیب ہے کوئی خلیفہ اپنے کسی عزیز کو کوئی کلیدی آسامی نہیں دے سکتا جب ایسا نہیں اور اجماع صحابہ حضرت عثمان کے حق میں جاتا ہے اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عزل و نصب یہ سب خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے دوسروں کے حقوق میں دخل دینا صحابہ کی عادت نہ تھی بلکہ آل سبا کا غلط پراپیگنڈہ تو ظاہر ہے کہ تاریخ اس کا ساتھ نہیں دیتی اور تعصب اور کینہ پروری کا تو کسی کے پاس کوئی علاج نہیں الا یہ کہ خدا خود اس پر کرم فرمائے اور اسکو بات سمجھ میں آجائے مصالح سلطنت کا تقاضا ہوتا ہے کہ جو پرزہ جہاں کے لائق ہو اسے وہیں لگایا جائے اور مسلمان حکمران اس اصول سے واقف نہ تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کو مسلمان ہوتے ہی ایک علاقے پر والی بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے دور میں بھی متعدد ذمہ داریاں اور ولایات اموی حضرات کے سپرد رہیں شام میں حضرت عمر نے حضرت ابوسفیان کے ایک بیٹے کے بعد ان کے دوسرے بیٹے کو اس کا جانشین بنایا۔ یہ کون تھے؟ حضرت امیر معاویہؓ۔ ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بنو امیہ کے عہدوں کا تناسب آپکے پیشروؤں سے کہیں کم رہا ہے لیکن افسوس کہ ناقدین کا قلم ابھی تک نہیں رکا۔

آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے بعد اپنے دوسرے[1] خاندان بنو امیہ کو جو اتنا قرب بخشا وہ کنبہ پروری کے طور پر نہیں۔ جوہر شناسی کے طور پر تھا۔ ابوسفیان اسلام لائے تھے۔ استسلام نہیں۔ فتح مکہ پر مسلمان ہونے والوں کو قرآن کریم نے یدخلون فی دین اللہ کی سند دی ہے۔

ا۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا۔ اس میں حضرت ابوسفیان اپنے دو بیٹوں یزید اور معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے[2]۔

---

[1] بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں عبد مناف کی اولاد تھے [2] الاستیعاب جلد ۲ ص۱۸۳، اسد الغابہ جلد ۳ ص۱۲ کیا یہ خدا کے حضور میں جانثاری نہ تھی؟

۲۔ غزوہ طائف ۸ ہجری میں پیش آیا۔ آپ اس میں شامل ہوئے اور اس میں آپ کی ایک آنکھ شہید ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہیں اس کے عوض میں جنت کی آنکھ ملے گی۔[1]

۳۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپ نے جنگِ یرموک میں شرکت کی۔[2] اس میں آپ کی دوسری آنکھ بھی جاتی رہی۔ اس جنگ میں آپ کے بیٹے یزید، بیٹی جویریہ اور بیوی ہند نے بھی شرکت کی۔

آپ نے جنگ یرموک میں افواجِ اسلام کو جو معرکہ آراء حوصلہ افزا اور ایمان افروز خطبے دیئے۔ تاریخ نے ان کی شہادت محفوظ کرلی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو صرف قربانیوں کیلئے نہیں چنا تھا۔ آپ نے ان سے عقیدہ اسلام کی سرحدی حفاظت کا کام بھی لیا۔ قبیلہ بنی ثقیف کا بت لات حضرت ابوسفیانؓ نے ہی گرایا۔[3] اہلِ نجران کے ساتھ کئے گئے معاہدہ میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گواہ تھے۔[4]

سو اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو اُمیہ کے جوہر شناس تھے اور آپ نے ان حضرات کو صفِ اسلام میں آتے ہی اپنے پورے اعتماد میں لیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دَور میں بھی یہ حضرات آگے آگے رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ پر کنبہ پروری کا الزام صرف اس لئے لگایا جا رہا ہے کہ وہ خود بنو اُمیہ میں سے تھے۔ کچھ انصاف کیجئے۔

---

[1] الاصابہ جلد ۲ ص ۱۷۲، کنز العمال جلد ۵ ص ۳۰۷ [2] البدایہ لابن کثیر جلد ۷ ص ۷ [3] البدایہ جلد ۵ ص ۳۲، تہذیب جلد ۴ ص ۴۱۲ [4] کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص ۳۷، البدایہ ۵ ص ۵۵۔

امامِ مظلوم دامادِ رسول شہیدِ اعظم حضرت عثمانؓ کی مقدس زندگی

تذکار شہادتِ عظمیٰ

(حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی یہ ایک فاضلانہ تقریر ہے جو تقریباً پانچ سال پہلے آپ نے کراچی آرام باغ میں ارشاد فرمائی تھی اسے قلم بند کر لیا گیا تھا تنظیمی حلقوں کے اصرار شدید پر اسے "دعوت" کے اس ذوالنورین نمبر میں ہدیہ قارئین کیا گیا ہے حافظ نور محمد انور۔)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ امابعد

مجتہد لوگ مر نہیں سکتے ∴ وہ صرف راستہ بدلتے ہیں ∴ ان کے نقش قدم سے صدیوں تک ∴ منزلوں کے چراغ جلتے ہیں۔

برادرانِ ملت! آج جس سانحہ عظیمہ اور شہادت عظمیٰ کا تذکار کیا جا رہا ہے وہ تاریخِ اسلام کا ایک ایسا عدیم النظیر واقعہ ہے کہ تیرہ سو سالوں کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے شہیدِ اعظم رضؓ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضؓ کی مظلومی کی داستان ایک الم ناک سانحہ ہے دشمنوں نے تو آپ پر ظلم کیا ہی تھا لیکن دوست بھی رفاقت کا حق ادا نہ کر سکے۔

ساحل کے تماشائی ہر ڈوبنے والے پر
فریاد تو کرتے ہیں امداد نہیں کرتے

مخالفین نے اس مظلومانہ شہادت کی عظمت مٹانے کی کوشش کی اور ایک پُرفریب ماتم کے پردے میں ہر اس واقعہ اور حادثہ کو گم کرنے کی کوشش کی جو صحابہؓ کی عظمت کا نشان اور اسلامی زندگی کا کوئی مرکزی عنوان بن سکتا تھا اور دوستوں نے بھی آپ کے متعلق ایسی تغافل شعاری سے کام لیا کہ آج بہت کم ایسے مسلمان ہوں گے جو حضرت عثمان رضؓ کے اس مقام سے آشنا ہوں جو آپ کو سید دو عالم کی نگاہوں میں حاصل تھا اور ان واقعات پر نظر رکھتے ہوں جو آپ کی شہادتِ عظمیٰ کے وقت پیش آئے تاکہ ہم ان کی روشنی میں ملی زندگی کے لئے کوئی درسِ حیات لے سکیں۔

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار اور محبوب صحابہ کرام میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضؓ

جو خصوصیت رکھتے ہیں وہ دینی شعور رکھنے والوں پر مخفی نہیں شمع محمدی کے ان پروانوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق سرکار دوعالم سے اکتساب فیض کیا حضرت عثمانؓ کمالات محمدیہ کے لئے بمنزلہ آئینہ تھے جن کی پاک سیرت میں حسن محمدی کا بے غبار چہرہ بڑی نفاست اور عمدگی سے دکھائی دے رہا تھا۔

آپ تیسرے خلیفہ راشد ہیں اور آپ کا شماران سابقین اوّلین میں ہے جن کو رب العزت نے قبولیت اسلام میں سبقت نصیب فرمائی اور جن کی اللہ تعالیٰ قرآن عزیز میں قابل رشک الفاظ میں تعریف فرماتے ہیں، آپ کا اسم گرامی عثمان القاب ذوالنورین اور غنی اور دو کنیتیں ابوعبداللہ اور ابوعمرو ہیں[1]

آپ ماں اور باپ دونوں طرف سے قریشی ہیں۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن مناف چوتھے نمبر پر آپ کا سلسلہ نبی کریمؐ کے ساتھ ایک ہو جاتا ہے آپ کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن مناف تھیں اور ان کی والدہ ام حکیم بنت عبدالمطلب نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی پھوپھی تھیں۔

آپ رسول کریمؐ سے عمر میں چھ سال چھوٹے تھے اسلام قبول کرنے میں آپ کا نمبر پانچواں ہے۔ جب آپ کے مسلمان ہونے کی خبر آپ کے چچا حکم بن عاص کو ہوئی تو وہ آگ بگولہ ہو گئے اور فوراً آپ کو قید کر کے آپ کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں۔ اسلام کی خوبیاں ایسی ہیں کہ جو شخص ایک دفعہ انہیں نظر بصیرت سے دیکھ لے پھر خواہ اس کا کچھ بھی حال ہو وہ اسلام پر ہر آرام اور ہر راحت کو قربان کر دیتا ہے۔ حکم بن ابی العاص نے کہا کہ اگر آپ اسلام نہیں چھوڑیں گے تو اسی طرح قید میں رکھوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ " اے چچا اس خدا کی قسم جس نے اپنی رحمت سے رسول کریمؐ کو ہم میں بھیجا ہے اگر تم میرا سر بھی کاٹ دو اور میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو تب بھی اسلام نہیں چھوڑوں گا اور میرے بدن کے ہر ٹکڑے سے آواز آئے گی۔ ؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ "

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔

؎ بھلا مٹے ہیں کبھی جبر اور تشدد سے
وہ فلسفے کہ جلا دیئے گئے دماغوں کو

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱۶

ر قدم قدم پہ لہو پیش کر رہی ہے حیات
سیاہیوں سے اُلجھتے ہوئے چراغوں کو

جس وقت حضور اکرم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو حضرت عثمانؓ بغرض تجارت کسی دوسرے ملک کو گئے ہوئے تھے آنے پر معلوم ہوا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے توحید کی تعلیم پیش فرمائی ہے۔ دل میں پہلے سے ہی بُت پرستی کے خلاف جذبات موجود تھے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی کی تھوڑی سی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

آپ عرب کے بہت بڑے رئیس تھے تجارت کے ذریعے آپنے کروڑوں روپے کمائے ۹ھ میں جب آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رومیوں سے لڑنے کی تیاری کی تو حضرت عثمانؓ نے اناج سے لدے ہوئے تین سو اونٹ اور ایک ہزار دینار نقد حضور کی خدمت میں پیش کئے۔ امیرالمؤمنین سیدنا حضرت عُمرؓ کے ایام خلافت میں جب فتوحات اس درجہ میں ترقی کر گئیں کہ جو صحابہؓ حضور کے وقت میں نان شبینہ کے محتاج تھے ان کے ذمہ اسی اسی درم سالانہ زکوٰۃ آنے لگی تو حضرت عثمانؓ کی مالی پوزیشن پہلے سے بھی بہت زیادہ قوی ہوگئی۔ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا کرتے اور ہر روز مہاجرین اور انصار کی ضیافت فرماتے۔ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں:-

شهدت عثمان ينادى يا ايها الناس اغدوا على اعطائكم فيغدون فياخذونها وافرة يا ايها الناس اغدوا على ارزاقكم فيغدون و ياخذونها وافية حتى والله لقد سمعته اذناى يقول على السمن والعسل:

(رواه ابوعمر وكما فى الاستيعاب)

یعنی اے لوگو صُبح کو اپنے انعامات کے لئے حاضر ہو جاؤ پس وہ جاتے اور وافر مقدار میں انہیں حاصل کرتے اور کبھی یوں منادی ہوتی کہ اے لوگو اپنا اپنا راشن حاصل کرنے کے لئے صُبح کو آؤ پس وہ صُبح کو جاتے اور انہیں وہ وافی مقدار میں حاصل ہوتا حتیٰ کہ مجھے خُدا کی قسم کہ ایک دن میرے دونوں کانوں نے انہیں کہتے سُنا کہ صُبح اپنی اپنی پوشاکیں حاصل کرنے کے لئے حاضر ہو جاؤ پس لوگ حُلّوں کو حاصل کرتے اور کبھی یہ ندا ہوتی کہ صُبح گھی اور شہد تقسیم ہوگا اسے حاصل کرنے کے لئے پہنچ جاؤ۔

سُبحان اللہ والحمدللہ علی ذالک الاحسان العظیم

آپ عثمان غنی کے نام سے مشہور ہیں اور ایسے تمام واقعات اسی ایک عنوان کی تفصیلات ہیں۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دربار میں آپ کی بڑی عزت و اہمیت تھی حضور نے آخر وقت میں ارشاد فرمایا:

لیت عندی رجلاً اکلمه (مسند احمد)

کاش کہ میرے پاس ایک آدمی ہو جس کے ساتھ کچھ گفتگو کروں۔

اہل بیت نے عرض کی کیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلائیں آپ نے فرمایا نہیں، پھر کہا گیا کہ کیا حضرت علیؓ کو بلائیں آپ نے فرمایا نہیں، پھر عرض کی گئی کہ حضور! حضرت عثمانؓ کو بلائیں آپ نے فرمایا "ہاں" جب حضرت عثمانؓ آئے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے سرگوشی فرمائی تکلیف کی حالت میں حضور بیٹھ نہ سکتے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ کے سر مبارک کو سینہ مبارک پر رکھ کر وصیت فرماتے رہے حضرت عثمان کا چہرہ متغیر ہوتا گیا بے اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ اللّٰه المستعان اللّٰه المستعان اللہ کی مدد میں اللہ کی مدد مانگتا ہوں[۱]

حدیث میں وارد ہے:

عن ابی سھلة مولیٰ عثمانؓ قال جعل النبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم یُسِرّ الیٰ عثمان ولون عثمان یتغیر فلما کان یوم الدار قلنا الا نقاتل قال لا ان رسول اللّٰه صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عھد الیّ امرًا فانا صابر نفسی علیه (رواہ البیھقی ونحوہ فی جامع الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ابوسہلہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت عثمانؓ کے ساتھ رازدارانہ گفتگو فرماتے رہے اور حضرت عثمانؓ کا چہرہ متغیر ہوتا گیا پس جس دن آپ کے گھر پر بلوائیوں نے حملہ کیا ہم نے عرض کی کہ کیا ہم جہاد نہ کریں آپ نے فرمایا نہیں، تحقیق حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے ایک نصیحت فرمائی تھی اور میں اسی پر اپنے آپ کو روکے رکھوں گا۔

آپ سید دو عالمؐ کے داماد تھے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ آپ کے نکاح میں تھیں ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثومؓ حضورؐ کی دوسری بیٹی آپ کے نکاح میں آئیں جب وہ بھی انتقال کر گئیں تو حضور کی دوسری بیٹی آپ کے نکاح میں آئیں جب وہ بھی انتقال کر گئیں تو حضورؐ نے فرمایا

[۱] رواہ احمد کما فی البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیرؒ من المجلد السادس ص

کہ اگر میری کوئی اور بیٹی بھی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا۔

بعض لوگ بے علمی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پہلے نکاح سے تھیں اور حضرت فاطمہؓ کی سگی بہنیں نہیں تھیں یعنی حضورؐ کی بیٹیاں نہیں تھیں۔ سو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان لوگوں کا یہ کہنا غلط محض ہے جس کا منشا جہالت ہے یا عداوت اور یہاں تو دونوں جمع ہیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں یاایہا النبی قل لازواجك وبناتك کی رو سے یہ ماننا ضروری ہے کہ حضورؐ کی بیٹیاں کم از کم دو سے زیادہ تھیں ورنہ جمع کا صیغہ بے محل ہو جاتا اور مجاز کو اس میں دخل نہیں کہ ازواج حقیقت ہے اگر حضورؐ کی ایک ہی بیٹی ہوتی تو بنات کی بجائے ____ بنت کا لفظ لایا جاتا ثانیاً صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۲ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۷ وغیرہما کتب حدیث وسیر میں متعدد مقامات پر حضرت رقیہؓ کے بنت رسولؐ ہونے پر نص کی گئی ہے۔

ملا محمد بن یعقوب کلینی فرماتے ہیں:____

وتزوج خدیجۃ وھو ابن بضع وعشرین سنۃ فولد لہ قبل مبعثہ القاسم ورقیہ وزینب واُمّ کلثوم وولد لہ بعد المبعث الطیب والطاھر والفاطمۃ [۱]

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت خدیجہؓ سے اس وقت نکاح کیا جبکہ آپ کی عمر بیس سال سے کچھ زائد تھی اعلان نبوت سے پہلے آپ کے ہاں خدیجہؓ کے بطن سے حضرت قاسمؓ، حضرت رقیہؓ حضرت زینبؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ پیدا ہوئے اور بعثت کے بعد حضرت طیبؓ، حضرت طاہرؓ اور حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔

خصال ابن بابویہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ واقر بہ المجلسی فی حیات القلوب

اسی جماعت کے مایۂ ناز محدث علامہ قزوینی اس پر لکھتے ہیں:____

"مراد ذکر اولاد او از خدیجہ است در مکہ ولہٰذا ابراہیم از ماریہ قبطیہ در مدینہ زادہ شد مذکور نشد"

چونکہ اولاد رسولؐ میں سے دو نور آپ کو حاصل ہوئے تھے اس لئے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے

---

[۱] اصول کافی جلد ۳ صفحہ ۱۴۶

امام المتکلمین ملّا علی قاری فرماتے ہیں،

لم یجمع بین بنتی نبی من لدن آدم علیہ السلام الی قیام الساعۃ الا عثمان [1]	حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک کوئی شخص ایسا نہیں جس کے ہاں ایک نبی کی دو بیٹیاں رہی ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ اسلام لانے میں سابقین اوّلین میں سے تھے اس لئے آپ کو اسلام کی خاطر بہت سے مصائب جھیلنے پڑے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں نے پہلے ملک حبشہ کو ہجرت کی۔ وہاں کے بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور بڑی عزت سے پیش آیا اس گروہ میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی رضا میں گھر بار چھوڑنے والے حضرت عثمان رض ہی تھے آپ کے ساتھ آپ کی بیوی حضرت سیدہ رقیہ رض بھی تھیں، حکمت ایزدی کچھ یوں مقتضی ہوئی کہ آپ پھر مکہ میں رہے سو حضرت عثمان رض بھی مکہ تشریف لے آئے آپ پھر کفار کے مظالم برداشت کرتے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو حضرت عثمان رض بھی اپنی بی بی کو لے کر مدینہ چل دیئے جب مدینہ میں بھائی چارہ قائم ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف آپ کے بھائی بنے۔

حضرت عبید اللہ بن عدی بن الخیار فرماتے ہیں:

مجھے مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے کہا کہ آپ حضرت عثمان رض سے کوفہ کے گورنر ولید کے متعلق بات کیوں نہیں کرتے کیونکہ لوگوں کو اس کے متعلق بہت کلام ہے پس میں حضرت عثمان رض کے پاس جب آپ نماز کے لئے باہر آئے حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے آپ سے کام ہے اور وہ آپ کے لئے ایک نصیحت ہے آپ نے فرمایا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں پس میں واپس لوٹا کہ حضرت عثمان رض کا قاصد آگیا پس جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ وہ تیری نصیحت کیا ہے تو میں نے کہا ان اللہ بعث محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب وکنت ممن استجاب للہ ولرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فہاجرت الہجرتین وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورایت

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۷۵۔

هدیہ وقد اکثر الناس فی شان الولید قال ادرکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلت لا ولکن خلص الیّ من علمہ ما یخلص الیٰ العذراء فی سترہا قال عثمان اما بعد فان اللہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالحق فکنتُ ممن استجاب لِلّٰہ ولرسولہ وآمنتُ بما بُعث بہٖ و ہاجرتُ الہجرتین کما قلت وصحبتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبایعتُ فواللہ ما عصیتہٗ ولا غششتہٗ حتیٰ توفاہ اللہ عزوجل ثم ابابکر مثلہ ثم عمر مثلہ ثم استخلفت افلیس لی من الحق مثل الذی لہم قلت بلیٰ قال فما ھٰذہ الاحادیث التی تبلغنی عنکم واما ما ذکرت من شان الولید فسـ ـنأخذ فیہ بالحق انشاء اللہ ثم دعا علیاً فامرہٗ ان یجلدہ فجلدہ ثمانین[1]

تحقیق اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیمِ برحق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور آپ اے عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہی آپ نے دو ہجرتیں کیں اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوسائٹی اختیار اور آپ نے حضورؐ کی سیرت مشاہدہ فرمائی ہے لوگ ولید گورنر کوفہ کے متعلق بہت سی شکایات رکھتے ہیں یعنی آپ کی اسلامی شان اور دینی عظمت کے پیشِ نظر ایسا ہونا کہ آپ کے ماتحت گورنر کے متعلق ایسی ایسی باتیں ہوں تعجب زا ہے اس پر حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ کیا تو نے حضور انور کا زمانہ پایا ہے میں نے عرض کی کہ نہیں لیکن آپ کے علم مبارک سے مجھے وہ حصہ تو پہنچا ہے جو نئی دلہن کو اس کے پردوں میں بھی پہنچ جاتا ہے۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا :۔

" تحقیق اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہی میں اس چیز پر ایمان لایا جو آپ دے کر بھیجے گئے تھے اور میں نے دو ہجرتیں کی ہیں جیسا کہ تو نے کہا اور میں نے حضور کی صحبت اختیار کی اور آپ کی بیعت کی پس

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل صـ ۵۲۲

قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی اور نہ آپ سے دھوکہ کیا کہ حقیقت کچھ ہو اور دکھایا کچھ ہو حتیٰ کہ حضورؐ نے وصال فرمایا اس کے بعد اسی اخلاص کے ساتھ میں حضرت صدیق اکبرؓ کا وفادار رہا اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ان کا وفادار رہا اس کے بعد مجھے خلیفہ منتخب کیا گیا تو کیا مجھے اپنے صوابدید پر عمل کرنے کا اسی طرح حق حاصل نہیں جس طرح ان بزرگوں کو تھا؟" مجھے اس کا اقرار کرنا پڑا اور میں نے کہا کیوں نہیں اس پر آپنے فرمایا تو پھر یہ کس قسم کی باتیں ہیں۔ جو آپ لوگوں کی طرف سے مجھے پہنچ رہی ہیں، رہا ولید کا معاملہ تو اس میں ہم انشاءاللہ العزیز جلد کوئی اقدام کریں گے اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ وُہ ولید کو کوڑے لگائیں پس آپ نے اسے اسی دُرّے لگائے۔

اس روایت سے حضرت عثمانؓ کی ان خصوصیات کا پتہ چلتا ہے جن پر آپ کی اسلامی عظمت کا مدار ہے اور اس بات کی بھی صراحت موجود ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر وقت تک آپ کے رفیق کار رہے اور یہ کہ ان بزرگوں میں کوئی مناقشہ اور رنجش نہیں تھی چہ جائیکہ ایک دوسرے کو بُرا کہنا ان کے ہاں جزوِ ایمان قرار پائے۔

فتوحات:

آپ کے زمانۂ خلافت میں ایران کا باقی حصّہ یعنی بلاد خراسان و نیشاپور، رومیوں کے متعدد قلعے، جزیرہ قبرص اور ملک افریقہ وغیرہا فتح ہوئے آپ کے خلیفہ ہونے کے ایک سال بعد امیر معاویہؓ گورنر شام نے رُوم کے اس ملک پر چڑھائی کی جو شام سے آگے تھا امیر معاویہؓ عموریہ تک پہنچے راہ میں طرطوس اور انطاکیہ کے مابین چند قلعوں کو فتح کیا اور اگلے سال جب مسلمانوں نے افریقہ فتح کیا تو ہرقل شاہ رُوم کے بیٹے قسطنطین نے اس پر رنج کھا کر پہلے ایک لشکر طنجہ کی طرف روانہ کیا اور خود ایک زبردست لشکر لے کر اسکندریہ کی طرف بڑھا اور ایک جرار لشکر امیرِ معاویہؓ کے مقابلہ میں بھیجا۔

اس سے پہلے مسلمانوں کو کسی بحری جہاز کا سامنا نہ ہوا تھا ادھر رُومی جو بحری لڑائیوں میں اُستاد مانے جاتے تھے بڑے تیار ہو چکے تھے مگر جس جماعت کے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ ہوں جن کے زماں سعادت نشان میں رعایا فارغ البال تھی وُہ جماعت میدان جہاد سے کس طرح ہٹے اور کیوں نہ ڈٹے، مسلمانوں نے ان کا اس جواں مردی سے مقابلہ کیا کہ رُومیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور خود قسطنطین

نے ایک تیز کشتی میں بیٹھ کر جزیرہ سسلی پہنچ کر پناہ لی لیکن وہاں کے افسر جو پہلے ہی اس کے مظالم سے تنگ تھے انہوں نے موقع پاکر اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد قسطنطنیہ کا رُخ کیا گیا، حضرت امیر معاویہؓ نے کئی دفعہ حضرت عمرؓ کے حضور میں عرض کی تھی کہ ان کو قبرص اور روڈس کے جزیروں کو فتح کر لینے کی اجازت دی جائے مگر حضرت عمرؓ کے خیال میں ابھی مسلمان اس درجہ تیار نہیں تھے کہ رومیوں کی بحری طاقت کا مقابلہ کر سکیں۔ جب امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے اجازت مانگی تو آپ نے بلا کھٹکے اجازت دے دی۔ امیر معاویہؓ بڑے حوصلے والے اور بڑے مدبر سپہ سالار تھے انہوں نے ایک بحری بیڑہ تیار کرالیا اور آخر اس فتح نے بھی مسلمانوں کے قدم چومے۔

ان فتوحات کے بعد جزیرہ قریطش اور مالٹا بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگئے حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کی سرکردگی میں ایک مہم کابل روانہ فرمائی کابل ان دنوں غالباً شاہ بجستان کے قبضہ میں تھا یہاں بھی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کابل کا ملک بھی خراسان سے بھی زیادہ وسیع ہو گیا، ادھر مسلمان ہندوستان میں سندھ تک پہنچ چکے تھے۔ کما ذکرہ البلاذری۔

دوسرے گورنر۔ یہ عبداللہ بن عامر حضرت عثمانؓ کے خالہ زاد بھائی تھے معترضین یہ تو دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو بصرہ کا گورنر بنا دیا، یہ نہیں دیکھتے کہ یہی جرنیل تھا جس کی زیر کمانڈ یہ علاقے فتح ہوئے۔ نیشاپور۔ جرجان۔ لغارستان۔ طوس، سرخس شیراز۔ طائفان۔ جوین۔ بیہق۔ باخرز۔ اسفرائن۔ فاریاب۔ بلخ۔ مرو۔ ہرات۔ کابل۔

حضرت عثمانؓ کی حکومت مشرق میں کابل اور دریائے جیحون تک چلی گئی تھی، بلخ اور کوہ ہندوکش مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے شمال میں آرمینیا تک قبضہ ہو چکا تھا مغرب میں بحر روم سے لے کر اندلس تک اور ہسپانیہ کے قریب تک اور جنوب میں بحر عرب تک اسلامی سلطنت ممتد ہو چکی تھی۔

والحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیرا

سخاوت: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ مبارکہ میں مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی چشمہ تھا اور وہ بھی ایک یہودی کی ملکیت تھا حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کا یہ حکم سن کر (قال النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم من یحفر بئر رومۃ فلہ الجنۃ فحفرھا

عثمان و قال من جہز جیش العسرۃ فلہ الجنۃ فجہزہ عثمان[1]

ترجمہ: جو شخص بئر رومہ تیار کرائے سو جنت اسکی پس حضرت عثمانؓ نے اسے تیار کرایا اور آپ نے یہ بھی کہا جو شخص لشکرِ عُسرہ کی تیاری کرائے۔ جنت اس کی۔ وہ بھی حضرت عثمانؓ نے تیار کرایا۔

آپ نے پینتیس ہزار دینار کی رقم کثیرہ سے وہ کنواں اس یہودی سے خرید لیا اور پھر تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا جس سے مسلمانوں کی بہت بڑی تکلیف رفع ہو گئی امیرالمؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں قحط پڑا اور مدینہ والوں کی حالت خراب ہو گئی اتنے میں حضرت عثمانؓ کے گندم اور غلّہ سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ باہر سے آگئے آپ نے وہ سارا غلّہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہدِ مبارک میں مسلمان کامل اوج ترقی پر پہنچ چکے تھے تمام دُنیا میں ان کا طوطی بول رہا تھا مسلمانوں کا کمال پر پہنچنا اور اس میں سے خاص کر صحابہؓ کی تعظیم و توقیر کا زیادہ ہونا ان نومسلموں کو گوارا نہ ہوا جو نو آبادیات کے رہنے والے تھے اور جو قریش کو اس لحاظ سے بھی بنظرِ عیب دیکھتے تھے کہ انہوں نے ان کے آبائی ملکوں کو فتح کیا ہے۔ کھلم کھلا مخالفت کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ اسلام کو نشانہ بنانے کی بجائے حضرت عثمانؓ کو نشانہ بنانا ان لوگوں نے قرین مصلحت سمجھا۔ ان کی سازشوں سے مسلمانوں میں بدنظمی پھیلتی گئی اور کام بگڑتا گیا۔ اور زمانے کے لیل و نہار بدلتے رہے۔ ہر کمالے را زوالے اپنی عملی صورت پیش کرنے لگا بعض لوگوں کے جذبات بھڑکے اور انہوں نے کچھ اور ٹھان لی جو دن آیا نئی مصیبتیں لے کر آیا اور جو رات آئی نیا پیغام مصیبت لائی۔ اختلافات کی گھٹا ٹوپ اندھیریاں چاروں طرف چھا گئیں اور مسلمان ایک نئے دور میں داخل ہوئے۔

ان نازک حالات میں مدینہ طیبہ میں حضرت عثمانؓ خطرات میں گھر گئے جب امیر معاویہؓ نے آپ کے پاس عرض کی کہ میں اپنے صوبہ سے شامی افواج آپ کی حفاظت کے لئے مدینہ بھیج دوں تو آپ اگر اس تجویز کو پسند فرما لیتے تو فتنہ پھر بھی دب جاتا لیکن آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

"میں اپنی ذاتی خدمت کے لئے بیت المال کے خرچ پر فوج رکھنا پسند نہیں کرتا اور خود اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ اپنے ذاتی خرچ پر ایسا انتظام کر سکوں"

اس پر حضرت امیر معاویہؓ رو پڑے ان کی نظرِ بصیرت نے آنے والے انقلاب کو بھانپ لیا۔ حضرت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲۳

سیدنا علیؓ نے اپنے بیٹوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر کی حفاظت کے لئے پہرے پر کھڑا کر دیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی مسلمانوں سے معاملات میں حضرت عثمانؓ کا طرزِ عمل ٹھیک نہیں رہا تھا اور وہ مخالف ہوگئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے معاملات واقعی محفوظ نہ ہوتے تو سب سے پہلے حضرت علیؓ آپ کے مخالف ہوتے اور اپنے آپ کو ان کی اطاعت سے باہر کر لیتے کیونکہ آپ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وقت یہ وعدہ فرمایا تھا:۔

وَاللّٰہ لاسلمن ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیہا جور الا علی خاصة التماسًا لاجر ذالک وفضلہ وزھدًا فیما تنافستموہ من زخرفہ وزبرجدہ[1]

یعنی خدا تعالیٰ کی قسم میں ضرور خلافتِ عثمانی کا مطیع و منقاد رہوں گا جب تک مسلمانوں کے امور محفوظ رہیں اور ان پر کوئی دست و برد نہ ہو اور ان میں سوائے میرے کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو اپنے آپ کو آپ نے اس لئے مستثنیٰ فرمایا کہ اپنے پر جب زیادتی ہو تو صبر کرنا موجب اجر ہے مدافعت اور مقابلہ فرض نہیں چنانچہ التماسًا لاجر ذالک الخ کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں اور جب قوم پر زیادتی ہو اور وہ جبر و ظلم کی آماجگاہ بن چکی ہو تو ہر صاحب ہمت پر فرض ہے کہ وہ میدان میں نکلے اسی لئے اس صورت میں اپنے مطیع ہونے کو اس کے ساتھ مشروط کیا کہ کسی مسلمان پر جب تک زیادتی اور ظلم نہ ہو میں تابع دار رہوں گا۔

چونکہ آخر وقت تک حضرت علیؓ نے عثمانؓ کی مخالفت نہیں کی اس لئے ثابت ہوا کہ مسلمانوں پر حکومت کی جانب سے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں تھی اور اس بغاوت اور شرارت کی ساری ذمہ داری ان بلوائیوں پر عائد ہوتی ہے جن کے مقابلے کے لئے اور جن کے شر سے بچانے کے لئے حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر کی حفاظت کے لئے بٹھا دیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ آخر میں بلوائیوں کو چھت کے اوپر سے داخل ہونا پڑا تھا۔

---

[1] نہج البلاغۃ جلد اوّل صفحہ ۱۳۵۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ بلوائی زور پکڑتے چلے گئے اور حضرت عثمانؓ کا رحیم و شفیق ہونا اس فتنہ کو دبا نہ سکا، حتیٰ کہ آپ کا اس طرح محاصرہ ہوگیا کہ آپ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے بھی نہیں جا سکتے تھے۔

آہ! یہ وہ مسجد تھی جس کو حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی خرچ سے بڑھایا تھا اور اس پر زر کثیر صرف فرمایا تھا مگر اسی مسجد میں داماد رسُول خلیفہ مسلمین کو دربار ایزدی میں سجدہ کرنے سے روکا جا رہا ہے مصیبت اس قدر زیادہ تھی کہ اگر حضرت عثمانؓ کو نبی کریمؐ کی وہ وصیت یاد نہ ہوتی جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا:

یا عثمان انہ لعل اللہ یقمصك قمیصاً فان ارادوك علی خلعہ فلا تخلعہ لھم[1]

اے عثمانؓ اللہ تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائیں گے اگر لوگ اس بات کا ارادہ کریں کہ تو اسے اُتار دے تو اسے مت اُتار یو[2]

تو آپ یقیناً خلافت کی قمیص اُتار دیتے مگر حضورؐ کی یہ پیشن گوئی کہئے یا خوشخبری آپ کو اس سارے دور ابتلا میں پوری طرح یاد تھی۔ پھر لوگوں کے کہنے پر امارت چھوڑنا یہ تو جمہوریت کی بات ہے اسلام کی نہیں؛

آپ نے فرمایا:

میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور دین اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ حضور مدینہ تشریف لائے درآنحالیکہ اس میں میٹھا پانی سوائے بیر رُومہ کے کہیں نہیں ملتا تھا پس حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس کنویں کو خریدے اور اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ کر دے تو اس کے لئے جنت میں اس سے بہتر سامان ہوگا۔ پس میں نے اس کو اپنے اصل مال سے خریدا اور تم آج مجھے اس پانی سے روکتے ہو حتیٰ کہ میں کھاری پانی پیتا ہوں، انہوں نے جواب دیا " اے اللہ گواہ رہ بات اسی طرح ہے پھر فرمایا میں تمہیں اللہ اور دین اسلام کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ جب مسجد نبوی مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ ہوگئی تو حضورؐ نے فرمایا تھا جو شخص فلاں شخص کی زمین خرید کر مسجد بڑھا دے تو اس کے لئے جنت میں اس سے بہتر سامان ہے سو اس کو میں نے اپنے اصل مال سے خریدا اور اب تم مجھے وہاں دو رکعت پڑھنے نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا خدا گواہ ہے بے شک پھر حضرت عثمانؓ نے اسی طرح قسم

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۷۰ [2] اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۷۰

دلاکر کہا کیا تم جانتے ہو کہ میں نے ہی لشکر عُسرہ کی تیاری کرائی تھی (جس کے لئے حضور نے جنت کی خوش خبری دی تھی) انہوں نے کہا ہاں پھر حضرت عثمانؓ نے کہا میں تمہیں دینِ اسلام اور خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ ایک دفعہ حضورؐ مکہ کے ثبیر نامی پہاڑ پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے اور میں بھی تھا۔ پس پہاڑ لرزا یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے جا پڑے۔ حضورؐ نے اس پہاڑ پر اپنا پاؤں مبارک مارا اور کہا "اے ثبیر پہاڑ ٹھہر تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔" انہوں نے کہا ہاں حضرت عثمانؓ نے فرمایا اللہ اکبر کہ سب نے میرے حق میں ہی گواہی دی ہے۔ ربِ کعبہ کی قسم میں شہید ہی ہوں گا آپ نے یہ تین بار فرمایا۔[1]

آخر کار آپ کو گھر بیٹھے اس مظلومیت کے عالم میں طرح طرح کے بہانے بناکر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا آپ کی بیوی نائلہ درمیان میں آئیں تو ان کی انگلیاں کاٹ دی گئیں خون کے فوارے چل رہے تھے ساری سلطنت آتش کدہ جہنم بن رہی تھی اور وہ فتنے نمودار ہو رہے تھے جن کا حضور نے پہلے سے تذکرہ فرمایا تھا۔

حضرت مرہ بن کعبؓ فرماتے ہیں؛ ——————

ذکر الفتن فقربہا فمر رجل مقنع فی ثوب فقال ھذا یومئذ علی الھدیٰ فقمت الیہ فاذا ھو عثمان بن عفان فاقبلت علیہ بوجھہ فقلت ھذا قال نعم[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کا نزدیک ہونا بیان کیا پھر ایک مرد سر ڈھانپے ہوئے وہاں سے گذرا پس آپ نے فرمایا "یہ اس دن ھدایت پر ہوگا" پس میں اُٹھ کر اُس کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمانؓ بن عفان ہیں پھر میں حضورؐ کی طرف آیا اور کہا کہ کیا وہ یہ شخص ہے آپ نے فرمایا ہاں (ترمذی)

حضرت ابوحبیبہؓ فرماتے ہیں کہ جس مکان میں حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا جا چکا تھا اس میں میں بھی داخل ہوا اور وہاں حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عثمانؓ سے اجازت مانگتے دیکھا، پس آپ کو اجازت دی گئی تو آپ نے کھڑے اللہ کی تعریف کی اور ثنا کہی اس کے بعد فرمایا؛ ——————

---

[1] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۶۹ نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۶۸۔

[2] رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انکم ستلقون بعدی فتنۃ و اختلافا فقال لہ قائل من الناس فمن لنا قال وعلیکم بالامیر واصحابہ وھو یشیر الی عثمان بذالک [1]

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا وہ فرما رہے تھے کہ میرے بعد تمہیں ایک بڑے فتنہ اور اختلاف کا سامنا کرنا ہوگا پس ایک کہنے والے نے یہ کہا کہ حضور ہمارے لئے اس وقت کون ہوگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے امیر اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ رہنا اور آپ حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

زبان صادق و مصدوق کا یہ ارشاد حرف بحرف پورا ہوا یہ فتنے پیدا ہوئے جنہوں نے عالم اسلامی کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اتحاد اسلامی کو تار تار کر دیا گیا مسلمان کی تلوار جب اس وقت سے نیام سے نکلی آج تک نیام میں داخل نہیں ہوئی اسلامی تاریخ میں اس سے بڑھ کر مہلک اور تباہ کن کوئی دن طلوع نہیں ہوا جبکہ ایک بے گناہ کو پانی بند کر کے گھر کی چار دیواری میں محصور کر کے مسجد نبوی میں سجدہ ریز ہونے سے روکتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔ مگر واہ رے شہید اعظم! آفرین اے انسانیت کی جان اخیر کہ جان جان آفرین کے سُپرد کر دی مگر حضورؐ کے حکم کو نہیں چھوڑا۔

شہادت کے اثرات

اس شہید اعظمؓ کی شہادت سے ایک طرف فتوحات اسلامیہ کا سلسلہ رُک گیا اور دوسری طرف مسلمانوں کی تلوار آپس میں اس طرح چلی کہ قیامت تک اس کے نیام میں جانے کی توقع نہیں وحدت ٹوٹ گئی اور بعد میں امیر المؤمنین سیدنا حضرت علیؓ کے عہد میں مزید فتح تو درکنار سلطنت اسلامیہ بھی ایک جھنڈے تلے نہ رہ سکی۔ قتل و قتال کا دروازہ اس طرح کھل گیا کہ الامان! الامان حتیٰ کہ اسی سرزمین عرب میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؓ کو میدانِ کربلا میں ان لوگوں نے شہید کیا جو اسی حسینؓ کے نانا کا کلمہ پڑھنے کے دعوے دار تھے ان خونریزیوں کی ابتداء اس وقت سے ہوئی تھی جب دامادِ رسولؐ حضرت عثمانؓ کو مدینہ منورہ میں ان لوگوں نے شہید کیا جو اسی نبی کا کلمہ پڑھنے کے دعوے دار تھے جس نے ایک

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

شخص کا جنازہ صرف اس لئے نہ پڑھا تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا کہ حضورؐ اس پر نماز پڑھائیں آپ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ جب حضورؐ سے اس کی وجہ کا استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

اِنّہ کان یبغض عثمان — یہ عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے

فابغضہ اللہ — اس کے ساتھ بغض رکھا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ کا وہ معرکۃ الآراء خطبہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:۔

یہ چیز پہلے سے کہی جاتی تھی کہ اس اُمت میں ایک ایسا امام شہید کیا جائے گا جس کی شہادت پر خون ریزیاں اور فسادات کُھل جائیں گے۔

کچھ لوگ اکٹھے ہو کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور جس چیز کے بارے میں وہ حضرت عثمانؓ کے متعلق شاکی تھے وُہ عرض کی اور انہیں اپنا سفیر بنا کر حضرت امیرالمؤمنین کے پاس بھیجا۔ وہ شکایت مروان کے متعلق تھی جو کہ آپؓ کا کاتب تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر یہ خطاب کیا۔

اِنّ الناس ورائی وقد استفسروا فی بینک و بینھم و واللہ ما ادری ما اقول لک ما اعرف شیئًا تجھلہ ولا ادلّك علی شئ لا تعرفہ ، انك لتعلم ما نعلم ما سبقناك اِلیٰ شئ فنخبرك عنہ ولا خلونا بشئ فنبلغکہ و قد رائیتہ کما رائینا و سمعتہ کما سمعنا و صحبت رسول اللہ علیہ وسلم کما صحبنا و ما ابن ابی قحافۃ ولا ابن الخطاب اولیٰ بعمل الحق منك و انت اقرب الیٰ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم وشیجۃ رحمٍ منھما و قد نلت من صھرہ مالا ینالاہ فاللہ اللہ فی نفسك فانك واللہ ما تبصر من عمی ولا تعلم من جھل وان الطرق لواضحۃ وان اعلام الدین لقائمۃ فاعلم ان افضل عباد اللہ عند اللہ امام عادل ھُدی وھَدی فاقام سنۃً معلومۃً و امات بدعۃً مجھولۃً وان السنن

لنيرة لها اعلام وان البدع لظاهرة لها اعلام وان شر الناس عند الله امام جائر ضل وضل به فامات سنة ماخوذة واحيى بدعة متروكة وانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتى يوم القيمة بالامام الجائر وليس معه نصير ولا عاذر فيلقى فى نار جهنم فيدور فيها كما تدور الرحى ثم يرتبط فى قعرها وانى انشدك ان لاتكون امام هذه الامة المقتول فانه كان يقال يقتل فى هذه الامة امام يفتح عليها القتل والقتال الى يوم القيمة ويلبس امورها عليها ويثبت الفتن عليها فلا يبصرون الحق بالباطل يموجون فيها موجا ويمرجون فيها مرجا فلا تكونن لمروان سيقة يسوقك حيث شاء بعد جلال السن وتقضى العمر فقال له عثمان رضی اللہ عنہ كلم الناس فى ان يوجلونى حتى اخرج عليهم من مظالمهم فقال عليه السلام ماكان بالمدينة فلا اجل فيه وماغاب فاجله وصول امرك اليه[1]

لوگ میرے پیچھے ہیں اور انہوں نے اپنے اور آپ کے مابین مجھے سفیر بنایا ہے خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا بتاؤں میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جو آپ کو معلوم نہ ہو اور کوئی راہ آپ کو نہیں بتلا سکتا جسے آپ نہ جانتے ہوں۔ آپ ہر وہ بات جانتے ہیں جو ہم جانتے ہیں ہم کسی شئی میں آپ سے بڑھے ہوئے نہیں کہ ہم آپ کو وہ بتلا دیں اور نہ ہی کسی بات کے جاننے میں ہم نبی کے ساتھ صاحب خلوت ہیں کہ آپ تک وہ بات پہنچا دیں آپ نے بھی سرکار دو عالم کو اپنی عقیدت کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسے ہم نے اور آپ نے حضور کے ارشادات سُنے جس طرح ہم نے آپ نے بھی اسی طرح سوسائٹی اختیار کی جیسا کہ ہم نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما صحیح عمل کے آپ سے زیادہ حق دار نہیں تھے۔ اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں بزرگوں کی نسبت زیادہ قریبی ہیں آپ کو حضور کے داماد ہونے کی وہ نسبت حاصل ہے جو ان کو نہیں تھی آپ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ فرمائیں کیونکہ آپ اندھے پن سے نہیں دیکھ رہے اور نہ ہی کسی چیز کے جاننے میں آپ جہالت میں ہیں راستے واضح

---

[1] نہج البلاغۃ جلد اول ص ۳۲۲، ۳۲۳ مطبع رحمانیہ مصر۔

ہیں اور دین کے جھنڈے بلند ہیں پس آپ جانیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر وہ امام عادل ہوگا جو خود بھی ہدایت پر ہو اور دوسروں کو بھی ہدایت پر چلائے اس بات کو جس کا ثبوت اسلام میں ہے قائم کرے جو نئی بات ہو جس کا ثبوت اسلام سے نہیں ملتا اسے مٹا دے سنتیں روشن ہیں اور ان کی علامات ہیں اسی طرح بدعات بھی صاف معلوم ہوتی ہیں اور ان کی بھی علامات ہوتی ہیں سب سے بُرا آدمی خدا کے نزدیک وہ ظالم حاکم ہے جو خود بھی گمراہ ہو اور دوسرے بھی اس سے گمراہ ہوں جو سُنتیں موجود ہوں اُن کو وہ ختم کر دے اور جو بدعات متروک ہوں ان کو وہ زندہ کر دے اور تحقیق میں نے حضور سے سُنا کہ قیامت کے دن ظالم حاکم کو اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی جانب سے کوئی معذرت کرنے والا۔ پس اسے جہنم میں گرایا جائے گا جس میں اس طرح گھومے گا جس طرح چکی گھومتی ہے پس وہ قعرِ جہنم میں باندھ دیا جائے گا اور میں خدا کی قسم دلا کر عرض کرتا ہوں کہ کہیں آپ ہی اس اُمت کے شہید ہونے والے وہ امام نہ بن جائیں کیونکہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اس اُمت میں ایک ایسا امام شہید کر دیا جائے گا جس پر قتل و قتال قیامت تک کے لئے کھل جائے گا اور اُمت کے امور اسی پر بدل جائیں گے فتنے قائم ہو جائیں گے، پس لوگ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکیں گے اسی حال میں گھومتے رہیں گے اور اسی میں رُلے مِلے رہیں گے پس آپ مروان کا نشانہ نہ بنیں کہ آپ کو اس بڑی عمر میں جہاں چاہے لے جائے۔

فاتح خیبر کے اس خطبہ سے چند اُمور خاص طور پر قابل یاد داشت ہیں.

(۱) جتنے علوم و کمالات صحبت نبویہ میں حضرت علیؓ کو حاصل تھے اتنی ہی علم کی دولت حضرت عثمانؓ کے پاس تھی اور صحابی رسُول ہونے کے اعتبار سے دونوں بزرگ ایک جیسے تھے۔

(۲) نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے باقی صحابہؓ سے علیحدہ کوئی ایسی بات نہیں کی جو حضرت علیؓ کو خلوت میں بتائی ہو۔

(۳) حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کا دامادِ رسُول ہونا مسلم تھا اور اسے وہ حضرت عثمانؓ کے لئے فضیلت کی وجہ بتاتے ہیں۔

(۴) حضرت عثمانؓ کے اپنے عہد تک مسلمانوں کا جھنڈا ایک تھا اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہ تھی اور مسلمانوں کی مرکزی وحدت اس شہادت کے بعد ٹوٹی یعنی قتل و قتال اس وقت سے شروع ہوئے

جب آپ شہید ہو گئے۔

(۵) وُہ زمانہ جس میں حق و باطل کا امتیاز مشکل ہو گیا حضرت عثمانؓ کے بعد کا زمانہ تھا ان کے اپنے عہد میں اُمت میں سراسیمگی اور بے چینی نہیں تھی۔

ان حقائق کو پیشِ نظر رکھیں اور قیامت تک دامادِ رسُول کی ان قربانیوں کو یاد کریں جو انہوں نے اللہ اور اس کے پیارے رسُول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رضا میں اسلام کی خاطر پیش کیں مگر آہ: کتنے مُسلمان ہیں جو آج ان بزرگوں کے ناموں سے بھی آشنا نہیں جنہوں نے اسلام کے پودے کو سرسبز کرنے کے لئے اپنا خُون پیش کیا تھا۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کو جو محبت عقیدت اُلفت اور موانست نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تھی اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جو پیار آپ کے ساتھ تھا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن حضرت عثمانؓ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رفیق ہوں گے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اپنا ارشاد ہے:۔

انت مع من احببت — تُو اس شخص کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہوگی۔

(رواہ بخاری و مُسلم)

اور جامع ترمذی میں ہے من احبنی کان معی فی الجنۃ مشکوٰۃ صہ۲۲، صہ۲۱۸ جس کی میرے ساتھ محبت ہوگی جنت میں وہ میرا رفیق ہوگا اور اسی کی تائید میں یہ حدیث بھی وارد ہے:۔

عن طلحۃ بن عبید اللہ قال قال رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لکل نبی رفیق و رفیقی فی الجنۃ عثمان۔ (رواہ ابن ماجہ)

رسُول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہر نبی کا ایک خاص رفیق ہوگا اور میرے رفیق جنت میں عثمان ہوں گے۔

مقامِ سیّدنا عثمانؓ

اب احقر امام ربانی سیدنا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا وہ عارفانہ مکتوب جو آپ نے اپنے ایک فیضیافتہ کی طرف صادر فرمایا اور جس میں شہیدِ اعظم سیدنا حضرت عثمانؓ کے مقام و کمالات

اور مقامِ دعوت، کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پیش کرتا ہے ممکن ہے بعض ارباب تقشف اس سے محظوظ نہ ہوسکیں لیکن یہ عاجز بوجہ اس خاص عقیدت کے جو اسے اہلِ تصوف اور ائمہ طریقت کے ساتھ ہے اسے نقل کرنے میں مجبور ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تصوف تمام علوم دینیہ کی رُوح ہے۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے:۔

" حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ کمالات محمدی کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی کے درجوں تک پہنچنے کے باوجود گزشتہ انبیاء کے درمیان ولایت کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اور مقام دعوت میں حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت ذوالنورینؓ مقام ولایت اور مقامِ دعوت دونوں لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت علیؓ دونوں طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رُوح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے نبوت کی جانب سے ولایت کی جانب ان میں غالب تھی اور حضرت امیر رضؓ بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی طرف غالب ہیں اور خلفائے اربعہ کے تعینات مبادی جہالت کے اختلاف کے بموجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہے وہ صفت باعتبار اجمال حضرت محمدؐ کا رب ہے اور باعتبارِ تفصیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رب اور اجمال اور تفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کا رب ہے جیسے کہ مُوسیٰ علیہ السلام کی تربیت کرنے والی صفت الکلام ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُربّی صفت القدرت ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا رب صفت التکوین ہے اب ہم اصل بات بتاتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضؓ اور حضرت فاروق اعظم رضؓ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوت محمدی کا بار اٹھانے والے ہیں اور حضرت امیر رضؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب ولایت کے غلبہ کی وجہ سے ولایت محمدی، کا بوجھ اٹھانے والے ہیں اور حضرت عثمان رضؓ کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اُٹھانے والا فرمایا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی انہیں ذوالنورین کہا گیا ہو۔

مکتوبات شریف دفتر اوّل مکتوب ۲۵۱۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے کس قدر پُر معارف انداز میں لطائف کو حل فرمایا ہے اس کی قدر وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہوں نے کشوف و اسرار کی وادی میں کبھی قدم رکھا ہو اللہ تعالیٰ حضرت

عثمانؓ کی محبت کو ہمارے سینہ میں قائم دائم رکھے اور ان کی معیت میں حضورؐ کی رفاقت عنایت فرمائے۔ آپ بلاشبہ مظلوم تھے اور یہود کی ایک گہری سازش کا نشانہ بنے۔

سازشیں اپنے نتائج سے پہچانی جاتی ہیں اور واقعات کی گرہ اثرات سے کھلتی ہے قتلِ عثمانؓ سے پہلے مسلمانوں کا سیاسی پلیٹ فارم ایک تھا سب ایک حکومت کے تحت تھے اس کے مسلمان عراق اور شام دو سلطنتوں میں بٹ گئے قتل عثمانؓ سے پہلے مسلمانوں کا قدم کافروں کے خلاف اٹھتا تھا اور کفر کے علاقے داخل قلم و اسلامی ہوتے تھے اس کے بعد مسلمانوں کے قدم خود مسلمانوں کے خلاف اٹھے اور بیرونی فتوحات رک گئیں قتلِ عثمانؓ سے پہلے مسلمانوں کا مرکز حکومت مدینہ منورہ تھا اس کے بعد مرکز حکومت کوفہ اور دمشق بن گئے قتلِ عثمانؓ سے پہلے حضرت علیؓ باب العلم سمجھے جاتے اور آپ خلفاء ثلثہ کی مجلس شوریٰ میں برابر ممبر رہے قتلِ عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ پر کفر کا فتویٰ لگا اور ان لوگوں نے لگایا جو پہلے آپ کے گروہ میں تھے اور خارج ہو کر خارجی کہلائے قتلِ عثمانؓ سے پہلے اطاعت امیر دل و جان سے ہوتی تھی قتلِ عثمانؓ کے بعد تقیہ نے ایک شرعی صورت اختیار کی پہلے حضرت علی مرتضیٰ کا قول و فعل اور ظاہر و باطن ایک سمجھا جاتا تھا اب حضرت کے ظاہر و باطن علیحدہ علیحدہ قرار دیئے جانے لگے تاہم اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ خلفاء ثلثہ کے دل و جان سے معتقد رہے اور آپ نے اپنی حدود خلافت میں سیرت شیخین کی پوری پابندی کی یہ فرق ہم نے صرف اس لئے بیان کر دیئے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ قتلِ عثمانؓ اگر صحیح اقدام ہوتا تو اس کے بعد امت پر رحمت کی ہوائیں چلتیں اور امن و چین کی راہیں کھلتیں لیکن یہ سراسر گمراہی اندھیرا تھا اس کے پیچھے یہودی سازش تھی سو امت کو اس کے بعد خون ہی خون ملا حضرت حذیفہؓ نے کیا اصولی بات فرمائی

لو کان قتل عثمان هدیً	اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل جائز
ورحمةً لاحتلبت به الامة	اور درست ہوتا تو امت کو اس
لبناً ولکن کان عمی وضلالة	واقعہ کے بعد امن ملتا لیکن یہ غلط اور گمراہی
فاحتلبت به الامة دماً[1]	پر مبنی تھا پس امت کو اس کے بعد خون

[1] البدایۃ والنہایہ للحافظ ابن کثیر من المجلد السادس ص۔

عثمان ذی النورین رضؓ
اور
قاتلین امام مظلوم کا عبرتناک انجام

(مندرجہ ذیل مضمون مجاہد ملت حضرت مولانا سید نورالحسن صاحب بخاری صدر تنظیم اہل سنت پاکستان و سابق مدیر "دعوت" لاہور کی کتاب شہادت امام مظلوم سیدنا عثمان رضؓ سے ماخوذ ہے یاد رہے سیرت امام مظلوم حضرت بخاری صاحب کی نہایت بلند پایہ علمی اور تحقیقی تصانیف ہیں۔ ہر کتاب ۴۶۴ صفحات پر مشتمل ہے ـــــــــ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ـــــــ

یا عثمان! شاید تمہیں اللہ تعالیٰ ایک قمیض پہنائے گا اگر لوگ تم سے اس کے اُتارنے کا ارادہ کریں تو تم ان کی وجہ سے اسے نہ اُتارنا[1]

ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے اسے روایت کیا ہے۔ ابی سہلہ رضؓ سے روایت ہے حضرت عثمانؓ نے محاصرہ کے دوران مجھ سے فرمایا بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک وصیت فرمائی تھی (یعنی یہ کہ خلافت کی قمیض لوگوں کے کہنے سے نہ اُتارنا) اور میں اس ارشاد پر صابر ہوں۔[2]

ابی سہلہ رضؓ حضرت عثمانؓ کے غلام سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے آخری وقت میں ایک راز کی بات فرما رہے تھے اور حضرت عثمان رضؓ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا جب محاصرہ کے ایام ہم نے عرض کیا کہ آپ لڑنے کا حکم کیوں نہیں دیتے ـــــــ؟

---

[1] ترمذی اور ابن ماجہ۔ [2] رواہ الترمذی

فرمایا ہرگز نہیں! بے شک رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھے ایک وصیت فرمائی تھی اور میں بطیب خاطر اس پر صابر ہوں[1]۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ مندرجہ بالا حدیث حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے اس میں اتنا مستزاد ہے کہ حضوؐر نے حضرت عثمانؓ کو خاص طلب فرمایا۔ وہ آگئے تو مجھے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ پس میں ایک طرف ہوگئی حضوؐر نے ان سے خفیہ طور پر ارشاد فرمایا اور ان کا رنگ متغیر ہوگیا۔ آخری وقت میں کہا گیا لڑتے کیوں نہیں ــــــــ؟ تو فرمایا اور یہ واقعہ بتا دیا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا روایت مسند احمدؒ سے بھی نقل فرمائی ہے۔

ان ارشادات نبویہ و احادیث شریفہ سے یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ امام مظلوم حضوؐر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ارشاد پر قائم اور آپ کی وصیت پر صابر تھے۔ نہ تو شہادت کے خوف سے خلافت سے دست بردار ہو سکتے تھے، اور نہ ہی اپنے لئے مُسلمانوں میں آتش حرب و ضرب مشتعل کرنے کی اجازت دیتے تھے تو آپ کے مسند خلافت سے معزول نہ ہونے کا مقصد معاذ اللہ ہوس جاہ نہ تھا، امتثال امر نبی کریم تھا۔ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، چونکہ حضوؐر نے آپ کو خلافت چھوڑنے سے بہ شدت و اصرار منع فرما دیا تھا، اس لئے آپ نے باغی مفسدین کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے صاف انکار فرما دیا۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ کا مشورہ اجلہ اصحاب رسُولؐ میں سے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا تھا۔ [امام ابن العربیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا، دیکھئے یہ کیا کہتے ہیں کہ یا تو خلافت سے دست بردار ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔

حضرت ابن عمر رضؓ نے آپ سے کہا۔ کیا آپ دُنیا میں ہمیشہ رہیں گے۔؟ فرمایا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا پھر آپ اللہ کی قمیص نہ اُتاریئے۔ اور فرمایا:۔

فتکون سُنّۃ، کلما کرہ قوم خلیفتھم خلعوہ او قتلوہ۔ ورنہ پھر یہ دستور اور معمول بن جائے گا جب بھی لوگ اپنے خلیفہ کو ناپسند کریں گے تو اسے خلافت سے برطرف کر دیں گے یا قتل کر دیں گے۔

---

[1] رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ

اس اصول پر غور کیا جائے تو یوں سمجھئے ___ گویا حضرت امام مظلومؓ نے اپنی ذات کی قربانی دے کر فتنہ کا دروازہ بند کر دیا۔ ورنہ لوگ ہر دم اپنے خلفاء و امراء کو برطرف کرتے رہتے اور نظام اسلام ہمیشہ مختل و متزلزل رہتا کبھی مضبوط و مستحکم نہ ہو سکتا تھا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس مشورے سے پہلے حضرت امامؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت و ارشاد کی روشنی میں اپنے لئے یہ قربانی کی راہ متعین فرما چکے تھے اور وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے حکم و عہد پر بصمیم قلب صابر و قائم تھے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَنْہُمْ اَجْمَعِیْن۔

مسجد نبویؐ کی توہین اور امام مظلوم پر حملہ | امام ابن جریرؒ اور امام ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں کہ :۔ اس دوران میں نماز حضرت عثمانؓ پڑھاتے رہے۔ جب جمعہ آیا۔ اور حضرت عثمانؓ آئے۔ لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر کھڑے ہو کر باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔

اے باہر سے آنے والو! خدا سے ڈرو، خدا کی قسم اہل مدینہ (اصحابِ رسولؐ) جانتے ہیں کہ بارشادِ رسول تم ملعون ہو پس تم اپنی خطا کو نیکی سے مٹاؤ۔ اللہ عزوجل برائیوں کو نیکیوں سے مٹاتے ہیں۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا میں اس کی گواہی دیتا ہوں یعنی حضورؐ نے تم لوگوں کو ملعون فرمایا ہے۔

حکیم بن جبلہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا یہ اس کتاب میں ہے، ان پر محمد بن ابی مریرہ جھپٹے اور انہیں بٹھا دیا پھر سارے باغی تمام اہل مسجد پر پل پڑے لوگوں پر سنگ باری شروع کر دی یہاں تک کہ انہیں مسجد سے نکال دیا اور حضرت عثمانؓ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو کر منبر سے گر پڑے۔

وحصبوا عثمان حتی صرع عن المنبر مغشیا علیہ۔

لوگوں نے آپ کو اٹھا کر آپ کے گھر پہنچا دیا۔

قصر خلافت کا محاصرہ | علامہ ندوی رقمطراز ہیں :۔ ___

حضرت عثمانؓ کے انکار پر مفسدین نے کاشانہ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا ایک دفعہ اُم المومنین حضرت

اُمِ حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی، مگر مفسدین کے قلوب نورِ ایمان سے خالی ہو چکے تھے انہوں نے رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حرم محترم کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا، اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا. ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی. مفسدین کی خیرہ سری سے صحابۂ کرامؓ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلام ابو ہریرہؓ سعد وقاص اور زید بن ثابت جیسے اکابر صحابہؓ تک کی کسی نے نہ سُنی اور ان کی توہین کی حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا. آپ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اُتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا جو حالت ہے اس کو دیکھ لو، اور جا کر کہہ دو. بہت سے صحابہؓ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے سفرِ حج کا ارادہ کر لیا. اکابر صحابہؓ نے ان پُر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسب سمجھی.

شدتِ محاصرہ پانی تک کی بندش | اس قدر طویل مدت تک محاصرہ پھر اتنا شدید کہ پانی تک بند کر دیا گیا.

امام ابن جریرؒ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ :-

[محاصرین لوگوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان حائل ہو گئے اور ہر چیز یہاں تک کہ پانی (اندر بھیجنے سے منع کر دیا.

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ اور ازواج النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس پیغام بھجوایا.

بانھم قد منعونا الماء — کہ باغیوں نے ہمارا پانی بند کر دیا

فان قدرتم ان ترسلوا الینا شیئا من الماء فافعلوا — ہے اگر تم تھوڑا پانی بھیج سکو تو بھیجو.

سب سے پہلے حضرت علیؓ اور حضرت اُمِ حبیبہؓ آپ کی امداد کو پہنچے حضرت علیؓ مُنہ اندھیرے آئے اور فرمایا :-

سیدنا حضرت علیؓ کا احتجاج | اے لوگو! جو کچھ تم کر رہے ہو یہ نہ تو مسلمانوں کا دستور ہے

اور نہ ہی کافروں کا! تم آپ سے کھانے پینے کی چیزیں نہ روکو، روم اور فارس کے لوگ کسی کو قید کرتے ہیں تو وہ اسے کھلاتے پلاتے ہیں اور آپ نے تم سے کوئی تعرض بھی تو نہیں کیا. فبما تستحلون حصرہ وقتلہ پھر تم کس بنا پر آپ کا محاصرا ور قتل جائز سمجھتے ہو، کہنے لگے خدا کی قسم ہم کبھی اسے کھانے پینے کی اجازت نہیں دیں گے. آپ اپنا عمامہ حویلی میں پھینک کر واپس لوٹ آئے]

حرمِ رسولؐ کی بے احترامی حضرت اُمِ حبیبہؓ اپنے خچر پر سوار ہو کر تشریف لائیں خچر پر زین تھی جس کے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا. (بدبختوں) نے آپ کے خچر کے مُنہ پر مارا، خچر کا تنگ تلوار سے کاٹ دیا. خچر بدک کر بھاگا حضرت اُمّ المؤمنین گرنے کو تھیں کہ لوگوں نے تھام لیا، قریب تھا کہ شہید ہو جاتیں، اگر لوگ آپ کو نہ تھام لیتے اور آپ کی سواری کے جانور کو نہ پکڑ لیتے (بہرحال) لوگ آپ کو آپ کے گھر لے گئے. آپ کو (باغیوں سے) یہ شدت عظیمہ پہنچی اور بہت ہی بڑا واقعہ پیش آیا.

امامِ مظلومؓ کا باغیوں سے خطاب امامِ مظلومؓ نے باغیوں پر اتمام حجت کے لئے ان سے خطاب فرمایا نہایت مؤثر تقریریں کیں، لیکن سنگ دِل خارجیوں پر مطلق اثر نہ ہُوا.

فضائلِ امامؓ کا اعتراف اس سلسلہ میں امامؓ کی وہ تقریر ملاحظہ ہو جو آپ نے کاشانۂ اقدس پر جلوہ افروز ہو کر فرمائی.

علامہ ندوی لکھتے ہیں:۔

"حضرت عثمانؓ نے چھت کے اُوپر سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی، آپ نے فرمایا کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی، تو میں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی. تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز نہیں پڑھنے دیتے؟ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں بئر رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا آپ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس

بہتر اس کو جنت میں لے گا، تو میں ہی نے اس کی تعمیل کی، تو کیا اسی کے پانی پینے سے محروم کر رہے ہو؟ کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو میں نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا! سب نے جواب دیا خداوندا یہ سب باتیں سچ ہیں۔ مگر سنگ دلوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوا۔ پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا "تم کو قسم دیتا ہوں تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آں حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پہاڑ پر چڑھے پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے پہاڑ کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا اے حرا، ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبیؐ ایک صدیقؓ اور دو شہید ہیں حضرت صدیقؓ تھے۔ اور میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے کہا یاد ہے۔ پھر فرمایا خدا کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہ حدیبیہ میں مجھے آپؐ نے مکہ کا سفیر بنا کر بھیجا تھا تو کیا خود اپنے دستِ مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا تھا؟ اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی تھی؟

سب نے کہا سچ ہے۔"

یہ مضمون احادیث و سیر اور تاریخ کی کتابوں میں کثرت و تواتر کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً صحیح بخاری کتاب الوصایا باب اذا وقف ارضاً و بئراً مسند امام احمدؒ جلد اول ص ۵۹ و ص ۷۰، جامع ترمذی و سنن نسائی جلد ۲ ص ۶۵، ۶۶، ۶۳، ۱۶۴ و ۱۲۵ اور تاریخ طبری جلد ۳ ص ۴۱۵ میں مفصلاً و مختصراً مروی و منقول ہے۔

قصرِ خلافت کے دروازہ پر تیر اندازی آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ محاصرین نے امام مظلومؓ کے دروازہ پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔

امام ابن جریرؒ روایت کرتے ہیں:-

باغیوں نے (قصرِ خلافت کے) دروازہ پر تیر اندازی کی، انہیں حضرت حسن، ابن زبیر، محمد بن طلحہ، مروان، سعید بن العاص وغیرہ ابناء صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو وہاں مقیم تھے روکا۔ اور لڑنا چاہا حضرت عثمانؓ نے انہیں اللہ کا واسطہ دے کر روکا اور صحابہؓ کو قسم دے کر کہا کہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں مگر انہوں واپس جانے سے انکار کر دیا اور قصرِ خلافت میں چلے گئے آپ نے دروازہ بند کر دیا۔ مغیرہ بن اخنس حج سے واپس آچکے تھے کہنے لگے اگر ہم نے آپ کو چھوڑ دیا، تو ہمارا

اللہ کے پاس کیا جواب ہوگا؟ اور ہم کوشش کریں گے کہ ان باغیوں کو نہ چھوڑیں یہاں تک کہ ہم خود مر جائیں۔

حضرت عثمانؓ ان دنوں قرآنِ کریم کی تلاوت میں معروف رہتے تھے یا نماز میں مشغول ہوتے

دروازہ کو آگ لگادی مصریوں نے قصرِ خلافت کے دروازہ کو آگ لگادی۔ ڈیوڑھی گر پڑی، حضرت عثمانؓ نماز پڑھ رہے تھے، قصرِ خلافت میں مقیم لوگوں نے بڑھ کر غنڈوں کو اندر داخل ہونے سے رُوکا۔ سب سے اوّل حضرت مغیرہ بن الاخنس بعدہٗ حضرت حسن بن (رضی اللہ عنہما) آپ کے بعد محمد بن طلحہ (رضی اللہ عنہما) اور پھر حضرت سعید بن العاص رجز پڑھتے ہوئے باغیوں کے مقابلے میں نکلے، حضرت عثمانؓ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی وصیت لے کر اپنے والد کے پاس چلے جائیں اور آپ سے فرمایا کہ آپ قصرِ خلافت میں رہنے والے حضرات کے پاس جائیں۔

فیأمرھم بالانصراف الی منازلھم۔ اور ان سے کہیں کہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔

پس آپ برابر لوگوں کو واپس جانے کا حکم فرماتے رہے۔

حد ہوگئی صبر و شکیب اور ضبط و تحمل کی حد ہوگئی کہ دشمن تو گھر کے دروازہ کو نذرِ آتش کر رہا ہے مگر آپ ہیں کہ اپنے حامیوں کو مدافعت تک کی اجازت نہیں دیتے۔

پروانوں کی بے تابانہ قربانی

ہر چند کہ امام عالی مقامؓ نہایت شدت و تکرار کے ساتھ اپنے حامیوں اور حواریوں کو حملہ آوروں کے مقابلہ اور مدافعت سے رُوکتے رہے تاہم بعض "پروانے" "شمع" پر قربان ہونے کے لئے بے تابانہ میدان میں نکل آئے چنانچہ:-

۱۔ **چار مجاہد خون میں لت پت ہوگئے۔** محمد بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ ہم سے اُم المؤمنین حضرت صفیہؓ کے غلام کنانہؓ نے کہا کہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت موجود تھا۔ میرے سامنے حضرت عثمانؓ کے گھر سے چار نوجوان نکلے۔

ملطخین بالدم محمولین کانوا خون میں لت پت حضرت عثمانؓ کیطرف سے

يدرؤن عن عثمان رضي الله عنه الحسن بن علي وعبد الله بن الزبير ومحمد بن حاطب ومروان بن الحكم

مدافعت کر رہے تھے۔ حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر محمد بن حاطب اور مروان بن الحکم (رضی اللہ عنہم اجمعین)

۲۔ حضرت حسنؓ خون میں نہا گئے

حضرت علیؓ نے (حضرت) حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے فرمایا تم دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر جاؤ تقوملبباب عثمان حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو ان تک نہ جانے دو۔ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے کو حضرت نے اپنے بیٹے کو اور متعدد صحابۂ کرامؓ نے اپنے بیٹوں کو بھیج دیا تاکہ وُہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے گھر داخل ہونے سے رُوکیں۔ لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر سنگ باری کی، جس سے دروازہ پر مقیم (حضرت) حسنؓ خُون میں نہا گئے۔ حضرت علیؓ کے غلام قنبرؓ کا سر پھٹ گیا"۔

۳۔ حضرت مغیرہؓ بن اخنس کی شہادت

علامہ ابن عبدالبرؒ بسند حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں ان کے ساتھ محصُور تھا، ہم سے ایک شخص کو تیر لگا تو میں نے کہا امیر المومنین! انہوں نے ہمارا ایک آدمی قتل کر دیا ہے اب تو لڑائی جائز ہے۔ فرمایا میں تم سے قطعی بات کہتا ہوں کہ تو اپنی تلوار پھینک دے۔ کیا تو میرا اور تمام مُسلمانوں کا خُون بہانا چاہتا ہے؟ حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا میں نے اپنی تلوار پھینک دی اور اس وقت تک میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟ اور آپ کے ساتھ گھر میں عبداللہ بن عُمر، عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن الزبیرؓ حسن بن علی، ابوھریرہ، محمد بن حاطب، زید بن ثابت اور مروان بن الحکم، رضی اللہ عنہم) لوگوں کی پوری جماعت کے ساتھ موجود تھے؛ جو آپ کی طرف سے مدافعت کرنا چاہتے تھے (مگر آپ نے اجازت نہ دی) انہی لوگوں میں مغیرہ بن الاخنسؓ بھی تھے، جو اس دن حضرت عثمانؓ سے پہلے شہید ہوئے۔

۴۔ دُوا اور جانبازوں کی شہادت

امام ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں اور لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مقابلہ کیا۔ شدید مقابلہ! اور قصرِ خلافت کے دروازہ پر بڑی سخت لڑائی لڑی۔ اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے، حضرت ابوھریرہؓ کہتے تھے آج حرب وضرب کا نہایت عمدہ موقع ہے۔

وقتل طائفة من اهل	قصرِ خلافت میں مقیم مجاہدین میں سے
الدار و اخرون من	چند حضرات شہید ہوئے اور
اولئك الفجار وجرح	ان بدکاروں میں سے بھی بعض
عبد الله بن الزبير	قتل ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیر کو
جراحات كثيرة	بہت زیادہ زخم آئے اور اسی طرح
وكذالك جرح	حضرت حسن بن علی اور مروان
الحسن بن على	بن حکم (رضی اللہ عنہم) بھی مجروح
ومروان بن الحكم.	ہوئے۔

اور اس معرکہ میں حضرت عثمان رضؓ کے اصحاب میں سے زیاد بن نعم الفہری حضرت مغیرہ بن اخنس اور حضرت نیار بن عبداللہ الاسلمی شہید ہوئے۔

شہادت کی تیاری مؤرخ ندوی تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت عثمان رضؓ کو آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیشن گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے آپ نے متعدد مرتبہ ان کو اس سانحہ سے باخبر کیا تھا اور صبر و استقامت کی تاکید فرمائی تھی، حضرت عثمان رضؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے جس دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزہ سے تھے۔ جمعہ کا دن تھا خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ تشریف فرما ہیں، اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ "عثمان رضؓ جلدی کرو۔ تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں" بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آگیا یاغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا امیر المؤمنین ایسا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ "عثمان رضؓ! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔" پھر پائجامہ جس کو کبھی نہ پہنا تھا، منگا کر پہنا۔ اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

انتظارِ شہادت ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک۔
آتشِ عشق تیز تر گردد۔

امام مظلومؓ نے شہادت کی تیاری مکمل کرلی اب شہادت کا انتظار تھا، شدید انتظار! کیونکہ اسی شہادت کے رنگین پردہ وحجاب کے پیچھے محبوب کی زیارت وملاقات مقدر ومتعین تھی، بہرحال اب امام شہادت کے لئے ہمہ تن تیار تھے، اور اپنے گھر کا دروازہ کھول کر ہر گھڑی اس کی انتظار میں چشم براہ تھے۔

ثم انہ فتح الباب ووضع	پھر آپ نے (باغیوں کے لئے اپنا دروازہ
المصحف بین یدیہ	کھول دیا اور اپنے سامنے قرآن کو رکھا
وذالک انہ رأی من اللیل	اور یہ اس لئے کہ آپ نے رات کو خواب
ان النبی اللہ صلی اللہ	دیکھا تھا کہ نبی کریمؐ فرماتے ہیں آج شام
علیہ وسلم یقول افطر عندنا	تم ہمارے ساتھ افطار کرو۔
اللیلۃ ؁	

خدا نے صحابۂ کرام اور اُن کی اولاد کو خونِ عثمانؓ سے محفوظ رکھا امام ابن کثیرؒ رقم طراز ہیں کہ:

حافظ ابن عساکرؒ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ نے گھر میں رہنے والے مجاہدین کو گھر سے چلے جانے کی قسمیں دیں اور وہ چلے گئے اور آپ کے پاس سوائے آپ کے اہل وعیال کے کوئی بھی باقی نہ رہا تو باغیوں نے دروازہ جلا دیا۔ اور دیوار پھاند کر حضرت امامؓ پر داخل ہوئے۔

ولیس فیھم احد	ان میں حضرات صحابۂ کرامؓ یا ان
من الصحابۃ ولا من	کے فرزندوں میں سے بجز محمد بن
ابنائھم الا محمد	ابی بکرؓ کے کوئی بھی تھا۔
بن ابی بکر۔ ؁	

دردناک شہادت آخر وہ گھڑی آپہنچی جس کا عہدِ رسالتؐ سے امامؓ کو انتظار تھا۔

مؤرخ ندوی لکھتے ہیں:۔

[باغیوں نے مکان پر حملہ کردیا۔ حضرت امام حسنؓ جو دروازہ پر متعین تھے مدافعت میں زخمی ہوئے، چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے آگے آگے حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے

صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ تھے جو حضرت علیؓ کی آغوشِ تربیت میں پلے تھے، یہ کسی بڑے عہدہ کے طلب گار تھے جس کے نہ ملنے پر حضرت عثمانؓ کے دشمن بن گئے تھے انہوں نے آگے بڑھکر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑلی اور زور سے کھینچی حضرت عثمانؓ نے فرمایا، بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا۔ یہ سُن کر محمد بن ابی بکرؓ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے بڑھکر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے اس وقت بھی زبان سے " بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ نکلا"۔ سودان بن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ساری ہوگیا اور سنگدل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو زخم لگائے۔ کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، وفادار بیوی حضرت نائلہؓ جو پاس بیٹھی تھیں ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہوگئیں، وار نے ذوالنورین کی شمعِ حیات بجھادی۔ اس بیکسی کی موت پر عالمِ امکان نے ماتم کیا کائناتِ ارضی وسماوی نے خونِ ناحق پر آنسو بہائے کارکنانِ قضا و قدر نے کہا خون آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور جو فتنہ وفساد کا دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ تلاوت فرمارہے تھے قرآن مجید سامنے کھلا تھا اس خونِ ناحق نے جس آیت کو خوں ناب کیا وہ یہ ہے:۔

فَسَیَکْفِیْکَہُمُ اللّٰہُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (بقرہ) ؞

خدا تم کو بس ہے۔ اور وہ سُننے اور جاننے والا ہے۔

امام ابن جریرؒ نقل کرتے ہیں:۔

تجیبی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوا آپ کے سامنے کے دانت توڑ دیئے اور خون اس آیت پر پڑا۔

فَسَیَکْفِیْکَہُمُ اللّٰہُ؀

قاتلینِ امامؓ کا عبرتناک انجام
قُدرت انتقام لیتی ہے

دیدی کہ خُونِ ناحق پروانہ شمع را۔
چندیں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند۔

اب جے ذرا ابن سبا اور اس کی مردود ملعون پارٹی کا حشر ملاحظہ ہو :۔۔۔۔

حضرت امامؓ کے بے مثال صبر و ثبات، شوقِ شہادت اور خیر اندیشیٔ امت کے جذباتِ عالیہ کی وجہ سے نہ تو افواج اور سرکاری طاقتیں باغیوں کے مقابلے میں آسکیں اور نہ ہی حضراتِ اصحابِ رسولؐ و سکانِ دیارِ رسولؐ کو خارجیوں کی سرکوبی کی اجازت بارگاہِ خلافت سے مل سکی لیکن قدرت تو حضرت امامؓ کی رضا اور ان کے امر وارشاد کے تابع نہ تھی، وہ فوراً انتقام لینے کے لئے اُتر آئی۔ اور حضرت امامؓ کے خُون آشام بھیڑیوں کا جو بُرا حشر ہوا وہ انتہائی عبرت ناک ہے۔

عبداللہ بن سبا: سب سے پہلے اس سارے فتنہ کے محرک، امام کیخلاف تحریک بغاوت کو منظم کرنے والے سبائیوں کے امام عبداللہ بن سباء لعنت اللہ علیہ کا حشر ملاحظہ ہو :۔۔۔۔

شیعہ رجال کی مشہور کتاب "بمعرفتہ اخبار الرجال" المعروف بہ "رجال کشی" میں مصنف کتاب علامہ کشی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوعبداللہ" (حضرت جعفر صادقؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب عبداللہ بن سبا نے امیرالمؤمنین حضرت علیؓ کے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو آپؓ نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا۔

فابی ان یتوب — اس نے توبہ سے انکار کیا تو حضرت علیؓ
فاحرقہ بالنار — نے اسے آگ میں جلا دیا۔

مُحمد بن ابی حذیفہ: ابن سبا ملعون کے دست وبازو، مصر میں بیٹھ کر حضرت امام کے خلاف تحریک کو چلانے والے باغیوں کو منظم کر کے مدینہ طیبہ بھیجنے والے محمد بن ابی حذیفہؓ کے متعلق بھی اسی علامہ کشی کا بیان ملاحظہ ہو لکھتے ہیں :۔۔۔۔

اخذہ معاویہ واراد — حضرت معاویہؓ نے اسے گرفتار کیا

قتلہ نجسہ فی السجن — اس کے قتل کے ارادہ سے اسے
دھرا... فمات فی السجن — قید خانہ میں ایک (طویل) زمانہ تک رکھا (یہاں تک کہ) یہ قید خانہ میں مر گیا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں :۔

ہشام بن محمد کلبی کا خیال ہے کہ محمد بن ابی حذیفہؓ، محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کے بعد پکڑا گیا ـــــ اور وہ حضرت عثمانؓ کے قتل پر لوگوں کو برانگیختہ کرنے والوں میں تھا ـــــ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسے قتل نہ کیا بلکہ حضرت معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے فلسطین میں قید کر دیا۔ یہ قید خانہ سے بھاگ نکلا۔ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن ظلام نے اس کا پیچھا کیا۔ محمد بن حذیفہؓ ایک غار میں چھپ گیا۔ مگر پکڑا گیا۔ عبداللہ بن عمرو نے اس خوف سے کہیں حضرت معاویہؓ اسے معاف نہ کر دیں اس کی گردن مار دی۔ یہ ابن الکلبی نے ذکر کیا اور واقدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ محمد بن ابی حذیفہؓ ۳۶ھ میں قتل کیا گیا۔

محمد بن ابی بکرؓ امام ابن جریرؒ بواسطہ سریؒ مبشر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہؓ سے محمد بن ابی بکرؓ کے متعلق سوال کیا کہ انہیں کس بات نے حضرت عثمانؓ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے کہا الغضب والطمع اور غصہ اور لالچ نے۔ میں نے کہا کیسا غصہ اور لالچ ؟ کہا اسلام میں اس کا جو مقام تھا سو تھا۔

غرّہ اقوام فطمع — اسے (سبائی) پارٹی نے فریب میں مبتلا کر دیا۔ اور وہ امارت یعنی گورنری کے منصب کا لالچ کرنے لگا۔ مگر عثمانؓ نے اس کا یہ لالچ پورا نہ کیا تو وہ آپ کا مخالف ہو گیا۔"

فصار مذمماً بعد ان — پس وہ مذمم (مذمت کیا گیا) ہو گیا حالانکہ
کان محمداً — اس سے پہلے وہ محمد تھا۔

بہر حال ابن سباء کے جال میں پھنس کر محمد بن ابی بکرؓ نے بھی حضرت امام مظلومؓ کی مخالفت میں حصہ لیا، سب سے پہلے اسی نے حضرت امامؓ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کی ریش مبارک پکڑ لی مگر جب حضرت عثمانؓ نے فرمایا " تو نے اس ڈاڑھی کو پکڑا ہے جس کی تیرا باپ عزت و تکریم کرتا

تھا تو وہ شرمسار ہُوا اور اپنا مُنہ کپڑے میں لپیٹ کر واپس چلا گیا " مگر قدرت نے سے معاف نہ کیا اور اپنے انتقام کا ہدف بنایا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو ۶ ہزار لشکر دے کر مصر روانہ کیا........ حضرت عمرو بن العاص یہ لشکر لے کر مصر پہنچے مصر میں جو عثمانی موجود تھے ان میں سے کچھ لوگ اس لشکر میں آملے اور یہ سب سولہ ہزار کے قریب ہو گئے۔ محمد بن ابی بکرؓ دو ہزار مصری سوار لے کر مقابلہ کو نکلا، کنانہ بن بشیر (بن عتاب التجیبی، مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہا تھا، حضرت عمرو بن العاص نے اس کے مقابلہ میں معاویہ بن خدیج کو روانہ کیا وُہ پیچھے سے حملہ آور ہوا آگے سے شامیوں نے حملہ کیا اور اسے ہر طرف سے گھیر لیا کنانہ لڑتے ہوئے مارا گیا، محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی اس سے جُدا ہو گئے اور وُہ پیدل واپس ہُوا۔ ایک ویران جگہ میں پناہ لی۔

حضرت عمرو بن العاص فسطاط (مصر کا دارالحکومت) پہنچ گیا اور معاویہ بن خدیج، محمد بن ابی بکرؓ کی تلاش میں نکلا۔ اس ویران جگہ سے اسے نکالا وقد کاد یموت عطشاً اور وہ پیاس کے مارے جاں بلب تھا، محمد بن ابی بکرؓ نے ان سے پانی کی درخواست کی، معاویہ بن خدیج نے کہا کہ اگر میں تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی پلاؤں تو اللہ مجھے کبھی پانی نہ پلائے۔ تم نے عثمانؓ کو پانی پینے سے رُوک دیا تھا یہاں تک کہ تم نے انہیں روزہ دار قتل کیا۔ ... معاویہ بن خدیج نے غضبناک ہو کر محمد بن ابی بکرؓ کو قتل کر دیا، پھر اس کی نعش کو گدھے کی سڑی ہو لاش میں ڈال کر آگ سے جلا دیا۔

ذریح بن عباد وابن المحرش

ذریح بن عباد اور ابن المحرش بصرہ کے ایک ایک گروہ کے امیر تھے اور یہ دونوں بھی بصرہ کے اسی معرکہ میں شریک ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔

امام طبریؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت امامؓ کے خلاف مدینہ جا کر لڑنے والے سب کے

فقتلوا فما افلت منهم	سب بصری قتل کر دیئے گئے ان
من اهل البصرة جميعاً	میں سوائے حرقوص کے کوئی
الا حرقوص بن زهير	بھی نہ بچا۔

حضرت امیر معاویہؓ قصاص لیتے ہیں ابھی ابھی گذر چکا ہے کہ ام المؤمنین حضرت صدیقہؓ اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت امام کے بصری قاتلین سے قصاص لیا، ایک ایک باغی سے حضرت امام مظلومؓ کے خون کا بدلہ لیا اور انہیں جنگِ جمل سے پہلے پہلے بصرہ کے معرکہ میں قتل کر دیا۔

ان حضرات کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اعدائے امامؓ سے قصاص لیا اور انہیں پکڑ کر قتل کر دیا۔

علامہ ابن حزمؒ نے ابرھہ بن الصباح کے ذکر میں جو حضرت امامؓ پر دستِ ستم دراز کرنے والوں میں تھا۔۔۔ لکھا ہے کہ

فاخذہ معاویۃ	حضرت معاویہؓ نے ابرھہ عبد الرحمٰن
مع عبد الرحمٰن بن عبد اللہ	محمد بن حذیفہؓ کنانہ بشر وغیرہم
ومحمد بن حذیفۃ ومع	کو گرفتار کیا اور انہیں قید کر دیا، یہ
کنانہ بن بشر وغیرہم	قید خانہ سے بھاگ نکلے مگر پکڑے گئے
وسجنھم فھربوا	اور حضرت امیر معاویہؓ نے ان سب
من السجن فادرکوا فقتلھم	(دشمنانِ امام وقاتلینِ عثمانؓ) کو قتل کرا
معاویۃ کلھم۔	دیا۔

عمرو بن الحمق یہ محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھ دیوار پھاند کر حضرت امامؓ کو قتل کرنے والوں میں سے تھا۔ امام مظلومؓ کے جسم اطہر پر کودتا رہا۔ پھر سینۂ اقدس پر بیٹھ کر نیزہ کے نو زخم لگائے:

نوثب علیٰ عثمان ــــ فجلس علیٰ صدرہ وبہ رمق فطعنہ تسع طعنات۔

اس کا حشر ملاحظہ ہو، علامہ کشی لکھتے ہیں:۔

حضرت معاویہؓ نے اسے قتل کرنے کے لئے طلب کیا تو بھاگ کر ایک غار میں چھپ گیا، لوگوں نے اس کا تعاقب اور تجسس کر کے اسے غار میں جا پکڑا۔ اور اس کا سر کاٹ کر حضرت معاویہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ایک شقی ازلی امام ابن کثیرؒ رقم طراز ہیں کہ:۔ امام بخاریؒ تاریخ میں حضرت محمد بن سیرینؒ سے

روایت کرتے ہیں کہ:۔

طواف کعبہ کے دوران میں نے ایک شخص کو دیکھا، جس نے حضرت عثمانؓ کے مُنہ پر جبکہ نعش گھر میں چارپائی پر رکھی تھی چپت ماری تھی، اس کا وہ ہاتھ سوکھ گیا تھا، حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں میں نے اس کا ہاتھ دیکھا اس بُری طرح سُوکھ گیا تھا کانہا عود گویا کہ لکڑی ہے۔

خلاصہ

قدرت نے اعدائے دین، اعدائے صحابہؓ اور اعدائے امامؓ سے نہایت شدید انتقام لیا۔ سبائی پارٹی کے ایک ایک فرد کو عبرت ناک سزا دی، خود عبداللہ بن سبا، جس نے دین کی تخریب، تفریق بین المسلمین، اور حضرت امامؓ کی خوں ریزی و خُون آشامی کا یہ سارا پروگرام بنایا تھا۔ نہایت بُری طرح آگ میں جل بُھن کر واصلِ جہنّم ہوا۔ اس پارٹی کا ایک ایک ممبر اور حضرت امامؓ کا ایک ایک دُشمن پاگل ہو کر ذلّت کی موت مرا۔ اللّٰہ اکبر! کتنا عبرت ناک اور دردناک انجام ہے۔ امام عالی مقامؓ کی مخالفت میں حصہ لینے والوں کا! والحمدللّٰہ علی ذٰلک۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان مفسدین کا جب یہ انجام ہوا اور انہیں سزائیں مل گئیں تو پھر حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار قصاص عثمانؓ کے لئے کیوں اُٹھے یاد رہے کہ قصاص اور ہے اور انتقام اور ــــ یہ واقعات جو ابھی ذکر ہوئے یہ قدرت کا اعدائے امامؓ کے خلاف ایک انتقام تھا قصاص نہ تھا قصاص ایک حق ہے اور اس کی ایک قانونی حیثیت ہے۔

حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرھم من الاکابر یہ سب حضرات اس سانحہ دعزا میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ اور انہی کیساتھ ہمدردیاں رکھتے تھے ان حضرات پر جو حالات گزرے ان میں سے کسی کے انجام کو ذلت کی موت نہیں کہا جا سکتا یہ وہ آزمائشیں تھیں جن سے اکثر اہل اللہ کو گزرنا پڑتا ہے امتحان اور انتقام میں فرق ہے یہ سب وہ حضرات ہیں جن کے جنّتی ہونے کی خبر خود حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دے چکے ہیں۔

سیدنا عثمانؓ اور قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علامہ دوست محمد قریشیؒ

جس طرح سیدنا ابوبکرؓ کا نام سن کر ان کی رفاقت و صداقت اور سیدنا فاروق اعظم کا نام سن کر ان کی شجاعت و امارت کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے بالکل اسی شان سے سیدنا عثمان کا اسم گرامی زبان پر آتا ہے اس میں شک نہیں کہ قرآنی خدمات کے لحاظ سے چاروں خلفاء ماشاء اللہ امتیازی حیثیت رکھتے ہیں لیکن جزوی فضیلت کے طور پر سیدنا عثمان کا مقام نرالا ہے۔ اور اب تک جامع القرآن کے طور پر انہی کے نسخے کو سمجھتے ہیں۔

حفظ اور تلاوت میں شغف

ابو ثور فہمی کے واسطہ سے حضرت عثمان ابن عفانؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف یاد کر لیا تھا۔

(ف) چونکہ آپ کو قرآن مجید پورے کا پورا یاد تھا اور حفظ بھی بارگاہِ نبوت میں رہ کر کیا تھا اس لیے محمد بن سیرین اور عثمان بن عبدالرحمان تیمی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ تمام رات ایک رکعت میں کھڑے قرآن پڑھ لیا کرتے تھے۔

کہنا آسان ہے۔ لیکن عمل کرنا مشکل ہے واللہ یہ مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک قلب میں کلام الٰہی کی قدر و منزلت اور عزت و عظمت پیوست نہ ہو چکی ہو۔ نیند اور آرام کو قربان کر دینا آسان کام نہیں۔ خشیت الٰہی ہی اعمال صالحہ کا داعیہ بنتی ہے بحمد اللہ سیدنا عثمان انہی صفات عالیہ سے متصف تھے۔

سیدنا عثمانؓ ناشر قرآن تھے

اشاعت قرآن کے سلسلے میں سیدنا عثمان نے جن پانچ امور کا خاص طور پر خیال رکھا وہ ذیل میں درج ہیں پڑھیئے اور ان کے کمالات عالیہ کی داد دیجیے۔

سیدنا عثمانؓ کا پہلا کمال

حضرت کے عہد میں لوگوں نے اپنے اپنے تلفظ اور اپنے اپنے لہجہ میں قرآن مجید اور اس کی آیات کو لکھا ہوا تھا۔ آپ نے انہیں ناتمام قرار دے دیا۔ صدیقؓ و فاروقؓ کا مصحف نقل کرا کر اطراف عالم میں بھجوایا۔ اور لوگوں کو لغت قریش پر لکھنے کی تاکید فرمائی ماشاء اللہ آپ کی اس سعی سے امت مسلمہ

یہ افتراق و اختلاف کا اندیشہ ختم ہوگیا اور تمام مسلمان ایک قرآن پر جمع ہو گئے ۔

سیدنا علی مرتضیٰ کا ارشاد

فی کتاب تاریخ القرآن لابی عبد اللہ الزنجانی احد الشیعۃ العامرین صلا
ان علی بن موسیٰ المعروف بابن طاؤس وھو من علمائھم نقل فی کتابہ سعد السعود عن الشھرستانی فی مقدمۃ تفسیرہ عن سوید بن غفلۃ قال سمعت علی ابن ابی طالب یقول ایھا الناس اللہ اللہ ایاکم وامر عثمان واما احراق المصاحف فواللہ ما احرقھا الاعن ملاء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ وسلم جمعنا وقال ما تقولون فی ھذہ القراۃ التی اختلف الناس فیھا یلقی الرجل الرجل فیقول قرأتی خیر من قراءتک وھذا یجری الی الکفر فقلنا ما الرائ قال ارید ان اجمع الناس علی مصحف واحد فانکم ان اختلفتم الیوم کان من بعد اشد اختلافاً فقلنا نعم مارایت : حاشیہ المنتقی ص۳۹۳

ابو عبد اللہ زنجانی شیعہ کی کتاب تاریخ القرآن میں ہے کہ علی بن موسیٰ المعروف ابن طاؤس شیعی عالم نے اپنی کتاب شہرستانی سے مقدمۃ التفسیر میں سوید بن غفلہ سے نقل کیا ہے کہ سوید بن غفلہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ سے سنا تھا۔ فرماتے تھے۔ اے لوگو اللہ تعالے سے ڈرو۔ حضرت عثمان کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ تم کہتے ہو کہ وہ قرآن کے جلانے والا تھا۔ خدا کی قسم اس نے تو اسے جلایا تھا جو کہ ہم نے صحابہ نے تفسیر کے طور پر حاصل کیا تھا یعنی تفسیری ۔ نوٹ : اپنی یاد داشتیں جلائی تھیں۔ نوٹ : اور فرمایا اس قرأت کے متعلق کیا کہتے ہو۔ جس میں لوگ اختلاف کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو طعن کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میری قرأت تیری قرأت سے بہتر ہے اور یہ سلسلہ کفر تک چلا جاتا۔ پس ہم نے کہا کیا رائے ہے انہوں نے فرمایا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردوں۔ پس اگر تم اختلاف کر رہے ہو۔ تو تمہارے بعد شدید اختلاف ہوگا۔ پس ہم نے کہا آپ نے بہتر سوچا ہے۔

رہا کہ سیدنا عثمان نے کس مصحف پر جمع کیا تھا۔ اس کا جواب العواصم من القواصم ص۶۳-۶۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

لانه هو الذی حفظ فی الفرصة الاخیرة لکتاب الله علی الرسول صلوات الله علیه قبیل وفاته۔

یہ قرآن وُہ تھا جو کہ سیدنا عثمانؓ نے حضورؐ کے آخر لمحات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا تھا۔

سیدنا عثمانؓ کا دوسرا کمال

آپ نے تابعین کی ایک جماعت کو تلاوت کلامِ الٰہی کا طریقہ فن تجوید کے مطابق سکھایا چنانچہ عبداللہ اور حضرت حمزہ کی قرأت سیدنا عثمان کی طرف منسوب ہے۔

سیدنا عثمانؓ کا تیسرا کمال

آپ اسی غرض سے کہ مقتدی حضرات اپنا تلفظ صحیح کرلیں، رکعتوں میں تلاوت زیادہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ قرافعہ بن عمیر حنفی فرماتے ہیں کہ میں نے سورة یوسف کو سیدنا عثمانؓ سے نماز میں سُن سُن کر یاد کیا ہے قرآن مجید سے سیدنا عثمان کا یہ شغف ان کے کمالِ علمی پر دلالت کرتا ہے۔

حضور علیہ السلام کی نظر تلطف اور نگاہ شفقت ملاحظہ فرمایئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ روایت فرماتی ہیں کہ بارہا ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما ہوتے اور اتنے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی اور آپ یعنی حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم میرے جسم پر اپنی پشت مبارک سے سہارا لگائے ہوتے اور سیدنا عثمان سے فرماتے کہ لکھو۔

سیدنا عثمانؓ کا چوتھا کمال

سیدنا عثمان نزول قرآن کے ابتدائی عہد سے قرآن مجید کے کاتب تھے اسی لیے آپ نے فرمایا یہ سیلا ہا نفر ہے۔ جس نے سورمفصل کو لکھا ہے۔

(ف) کتابت قرآن اپنے مقام پر ایک اہم ذمہ داری کا کام ہے لیکن اس کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جبکہ اس کام کی تفویض حضور علیہ السلام کی طرف سے ہو۔ جب تک کاتب پورا دیانت دار اور امین نہ ہو۔ نیز صحیح مسلمان اور پورا ایمان دار نہ ہو اس وقت تک حضور علیہ السلام کی شان سے یہ بعید ہے کہ قرآن کی کتابت اس کے سپرد فرمائیں اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ امنع فرما دیتے۔ اگر خدانخواستہ سیدنا عثمان کے ایمان و اخلاص میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش ہوتی تو اتنی بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد نہ کی جاتی۔

سیدنا عثمان کا پانچواں کمال

آپ اس قدر محتاط تھے کہ سورۂ انفال اور سورہ برات کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر نہیں فرمائی محض اس لیے کہ حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں اور نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کسی قسم کی ہدایت ثابت ہے۔

سیدنا عثمانؓ کی شہادت اور تلاوتِ قرآن

تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جب اُن ظالموں نے سیدنا عثمان کو شہید کیا تو آپ تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے۔ اور آپ کے خون کا پہلا قطرہ فسیکفیکھم اللہ پر پڑا۔ اور وہی قرآن آج تک محفوظ ہے اور آپ کی شہادت دے رہا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علیؓ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نمبر

۱۹۶۴ء

جس کو تو للکارتا تھا جنگ کے میدان میں
اُس کے سینے اور گردن سے لپٹ جاتی تھی موت

ہفت روزہ "دعوت" لاہور

حیدرِ کرارؓ

نورِ محمد انور

(ح) حضرت عثمانؓ کے اے جانشین و غمگسار — زندگی تیری تھی ساری دین و ملت پر نثار

(ی) یارِ غارِ مصطفےٰؐ کے تم مشیرِ خاص تھے — سرورِ کونینؐ کے تھے بے گماں تم رازدار

(د) دہر میں تیری شجاعت کے ہیں چرچے چار سو — مرتبہ تیرا بڑا ہے اور عالی ہے وقار

(ر) رن میں تجھ کو دیکھتے ہی کانپ جاتے تھے عدو — وار تیرا کوئی بھی خالی نہ جاتا زینہار

(ک) کر دیا دنیا میں روشن نام تو نے دین کا — اہلِ باطل پر چلائی جبکہ تو نے ذوالفقار

(ر) راہِ حق میں کر دیا قربان تو نے مال و جاں — بے شبہ ہیں دینِ حق پر تیرے احساں بیشمار

(ا) اہلِ باطل کیلئے تو تھا مثالِ شیرِ نر، — اہلِ حق کیواسطے تو باعثِ صد افتخار

(ر) رحمتِ عالمؐ کا تو بھائی بھی ہے داماد بھی،

فاتحِ خیبر بھی ہے تو اور شیرِ کردگار،

حضرت علی مرتضیٰؑ کا طرزِ حکومت عہدِ حاضر کی ضرورت ہے

اداریہ ۳۱ جنوری ۱۹۶۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی مرحوم کے صاحبزادے ولایت علی خان نے "یوم علیؑ" کے موقع پر لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حضرت علیؑ اور دوسرے خلفائے راشدین نے اس تصور کے تحت حکومت کی کہ اختیار و اقتدار خدا کے لئے ہے اور انہوں نے اسے امانت کے طور پر استعمال کیا اپنی ذات کو کبھی درمیان میں نہ لائے مگر آج یہ تصور باقی نہیں رہا اور حکمران بھول چکے ہیں کہ اختیار و اقتدار صرف خدا کے لئے ہے ان کے اپنے لئے نہیں"

نواب زادہ ولایت علی خاں نے انجمن غلامان اہل بیت کی ساتویں سالانہ کانفرنس کے آخری روز تقریر کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ:۔

"ہمارے اسلاف ہمارے درمیان محبت اور اتحاد کے مضبوط رشتے چھوڑ کر گئے ہیں مگر ہم نے ان رشتوں کو قائم نہیں رکھا" ———— مشرق ۲، دسمبر ۱۹۶۳ء

یہ صحیح ہے کہ اقتدار کا سرچشمہ صرف خدا کی ذات ہے پیغمبر اس کی نیابت میں اقتدار اعلیٰ پر فائز ہوتے ہیں۔ خدا اور اس کے رسولِ اکرمؐ کے سوا جسے بھی کچھ اختیار یا اقتدار حاصل ہے اسے محض ایک امانت سپرد ہے جس کے لئے وہ خدا اور قوم کے سامنے جواب دہ ہے قانون شریعت کے نفاذ میں وہ خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے امین ہے اور یہ عہدہ اور ذمہ داری اسے شوریٰ کے تحت تفویض ہوتی ہے عوام کے بنیادی حقوق کا اسلام نے پورا احترام کیا ہے اور حکومت و امارت کو ہمیشہ ایک امانت قرار دیا ہے۔

نواب زادہ صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کا طرزِ حکومت بھی یہی تھا اور

اُنہوں نے اس اقتدار اعلیٰ کو دُوسرے خلفائے راشدین کی طرح بے شک ایک امانت ہی سمجھا ہے حضرت علیؓ نے اپنے فیصلے کو کبھی حرفِ آخر قرار نہیں دیا اور اپنے احکامات وحی والہام اور ایک "مامور من اللہ" کے انداز میں کبھی پیش نہیں کئے آپ کا اقتدار پر قبضہ ہمیشہ ایک "حامل امانت" ہونے کا ہی آئینہ دار رہا ہے۔

۱۸ رمضان سنہ ۴۰ھ میں خلافتِ راشدہ کی یہ آخری شمع بھی خاموش ہوگئی اور خلافت وحکومت کے یہ انداز آہستہ آہستہ ناپید ہوتے چلے گئے پھر ایسے حکمران بھی برسرِ اقتدار آئے جو اپنے آپ کو اقتدار کا سرچشمہ سمجھتے رہے اور دوسروں کے بنیادی حقوق کا لحاظ کئے بغیر اپنی مخالفت کو "خدا اور اس کے رسولؐ کی مخالفت" سے زیادہ قابل گرفت اور اپنے مخالفین کو زندگی کے باب میں بھی ناقابل برداشت سمجھنے لگے یہاں تک کہ فسطائیت اور بربریت کے ایسے سیاہ ابواب بھی کھلے جو انسانی تاریخ کے چہرے پر کبھی نہ مٹنے والے بدنما داغ ہیں۔

یہ صرف پیغمبر کا منصب ہے کہ اس کا ہر حکم قطعی اور اس کی ہر مخالفت غلطی شمار ہو اور یہ اس لئے کہ وُہ ایک آسمانی منصب کا حامل، مامور من اللہ، معصوم اور عامۃ الناس پر ایک خدائی حجت ہوتا ہے اس کے ماسوا جتنے بھی حکمراں ہیں حکومت سب کے پاس ایک امانت ہے جس میں اس کے ذاتی اقتدار کا کوئی دخل نہیں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرزِ حکومت آمریت سے کوسوں دُور اور اسلام کے شورائی نظام کی ایک مثال تھا آپ نے اپنے مخالفین کو اختلافِ رائے کا پوُرا موقع دیا اور کسی موقع پر بھی اپنی مخالفت کو "خدا اور رسولؐ کی مخالفت" قرار دے کر کسی پر کفر کا فتوےٰ نہیں لگایا جب بعض منافقین کی سازش نے آپ کو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو قرطبی اور آلوسی جیسے محققین کے بیان کے مطابق محض ایک شورائی غور وفکر کے لئے تشریف لائی تھیں بھڑا دیا تو آپ نے جنگ جمل کے بعد جو الفاظ فرمائے وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں آپ نے فرمایا:۔

ولها بعد حرمتها الاولیٰ	اب کے بعد ان کا احترام بالکل اسی طرح
والحساب علی اللہ	ہے جیسے کہ اس سے پہلے تھا اور اس
نہج البلاغۃ جلد ۲ صـ ۶۳ مصر	کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا

حضرت علی رضؓ کی بجائے اگر کوئی عصر حاضر کا آمر ہوتا تو معلوم نہیں اپنی مخالفت کو کس طرح کفر و ارتداد قرار دیتا مگر سیرت مرتضوی پر قربان ــــــ جذبات میں بہنے کی بجائے کس قابل رشک انداز میں دیانت اسلام کا احترام فرمایا آپ نے تو حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق بھی تصریح فرمائی کہ

ہمارا پروردگار بھی ایک ہے ہمارا پیغمبر بھی ایک ہے ہم ان اہل شام سے ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں کچھ زیادہ نہیں اور نہ وہ ہم سے اس باب میں آگے ہیں ہمارا معاملہ بالکل ایک ہے ہمارا اختلاف صرف اس میں تھا کہ خون عثمانؓ کی ذمہ داری کس پر ہے اور ہم اس سے کامل طور پر بری ہیں[1]"

اپنے مخالفین کا اتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ ــــــ ذاتی اختلافات اور دینی اختلافات میں اتنا واضح امتیاز ــــــ اور ہر موقع پر صلح و اتحاد کے امکانات کا جائزہ ــــــ یہ وہ امور ہیں جو باب مدینۃ العلم کی دین پسندی، عالی ظرفی اور صلح جوئی کی نہایت روشن مثالیں ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے گرد کوئی ایسا حلقہ ہرگز جمع نہ کر رکھا تھا جو آپ کے ہر طریق کار کو ایک وحی آسمانی کا درجہ دے یا ان بزرگوں کو ایک معصوم اور مامور من اللہ کے جلو میں پیش کرے بلکہ آپ کا طرز حکومت ایسے شورائی نظم و فکر اور عدل و انصاف کا آئینہ دار تھا کہ اس میں آمریت کی قطعاً کوئی آلائش نہ تھی ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:۔ ــــــــــــ

جمعے از راویاں کہ در اعصار ائمہ بودہ انداز	ایسے روایان حدیث جو خود ائمہ کے زمانے میں
شیعان اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ	میں موجود تھے ان کا اعتقاد ہرگز یہ نہ تھا
اند بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار میدانستہ	کہ امام معصوم ہیں وہ انہیں محض علماء نیکوکار
اند چناں کہ از رجال کشی ظاہر مے شود مع	سمجھتے تھے اور اس کے باوجود ائمہ کرام نہ
ذالک ائمہ حکم بایمان بلکہ عدالت	صرف انہیں مومن قرار دیتے تھے بلکہ ان کی
ایشاں مے کردہ اند[2]	عدالت کا بھی پورا اعتراف کرتے تھے۔

ان بزرگوں کی حکومت کو شخصی، نسلی یا آمریت پر مبنی قرار دینا بہت بعد کی پیداوار ہے حضرت علی مرتضیٰ کا دامن ایسے الزامات سے قطعاً پاک ہے آپ کا نظام حکومت دوسرے خلفائے راشدین

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۳ صـ۱۲۶ مصر۔ [2] حق الیقین صـ۳۲۸ لکھنؤ

کی طرح شوریٰ اور انصاف پر مبنی تھا اگر حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ ایک بڑی اُٹھ کر آپ کی لمبی قمیص کے متعلق سوال نہ کر سکے تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی نہایت واضح الفاظ میں ارشاد فرما رکھا تھا۔

فلا تکفوا عن مقالۃ بحق — مجھے حق بات بتلانے سے اور صحیح مشورہ دینے
او مشورۃ بعدل فانی لست فی — سے پرہیز نہ کیا کرو کیونکہ میں خطا سے بالا
نفسی بفوق ان اخطیٔ[1] — ہرگز نہیں ہوں ∴

حضرت علیؓ مرتضیٰ کی حکومت شوریٰ پر مبنی تھی اور آپ کو انہی لوگوں نے خلیفہ چنا تھا جو حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظم اور حضرت ذوالنورین کی خلافتوں کے سنگ بنیاد تھے انتخاب خلافت سے انتظام خلافت تک آپ نے ہر باب میں اسلام کے شورائی نظام کا احترام فرمایا ہاں قرآن کے مقابلے میں آپ نے جمہور کو ضرور نظر انداز کیا جیسا کہ جنگ صفین میں جب شامیوں نے قرآن بلند کئے تو باوجودیکہ جمہور اہل عراق لڑائی بند کرنے پر رضامند نہ تھے حضرت علی مرتضیٰ نے قرآن کے مقابلے میں جمہور کی کچھ پرواہ نہ کی اور اپنے عمل سے بتایا کہ اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہیں۔

اگر ہمارے حکمران بھی سیدنا حضرت علیؓ مرتضیٰ کے نقش قدم پر چلیں اور اپنی ہر بات کو وحی آسمانی کی طرح قطعی نہ سمجھتے ہوئے رائے عامہ کا احترام کریں تو عوام کے بنیادی حقوق کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو سکتا ہے ہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے طرز عمل کی طرح قرآن کے مقابلہ میں جمہور کی رائے ہرگز ہرگز قابل قبول نہ سمجھی جائے۔ صحابہ کرامؓ آسمان ہدایت کے وہ روشن ستارے ہیں کہ ہماری ہر سعادت زندگی کی ہر ضرورت میں ان کے نقش قدم پر چلنے میں ہے اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کی سیرت مقدسہ کو اپنے لئے ایک مشعل راہ سمجھیں۔ نواب زادہ ولایت علی خان نے یوم علیؓ پر جو کچھ بھی کہا ہے بجا کہا ہے کاش کہ ان کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو۔

∴

---

[1] نہج البلاغۃ صـ ۵۳۹ مصر۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب مرحوم و مغفور لکھنو

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد

نام مبارک آپ کا علی ہے اور لقب اسد اللہ اور حیدر کرار اور مرتضیٰ کنیت ابو الحسن اور ابو تراب نسب آپ کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہے آپ کے والد ابو طالب جن کا نام عبد مناف تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ بھائی بھائی ہیں۔ والدہ آپ کی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں، ماں باپ دونوں کی طرف سے آپ ہاشمی ہیں۔ آپ کے والد تو مشرف باسلام نہیں ہوئے مگر آپ کی والدہ مسلمان بھی ہوئیں اور انہوں نے ہجرت بھی کی۔

بچپن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے بلکہ آپ ہی کی آغوش محبت میں پرورش پائی اور آپ نے ان کے ساتھ بالکل فرزند کی طرح معاملہ کیا اور اپنی دامادی کا شرف بھی ان کو عطا فرمایا جناب سیدہ حضرت فاطمہ زہرا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چاہتی بیٹی تھیں آپ کے نکاح میں آئیں اور ان سے آپ کی اولاد ہوئی۔

صحابۂ کرام میں جو سب سے اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ اور اعلیٰ درجہ کے خطیب سمجھے جاتے تھے اور شجاعت و بہادری میں سب سے فائق مانے جاتے تھے ان میں آپ کا مرتبہ بہت نمایاں تھا۔

۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسند خلافت کو آپ نے زینت دی اور تین دن کم پانچ سال تخت خلافت پر متمکن رہ کر بتاریخ ۱۸، رمضان ۴۰ھ عبد الرحمٰن بن ملجم خارجی کے ہاتھ سے بمقام کوفہ شربت شہادت نوش کیا اور خلافت راشدہ کو دنیا سے رخصت کر گئے۔ کوفہ کے قریب ایک مقام نجف ہے وہاں دفن کئے گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

حالاتِ اسلام و قبلِ اسلام

آپ قبل بلوغ بچپن میں اسلام لائے بعض مورخین کا بیان ہے کہ اس وقت آپ کی عمر دس سال کی تھی بعض کہتے ہیں آٹھ سال کی بعض اس سے بھی کم بیان کرتے ہیں حضرت امام حسنؓ کے پوتے حسن بن زید فرماتے ہیں کہ اسی کم عمری کے باعث سے آپ بت پرستی سے محفوظ رہے [1]

بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے اس کی تحقیق حضرت صدیق کے تذکرہ میں گذر چکی ہے۔

ایک مرتبہ آپ کے والد ابوطالب نے آپ کو رسولِ خدا صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو رسولِ خدا صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو جواب دیا اور دین اسلام کی طرف بلایا تو ابوطالب کہنے لگے کہ اس کام میں کوئی بُرائی تو نہیں ہے مگر اللہ کی قسم مجھ سے سرین اوپر نہ کئے جاسکیں گے۔ حضرت علیؓ اپنے والد کے اس مقولہ کا ذکر کر کے اکثر ہنسا کرتے تھے۔

آپ کا قد مبارک چھوٹا تھا جسم فربہ تھا پیٹ بڑا تھا اور داڑھی بہت بڑی تھی کہ پورا سینہ اس کے نیچے بند تھا اور بالکل سفید رنگ گندمی تھا۔

حضرت فاطمہ زہرا کی زندگی میں آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا ان کے بعد پھر اور نکاح کئے۔ حضرت فاطمہ سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں آپ کی تھیں حسن حسین۔ زینب۔ کبریٰ۔ ام کلثوم کبریٰ اور دوسری ازداج سے حسب ذیل اولاد تھی۔

حضرت عباس جعفر۔ عبداللہ۔ عثمان۔ عبیداللہ۔ ابوبکر۔ محمد الاصغر۔ یحییٰ۔ عمر۔ رقیہ محمد الاوسط۔ محمد الاکبر۔ یہی محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ام الحسن۔ رملۃ الکبریٰ، ام کلثوم صغریٰ۔ رملۃ الصغریٰ۔ فاطمہ۔ امامہ۔ خدیجہ۔ ام الکرام۔ ام سلمہ۔ ام جعفر۔ جمانہ۔ نفلیہ ان تمام اولاد سے نسب صرف حضرات حسنین اور محمد الاکبر اور عباس اور عمرؓ سے چلا اور کسی سے نہیں چلا۔ نہایت زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ ہر امر میں رسول خدا صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اتباع کے حریص تھے مزاج مبارک میں خوش طبعی بہت تھی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء امام سیوطی مہ

حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ آپ کے فضائل میں اس کثرت کے ساتھ روایات ہیں کہ کسی صحابی کے متعلق یہ کثرت نہیں ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

اس کثرت کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مخالف بہت تھے ان مخالفین میں بعض لوگ تو خاص اُمور میں آپ کو خطا پر سمجھتے تھے اور آپ کے فضائل و سوابق اسلامیہ کے مُنکر نہ تھے جیسے حضرت معاویہؓ وغیرہ اور بعض لوگ آپ کے فضائل کیا معنی آپ کے اسلام ہی کا انکار کرتے تھے جیسے خوارج ان مخالفین کی وجہ سے آپ کے فضائل کی روایات کا چرچا زیادہ ہوا اور بار بار بیان کرنے کی وجہ سے روایات میں کثرت ہوگئی، مگر اس کثرت کے ساتھ ایک چیز قابلِ افسوس بھی ہے کہ روافض نے اپنے اکاذیب و خرافات بھی اس میں اس طرح شامل کر دیئے ہیں کہ بوقت تنقید اس کثرت میں بہت کم روایات پایۂ صحت کو پہونچتی ہیں۔ اب ہم چند فضائل آپ کے بیان کرتے ہیں:

(۱) بوقت ہجرت رسُول خُدا نے ان کو اپنی چادر اڑھا کر اپنے بستر پر لٹا دیا اور کچھ لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس تھیں وہ ان کے حوالہ کر دیں کہ واپس کر دینا چنانچہ ایسا ہی آپ نے کیا اور پھر آپ بہت جلد ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔

(۲) غزوۂ بدر میں بہت کارہائے نمایاں کئے اور بہت سے کافر آپ کی تلوار سے جہنم داخل ہوئے۔

(۳) غزوۂ اُحد میں بھی بڑی خدمت جلیلہ انجام دیں، اس غزوۂ میں جب آں حضرت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شہادت کی شہرت ہوئی اور آپ کا پتہ میدان جنگ میں نہ ملا اور بعد اس کے معلوم ہوا کہ آپ فلاں مقام پر ہیں تو جو صحابۂ کرام سبقت کر کے آپ کے پاس پہونچے ان میں حضرت علی مرتضیٰ بھی تھے۔

(۴) غزوۂ خیبر میں بھی آپ سے بہت پسندیدہ خدمات ظہور میں آئیں اور اسی طرح تمام غزوات میں صرف غزوۂ تبوک میں رسُولِ خُدا صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کو مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔ باقی تمام غزوات میں آپ کے ہمراہ رہے۔

(۵) ۹ھ میں جب رسُول خُدا صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے حضرت صدّیق کو امیر حج بنا کر روانہ کیا ان کی روانگی کے بعد سُورۂ براٗت نازل ہُوئی تو اس کی تبلیغ پر آپ نے حضرت علیؓ کو مامور کیا۔

(۶) جب آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی وفات ہوئی تو آپ کے غسل دینے کی خدمت آپ ہی کے سپرد ہوئی۔

(۷) حضرت ابُوبکرؓ کی خلافت پر آپ نے عام مجمعوں میں اپنی دلی رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ رسُول خُدا صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم ان کو امام نماز بنائے گئے تھے تو جس نے آپ کو ہمارے دین کا امام بنا دیا ہم کون ہیں کہ دنیاوی معاملات میں اس کو امام نہ سمجھیں۔

(۸) حضرت عمرؓ کی خلافت میں ان کی وزارت آپ کے سپُرد رہی اور آپ نے ان کے ساتھ اپنی حسُن عقیدت اور دلی محبت کا اظہار اس اہتمام سے کیا کہ آج روافض ان کی باتوں کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔

(۹) اپنے زمانۂ خلافت میں آپ نے خُدا جانے کیوں اہتمام سے اور کتنی بار اس کا اعلان دیا کہ آج اسّی سندوں سے آپ کا یہ قول کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ خیر الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر یعنی نبی کے بعد تمام امت سے بہتر ابُوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ۔ نیز اپنی خلافت میں ایک گشتی فرمان لکھ کر شائع کرایا کہ جو شخص مجھے ابُوبکر و عمر سے افضل کہے گا اس کو میں وہ سزا دوں گا جو مفتری کو دی جاتی ہے۔

غرضیکہ آپ نے بڑی کوشش اس بات کی کی کہ بدعت رفض کا انتساب آپ کی طرف نہ ہو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آئندہ چل کر ایک فرقہ روافض کا پیدا ہو گا وہ آپ کی محبت و پیروی کا دعوےٰ کرے گا اور بہت سی بے دینی کی باتوں کو آپ کی طرف منسوب کرے گا۔ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب بلوائیوں نے محاصرہ کر لیا آپ نے سب سے زیادہ ان کی حمایت و حفاظت میں حصّہ لیا حتیٰ کہ حضرات حسنینؓ کو ان کے دروازہ پر حراست کے لئے مامور کیا۔ اور جب وہ شہید ہو گئے تو بڑا صدمہ آپ کو ہوا اور ان کی تعریف میں آپ نے بہت بُلند کلمات ارشاد فرمائے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد دوسرے دن آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی مدینہ میں جس قدر مہاجرین وانصار تھے سب نے آپ کے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعت کی سوائے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ان دونوں نے البتہ بلوائیوں کے جبر سے بیعت کی اور بیعت کرنے کیبعد فوراً مکہ چلے گئے، شام نے آپ کی خلافت کو نہیں تسلیم کیا ان کا یہ خیال تھا کہ جس قدر مہاجرین انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے سب نے بلوائیوں کے جبر سے بیعت کی ہے۔

آپ کے عہد خلافت میں کفار سے جہاد بالکل موقوف رہا اور اسلامی فتوحات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، آپ کا تمام زمانۂ خلافت آپس کی لڑائیوں میں صرف ہوگیا۔ تین لڑائیاں آپ کو پیش آئیں۔ اول جنگِ جمل جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑنا پڑا، دوم جنگ صفین جس میں حضرت امیر معاویہؓ اور اہلِ شام سے مقابلہ ہوا، سوم نہروان جس میں خوارج سے معرکہ ہوا۔ یہ آپ کی لڑائی تو تمام صحابہؓ کے نزدیک پسندیدہ تھی اور بعض احادیث میں اس کے متعلق پیشن گوئی اور پسندیدگی کے کلمات بھی وارد ہوئے ہیں۔ مگر جنگ جمل و صفین کو اکثر صحابہؓ نے ناپسند کیا اور بہت سے محتاط لوگ ان لڑائیوں سے کنارہ کش رہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب حضرت علیؓ نے اپنی رفاقت کے لئے بُلایا اور ان کے والد سے اپنے تعلقات کا ذکر کیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اے ابُوالحسن اللہ کی قسم اگر آپ اژدھے کے مُنہ میں ہاتھ ڈالنے کو کہیں تو میں تیار ہوں لیکن آپ یہ چاہیں کسی لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے والے پر تلوار اٹھائیں یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ ایسا ہی اور صحابہؓ کرام نے بھی کیا نہ وہ ادھر تھے نہ اُدھر تھے اس جماعت کو قاعدین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کے قبضہ سے تمام ملک نکل گیا حتیٰ کہ آخر میں سوائے کوفہ اور مضافات کوفہ کے آپ کے پاس کچھ نہ رہ گیا۔

جنگ جمل

یہ لڑائی جمادی الآخر ۳۶ھ میں ہوئی۔ اس لڑائی کے قصہ میں بہت کچھ رنگ آمیزی کی گئی ہے اور بہت جھوٹ ملایا گیا ہے۔ صحیح واقعہ جو صاحب سیف مسلول نے بحوالہ تاریخ قرطبی

بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جب بلوائیوں کے جبر سے حضرت علی المرتضیٰؓ کے دست مبارک پر بیعت کر چکے تو فوراً مدینہ سے چل دیئے۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ اس سال حج کو گئی ہوئی تھیں اور اس وقت تک مکہ میں تھیں۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے سارا واقعہ ان سے جاکر بیان کیا حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے اور بلوائیوں نے لوگوں پر جبر کر کے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرائی ہے اور اس وقت مدینہ میں سخت فتنہ برپا ہے۔ آپ اُم المومنین ہیں آپ کی پناہ میں سب کو امن ملے گا۔ آپ ایسی کوشش کیجئے یہ فساد کسی طرح رفع ہو۔ حضرت علیؓ مصلحت اس میں سمجھتے ہیں کہ ابھی قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے میں سکوت چاہیئے حالانکہ اس سکوت سے بلوائیوں کا زور بڑھتا جاتا ہے حضرت عائشہؓ نے ان جھگڑوں میں پڑنے سے انکار کیا حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے قرآن مجید کی وہ آیت پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اصلاح کا حکم دیا بالآخر حضرت عائشہؓ ان کی رائے سے متفق ہوگئیں اور یہ طے پایا کہ جب تک ان بلوائیوں کا زور کم نہ ہو مدینہ نہ جانا چاہیئے بلکہ عرب سے باہر کوئی گوشۂ عافیت تجویز کرنا چاہیئے بلکہ کسی تدبیر سے علیؓ کو ان مفسدوں کے گروہ سے جُدا کر کے اپنے ساتھ لے لینا پھر تمام کام بن جائے گا حضرت عثمانؓ کا قصاص بھی لے لیا جائے گا اور ان مفسدوں کی گوشمالی بھی ہو جائے گی چنانچہ اسی تجویز کے مطابق یہ لوگ بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بلوائیوں نے یہ قصہ حضرت علیؓ کے سامنے بہت رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا اور ان کو یہ سمجھایا کہ یہ لوگ آپ کو خلافت سے معزول کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو اصلی نیت حضرت عائشہؓ کی تھی اس کا علم بھی حضرت علیؓ کو نہ ہونے دیا حضرت علیؓ بھی بجانب بصرہ روانہ ہوئے حضرت حسنینؓ اور عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس اس فوج کشی کے مخالف تھے مگر ان کی کچھ نہ چلی جب حضرت علیؓ کی فوج بصرہ کے قریب پہونچ گئی تو آپ نے حضرت قعقاعؓ صحابی کو قاصد بنا کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس بھیجا حضرت قعقاع اول ام المومنین سے ملے انہوں نے صاف فرمادیا کہ میرا مقصود صرف اصلاح ہے کسی طرح یہ فتنہ و فساد دور ہو اور امن قائم ہو جائے پھر حضرت قعقاع نے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ لوگوں نے اصلاح کی کیا صورت تجویز کی ہے ان دونوں نے کہا قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا۔ حضرت قعقاع نے کہا کہ یہ مقصود تو بغیر اس کے کہ سب مسلمان متفق نہ ہو جائیں حاصل نہیں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ لوگوں کو چاہیئے کہ حضرت علیؓ سے مل جائیں اور باہم متفق ہو کر اس کی تدبیر

کیجئے یہ رائے حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے بھی پسند کی اور حضرت قعقاعؓ صلح کی خوشخبری لے کر آپ کے پاس گئے وہ بہت خوش ہوئے تین دن تک باہم نامہ و پیام جاری رہا تیسرے دن شام کو یہ بات طے ہوئی کہ صبح کو حضرت علیؓ کی ملاقات حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ اس طرح ہو کہ ان بلوائیوں میں سے کوئی شخص اس مجلس میں شریک نہ ہونے پائے۔ بلوائیوں کو یہ امر سخت ناگوار ہوا وہ جانتے تھے کہ اس تنہائی کی ملاقات کے بعد حضرت علیؓ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے لہٰذا ان لوگوں نے یہ تجویز سوچنا شروع کی کہ کوئی ایسی بات کرو کہ یہ صلح ٹوٹ جائے اور ملاقات نہ ہونے پائے۔ عبداللہ ابن سباء مشہور منافق .... انہیں بلوائیوں میں تھا، بلکہ وہ سب کا سردار تھا اس نے یہ رائے دی کہ تم آج ہی رات میں لڑائی شروع کردو اور اس کے بعد حضرت علیؓ کو یہ اطلاع دو کہ اس فریق نے بدعہدی کر دی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُن مفسد بلوائیوں نے خود بخود پچھلی رات میں جنگ شروع کر دی۔ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں یہ شہرت تھی کہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے بدعہدی کی اور اس جانب یہ مشہور تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بدعہدی ہوئی، غرضیکہ بڑے معرکہ کی جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے تیرہ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ بھی اسی جنگ کے دوران شہید ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت طلحہؓ تو میدانِ جنگ میں شہید ہوگئے مگر حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ایک طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں ظلماً ان کو ابن جرموز نے شہید کر دیا۔

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کو شہید کر کے بامید انعام پانے حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امیرالمومنین مبارک ہو کہ میں نے آپ کے دشمن کو قتل کر دیا حضرت علیؓ نے پوچھا کس کو اس نے کہا زبیرؓ کو آپ نے فرمایا میں تجھ کو خوشخبری سُناتا ہوں کہ تو دوزخ میں جائے گا، ابن جرموز نے کہا واہ آپ نے خوب انعام دیا۔ آپ نے فرمایا میں کیا کروں مجھ سے رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ یاعلی! بشر قاتل ابن صفیۃ بالنار۔ یعنی اے علیؓ میری پھوپھی صفیہ کے بیٹے کو جو شخص قتل کرے اس کو تم دوزخ کی خوشخبری سُنا دینا حضرت زبیرؓ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یہ سُن کر ابن جرموز نے خودکشی کر لی۔ حضرت علیؓ نے یہ دیکھ کر باآواز بلند تکبیر پڑھی کہ دیکھو رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو فرمایا تھا وہ کتنا صحیح نکلا

اختتامِ جنگ کے بعد حضرت علیؓ اور امام حسنؓ اور عبداللہ بن عباس میدان جنگ میں مقتولوں کی لاشیں دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے ایک مقام پر پہنچ کر امام حسنؓ نے آواز دی کہ **یا ابت واللہ فرخ قریش**۔ یعنی اے باپ قسم اللہ کی ایک نوجوان بچہ قریش کا یہاں پڑا ہے حضرت علیؓ نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ محمد بن طلحہؓ حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

واللہ کان شابًا صالحًا۔ اللہ کی قسم جوان صالح تھا۔

پھر حضرت علیؓ کا گذر حضرت طلحہؓ کی لاش مبارک پر ہوا تو آپ ان کو دیکھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ ابو محمد اس حالت میں پڑے ہیں اور فرمایا اے کاش میں آج سے بیس برس پہلے مرگیا ہوتا اور حضرت طلحہؓ کے ہاتھ کو لے کر بار بار چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ[1] ہے جس نے رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اوپر سے احد کے دن مصائب کو دفع کیا ہے (تطہیر الجنان)

حضرت طلحہؓ کا جب آخری وقت تھا تو ایک شخص ان کے پاس سے گذر رہا تھا اس سے انہوں نے دریافت کیا کہ تو کس لشکر کا آدمی ہے اس نے کہا امیر المؤمنین کے لشکر کا اس سے حضرت طلحہؓ نے کہا کہ اچھا ہاتھ لاؤ میں تمہارے ہاتھ پر حضرت علیؓ کے بیعت کر دوں، چنانچہ بیعت کے بعد وہ جان بحق ہو گئے اس شخص نے یہ واقعہ حضرت علیؓ سے آکر بیان کیا تو آپ نے تکبیر پڑھی اور فرمایا کہ خدا نے طلحہؓ کو جنت میں بغیر میری بیعت کے لے جانا نہ چاہا۔ (ازالۃ الخفا)

حضرت علیؓ سے اہل جمل کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ مشرک تھے آپ نے فرمایا نہیں وہ شرک سے تو بھاگتے تھے کہا گیا کہ پھر کیا وہ منافق تھے آپ نے فرمایا نہیں منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں، کہا گیا کہ پھر ان کو کیا سمجھیں، آپ نے فرمایا **اخواننا بغوا علینا**۔ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہم سے بغاوت کی تھی۔

---

[1] احد کی لڑائی میں ایک موقع پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کافروں کے نرغہ میں گھر گئے اس وقت آپ کے پاس حضرت طلحہؓ کے سوا دوسرا کوئی نہ تھا چاروں طرف سے تیروں کی بارش تھی اور حضرت طلحہؓ ان تیروں کو اپنی سپر سے روک رہے تھے یکایک ان کے ہاتھ سے سپر گر گئی تو انہوں نے خیال کیا کہ میں جتنی دیر میں سپر اٹھاؤں گا نہ جانے کتنے تیر رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر آجائیں گے لہٰذا اپنے ہاتھ پر انہوں نے تیروں کو روکنا شروع کیا اور وہ ہاتھ بالکل شل ہوگیا تھا اخیر عمر تک اس ہاتھ نے کام نہیں دیا اسی ہاتھ کو حضرت علیؓ چومتے تھے۔

جنگِ صفین

جنگِ جمل سے فراغت کے بعد صفر ۳۷ھ میں حضرت معاویہؓ سے مقابلہ ہوا یہ لڑائی کئی دن تک رہی اور بڑی سخت خوں ریزی ہوئی۔

اس لڑائی میں حضرت علیؓ کو اپنے ساتھیوں کی سرکشی اور بزدلی سے بہت پریشانی رہی آخر ایک روز خود آپ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حکم دیا کہ علیؓ کو زندہ گرفتار کر لاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ زندہ گرفتار ہو کر آنا مشکل ہے البتہ قتل کر کے ہم لا سکتے ہیں حضرت معاویہؓ نے کہا کہ ہم علیؓ کو قتل کرنا نہیں چاہتے اس کے بعد اہل شام کی طرف سے قرآن مجید کے نسخے بلند کئے گئے کہ اے علیؓ آؤ اس کتاب کی رُو سے ہم تم فیصلہ کر لیں۔ اس کاروائی کے ساتھ ہی لڑائی موقوف ہو گئی حضرت علیؓ کے ساتھ والے تو ہمت ہار ہی چکے تھے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر انہوں نے فوراً تلوار کو نیام میں کر لیا اور یہ طے پایا کہ دو شخص مقرر کیے جائیں حضرت علیؓ کیطرف سے ایک اور ایک حضرت معاویہؓ کی طرف سے دونوں مل کر جو فیصلہ کر دیں اس پر فریقین عمل کریں، حضرت علیؓ نے اپنی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن عاص کو حکم مقرر کیا ان دونوں حکموں کا فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف ہوا

اس لڑائی کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کا قصاص چاہتے تھے اور حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ بلوائیوں کی قوت زیادہ ہے۔ ابھی ان سے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ حضرت معاویہؓ کہتے کہ آپ ان کے درمیان سے ہٹ جائیے تو میں ابھی ان سے قصاص لے لوں، اسی بات میں اس قدر طول ہوا کہ فوج کشی کی نوبت آئی۔

اس لڑائی میں بھی نہ حضرت علیؓ نے اپنے مقابل والوں کی تکفیر و تفسیق کی نہ حضرت معاویہؓ نے۔ اس لڑائی کے واقعات بھی بتلاتے ہیں کہ گویا لڑائی تو ہوئی مگر دلوں میں بغض و عناد نہ تھا اور نیتوں میں فساد نہ تھا۔ دو ایک واقعہ حسب ذیل ہیں:۔

دورانِ جنگ میں حضرت ابوہریرہؓ جو حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے تھے روزانہ حضرت معاویہؓ کے دستر خوان پر جا کر کھانا کھاتے تھے ایک روز ایک شخص نے کہا کہ اے ابوہریرہؓ آپ کی عجیب

حالت ہے۔ نماز علیؓ کے پیچھے پڑھتے ہیں اور انہیں کے ساتھ ہو کر لڑتے رہتے ہیں اور کھانا یہاں آکر کھاتے ہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ نے کہا نماز انہیں کے پیچھے اچھی ہوتی ہے اور خلیفہ برحق وہی ہیں لہذا رہنا تو ان ہی کے ساتھ ہو کر اچھا ہے اس لئے نماز وہیں پڑھتا ہوں اور جہاد بھی ان ہی کے ساتھ کرتا ہوں مگر کھانا تمہارے ہاں اچھا ہوتا ہے لہذا کھانا تمہارے ہاں آکر کھاتا ہوں۔ حضرت معاویہؓ سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ (تطہیر الجنان)

دوران جنگ میں یہ خبر آئی کہ مضافات رُوم میں کوئی چھوٹی سی ریاست عیسائیوں کی باقی رہ گئی تھی قیصر نے دیکھا کہ اس وقت مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے اور آپس میں لڑ رہے ہیں، یہ بڑا اچھا موقع ہے کہ مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ اُس نے تیاری شروع کی۔ حضرت معاویہؓ نے اس کو فوراً خط بھیجا کہ "اے رُومی کُتے تو ہمارے آپس کی لڑائی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ جس وقت تو مدینہ کی طرف رُخ کرے گا تو خُدا کی قسم علیؓ کے لشکر سے جو پہلا سپاہی تیری سرکوبی کے لئے نکلے گا اس کا نام معاویہؓ بن ابی سفیان ہو گا اس خط کے پہنچنے پر اس عیسائی کی ہمت پست ہو گئی۔ (تاریخ طبری)

لڑائی کے بعد حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کے متعلق اور حضرت معاویہؓ سے حضرت علیؓ کے متعلق اچھے کلمات منقول ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے لوگو معاویہؓ کی حکومت کو بُرا نہ سمجھو خُدا کی قسم جب وہ نہ رہیں گے تو دُنیا میں سخت بدامنی پھیلے گی۔ (ازالۃ الخفاء)

نیز حضرت علیؓ نے ایک گشتی فرمان کے ذریعے سے عام طور پر یہ اعلان کیا کہ اہل شام کا اور ہمارا خُدا ایک اور نبی ایک اللہ پر رسُول پر قیامت پر ایمان رکھنے میں نہ وہ ہم سے زیادہ نہ ہم ان سے زیادہ ہمارا اور ان کا معاملہ بالکل ایک سا ہے اختلاف صرف خُونِ عثمانؓ کا ہے تو اللہ جانتا ہے کہ میں اس خُون سے بری ہوں۔ (نہج البلاغۃ)

حضرت معاویہؓ نے ایک خط میں حضرت علیؓ کو لکھا کہ اما شرفك في الاسلام وقرابتك من النبي عليه السلام فلست ادفعه یعنی آپ کی جو بزرگی اسلام میں ہے اور آپ کی جو قرابت نبی علیہ السلام سے ہے میں اس کا منکر نہیں ہوں۔

(شرح نہج البلاغۃ ابن میسم بحرانی)

حضرت علیؓ کی شہادت

آپ کی شہادت کی خبر رسُول خدا صلّی اللہ عَلَیہِ وَسلّم نے پہلے ہی سے دے دی تھی، چنانچہ ایک دفعہ آپ نے خود حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ اگلوں میں سب سے زیادہ شقی وُہ تھا جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پیر کاٹے تھے اور پچھلوں میں سب سے زیادہ شقی وُہ ہے جو تمہاری داڑھی کو تمہارے سر کے خون سے رنگین کرے گا۔

واقعہ آپ کی شہادت کا یوں ہوا کہ جنگ نہروان کے بعد تین خارجی مکہ معظمہ میں جمع ہوئے عبدالرحمٰن بن ملجم۔ برک بن عبداللہ۔ عمرو بن بکیر اور ان تینوں میں باہم یہ معاہدہ ہُوا کہ ان تین شخصوں کو قتل کر دینا چاہیئے۔ علیؓ بن ابی طالب کو اور معاویہؓ بن ابی سفیان کو اور عمروؓ بن عاص کو تاکہ خدا کے بندوں کو ان کے مظالم سے راحت مل جائے۔ ابن ملجم نے کہا میں علیؓ کا کام اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ برک نے حضرت معاویہؓ کے قتل کا ذمہ لیا اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمروؓ بن عاص کا اور سب نے یہ بھی طے کیا کہ تینوں کام ایک ہی تاریخ میں کریں یعنی گیارہویں رمضان کو یا سترھویں رمضان کو اس معاہدہ کے بعد ابن ملجم کوفہ پہونچا اور وُہ دونوں ملک شام گئے وُہ دونوں تو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے مگر ابن ملجم اپنی مراد شقاوت میں کامیاب ہو گیا حضرت علیؓ مرتضیٰ کی عادت تھی کہ فجر کی نماز کے لئے بہت سویرے مسجد تشریف لے جاتے تھے اور راستہ میں الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ کہتے ہوئے جاتے تھے اس دن ابن ملجم راستے میں چھپ کر بیٹھ گیا بس جیسے ہی آپ پہونچے اس نے آپ کی پیشانی مُبارک پر تلوار ماری جو دماغ تک پہونچ گئی اور خوُن سے آپ نہا گئے۔ داڑھی آپ کی خُون سے تر ہو گئی۔ حضرت امام حسنؓ فرماتے تھے میں پیچھے چلا آرہا تھا یکایک مُجھے تلوار کی چمک محسوس ہُوئی اور امیرالمؤمنین کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا اور یہ فرماتے ہوُئے کہ فُزتُ وَرَبِّ الکَعبَۃِ قسم ہے رب کعبہ کی میری آرزو پوری ہو گئی جس صبح کو یہ واقعہ ہوا اس شب میں آپ نے ایک خواب دیکھا اور امام حسنؓ سے بیان فرمایا کہ آج میں نے رسُول اللہ صلّی اللہ عَلَیہِ وَسلّم کو خواب میں دیکھا اور میں نے عرض کیا یارسُول اللہ آپ کی اُمت سے مجھے بہت اذیت پہنچی آپ نے فرمایا تم ان کے لئے اللہ سے بددُعا کرو تو میں نے کہا کہ یااللہ مُجھے ان کے بدلے میں اچھے لوگ عنایت کر اور ان کو میرے بدلے کوئی بُرا شخص دے۔

اس واقعہ کے بعد چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور ابن ملجم پکڑ لیا گیا حضرت علی المرتضیٰؓ

نے اپنے سامنے اس کو قتل نہیں ہونے دیا اور فرمایا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو پھر مجھے خود اختیار ہے کہ میں چاہوں گا تو اس کو سزا دوں گا یا معاف کر دوں گا اور اگر میں نہ اچھا ہوا تو پھر یہ کرنا کہ اس نے ایک ضرب ماری تھی تم بھی اس کو ایک ہی ضرب مارنا یہ واقعہ جمعہ کے دن ہوا تھا اور شب یک شنبہ میں آپ نے وفات پائی آپ کے بعد ابن ملجم کو بہت بُری طرح قتل کیا گیا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اس کی زبان کاٹی گئی اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں کی گئیں اس کے بعد وہ آگ میں جلا دیا گیا۔

آپ کے مدفن میں اختلاف ہے مگر مشہور قول یہی ہے کہ آپ کا مزار مبارک نجف میں ہے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کی شان عدل و قضا

علامہ خالد محمود صاحب

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حضرت علی مرتضیٰؓ اپنے علم و فضل اور قضا و بصیرت میں نہایت عظیم المرتبت انسان تھے لسان نبوت نے انہیں علم کا دروازہ کہا اور آپ کو اقضاھم علی کی سند دی کہ آپ صحابہ میں بہترین قاضی ٹھہرے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے آپ کی انہی صفات اور کمالات کے باعث آپ کو مہمات قضا میں اپنے اپنے ساتھ شریک رکھا اور اپنے اپنے دور خلافت میں آپ کو ساتھ لے کر چلتے رہے آپ کا اپنا دور آیا تو حالات نے عجیب و غریب شکل اختیار کر لی ایسے واقعات نہ کبھی پہلے ہوئے تھے اور نہ ان کی کوئی نظیر پہلے گزری تھی حضرت علی کے حسن انصاف نے ان نئے حالات میں بھی ہر صاحب علم سے خراج تحسین لیا اور ہر صاحب بصیرت کو آپ کی عظیم شان قضا اور حسن انصاف کا اقرار کرنا پڑا۔ اپنے تو اپنے رہے آپ کے مخالفین بھی آپ کے ان کمالات کے معترف تھے۔

جنگ جمل کو ہی لیجئے آپ مدینہ سے بصرہ لڑنے کے لیے نہ آئے تھے حضرت طلحہ و زبیر بھی مکہ سے حضرت علی سے لڑنے نہ نکلے تھے نہ بصرہ حضرت علی کا مرکز تھا کہ آپ پر چڑھائی کرنے والے یہاں حملہ آور ہوتے حضرت ام المومنین نے بھی اپنے آنے کا مقصد اصلاح احوال بتایا نہ کہ جنگ لڑنا اب حالات اگر یکایک بدلے اور ان سازشیوں کی وجہ سے مجلس اصلاح ایک جنگ میں بدل گئی تو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ سانحہ اپنی اصل میں جنگ نہ تھا نہ اسمیں آنے والے جنگ کے ارادہ سے آئے تھے ہوا یکایک پلٹی اور اس مجلس نے ایک جنگ کی شکل اختیار کر لی حضرت ام المومنین نے حضرت عمران بن حصین کے سامنے اپنی آمد اس طرح بیان کی ہے۔

> بخدا میری جیسی شخصیت کسی مخفی امر کے لیے نہیں نکلی نہ میں اپنے بیٹوں سے حقیقت چھپا سکتی ہوں مختلف شہروں کے فسادیوں اور قبائل کے لوگوں نے حرم رسول میں لڑائی کی ہے اور حرم کی عزت کو پامال کیا ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول کی لعنت کے مستحق ہوئے ہیں امام المسلمین (حضرت عثمان) کو بلا وجہ شہید کیا اب یہ لوگ زور اور دھونس سے مدینہ میں مقیم ہیں اور اہل مدینہ ان کے نکالنے پر قادر نہیں اور نہ ان سے مامون و محفوظ ہیں اہل مدینہ پر جو گزر رہی ہے میں مسلمانوں کو اس سے باخبر کرنے کے لیے نکلی ہوں . . . جس اصلاح کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق نے ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت کو حکم دیا ہے ہم اس اصلاح کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں[1]

---

[1] دیکھئے تاریخ طبری جلد ۳ ص ۴۷۹۔

حضرت طلحہ نے بھی حضرت عثمان کے خلاف اس اقدام کو بہت برا قرار دیا اور لوگوں کو ان کے خون کا بدلہ لینے کی دعوت دی حضرت زبیر نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔

یہ بیانات گواہی دیتے ہیں کہ سانحہ جمل اپنی اصل میں کوئی جنگ نہ تھی لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ سبائی سازشیوں اور باغیوں کی نقل و حرکت سے یہ مجلس اصلاح ایک جنگ بن گئی[1] جس میں حضرت طلحہ و زبیر جیسے اکابر شہید ہوئے اور میدان ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو حضرت علی کو ان حضرات کے خلاف بھڑکانے میں تفریق امت کا گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے

یہ صورت حال ایک نیا موضوع تھا کہ حضرت علی کے خلاف لڑنے والے یہ حضرت کیا معاذ اللہ کافر تھے ؟ شریعت کافروں پر فتح پانے کے بعد ان سے کس سلوک کا حکم دیتی ہے کیا ان کے اموال مال غنیمت نہیں بنتے اور کیا ان کے بقیہ قید نہیں کیے جاتے حضرت علی نے تاریخ کے اس نازک موڑ پر کیا لائحہ عمل اختیار کیا ؟ کیا انہوں نے ام المومنین کو قید کرنے کا حکم دیا ؟ کیا انہوں نے حضرت طلحہ و زبیر کو معاذ اللہ جہنمی کہا ؟ نہیں حضرت علی حقیقت حال سے بے خبر نہ تھے انہیں علم تھا کہ حضرت عثمان کے باغی اور مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرنے والے کس طرح خلیفہ وقت کو بے بس کیے ہوتے ہیں لیکن قربان جائیں آپ کے حسن انصاف اور شان قضا کے کہ آپ نے اپنے خلاف لڑنے والوں کو نہ کافر کہا نہ ان سے باغیوں کا برتاؤ کیا اور آگ اور خون کے اس دریا سے نکلنے کے بعد آپ نے ہر ایک کی سابقہ پوزیشن بحال رہنے کا اعلان فرمادیا اور سبائی سازشی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

۱۔ حضرت علیؓ نے حضرت ام المومنین کے بارے میں اعلان فرمایا خبردار کوئی شخص ان کے بارے میں اس واقعہ جمل کی وجہ سے کوئی گستاخی نہ کرے آج کے بعد بھی آپ کی وہی عزت و حرمت ہے جو آج سے پہلے تھی۔
شریف رضی (۴۰۴ھ) حضرت علیؓ سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے سانحہ جمل کے بعد ام المومنین کے بارے میں فرمایا :۔

وَلَهَا بَعْدُ حُرْمَتُهَا الأُولٰى [2]

(ترجمہ) آپ کا مرتبہ آج کے بعد بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حضرت ام المومنین کی شان میں بد کلامی کرتے پایا تو اسے فوراً خاموش رہنے کا حکم دیا اور کہا۔

---

[1] تاریخ طبری ۳ صہ ۵۰۸ البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۲۳۷۔ [2] نہج البلاغہ جلد ۲ صہ

اسکت مقبوحًا منبوحًا واللہ انہا لزوجۃ رسول اللہ فی الدنیا والآخرہ [1]

(ترجمہ) اے کسی کے اکسانے پر بھونکنے والے ذلیل بخدا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کی دنیا اور آخرت میں زوجہ ہیں

۲۔ حضرت طلحہ میدان جمل میں شہید ہوئے پڑے تھے کہ حضرت علی پاس آئے گھوڑے سے اترے اور آپ کے چہرے اور داڑھی سے مٹی ہٹاتے رہے اور آپ کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہے اور فرمایا کاش میں آج سے بیس سال پہلے میں فوت ہو چکا ہوتا یعنی مجھے یہ صورت حال دیکھنی نہ پڑتی۔

حضرت طلحہ کے قاتل نے آپ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی آپ نے وہیں فرمایا بشرہ بالنار [1] اسے جہنمی ہونے کی بشارت دے دو۔

آپ نے حضرت طلحہ کے لڑکے محمد کی بھی تعزیت کی حضرت حسن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کیا میں نے آپ کو اس سفر سے روکا نہ تھا؟ آپ نے فرمایا اے حسن کاش تیرا باپ آج سے بیس سال پہلے وفات پا گیا ہوتا [2]

۳۔ ابن جرموز سبائی حضرت زبیر کا سر اور ان کی تلوار لے کر آپ پاس پہنچا تو آپ نے وہ تلوار ہاتھ میں لی اور ایک پرانی یاد تازہ کی اور فرمایا۔

واللہ اس تلوار نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصائب ہٹائے ہیں اور آپ حضرت زبیر کا سر دیکھ کر رو پڑے اور ابن جرموز کو فرمایا بشر قاتل ابن صفیہ بالنار (حضرت زبیر کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو۔ اگر آپ اپنے آپ کو مامور من اللہ سمجھتے اور اپنے لیے کسی آسمانی عہدہ امامت کے مدعی ہوتے تو اپنے ساتھ محاربہ کرنے والوں کو کبھی مومن نہ سمجھتے مامور من اللہ پر ایمان لانا ایمان کا جزو ہوتا ہے

۴۔ حاتم طائی کا نام کس نے نہ سنا ہوگا اس کا بیٹا عدی بن حاتم واقعہ صفین کے بعد کہیں آپ کے ساتھ (حضرت علی کے ساتھ) جا رہا تھا رستے میں اس کی نظر کسی لاش پر پڑی جسے حضرت علی کے طرفداروں نے مارا تھا عدی نے کہا کل تو یہ مسلمان تھا اور آج یہ کافروں میں پڑا ہے حضرت علی نے اسے روکا اور فرمایا:۔

کان امس مومنا وھو الیوم مومن — کل بھی یہ مومن تھا اور آج بھی مومن ہے [3]

حافظ ابن تیمیہ بھی نقل کرتے ہیں:۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۵ ص ۲۶۴ [1] طبقات ابن سعد ۳ ص ۲۲۵ [2] طبقات ۵ ص ۵۵ [3] تاریخ ابن عساکر ا ص ۳۳

ان اصحاب علی سألوه عن من قتل من اصحاب معاویة قال هم المومنون [1]

(ترجمہ) حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے حضرت علی سے پوچھا کہ امیر معاویہ کے جو ساتھی جنگ میں مارے گئے ہیں انکا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ سب مومن ہیں ان سے ایمان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

تیسری صدی کے شیعہ اعیان میں عبداللہ بن جعفر الحمیری سے کون واقف نہیں اسنے امام باقرؒ سے نقل کیا ہے۔

ان علیا علیہ السلام کان یقول لاھل حربہ انا لم نقاتلھم علی التکفیر لھم ولم نقاتلھم علی التکفیر لنا ولکن راینا انا علی حق و رأوا انھم علی حق [2]

(ترجمہ) بیشک حضرت علی اپنے خلاف لڑنے والوں کے بارے میں کہتے تھے ہم ان سے اس لیے نہیں لڑے کہ وہ کافر ہوگئے نہ اس لیے ان سے لڑے کہ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں بات اتنی تھی کہ ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور وہ (اجتہاداً) اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے

حافظ ابن عساکر الدمشقی لکھتے ہیں کہ آپ نے (حضرت علی نے) واقعہ صفین میں اپنے کچھ آدمیوں کو دوسروں کے بارے غلو کرتے پایا وہ انہیں (اہل شام کو) کافر کہہ رہے تھے آپ نے انہیں کہا:۔

لا تقولوا فانھم زعموا انا بغینا علیھم و زعمنا انھم بغوا علینا [3]

(ترجمہ) تم ایسا نہ کہو ان کا گمان ہے کہ ہم نے ان پر چڑھائی کی ہے اور ہمارا گمان یہ ہے کہ انہوں نے ہم پر چڑھائی کی ہے۔

حق خلافت ثابت کرنے میں انصاف کی راہ۔

کچھ لوگوں نے ویسے ہی مشہور کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ (حضرت علیؓ) کے حق میں (امامت یا خلافت کا) کوئی خصوصی عہد فرمایا تھا یہ وہ موقعہ تھا جب حضرت علی مرتضیٰ کو اپنی خلافت کے استحکام کی ضرورت تھی لیکن آپ نے قطعاً اس پراپیگنڈے سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا قیس بن عباد نے جب آپ سے سوال کیا کیا آپ کے لیے حضورؐ کا کوئی خصوصی عہد تھا؟ آپ نے فرمایا

ما عھد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عھدہ الا شیئا نعھدہ الی الناس ولکن الناس وقعوا علی عثمان فقتلوہ ثم انی رایت انی احقھم بھذا

---

[1] منہاج السنہ جلد ۳ صفحہ ٦١ [2] قرب الاسناد صفحہ ۴٥ [3] تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ المنتقی للذھبی صفحہ ۳۲٥

الامر ھو ثبت علیہ فاللہ اعلم اَصَبْنا او اخطأنا لہ

(ترجمہ) حضورؐ نے مجھے کوئی عہد نہیں دیا مگر وہی جو سب لوگوں کو دیا لیکن لوگوں نے حضرت عثمان کی بدگوئی شروع کر دی اور آپ کو قتل کر ڈالا پھر میری رائے تھی کہ اس وقت خلافت کا میں زیادہ حقدار ہوں میں نے اسے پا لیا اب خدا ہی جانتا ہے ہم نے بھلائی کی یا ہم سے چوک ہوئی۔

ابن اثیر جزری بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

ما عھد الینا رسول اللہ شیئاً لم یعھدہ الی الناس کافۃ لہ

(ترجمہ) آپ نے ہمیں (بنو ہاشم کو) کوئی ایسا عہد نہیں دیا جو آپ نے اور سب لوگوں کو نہ دیا ہو۔

آپ کا یہ فرمان بالکل صحیح اور درست ہے احادیث سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بعنوان صریح کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا اور نہ کسی کے حق میں وصیت فرمائی حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

والاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یوص الیہ ولا الی غیرہ بالخلافۃ بل لوح بذکر الصدیق واشار اشارۃ مفھمۃ ظاھرۃ جداً الیہ

(ترجمہ) صحیح اور صریح احادیث بتلاتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی یا کسی اور کے لیے خلافت کی کوئی وصیت نہیں کی صرف ابوبکر کے نام سے اشارہ دیا اور وہ اشارہ بہت واضح تھا۔

سو یہ حق ہے کہ زندگی کے آخری لمحات حضرت علی اس پر قائم رہے کہ آپ کی خلافت حضورؐ کی طرف سے منصوص نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا نام لے کر کسی کو جانشین نہیں ٹھہرایا جب آپ کے سابق مرید عبدالرحمن بن ملجم نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کو بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو بعض حضرات نے آپ سے آئندہ جانشین کی تعیین چاہی آپ نے انکار فرمایا اور کہا:-

اترککم الی ما اترککم الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ترجمہ) میں تمہیں اسی حال پر چھوڑتا ہوں جس پر تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا (یعنی کسی کو میں جانشین نامزد نہیں کرتا)۔

حضرت علی مرتضےٰ کا اس کھلے انداز میں کہنا کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین نامزد نہ کیا تھا اور

لہ کتاب السنۃ للامام احمد صہ ۱۹۲ مسند احمد بہ ترتیب جدید ۲۳ لہ جامع الاصول جلد ۱۲ صہ ۱۹۹ لہ البدایہ جلد ۷ صہ ۲۲۴۔

اپنی خلافت کو منصوص قرار نہ دینا (جیسا کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں) حضرت علی مرتضےٰ کی حق گوئی اور کھلی شان انصاف ہے

حقوق عامہ میں انصاف کی راہ

بیت المال میں ایک دفعہ قرنفل آیا (یہ خوشبودار مصالحہ میں پڑتا ہے اسے لونگ بھی کہتے ہیں اور لوگ اس سے ہار بھی بناتے ہیں) ایک خادمہ نے اس سے ایک ہار چاہا آپ (حضرت علی) نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ قیمت لاؤ جو اس کے بدلے بیت المال میں جمع کی جائے یہ مسلمانوں کا مال ہے جو یونہی نہیں دیا جا سکتا یا کچھ مدت انتظار کرو یہاں تک کہ ہم اپنا حصہ پالیں پھر ہم اس میں سے ایک ہار تجھے دے دیں گے اور اس کی قیمت ہم اپنے مال سے جمع کرا سکیں گے

اتنی درهما جیدا فانما هذا مال المسلمین والا فاصبری حتی یاتینا حظنا فنهب لابنتک منه قلادة[1]

(ترجمہ) مجھے ایک اونچا درہم دو یہ مسلمانوں کا مال (جو یونہی نہیں دیا جا سکتا) ہے بصورت دیگر انتظار کرو ہمیں جب اپنا حصہ ملے گا اس سے ہم ایک ہار تیری بیٹی کو دے دیں گے

ایک دفعہ آپ (حضرت علی) کے پاس کچھ لیموں آئے وہ بیت المال کے تھے حضرت حسن یا بقول راوی حضرت حسین بھی ادھر آنکلے وہ ان میں سے کچھ لینے لگے ان کی بہن ام کلثوم بنت علی کہتی ہیں آپ نے لیموں ان کے ہاتھ سے واپس لے لیے اور انہیں مستحقین میں تقسیم کر دیا

فذهب حسن او حسین یتناول منها اترجة فنزعها من یده ثم امر به فقسم[2]

(ترجمہ) حسن اور حسین ایک لیموں لینے لگے تو آپ نے اسے ان کے ہاتھ سے لے لیا اور پھر اسے تقسیم کرا دیا۔

آپ جب کپڑا خریدتے تو ایسے دکاندار کے پاس جاتے جو آپ کو پہچانتا نہ ہو مبادا اس تعارف کے باعث وہ اپنا حق نہ لے سکے ایک دکاندار فروخ مولیٰ بنی الاشتر کہتا ہے ۔

رایت علیا فی بنی دیوار و انا غلام فقال اتعرفنی فقلت نعم انت امیر المومنین ثم اتی آخر فقال اتعرفنی فقال لا فاشتری منه قمیصا[3]

(ترجمہ) میں نے حضرت علی کو بنو دیوار میں دیکھا اور میں ان دنوں لڑکا ہی تھا آپ نے مجھ سے پوچھا

---

[1] المصنف ۱۲ص ۲۸۶ [2] المصنف جلد ۱۲ ص ۲۸۳ جلد ۱۲ ص ۳۴۰ [3] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۸

کیا تم مجھے جانتے ہو میں نے کہا ہاں آپ امیر المومنین ہیں ۔ پھر آپ کسی اور کے پاس چلے گئے اور اس سے بھی پوچھا کیا تم مجھے جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں پھر آپ نے اس سے ایک قمیص خریدی ۔

آپ کی خدمت میں ایک دفعہ دو عورتیں کچھ مالی امداد کے لیے گئیں ایک ان میں سے عرب تھی اور دوسری ایک خادمہ تھی جو اسرائیلی تھی آپ نے دونوں کی برابر مدد فرمائی اور دونوں کو کُر کُر (ایک خاص پیمانہ) غلہ اور چالیس چالیس درہم دیئے عرب عورت نے اسے اپنے وقار کے خلاف سمجھا کہ اس کی حوصلہ افزائی زیادہ کیوں نہ کی گئی اس نے جب اس کا اظہار کیا تو حضرت علی مرتضےٰ نے فرمایا ۔

انی نظرت فی کتاب اللہ عزوجل فلم ارفیہ فضلاً لولد اسمعیل علی ولد اسحٰق [1]

(ترجمہ) میں نے قرآن کریم میں غور کیا ہے اسمیں مجھے اولاد اسمعیل کی اولاد اسحٰق پر کوئی فضیلت نہیں ملی

یہاں قرآن کی تخصیص اس لیے نہیں کہ آپ حدیث کو حجت نہ سمجھتے تھے قرآن اپنے تمام پہلے مضامین کو بھی شامل ہے قرآن کریم میں صریح لفظوں میں اطاعت رسول فرض کی گئی ہے اور صاف لفظوں میں آپ کی ہر ادا اور عمل کو اسوہ (نمونہ) کہا گیا ہے سو آپ کا کہنا کہ میں کتاب اللہ میں کوئی نسلی فضیلت نہیں دیکھتا اس بات کو شامل ہے کہ حضور نے بھی کہیں نسلی امتیاز کو راہ نہیں دی ۔

حضرت علی خود عرب ہیں اور بنو اسمٰعیل ہی سے ہیں وہ عورت جس نے یہ سوال پیدا کیا بنو اسمٰعیل میں سے تھی اس نے اِدھر توجہ دلا کر آپ کو ایک جاہلی جذبے میں کھینچنا چاہا مگر آپ کی راستبازی اور عدل و انصاف کیا کہنے فوراً اس کی اصلاح کی کہ قرآن ہمیں یہ جاہلی رعایت نہیں دیتا شعوب و قبائل تعارف کے لیے ہیں بڑائی کے لیے نہیں اللہ کے ہاں زیادہ عزت اسکی ہے جو ایمان و تقویٰ میں اونچا ہو ۔

یہ حضرت علی کی شان عدل و قضاء کی چند مثالیں ہیں ورنہ آپ کی تاریخ عدل و انصاف اور حسن قضاء کی ایک کھلی کتاب ہے ــــ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

(نوٹ) آپ کے باب العلم ہونے کی روایت محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے امام ترمذی نے اسے غریب منکر کہا ہے تاہم یہ موضوع نہیں ضعیف کو فضائل میں ذکر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس سے اثبات عقیدہ پر استدلال نہ ہو ۔

---

[1] السنن الکبریٰ جلد ٦ صہ ٣٤٩ ۔

امامت علیؓ کی!

مولانا اختر واصفی صاحب

ہے اظہر من الشمس دنیا میں بے شک / نجابت دیانت سخاوت علیؓ کی
ہیں مسلم تو مسلم عدو مانتے ہیں / لیاقت علیؓ کی شجاعت علیؓ کی
ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ کے پیچھے / سبھی مانتے ہیں خلافت علیؓ کی
وہ کرتے رہے دل سے ان کی اطاعت / یہی ہے حقیقی فضیلت علیؓ کی
رکھے نام بھی اپنے بچوں کے ان پر / یہاں تک تھی ان سے محبت علیؓ کی
بناتے وہ داماد کیوں پھر عمرؓ کو / اگر ان سے ہوتی عداوت علیؓ کی
زبان و عمل سے انھیں نیک کہنا / مگر بد سمجھنا تھی عادت علیؓ کی
تھا یعنی جدا ان کے ظاہر سے باطن / اگر مان لیں ہم یہ فطرت علیؓ کی
تو پھر کس طرح کوئی مجھ کو بتلائے / چلے گی جہاں میں امامت علیؓ کی
نبیؐ کے خسر اور داماد ہوں جو / بری ان کے حق میں ہو نیت علیؓ کی
یقیناً یہ ہے ایک بہتان ان پر / یہ عزت نہیں ہے اہانت علیؓ کی

علیؓ کی طرح ہو جو رحمت سراپا
ہو کیوں اس پہ اختر نہ رحمت علیؓ کی

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسندِ عدالت پر

اَلحمدُ لِلّٰہِ وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعد:۔

فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابوبکر و اشدھم فی امر اللہ عمر واصدقھم حیاءً عثمان واقضاھم علی رضی اللہ عنھم اجمعین۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت پر تاریخ نے بڑے بڑے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں، جس سے آپ کی حیثیت کے صحیح خدوخال کا معلوم کرنا بہت دشوار ہوگیا ہے۔ جہاں مخالفین (خوارج وغیرہ) نے آپ کی سیرت کو مسخ کرنے کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں معتقدین نے بھی آپ کی مبالغہ آمیز مدح و توصیف میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ تاہم ایک منصف مزاج جب تعصب و عناد سے بالاتر ہوکر آپ کی سیرت معلوم کرنے بیٹھے گا تو آپ کے اندر سے وہی جامعیت نظر آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے خلفائے ثلاثہ میں بدرجۂ اتم رکھی تھی مذکورہ بالا روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے اربعہ کے خصائص بیان فرماتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ حضرت علیؓ قضایا اور مقدمات کو سب سے زیادہ جاننے والے اور عمدہ و صحیح فیصلہ کرنے والے ہیں کسی مقدمہ کے فیصلہ کے لئے جو جو صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں اور ایک منصف و فیصل کو جن اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہوتا ہے آپ کی ذات گرامی ان سب صفات سے متصف تھی۔ اور یہ آپ کا وصف ممتاز تھا۔

یہی وجہ تھی کہ آپ عہد صدیقی و فاروقی اور عہد عثمانی میں خلفائے ثلاثہ کے خاص وزیر و مشیر رہے چنانچہ جب ایک موقع پر کسی صاحب نے حضرت علیؓ سے طنزاً کہا کہ آپ کے دور خلافت ہی میں اختلاف و انتشار کی آندھیاں چلی ہیں یہ چیزیں خلفائے ثلاثہ کے دور میں نہ تھیں۔ اس پر

آپ نے برجستہ یہی فرمایا کہ ابُوبکر و عُمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے مشیر ہم تھے اور آج ہمیں آپ جیسے مشیروں سے سابقہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ انتہا درجہ کے ذہین اور معاملہ فہم تھے جب بھی کوئی مقدمہ اور قضیہ سامنے آتا اپنی خداداد صلاحیتوں سے فوراً اس کی گہرائی اور تہ تک پہنچ جاتے۔ لوگ مشکل سے مشکل مسائل اور پیچیدہ ترین معاملات کو پیش کرتے مگر نتیجہ یہ ہوتا کہ اوّلین مرحلہ میں ان مسائل کا ایسا حل پیش فرماتے کہ واردین اور صادرین حیران رہ جاتے، ایک دفعہ خود ہی بیان فرمایا کہ حضرت معاویہؓ نے پوچھ بھیجا ہے کہ خنثیٰ مشکل کی میراث میں کیا کیا جائے" میں نے لکھدیا ہے کہ اسکی پیشاب گاہ کی صورت سے میراث کا حکم جاری ہونا چاہیئے مرد سے مشابہت ہو تو اس کا حکم مردوں کا سا ہوگا اور اگر عورت کی طرح ہے تو عورتوں جیسا حکم لگائیں گے۔

جس زمانہ میں آپ بصرہ تشریف لے گئے تو ابن کوا اور قیس بن عبادہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے! اب اتفاق سے آپ ہمارے سامنے تشریف فرما ہیں آپ سے زیادہ ثقہ بھی اللہ کون ہوسکتا ہے ہم آپ ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بات کی حقیقت کیا ہے اور یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ یہ سُن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا۔ اگر آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا ہوتا تو میں حضرت ابُوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ممبر پر قطعاً کھڑا نہ ہونے دیتا اور میں اس کی بھی پرواہ نہ کرتا اس معاملہ میں میرا کوئی معاون و مددگار ہے بھی یا نہیں بات یہ ہے کہ آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیماری نے طول کھینچا تو ایک روز مؤذن نے حاضر ہو کر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نماز کے لئے بلایا آپ نے فرمایا کہ ابُوبکرؓ کو لے جاؤ وہ میری جگہ نماز پڑھائیں گے۔ لیکن اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو اس سے باز رکھنا چاہا اس پر آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو غصّہ آیا اور فرمایا کہ تم حضرت یُوسف علیہ السّلام جیسی عورتیں ہو ابُوبکرؓ ہی کو لے جاؤ وہی نماز پڑھائیں؛ جس دن حضور صَلَّی اللہ

عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وفات پائی تو ہم نے اپنی جگہ غور کیا تو اس شخص کو اپنی دُنیا کی خاطر قبول کر لیا جس کو حضور صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی زندگی میں ہمارے دین کے لئے منتخب فرمایا تھا کیونکہ نماز اصلِ دین ہے اور آپؐ دین کے امیر اور قائم رکھنے والے تھے لہٰذا ہم نے حضرت ابُوبکرؓ کو مستحق سمجھ کر ان سے بیعت کر لی۔ اور اسی لئے کسی شخص نے اس میں اختلاف نہیں کیا اور کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا نہ کوئی متنفس ابُوبکرؓ سے بیزار ہوا۔ لہٰذا میں نے ابُوبکرؓ کا حق ادا کیا اور ان کی اطاعت کی۔ ان کے لشکر میں شامل ہو کر ان کی طرف سے لڑا وہ جو کچھ مجھے دیتے تھے میں لے لیتا تھا۔ جہاں کہیں لڑنے کا حکم دیتے تھے لڑتا تھا اور ان کے حکم سے حد شرع لگاتا تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو وُہ حضرت عُمرؓ کو اپنا خلیفہ بنا گئے میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا اور ان کے ساتھ بعینہٖ اسی طرح پیش آیا جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میری سلام میں پیش قدمی اور قرابت نبوی وغیرہ خصائص کو دیکھ کر حضرت عمرؓ میری خلافت کا حکم دے جائیں گے۔ لیکن وہ ڈرے کہ کہیں ایسے شخص کو منتخب نہ کر جاؤں جس کا انجام اچھا نہ ہو چنانچہ انہوں نے اپنی اولاد اور اقارب کو بھی خلافت سے محروم رکھا۔ اگر حضرت عمرؓ بخشش وعطا کے اصُول پر چلتے تو اپنے بیٹے سے بڑھ کر کس کو مستحق خیال فرماتے۔ غرض اب انتخاب قریش کے ہاتھ میں آیا جن میں ایک میں بھی تھا جب لوگ انتخاب کے لئے جمع ہوتے تو میں نے خیال کیا کہ مجھ سے تجاوز نہ کریں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ہم سے عہد لیا کہ جو کوئی خلیفہ مقرر کیا جائے ہم اس کی اطاعت کریں گے پھر انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اب جو میں نے غور کیا تو معلوم ہُوا کہ مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ غیر کی اطاعت کے لئے تھا۔ لہٰذا میں نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی اور ان کے ساتھ بھی میں نے وہی معاملہ کیا جو حضرت ابُوبکر اور حضرت عُمر رضی اللّٰہ عنہما کے ساتھ کیا تھا۔ جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو میں نے خیال کیا کہ وہ لوگ تو گذر گئے جن کو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمارا امام بنایا تھا۔ اور وُہ بھی گذر گئے جن کو حضور صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہم پر سبقت بخشی اور وہ بھی گذر گئے جن کے لئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا تو میں بیعت لینے پر آمادہ ہو گیا، چنانچہ باشندگان حرمین شریفین و اہلِ بصرہ و کوفہ نے مجھ سے بیعت کر لی اب میرا مدمقابل ایک ایسا شخص ہے جو قرابت سبقت فی الاسلام اور علم میں میری مانند نہیں۔ تخریج ابن عساکر۔

اُس دور میں جبکہ علم الحساب اور الجبر والمقابلہ نے کوئی باقاعدگی حاصل نہ کی تھی اور یہ علوم ترقی کی اُن شاہراہوں پر گامزن نہ ہوئے تھے جن پر آج چل رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک فیصلہ میں حساب دانی ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دفعہ دو آدمی کھانا کھانے بیٹھے ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین اتنے میں ایک شخص آیا ان دونوں نے اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا یہ تیسرا ساتھی کھانے سے فارغ ہو کر جانے لگا تو آٹھ درم نکال کر ان دونوں سے کہتا ہے کہ جو کچھ میں نے کھایا ہے یہ اس کے عوض میں رکھ لو! اس کے جانے پر دونوں ساتھیوں میں درہموں کی تقسیم پر اختلاف ہو گیا۔ جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے پانچ درہم کا مطالبہ کیا اور دوسرے سے کہا کہ تمہیں تین درہم ملیں گے کیونکہ تیری روٹیاں تین ہی تھیں اس پر اس نے کہا کہ میں تو نصف سے کم پر راضی نہ ہوں گا۔ جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ معاملہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ طرفین کے بیانات سُن کر حضرت علیؓ نے کہا کہ تین درہم تجھے حق سے زیادہ مل رہے ہیں قبول کر لے اُس نے کہا کہ جب تک میری حق رسی نہ ہوگی میں اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سُن لے تیرے حصے میں صرف ایک درہم آتا ہے اور تیرے ساتھی کو سات درہم ملیں گے۔ یہ سُن کر وہ شخص بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ آپ بھی عجیب منصف ہیں ذرا مجھے حساب سمجھا دیجئے ! کہ آپ اس تقسیم کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سُنو! کل آٹھ روٹیاں تھیں اور تم تین آدمی تھے چونکہ یہ روٹیاں مساوی طور پر تقسیم نہیں ہو سکتیں لہٰذا ہر روٹی کے تین ٹکڑے قرار دے کر کل چوبیس ٹکڑے سمجھو۔ اب یہ تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس نے کتنا کھایا اور کس نے کتنا۔ لہٰذا یہ ہی فرض کرنا پڑے گا کہ تینوں نے برابر کھایا کہ ہر ایک کے حصے میں آٹھ ٹکڑے آئے۔ تیری روٹیوں میں سے آٹھ ٹکڑے تو نے کھائے اور ایک ٹکڑا اس تیسرے شخص کو ملا اور تیرے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ تیرے ساتھی نے کھائے اور سات اس تیسرے شخص کو پہنچے، چونکہ اس نے تیرا ایک ٹکڑا کھایا لہٰذا تجھے ایک درہم اور تیرے ساتھی کے سات ٹکڑوں کے بدلے میں اسے سات درہم ملیں گے۔ یہ تجزیہ سُن کر اُسے مجبوراً رضامند ہونا پڑا۔ (بحوالہ ابن عساکر)

کثیر حضرمی بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں داخل ہوا وہاں پانچ آدمی بیٹھے (معاذ اللہ) حضرت علیؓ کو گالی دے رہے تھے ایک شخص نے ان میں سے یہ کہنا شروع کیا کہ بخدا میں حضرت علیؓ کو ضرور قتل کروں گا، راوی کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ سنکر رہا نہ گیا۔ میں تو اس کے گلے پڑ گیا اس کے ساتھی ڈر کر بھاگ گئے اور میں اسے پکڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آیا اور واقعہ عرض کیا حضرت نے یہ سب کچھ سُنا اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت: یہ شخص تو قسمیں کھا کھا کر کہتا ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضرور قتل کروں گا اور آپ یہ فیصلہ فرما رہے ہیں کہ اسے چھوڑ دو حضرت نے فرمایا کہ "میں اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں" حضرت علیؓ کا یہ جملہ اتنا جامع ہے کہ اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

گواہ کی دوسری شہادت حضرت علیؓ کے پاس دو شخصوں نے ایک شخص کے خلاف چوری کی شہادت دی حضرت علیؓ نے اس شخص کا ہاتھ جس پر شہادت دی گئی تھی کٹوا دیا ان گواہوں کو پھر اصل چور مل گیا اور انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے مغالطے میں اس سابق شخص کو چور سمجھ لیا تھا؛ وہ دونوں اصل چور کو لے کر حضرت علیؓ کے پاس آئے آپ نے فرمایا اس دوسرے شخص کے بارے میں تمہاری شہادت کو میں صحیح نہ سمجھوں گا اور تم اس پہلے شخص کے ہاتھ کی دیت دو گے اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم نے عمداً ایسی شہادت دی ہے تو میں تمہارے ہاتھ کٹوا دیتا۔

آپ نے یہ جملہ ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا ظاہر ہے کہ اس صورت میں ایک ہاتھ (جو پہلے مدعیٰ علیہ کا کاٹا گیا تھا) کے بدلہ میں دو ہاتھ (ان دو گواہوں کے) کاٹے جاتے کیا یہ اس اصول کے خلاف نہیں کہ آنکھ کے بدلے میں ایک آنکھ اور ایک ہاتھ کے بدلے میں ایک ہاتھ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد جھوٹی شہادت سے صرف خوف دلانے کے لئے تھا کلام کی حقیقت مُراد نہ تھی ان کا اپنا مسلک یہ ہے کہ ایک ہاتھ کے عوض دو ہاتھ قطع نہ کئے جائیں[1]۔

آپ کے اس فیصلے کا حاصل یہ ہے کہ گواہ کی دوسری شہادت جو اس کی پہلی شہادت کے خلاف ہو قبول نہ کی جائے گی بشرطیکہ اس گواہی پر حکم صادر ہو چکا ہو۔ ہاں پہلے نقصان کا تاوان اسے ضرور دینا ہو گا۔

خالد محمود عفا اللہ

---

[1] دراجع لہ المبسوط للسرخسی جلد ۱۶ ص ۱۷۷، ۱۷۸۔

ابوالطاہر فدا حسین فدا صاحب

خیبر شکن رضؓ

اے علیؓ! اے اشہبِ ملت کے شجیع شہسوار
فاتحِ بدر و حنین و شاہِ دیں کے جاں نثارؓ

اے بتولِ فاطمہؓ کے زوجِ باصدق و صفا
اے امیر المومنین! اے صاحبِ جاہ و وقار

ہے گلِ باغِ نبیؐ اور گلشنِ حسنینؓ تو
مدح خواں تیرے نہ کیوں ہوں قمری و بلبل ہزار

اللہ اللہ وہ ترے روئے منور کی ضیاء
ماند پڑ جاتے تھے جس سے شعلہ ہائے نور و نار

اسوۂ حسنہ ترا ہے قابلِ تقلید و رشک
اور ہر عزم و عملِ شرعِ نبیؐ کا شاہکار

تھی ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ سے بھی الفت تجھے
تیرا منکر ہو نہیں سکتا محبِ چار یارؓ

حبِ فاروقِ معظمؓ کے سبب تیرے لئے
عقدِ کلثومؓ و عمرؓ تھا باعثِ صد افتخار

ختم کر دیں ظلمتیں تو نے جہالت کی تمام
اے مدینۃ العلومِ شرع و دیں کے شہریار

تیرے عزمِ بالیقیں پر اے مرے خیبر شکنؓ!
ارتقائے عظمتِ ملت کا تھا دار و مدار

تشنۂ خونِ عدوئے حق تری شمشیر تھی
مسند آرائے خلافت، فقر و دیں کے تاجدار

تجھ سے ہر مرحب نے کھائی تھی شکستِ فاش ہی
تو نے ہر ابلیس کو دکھلا دی راہِ فرار

لرزہ براندام ہیبت سے تری بنیادِ کفر
اور اساسِ دینِ قیم ہے تجھی سے استوار

دیدیا سر راہِ حق میں ہو کے سر بسجدۂ حق
ملتِ بیضا پہ تو نے جان تک کر دی نثار

بوترابؓ و مرتضیٰؓ بھی، صاحب و مولا بھی تو
شاہِ مرداں، شیرِ یزداں، قوتِ پروردگار

کیوں نہ پھر بزمِ جہاں میں یوں رجز خواں ہو فدا
"لافتیٰ الا علیؓ، لاسیف الا ذوالفقار"

حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کی نظر میں

علامہ خالد محمود صاحب

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

حضرت امیر معاویہؓ حضرت علی کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے اور فرماتے تھے قاتلین حضرت عثمان حضرت علی کی فوج میں گھسے بیٹھے ہیں حضرت علیؓ اگر ان سے قصاص لیں تو اہل شام میں سے سب سے پہلے میں علی مرتضیٰ کی بیعت کرونگا حضرت معاویہ کی سیاسی بصیرت اور نظر و فکر سے کون انکار کر سکتا ہے جب ان کے ذہن میں تھا کہ حضرت علی میں تمام شرائط خلافت موجود ہیں صرف ایک مطالبہ ان کی بیعت میں حائل ہے تو آپ کسے حق پہنچتا ہے کہ وہ حضرت علی کے بارے میں کہے کہ آپ سیاسی حیثیت سے کمزور تھے اور آپ کا سیاسی وزن نسبتہً کم تھا حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما جب فریقین میں رفع نزاع کی کوشش کر رہے تھے تو آپ نے انہیں کہا حضرت علی کو میری طرف سے جا کر بتلا دو:-

فقولا له فليقد نامن قتلة عثمان ثم انا اول من بايعه من الشام[1]

(ترجمہ) آپ کہیں کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو سزا دیں پھر پہلا میں ہوں جو اہل شام میں سے ان کی بیعت کرے گا

آپ (حضرت معاویہ) جب کبھی حضرت علی کا ذکر کرتے تو انہیں ابن عمی (میرے چچا زاد بھائی) کہہ کر ذکر کرتے جو لوگ اسالیب عرب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کس پیار کے انداز میں کہے جاتے ہیں اور یہ کس نظر و فکر کا پتہ دیتے ہیں۔

جب حضرت معاویہ اور سیدنا حضرت علی میں اختلافات چل رہے تھے تو شاہ روم نے سلطنت اسلامی پر حملے کی ٹھانی اور سمجھا کہ حضرت علی کے مقابلہ میں حضرت معاویہ میرا ساتھ دیں گے حضرت معاویہؓ نے اسے لکھا:-

والله لئن لم تنته وترجع الى بلادك يا لعين لاصطلحن انا وابن عمي

عليك ولاخرجنك من جميع بلادك ولاضيقن عليك الارض بما رحبت[2]

(ترجمہ) بخدا اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے علاقے کو واپس نہ لوٹا تو اے لعین میں اور میرا چچا زاد بھائی (علی) مل جائیں گے اور میں تجھے تیرے ملک سے نکال کر دم لوں گا اور زمین ہمہ وسیع پھیلی ہے تجھ پر تنگ کر دوں گا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۵۹ [2] ایضاً جلد ۸ صفحہ ۱۱۹۔

حضرت علی کے علم و فضل کا اقرار

حضرت معاویہ رضؓ کو جب حضرت علیؓ کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو بے اختیار رو پڑے آپ کی اہلیہ نے کہا آپ تو اُن سے لڑتے رہے ہیں اب ان پر رونا کیسا ؟ آپ نے فرمایا تجھے کیا پتہ آج دنیا کس قدر علم و فضل اور ذخیرہ فقہ سے محروم ہو گئی ہے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

لما جاء خبر قتل علی الی معاویۃ جعل یبکی فقالت لہ امرأتہ أتبکیہ وقد قاتلتہ؟

فقال ویحک انک لا تدرین ما فقد الناس من الفضل والفقہ والعلم[1]

(ترجمہ) جب حضرت معاویہ کو حضرت علی کے قتل کی خبر پہنچی تو رونے لگے آپ کو آپ کی بیوی نے کہا آپ ان پر رو رہے ہیں آپ تو ان سے لڑتے رہے ہیں آپ نے فرمایا تیرا بُرا ہو تو نہیں جانتی آج لوگوں نے کس قدر علم و فضل اور فقہ کو کھو دیا ہے

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی فقہاء صحابہ میں سے تھے اور فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے کیونکہ حضرت امیر معاویہ جو خود بڑے فقیہ تھے جب آپ حضرت علی کی فقاہت کے قائل اور اس درجہ میں معترف ہیں تو آپ اندازہ کریں اہل فن کی شہادت مشہود لہ کی فنی شان کو کس قدر دوبالا کرتی ہے

حضرت علی کے شاگردوں میں ضرار صدائی سے کون واقف نہیں ضرار حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت معاویہؓ نے کہا کچھ حضرت علی کے بارے میں کہیں ؟ اس نے کہا آپ مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا حضرت معاویہ نے پھر اصرار کیا کہ تجھے کچھ نہ کچھ بتلانا ہی ہوگا پھر اس نے آپ کے کچھ اوصاف بیان کیے اور حضرت معاویہ رو پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی تقریباً سبھی شارحین نہج البلاغۃ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

وکان ضرار من اصحابہ علیہ السلام فدخل علی معاویۃ بعد موتہ فقال صف لی علیاً فقال اوتعفینی عن ذلک فقال واللہ لتفعلن فتکلم بھذا الفصل فبکی معاویۃ حتی اخضلت لحیتہ[2]

(ترجمہ) ضرار حضرت علی کے اصحاب میں سے تھے آپ کی وفات کے بعد وہ معاویہ کے پاس آیا امیر معاویہ نے اسے کہا حضرت علی کی کوئی صفت بیان کرو انہوں نے کہا آپ مجھے اس سے معاف رکھیں آپ نے

---

[1] البدایہ والنہایہ ۸ صہ ۱۳۰ [2] درہ نجفیہ صہ ۳۶۰ شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صہ ۳۷۵ ابن میثم بحرانی جلد ۵ صہ ۳۷۶ ۔

کیا تجھے ایسا کرنا ہی ہوگا اس پر اس نے اصرار نے آپ کے علم و فضل کو بیان کیا یہاں تک کہ معاویہ رو پڑے اور آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

نہایت افسوس ہے کہ کوفہ کے لوگوں نے تقیہ کا مسئلہ ایجاد کر کے علم کے اس بیش بہا ذخیرے کو یونہی ضائع کر دیا پھر بعد میں ان سے دو دو راواتیں چلنے لگیں خود حضرت علی کے شاگردوں کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ کس قدر علم صحیح مشتبہ کر دیا گیا ہے امام مسلم صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

عن الاعمش عن ابی اسحٰق قال لما احدثوا تلک الاشیاء بعد علی قال رجل من اصحاب علی قاتلهم الله ای علم افسدوا [1]

(ترجمہ) حضرت علی کے بعد جب لوگوں نے ان کے نام سے ایسی باتیں گھڑیں تو حضرت علی کے ایک شاگرد نے کہا خدا ان لوگوں کو غارت کرے کتنا علم ان لوگوں نے فاسد کر دیا ہے۔

ان لوگوں نے آپ کے علم کو اس درجہ مشتبہ کر دیا کہ اب انکی وہی روایات لائق اعتبار سمجھی جاتی ہیں جو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت علی سے روایت کریں کوفہ میں محفوظ علمی سند حضرت عبد اللہ بن مسعود کی ہی رہ گئی تھی حضرت علی کا دار الحکومت یہی کوفہ تھا آپ جن لوگوں میں گھرے رہے تھے انہوں نے آپ کی طرف وہ کچھ منسوب کر ڈالا کہ حضرت ابن عباس جب ان مسائل کو دیکھتے تو صاف کہہ دیتے کہ حضرت علیؓ نے ایسا فیصلہ ہرگز نہ کیا ہوگا یہ تو غلط ہے حضرت مغیرہ کہتے ہیں:۔

لم یکن یصدق علی علی فی الحدیث الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ [2]

(ترجمہ) حضرت علیؓ کی وہی حدیث صحیح سمجھی جاتی ہے جو آپ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد روایت کرتے۔

اس وقت اس سازش پر بحث نہیں کہ آل یہود نے کس بے دردی سے اس ذخیرہ علم کو ضائع کیا کہنا صرف یہ ہے کہ آپ کے حضرت امیر معاویہؓ جیسے شدید سیاسی مخالف نے بھی آپ کے علم و فضل کا صریح لفظوں میں اقرار کیا ہے اور یہ بات حضرت علی کا ایسا جلی وصف ہے جو ہر موافق و مخالف سے خراج تحسین لے کر رہا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ واقعی باب علم (علم کا دروازہ) تھے۔

حضورؐ سے روایت انا مدینة العلم و علی بابها یا انا دار الحکمة و علی بابها۔ ثابت ہو

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۰ [2] ایضاً

یا نہ ہو لیکن اس حقیقت کے اعتراف سے چارہ نہیں کہ آپ واقعی علم کا دروازہ تھے۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ صرف یکطرفہ ٹریفک تھی ــــ نہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود بھی بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کھلے طور پر کہتے تھے کہ ہم ایمان میں ان سے بڑھ کر نہیں اور وہ ایمان میں ہم سے زیادہ نہیں معاملہ برابر کا سا ہے ہمارا اختلاف صرف خون عثمان کے بارے میں ہوا اور خدا جانتا ہے کہ ہم اس سے بری ہیں اس میں یا ان کے قاتلوں کو پناہ دینے میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے شریف رضی (۴۰۶ھ) لکھتا ہے آپ نے فرمایا۔

ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد[1]

(ترجمہ) ہم دونوں ایک رب اور ایک نبی کے ماننے والے ہیں اسلام میں ہم دونوں فریق کی دعوت ایک ہے [2] ہم ان سے ایمان باللہ اور تصدیق رسالت محمدیہ میں کسی اور چیز کے طالب نہیں [3] اور نہ وہ ہم سے (ایمانیات میں) کسی اور چیز کا اضافہ چاہتے ہیں ہمارا اور ان کا (امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں کا) معاملہ ایک ہے۔

دیکھئے حضرت علی مرتضیٰ نے کس کھلے دل سے اپنے آپ کو اور حضرت معاویہ کو ایک مقام پر لاکھڑا کیا ہے اور کس صفائی سے اپنے ایمان کو اور اہل شام کے ایمان کو یکساں بتلایا ہے آپ فرما رہے ہیں کہ رسالت محمدیہ کا پروانہ ہونے میں ہم دونوں ایک ہیں اور ہمارا امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں سے کوئی دینی اختلاف نہیں امور سلطنت میں جو اختلاف ہے وہ اور نوع کا ہے۔

حضرت علی کا یہ موقف ہم نے طرداً للباب ذکر کیا ہے اصل موضوع یہ تھا کہ حضرت علی حضرت امیر معاویہ کی نظر میں کیسے تھے سو الحمد للہ اس پر ہم پہلے شہادت پیش کر چکے ہیں

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۱۱۴ [2] معلوم ہوا کہ اس امت کے لیے نبی ایک ہی ہے کوئی اور نبی مبعوث ہو اس کے تصور کو بھی اسلام میں راہ نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نبی کی حیثیت سے کام نہ کریں گے حضور خاتم النبیین کے امتی بن کر رہیں گے

[3] ہم دنیا کی قوموں کو ایک ہی دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں ہمارا دین ایک ہے۔ ایمانیات میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں مثلاً ہم یہ کہیں کہ امامت بھی اصول دین میں سے ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے یا ایمانیات میں اور کسی چیز کا اضافہ کریں

حضرت علی کی شان اخلاص و وفا

خالد محمود

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حضرت علی اپنے علم و فضل اور عمل و شجاعت میں تو بیشک ہمیشہ سنگ میل سمجھے گئے ہیں لیکن عہد و پیمان اور اخلاص و وفا میں بھی آپ نے قابل مثال اسوہ قوم کو دیا ہے اور تاریخ ان ابواب میں بھی آپ کی عظمت کو سلام کرتی ہے اور آپ کو خراج عقیدت ادا کیے بغیر آگے نہیں بڑھتی ۔

محسنین کے احسانات کا اعتراف

لوگ ضرورت کے وقت تو ہر شخص کے نیازمند ہو جاتے ہیں جس سے انہیں کچھ بھی امید خیر ہو لیکن وقت نکلنے پر آنکھیں کتنی جلدی بدل جاتی ہیں اس میں عام انسانی تاریخ بہت سیاہ ہے کون کسی کو یاد رکھتا ہے اور کون کسی کا ذکر کرتا ہے اور پھر ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے تحت کون اس کا حق ادا کرتا ہے یہ احساس اعلیٰ اخلاق اعلیٰ خاندان اور باکمال شخصیتوں کے سوا بہت کم دیکھا گیا ہے اور ہمارا معاشرہ اس پہلو سے اپنے میں بہت داغ رکھتا ہے ۔

حضرت علیؓ کا کردار اس پہلو سے ایک عظیم کردار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ سے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کا نکاح منظور کر لیا اور آپ اپنی کمزور مالی حالت کے باعث اپنی زرع بیچنے پر مجبور ہوئے تاکہ مہر فاطمہ ادا کریں تو حضرت عثمان نے آپ سے چار سو درہم میں وہ زرع خریدی اور پھر وہ زرع آپ کی ہی خدمت میں ہدیہ کر دی آپ یہ چار سو درہم لے کر حضور کے پاس پہنچے اور حضرت عثمان کے اس احسان کا پورا واقعہ حضور سے بیان کیا حضور نے حضرت عثمان کے لیے دعائیں کیں آپ خود فرماتے ہیں ۔

واخبرته بما کان من امر عثمان فدعا له بخیر له

(ترجمہ) اور میں نے آپ کو حضرت عثمان کے اس عمل کی خبر دی آپ نے اس پر حضرت عثمان کے لیے خیر کی دعا کی ۔

علامہ زرقانی نے فدعا لعثمان بدعوات کے الفاظ نقل کیے ہیں ۔ ؎۲

ایک سوال اور اس کا جواب

؎۱ کشف الغمہ جلد ۱ صہ ۴۸۵ بحار الانوار جلد ۱۰ صہ ۴۰ ؎۲ شرح مواہب جلد ۲ صہ ۳ ۔

یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علی کو ویسے ہی براہ راست چار سو درہم کیوں نہ دے دیئے پہلے اس رقم سے زرع خریدی اور پھر وہ زرع ہدیۃً پیش کی اسمیں کیا حکمت تھی ؟ اسمیں حضرت سیدہ کا مقام واحترام پیش نظر تھا کہ ان کا مہر حضرت علی کے اپنے مال سے ادا ہو کسی اور کے مال سے نہیں اور پھر زرع اس لیے ہدیہ کی کہ حضرت علیؓ کے کارہائے شجاعت میں حضرت عثمان کا بھی حصہ ہو جائے بالفرض آپ کسی جنگ میں شامل نہ ہوں جیسا کہ بوجہ بنت رسول حضرت رقیہ کی تیمارداری کے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تو آپ کو اس زرع کے واسطہ سے اس غزوہ میں شریک ہوئے بغیر شرکت کی سعادت مل جائے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت علی کے تمام معارک شجاعت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ بھی اس جہت سے حکماً شریک ہیں ۔

حضرت سیدہ سے وفا

حضرت علیؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا سے بھی وفا کا پورا حق ادا کیا جب تک آپ زندہ رہیں آپ نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا ضرائر (سوکنوں) کے باہمی کھچاؤ سے کون واقف نہیں جب یہ آپس میں یا ایک دوسری سے جھگڑتی ہیں تو کیا ایک دوسری کے سسرال اور خاوند کو برا کہیں گی؟ نہیں سسرال تو دونوں کا ایک ہے انہیں کوئی راہ نہیں ملتی تو ایک دوسری کے والدین کے بارے کچھ کہہ کر اپنا غصہ نکال لیتی ہیں اور یہ عام عورتوں کی فطرت ہے خواص کا مقام دوسرا ہے

اب اس صورت پر بھی غور کیجیے کہ اگر حضورؐ کی بیٹی پر کوئی سوکن آتے اور ضروری نہیں کہ اس کی اعلیٰ تربیت ہوئی ہو تو اس کے دل میں اس چشمک کے باعث جو سوکنوں سے ہو جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ ابھر آئے تو اس بیچاری کے ایمان کا کیا بنے گا ؟ زبان سے کہنا تو درکنار حضرت سیدہ کے والد شریف کے متعلق دل میں ذرا سا جذبہ بے ادبی ابھرے تو بھی ایمان جاتا رہے گا نبوت کے رشتوں پر ابوت کے رشتوں کو قربان کرنا ہر کسی کو تو نہیں آتا ـــــ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مومنہ کے ایمان کو بچانے کے لیے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ پیغمبر کی بیٹی کسی اور عورت کے ساتھ نکاح میں جمع نہیں ہو سکتی جس کا باپ حضورؐ کا دشمن ہو تاکہ والدین کے تقابل میں وہ بیچاری کہیں اپنے ایمان کو ہی ضائع نہ کر بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حلال کردہ نکاح کو حرام قرار نہیں دے رہے آپ اس مومنہ کا ایمان بچانا چاہتے تھے اور اسے امکان بے ادبی اور سوء ظنی سے دور رکھنا چاہتے ہیں ۔

حضرت علیؓ باوجود ضرورت کے حضورؐ کے اس مشورے کے تازیست پابند رہے حضرت فاطمہ مہینوں بیمار

رہیں آپ ان کے ان کی پوری زندگی وفادار رہے اور دوسرا نکاح نہیں کیا اگر کبھی ارادہ بھی کیا تو حضرت فاطمہ کی ناراضگی پر اسے ترک کردیا حضرت فاطمہ بیشک آپ سے ناراض ہوئیں لیکن آپ کا قصد آپ کو ناراض کرنے کا نہ تھا غضب اور اغضاب میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔

آپ نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرلیں ابوجہل کا نام آتے ہی ہر مومن اور مومنہ کے دل پر کیا گزرتی ہے یہ محتاج بیان نہیں حضرت سیدہ حضرت علی سے ناراض ہو کر حضرت حسن حضرت حسین اور سیدہ ام کلثوم کو ساتھ لیے اپنے والد شریف کے گھر آگئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے پاس آئے اور انہیں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح نہ کرنے کی وجہ سمجھائی آپ سمجھ گئے اور جب تک آپ زندہ رہیں حضرت علیؓ نے دوسرے نکاح کا ارادہ تک نہ فرمایا حضورؐ نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ فاطمہ کو ناراض کرنا حضور کو ناراض کرنا ہے

فانما هي بضعة مني يريبني ما ارابها و يوذيني ما اذاها [1]

(ترجمہ) سوسوائے اس کے اور بات نہیں کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو چیز اسے بری لگے وہ مجھے بھی بری لگتی ہے اور جو بات اسے ایذاء دے وہ مجھے ایذا دیتی ہے ۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ جس نے حضرت سیدہ کو ناراض کیا اس نے حضورؐ کو ناراض کیا اور جس نے حضورؐ کو ناراض کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اور جس سے خدا ناراض ہوگیا پھر اس کا کون ہے ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت فاطمہ حضرت علی پر ناراض ہوئیں تو کیا حضرت علی اس وعید میں آتے ہیں یا نہ جواباً گذارش ہے کہ حضرت فاطمہ کا ناراض ہونا اور بات ہے اور کسی کا آپ کو ناراض کرنا اور بات ہے پہلی بات کو غضب کہتے ہیں جس کے معنی ہیں ناراض ہونا جیسے غضب الرجل یا غَضِبَتْ فـلانة اور دوسری بات کو اغضاب کہتے ہیں (دوسرے کو قصداً ناراض کرنا) اگر کوئی شخص خود آپ کو ناراض کرنے کا ارادہ نہ کرے لیکن اس کی کسی بات پر آپ ناراض ہوجائیں تو وہ اس وعید میں نہیں آتا کیونکہ اس سے عمل اغضاب صادر نہیں ہوا حضورؐ نے جہاں حضرت فاطمہ کی ناراضگی پر وعید بتلائی ہے وہاں آپ نے اغضاب کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ عمل حضرت علی سے صادر نہیں ہوا۔

یہ واقعہ کہ حضرت فاطمہ حضرت علیؓ سے ناراض ہوئیں شیعہ کتب میں بھی مذکور ہے شیخ صدوق علل الشرائع

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۷۸۸ ۔

میں روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اللہ سے بھی دعا کی تھی کہ اے اللہ ان کی آپس کی ناراضگی کو دور فرما اور آپ نے حضرت علی سے کہا:۔

یاعلی اما علمت ان فاطمة بضعة منی وانا منها فمن اذاها فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله [1]

(ترجمہ) اے علی کیا تم نہیں جانتے کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور میں اس سے ہوں سو جس نے اسے کسی طرح اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو ناراض کیا۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کو اس خبر سے اذیت پہنچی ہو گی کہ حضرت علی ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمیں اس پر کوئی دلیل نہیں ملی کہ حضرت علی سے یہ عمل ایذاءً صادر ہوا کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو اذیت دینے کا قصد کیا ہو ——— ایک اور موقعہ پر بھی حضرت فاطمہ اور حضرت علی کی آپس میں ناراضگی ہو گئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں صلح کرادی تھی آپ نے فرمایا:۔

قد اصلحت بین اثنین احب اهل الارض الی اهل السماء [2]

(ترجمہ) میں نے ان دو میں صلح کرائی ہے جو آسمان والوں کے ہاں زمین کی تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں

اگر ناراضگی ہوتی بھی تو کیا یہ صلح پر ختم نہ ہو گئی تھی؛ افسوس کہ خارجی لوگ ناراضگی کی روایات کو تو اچھالتے ہیں لیکن رضامندی کی روایات کو ذکر تک نہیں کرتے کیا یہی معیار تحقیق ہے ؟ بدگمانی کے لیئے اشاروں تک سے استدلال کر لینا اور نیک گمانی کے لیے صریح روایات تک کو درخور اعتناء نہ سمجھنا کیا یہی علمی انصاف ہے ؟ نیک گمان کے لیے تو ضعیف روایات بھی کافی ہوتی ہے بدگمانی بدوں قوی دلیل کے جائز نہیں۔

شیخ صدوق ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت علی کو ایک باندی کے قریب دیکھا آپ کی نسوانی غیرت جاگی آپ حضرت علیؓ سے ناراض ہو کر اپنے والد شریف کے گھر چلی گئیں [3]

حضرت علیؓ نے چار سو درہم اہل مدینہ پر صدقہ کئے اور اس باندی کو بھی آزاد کیا۔ کیا حضرت فاطمہ اب بھی ان سے ناراض رہی ہوں گی ؟

اس قسم کے اور واقعات بھی ملتے ہیں لیکن اس میں یہ قدر مشترک ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کو ناراض

---

[1] علل الشرائع صہ ۱۸۶ جلاء العیون صہ ۱۶۴۔ [2] بحار الانوار جلد ۱۰ صہ ۴۳ [3] علل الشرائع صہ ۱۲۴ بحار الانوار جلد ۱۰ صہ ۴۴۔

کرنے کا قصد نہیں کیا اگر وہ خود ہی حضرت علی کے کسی جائز کام پر کسی اثر کے تحت ناراض ہوتیں تو حضرت علیؓ نے اس ناراضگی کو دور کرنے کے لیے ہمیشہ مثبت پیرایہ اختیار فرمایا اور حضرت فاطمہ کو ناراض نہیں رہنے دیا حضرت فاطمہؓ نے آپ کو آخری وقت وصیت کی کہ میرے بعد میری بہن کی بیٹی امامہ سے نکاح کر لینا آپ نے اس پر بھی عمل کیا اور حضرت سیدہ فاطمہ سے پوری وفا کی امامہ آپ کے بچوں کے لیے بہترین مشفقہ ثابت ہوئیں۔

(نوٹ) حضورؐ کا حضرت فاطمہ کے لیے یہ کہنا کہ وہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ کہنا کہ میں اس میں سے ہوں انا منها سمجھ میں نہیں آتا آپ حضرت فاطمہ میں سے کیسے ہو گئے؛ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کی نسل کی بقا اسی بیٹی سے ہوئی حضرت زینب کے بیٹے علی اور حضرت رقیہ کے بیٹے عبداللہ کی آگے اولاد نہیں چلی وہ لڑکپن میں ہی فوت ہو گئے تھے صرف اسی بیٹی کے ذریعہ آپ کا دنیوی نشان باقی رہا الحسین منی وانا من الحسین کا مطلب یہی لیا جا سکتا ہے اور یہی ہو سکتا ہے کہ اسے وصفی پیرایہ میں لیا جائے جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ان العباس منی وانا منہ[1] عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔

میں عباس سے ہوں یہ بات بطور چاکے ہے جو باپ کی جگہ ہے اور وہ مجھ سے ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ میری لائن پر ہے میری امت میں سے ہے میرے دین پر ہے اور ایک اسی قسم کے مضمون پر آپ نے فرمایا۔

من خرج علی امتی یضرب برھا و فاجرھا . . . فلیس منی[2]

(ترجمہ) جس نے میری امت پر چڑھائی کی اور ہر نیک و بد کو پیٹنے لگا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

آنحضرت سے وفا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی رات حضرت علی کو اپنے بستر پر چھوڑا اندیشہ تھا کہ اس رات دشمن حضورؐ کی تلاش میں گھر داخل ہوں اور آپ کو شہید کرنے کے درپے ہوں حضورؐ نے امانات ان کے سپرد کیں ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے وہ امانات اپنے گھر میں رکھی ہوں گی تاکہ اگر آپ اس رات حضورؐ کی جگہ شہید ہو جائیں تو آپ کے گھر سے وہ امانات برآمد کی جا سکیں اور جن کی ہیں ان کو دی جا سکیں اگر حضور خود انہیں واپس کرتے تو کافروں کو آپ کے ارادہ پر اطلاع ہو جاتی کہ آپ کہیں جا رہے ہیں۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۱۱ کتاب القود والدیات [2] ایضاً جلد ۲ ص ۱۵۶

اس رات کے اس عمل سے مقام علی کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آپ کا وجود عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس کا فدیہ بنا گو حضرت علی کو آپ پر قربان ہونے کی نوبت نہ آئی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ حضور کی جگہ اپنی قربانی دینے کے لیے اس رات آپ کے بستر پر لیٹ گئے تھے دشمن نہ وہاں تک نہ انہیں جرأت ہوئی لیکن علی مرتضٰی کا دامن وفا اس پوری رات حضور کا فدیہ بنا رہا۔

پھر حضور نے اپنے ایام علالت میں حضرت ابوبکر کو امام مقرر کیا تو حضرت علی نے اپنے ہاشمی ہونے کے ناطے یا چچا زاد بھائی ہونے کے ناطے یا داماد ہونے کے ناطے اسمیں کوئی پس و پیش نہ کی حضور کے سامنے سراپا طاعت رہے اور حضرت ابوبکر صدیق کے مقتدی بننے میں اس طرح خوشی سمجھی کہ اسمیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی لپٹی ہے اور حضور فرما چکے تھے کہ اللہ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی کو آگے آنے کا موقعہ نہ دیں گے سیدنا حضرت علی رضی اللہ کے اس فیصلے کے آگے سراپا رضا اور پیکر وفا رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق سے وفا

شریف رضی نے حضرت علی مرتضٰی کا خطبہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

رضینا عن اللہ قضاءہ وسلمنا للہ امرہ أترانی ان اکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لانا اول من صدقہ فلا اکون اول من کذب علیہ فنظرت فی امری فاذا طاعتی سبقت بیعتی واذا المیثاق فی عنقی لغیری [1]

(ترجمہ) اللہ کے فیصلے پر ہم راضی ہو گئے اور ہم نے اللہ کی اس قضا کو محض اس کی رضا کے لیے تسلیم کیا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھوں (کہ انہوں نے مجھے خلیفہ مقرر کیا ہے) خدا کی قسم میں پہلا ہاشمی ہوں جس نے آپ کی تصدیق کی تھی سو میں وہ پہلا نہیں ہونا چاہتا جو (منصب خلافت میں) آپ پر جھوٹ باندھے میں نے اپنے معاملہ میں بہت غور کیا ہے میرا تابع ہو کر رہنا میرے خلافت کی بیعت لینے سے سبقت لے جا چکا ہے اور یہ میثاق (عہد) میری گردن میں ہے کہ میں دوسرے کے ماتحت رہوں۔

حضرت علی اسی اقرار حق سے حضرت ابوبکر صدیق رض کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ان کے فضل کا اقرار کرتے

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ا صہ ۸۹ نیز دیکھئے شرح میثم بحرانی جلد ۲ صہ ۹۳ و جلد ۱۰ صہ ۱۵۶۔

سے ان کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے اور ان کے ساتھ مل کر اہل باطل کا مقابلہ کرتے رہے اور حضرت صدیق اکبر کے تاحیات وفادار رہے اور اس میثاق کی پوری پابندی کی۔ آپ صاف فرماتے ہیں

ذاک امرء سماہ اللہ الصدیق علی لسان جبریل ولسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کان خلیفۃ رسول اللہ علی الصلوٰۃ رضیہ لدیننا فرضیناہ لدنیانا [1]

(ترجمہ) آپ ایسے شخص تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کی زبان اور حضورؐ کی زبان سے صدیق ٹھہرایا آپ اقامت نماز میں حضورؐ کے خلیفہ تھے حضورؐ نے اسے ہمارے دین کے لیے پسند کیا سو ہم نے آپ کو اپنی دنیا کے لیے بھی چن لیا (خلیفہ منتخب کرلیا)

حضرت عمرؓ سے وفا

حضرت عمر سے بیعت کی تو انہیں کے ہو کر رہ گئے ان کی مجلس شوریٰ میں بھی رہے اور ان کے حکم پر فیصلے بھی کرتے رہے حضرت عمرؓ جب کبھی مدینہ سے باہر جاتے تو آپ کو قائم مقام بنا جاتے آپ اگر ذرا بھی ارادہ کرتے تو خلافت پر بآسانی قبضہ کر سکتے تھے لیکن مجال ہے کہ آپ نے ان کے سامنے کبھی اپنی خودی کا دم مارا ہو جب امیر المومنین واپس آتے تو آپ زمام امور کلی طور پر آپ کے سپرد کردیتے اور فرماتے جب بیعت کرلی ہے تو یہاں اب وفا کے سوا کچھ نہیں اب جو امیر المومنین کا حکم ہو ادھر جاتے تیار ہے کو کہیں آپ کے لیے بجز تعمیل حکم کوئی اور راہ نہیں خود فرماتے ہیں۔

فاشار لعمر ولم یال فبایعہ المسلمون وبایعتہ معہم فکنت

اغزو اذا اغزانی واٰخذ اذا اعطانی [2]

(ترجمہ) حضرت ابوبکر نے اپنے آخری وقت میں حضرت عمر کی رہنمائی بتلائی اور (اس سوچ اور بچار میں) آپ نے کوئی کمی نہ کی سو سب مسلمانوں نے حضرت عمر کی بیعت کرلی اور میں نے بھی آپ کی بیعت کرلی جب آپ کسی جنگ میں مجھے بھیجتے میں وہاں جاتا رہا اور جو کچھ مجھے دیتے میں لیتا رہا۔

حضرت عثمانؓ سے وفا

باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور باہر سے پتھر مارے تو حضرت عثمانؓ کے بیٹے ابان حضرت علیؓ

---

[1] اسد الغابہ لابن اثیر جلد ۳ صہ ۲۱۶ نیز دیکھئے طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۱۳۰۔ [2] کنز العمال جلد ۶ صہ ۸۲

کے پاس گئے اور کہا چچا جان! اب تو سنگ باری ہونے لگی ہے کچھ کریں آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابان کے ساتھ چل دیئے ابان روایت کرتے ہیں

اتیت علیا فقلت یا عم قد کثرت علینا الحجارة فمشی معی فرماهم حتی فترت یده ثم قال یا ابن اخی اجمع موالیکم و من کان منکم بسبیل ثم لتکن هذه حالکم[1]

(ترجمہ) میں حضرت علی کے پاس آیا اور کہا اے چچا ہم پر بہت پتھر برس رہے ہیں سو آپ میرے ساتھ چلئے اور آپ نے ان کو بھی پتھر مارے یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ تھک گئے پھر آپ نے کہا میرے بھتیجے اپنے سب ساتھیوں کو اور جو تم میں سے یہاں ہیں جمع کر لو اور پھر اس اجتماعی قوت کیسا تھ ہو۔

حضرت جبیر بن مطعم بھی حضرت علی کے پاس آئے اور شکایت کی کہ اب تو باغیوں نے پانی بھی بند کر دیا ہے وہ کہتے ہیں،

فدخلت علی علی فقلت ارضیت بهذا ان یحصر ابن عمک حتی والله ما یشرب الا من فقیر فی داره فقال سبحان الله او قد بلغوا به هذا الحال قلت نعم فعمد الی روایا ماء فادخلها الیه فسقاه[2]

(ترجمہ) سو میں حضرت علی کے پاس آیا اور کہا کیا آپ خوش ہیں کہ آپ کے چچا زاد بھائی کا محاصرہ رہے؟ بخدا آپ پانی بھی اس محتاج سے لے کر پیتے ہیں جو آپ کے گھر رہ رہا ہے آپ نے کہا پاک ہے خدا۔ کیا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے میں نے کہا ہاں' اس پر آپ پانی پلانے والے جانوروں کی طرف گئے اور انہیں آپ کے پاس پہنچایا اور آپ کے پانی پلانے کا انتظام کیا

شیخ عباسی قمی بھی لکھتا ہے:۔

مکشوف باد کہ عثمان بن عفان را مصریان در مدینہ محاصرہ کردند و منع آب از وے نمودند خبر بامیر المومنین علیہ السلام رسید آنجناب متغیر شدند و از برائے او آب فرستادند[3]

(ترجمہ) معلوم رہے کہ مصریوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا اور ان سے پانی روک لیا تو اس کی اطلاع حضرت علیؓ کو ملی آپ بہت پریشان ہوتے اور آپ کے لیے (حضرت عثمان کے لیے) پانی ارسال کیا۔

ایک دفعہ کی مدد نہیں آپ بار بار ان کی مدد کے لیے جاتے رہے اور باغیوں کو پیچھے ہٹاتے رہے۔

---

[1] انساب الاشراف للبلاذری جلد ۵ صہ ۸۰، و راجع کنز العمال ایضاً صہ ۳۸۹ من المجلد السادس [2] انساب الاشراف جلد ۵ صہ ۷۰، [3] منتہی الآمال جلد ۱ صہ ۲۲۵۔

اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو بھی آپ کی نصرت کے لیے بھیجا علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔

فقد حضر هو بنفسه مرارًا و طرد الناس عنه وانفذ اليه ولديه وابن اخيه عبد الله [1]

(ترجمہ) بیشک آپ خود بھی کئی دفعہ گئے اور لوگوں کو آپ سے ہٹایا اور آپ کے پاس اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین ، اور اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر کو بھیجا اور آپ کی مدد کے لیے کہا :-

وقد نهى على اهل مصر وغيرهم عن قتل عثمان قبل قتله مرارًا نابذهم بيده ولسانه وباولاده فلم يغن شيئا وتفاقم الامر حتى قتل [2] -

(ترجمہ) حضرت علی نے مصریوں اور دوسرے باغیوں کو حضرت عثمان کی شہادت سے پہلے کئی دفعہ حملے سے روکا انہیں اپنے ہاتھ سے اپنی زبان سے اور اپنے بیٹوں کے ذریعے کئی دفعہ نکالا اور معاملہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے ۔

نہج البلاغہ کے دوسرے شارح ابن میثم بحرانی سے بھی سنیئے :-

لم ينقل عن على فى امر عثمان الا انه لزم بيته واعتزل عنه بعد ان دافع عنه طويلاً بيده وبلسانه فلم يمكن الدفع [3]

(ترجمہ) حضرت عثمان رضؓ کے معاملہ میں حضرت علی سے سوائے اس کے کچھ منقول نہیں کہ آپ اپنے گھر میں تب بیٹھے اور کنارہ کش ہوئے جب آپ مدتوں حضرت عثمان کا دفاع کرتے رہے زبان سے بھی اور ہاتھوں سے بھی اور آپ انہیں نہ بچا سکے ۔

ابو محمد انصاری کہتا ہے :-

شهدت عثمان فى الدار والحسن بن على يضارب عنه فخرج الحسن فكنت فيمن حمله جريحًا ۔

(ترجمہ) میں نے سانحہ دار میں دیکھا حضرت حسن آپ کا دفاع کر رہے تھے آپ زخمی ہو گئے تھے اور میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے حضرت حسن کو زخمی ہونے کی حالت میں اٹھایا ۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد ۱۰ ص ۵۸۱ [2] ایضاً جلد ۱۴ ص ۱۶۱ ایران ۔ [3] شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۳۵۴ ۔

سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ

زمیں سے عرش تک مہکا ہوا ہے لاشعور اُس کا
فرشتوں کی عبادت سے مقدس ہے غرور اُس کا

شجاعت کی لکھی جائے گی جب تاریخ دُنیا میں
تو سب ناموں سے پہلے نام آئے گا ضرور اُس کا

شہادت چومتی ہے جب کسی غازی کی آنکھوں کو
نظر آتا ہے لہراتا ہُوا بے خوف نُور اُس کا

کہی تھی میں نے اُسکی منقبت عرصہ ہوا لیکن
ابھی تک تیرتا پھرتا ہے آنکھوں میں سرور اُس کا

نگاہوں میں اُمڈ آتی محبت کی خوشی انجم
لبوں پر نام جب لاتے تھے محفل میں حضورؐ اُس کا

حضرت علی اور خوارج
حق و باطل کا پہلا معرکہ

علامہ خالد محمود صاحب

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اٹھنے والے جہاں اور بہت سے فتنوں کی خبر دی وہاں آپ نے ایک ایسے گروہ کی بھی خبر دی جو اسلام لانے کے بعد اسمیں ٹیڑھی راہ (الحاد) چلے گا ان کے ہاں اعمال کے نقشے تو بہت اونچے ہوں گے عملی ریاضت میں کمی نہ ہو گی ۔لیکن ایمان ان کے دلوں میں نہ اترتا ہو گا۔

حضرت امام بخاری ؒ نے قرآن کریم یہ آیت انہی پر منطبق کی ہے :-

ماکان اللہ لیضل قوماً بعد اذ ھداھم حتی یبین لھم ما یتقون (پ سورہ التوبہ ع۴ آیت ۱۱۵)

(ترجمہ) اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو انہیں ہدایت دینے کے بعد گمراہ ہونے دے جب تک ان پر وہ امور کھول نہ دے جن سے انہیں بچنا ہے

اسمیں اشارہ دیا گیا ہے کہ مسلمان جب تک ان قواعد کی پابندی کریں جن سے ان کے دین کی سلامتی رہے وہ گمراہ نہ ہوں گے لیکن اگر وہ خود ان قواعد کو چھوڑ دیں تو وہ مسلمان ہونے کے بعد پھر سے گمراہ ہو سکتے ہیں اور اس سے انہیں فائدہ نہ پہنچے گا کہ وہ تو اسلام لائے ہوئے ہیں ۔یہ گو کفر عناد نہیں کفر الحاد تو ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری ؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا :-

یخرج فی ھذہ الامۃ قوم تحقرون صلوٰتکم مع صلوٰتھم یقرأون القرآن لایعداو حلوقھم [1]

(ترجمہ) مسلمانوں سے ہی ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے سامنے ہیچ سمجھو گے (وہ بڑے پختہ نمازی ہوں گے) وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ انکے حلق سے نیچے نہ اترے گا (دل میں ان کے نہ اترے گا)۔

یہ لوگ خلافت راشدہ کے آخری دور میں ابھرے یہ حضرت علی مرتضیٰ کے خلاف اٹھے حضرت علی ان سے کیسے نبٹے یہ حضرت علی کی سیرت کا ایک اہم باب ہے اور اس کے بغیر خلافت راشدہ کی تاریخ مکمل نہیں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۱۰۲۴۔

ہوتی یہ لوگ بہت عبادت گزار تھے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے اور اپنے اس عقیدہ کے باعث وہ ان آیات کو جو کفار کے بارے میں اتریں وہ گناہگار مسلمانوں پر منطبق کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان ملحدین کو بدترین مخلوق قرار دیا اور علماء اسلام نے ان پر حجت تمام کرنے کے بعد ان سے جہاد کا حکم دیا حضرت امام بخاریؒ لکھتے ہیں:۔

وكان ابن عمر يراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا إلى آيات نزلت في الكفار فجعلوها على المؤمنين [1]

(ترجمہ) اور حضرت عبداللہ بن عمر انہیں بدترین مخلوق بتلاتے تھے اور فرماتے یہ ان آیات کو جو کفار کے بارے میں اتریں مسلمانوں پر منطبق کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے اس پر یہ باب باندھا ہے:۔

باب قتال الخوارج والملحدين بعد اقامة الحجة عليهم

ان خوارج نے امام برحق خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی مرتضیٰ پر خروج کیا اور باقاعدہ ایک گروہ کی شکل اختیار کی اپنے علیحدہ عقائد ترتیب دیئے ان کے لیے استدلال تلاش کیے صحابہ نے ان کے جوابات دیئے وہ راہ راست پر نہ آئے اور حضرت علی نے بعد اس کے کہ حجت ان پر تمام ہوئی ان سے جنگ کی بیس ہزار کے قریب یہ اس جنگ (جنگ نہروان) میں مارے گئے۔

حضرت علی مرتضیٰ سے پہلے یہ حضرت عثمان کے خلاف اٹھے تھے یہودیوں کے گدیلے اسلام کی صفوں میں گھسے اور امام برحق خلیفہ راشد سیدنا حضرت عثمان کے خلاف خروج کیا حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

وقام في الناس معاوية وجماعة من الصحابة معه يحرضون الناس على المطالبة بدم عثمان ممن تكلم من اولئك الخوارج فيهم عبادة بن الصامت وابو الدرداء وابو امامة [2]

(ترجمہ) اور لوگوں میں معاویہ اور ان کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی اٹھے اور لوگوں کو ان خوارج سے خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے ابھارا جنہوں نے آپ کو شہید کیا تھا ان صحابہ میں حضرت عبادہ بن صامت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۱۰۲۴۔ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۲۲۷۔

حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوامامہ اور کئی اور صحابہ شامل تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خوارج کی ابتدا حضرت عثمان کے آخر دور خلافت میں ہو چکی تھی لیکن امام زمان نے صحابہ کو ان سے لڑنے کی اجازت نہ دی تھی پھر یہ لوگ ان دنوں اعمال اسلام میں بھی کہیں ممتاز نہ دیکھے گئے حضرت علی کے آخری دور میں یہ لوگ اعمال اسلام میں بہت شدت کرتے دیکھے گئے اور اب امام زمان نے ان کے خلاف جنگ کا حکم دے دیا اب یہ شبہ نہ رہا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں حضورؐ نے پیشگوئی کی تھی کہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترا ہوگا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی بھی حضرت علی پر منطبق ہوئی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا :۔

ان منکم من یقاتل بعدی علی التاویل کما قاتلت علی التنزیل[1]

(ترجمہ) بیشک تم میں ایسے بھی ہیں جو میرے بعد مرادات قرآنی کے تحفظ کے لیے اسی طرح میدان جہاد میں نکلیں گے جس طرح تنزیل قرآن (کی حفاظت) پر میں جہاد کرتا رہا ہوں۔

حضرت عثمان کے خلاف خروج کرنے والوں کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا اور حضرت علی کے دور میں اٹھنے والے خوارج کا سرغنہ عبداللہ بن وہب الراسبی تھا حضرت عثمان کے خلاف اٹھنے والے فیۃ باغیہ کے لوگ اب حضرت علی کی فوجوں میں گھس آئے تھے اور وہیں پناہ لے رہے تھے اور حالات ایسے قابو میں نہ تھے کہ آپ اسی وقت ان پر دار و گیر کریں۔

حضرت علی بصرہ میں جب حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے گفتگو کے لیے نکلنے لگے تو آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ آئے جو حضرت عثمان کے خلاف کسی درجہ میں بھی ملوث رہا ہو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور تک اور ان حدود تک یہ باغی لوگ ان صفوں (حضرت علی کی فوجوں) میں گھسے ہوئے تھے بعض علماء کہتے ہیں کہ ان باغیوں نے حضرت علی کے ساتھی حضرت عمار بن یاسر (۳۷ھ) کو محض اس لیے قتل کیا کہ ان کی لاش کو امیر معاویہؓ کے فوجی علاقے میں ڈال کر حضرت معاویہ کی فوجوں کو فئہ باغیہ کہنے کی راہ ہموار کی جاسکے اور اس طرح باغی گروہ کا لفظ ان سے ہٹ کر اہل شام پر آجائے اور یہ اس لیے کہ یہ حدیث ان دنوں مسلمانوں کو معلوم تھی۔

یا عمار تقتلک الفئة الباغیة[2] ۔ کہ اے عمار تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

---

[1] تہذیب الاحکام جلد ۱ صہ ۲۵۰ جلد ۲ صہ ۳۶ مسند امام احمد جلد ۳ صہ مشکل الآثار امام طحاوی [2] جامع ترمذی ج ۲ صہ ۵۸۲

ایک روایت: حضرت عمار کے قاتل باغی نہیں ہیں۔ اور یہ بات کہ انہیں کن لوگوں نے مارا ہے اسی وقت مختلف فیہ اختلافی ہو گئی تھی۔ اور دونوں طرف سے استدلال ہونے لگا تھا۔

ہمیں اس وقت خوارج کی سیاسی سطح سے بحث نہیں نہ اسوقت یہ محاکمہ پیش نظر ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے اختلافات کیا تھے اور انہوں نے کیا کیا صورت اختیار کی اسوقت صرف یہ بتلانا ہے کہ خوارج اپنی باضابطہ شکل میں حضرت علی کے آخری دور خلافت میں ابھرے اور انہوں نے معاً ایک الگ باغی فرقے کی صورت اختیار کر لی۔

حضرت علی کی شخصیت اپنی ذات میں ایک جماعت تھی جس نے مختلف گروہوں اور افراد کے مقابل اپنا تشخص قائم رکھا آپ کی ہر سامنے آنے والے کے ساتھ پنجہ آزمائی رہی اور اپنے موقف اور دین کو آپ نے کسی مصلحت سے گدلا نہ ہونے دیا۔ متوازی تحریکات چلتی رہیں اور یہ استقامت کا پہاڑ ہر مرحلے میں غیر متزلزل رہا تاہم مندرجہ ذیل گروہ آپ کی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بالمقابل آپ کا ایک ایک موقف تھا

باغیوں کے بالمقابل حضرت عثمان رضؓ کے خلاف اٹھنے والے باغی جنہوں نے وحدت اسلامی اور نظام خلافت کو تار تار کیا اور حضرت عثمان کو شہید کیا یہ لوگ پہلی دفعہ ضبط و نظم کے جھنڈے سے باہر نکلے۔ ایک یہودی، عبداللہ بن سبا ان کا مرکزی کردار تھا انہیں سبائی کہا جاتا ہے۔

حضرت علی رضؓ نے ان کی مخالفت کی ان کے خلاف حضرت عثمان کے پہرے دیئے اور حضرت حسن اس پہرہ داری میں زخمی ہوئے سبائیوں نے بار بار پراپیگنڈا کیا کہ علیؓ ان کے ساتھ ہیں مگر حضرت علی نے ہمیشہ ان باغیوں سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے بالمقابل۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر ایک مجلس مفاہمت کے لیے بصرہ آئے حضرت ام المومنین بھی صحابہ میں مفاہمت پیدا کرنے کے لیے تشریف لائیں کہ شاید دونوں گروپوں کو ایک کیا جا سکے لیکن عراقی صفوں میں سبائی اس طرح گھسے ہوئے تھے کہ انہوں نے سازش کر کے مجلس مفاہمت کو جنگ جمل میں بدل دیا فانا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت علی رضؓ نے فتح کے بعد ان میں سے کسی کو مجرم نہیں گردانا حضرت ام المومنین کی سابقہ حرمت کا اعلان فرمایا اور حضرت زبیر رضؓ کے قاتل کو جہنمی ہونے کی بشارت دی۔

۳. حضرت معاویہ کے بالمقابل

حضرت معاویہ نے حضرت علی کی خلافت تسلیم کرنے کو قصاص عثمان لینے سے مشروط کیا تھا اور حضرت علی کو بلاشرط خلیفہ نہ مانا تھا آپ نے اپنے لیے بھی خلافت کا اعلان نہ کیا تھا آپ حضرت عثمان کے مقرر کردہ گورنر کی حیثیت سے کام کرتے رہے آپ نے حضرت علی کے خلاف چڑھائی نہ کی حضرت علی ان کے خلاف جنگ صفین میں نکلے لیکن آپ نے بھی ان سے کفر و اسلام کا اختلاف نہ کیا صرف یہ کہا اخواننا بغوا علینا۔ یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے سرکشی کی ہے سو حضرت علی کا ان سے بھی دینی اختلاف نہ تھا۔

۴. خوارج کے بالمقابل

حضرت امیر معاویہ کے مقابل یہ حضرت علی کی جماعت کے آدمی تھے جو واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی سے پھر گئے یہ جسطرح امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص کے خلاف تھے اب حضرت علی کے بھی خلاف ہو گئے اور اب یہ لوگ ان تینوں کو قتل کرنے کے منصوبے باندھنے لگے۔ ان کا آپ سے اختلاف اب واقعی دینی اختلاف تھا ان سے حق و باطل کا معرکہ تھا آپ نے جنگ نہروان انہی کے خلاف لڑی

خوارج وہ نہیں جو صرف حضرت علی اور ان کی اولاد کو برا کہیں خوارج حضرت علی حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص تینوں کو یکساں اسلام سے باہر سمجھتے تھے ان کی مخالفت کرتے تھے اور انہیں مباح الدم والمال یقین کرتے تھے ان کا امتیازی عقیدہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے باہر نکل جاتا ہے وہ عزائم اعمال کو ایمان کا جزو سمجھتے تھے اور ایسا جزو سمجھتے تھے کہ ان کا تارک ان کے ہاں کافر سمجھا جاتا تھا انکا اعمال کو یہ وزن دینا اہل سنت کے نزدیک درست نہ تھا سنی خارجی اختلافات اسی مسئلہ سے چلے اور دنیا کے بعض علاقوں میں اب تک اس اعتقاد کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

خوارج کی ابتدار کیسے ہوئی

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین جنگ صفین تحکیم پر ختم ہوئی اس بات پر کہ فریقین ایک ایک حَکَم نامزد کریں اور وہ دونوں حکم جو فیصلہ کر دیں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو حضرت علی کی طرف سے حضرت ابوموسی اشعریؓ (۵۲ھ) اور امیر معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص (فاتح مصر) حَکَم ٹھہرے حضرت علی کے لشکر میں ایک فیئہ باغیہ (جنہوں نے حضرت عثمان کے خلاف خروج کیا تھا) موجود تھی اس نے صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا اور حضرت علی کے مخالف ہو گئے اعلان کیا کہ حضرت علی نے انسانوں کو حکم مان کر قرآن کے

فرمان ان الحکم الا للہ کی مخالفت کی ہے اور کفر کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے حضرت علی کو کافر ٹھہرایا وہ کہا کہ انسان گناہ کبیرہ کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اور اسلام کی صف سے نکل جاتا ہے ان عقائد سے انہوں نے ایک علیحدہ فرقے کی شکل اختیار کی حضرت علی کی تکفیر اور گناہ کبیرہ سے کفر لازم کرنا ہی ان کے امتیازی عقائد تھے۔

حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا ان الحکم الا للہ بیشک کلمہ حق ہے لیکن تم اس سے جو مراد لے رہے ہو وہ مراد الٰہی نہیں ہے تمہارا نعرہ تحکیم کلمۃ حق لیرید بھا الباطل کا مصداق ہے انسان قرآن پاک کے حکم سے فیصلہ دیں تو یہ غیر اللہ کو حکم بنانا نہیں قرآن کریم کی طرف سے آخر کسی ترجمان نے ہی تو کلام کرنا ہے کتاب خود تو نہیں بولتی اس کی طرف سے انسان ہی بولتے ہیں آپ نے انہیں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی مگر جاتے کو جگانا نہایت مشکل تھا شریف رضی (۴۰۴ھ) نقل کرتا ہے آپ نے خوارج کے جواب میں فرمایا:-

انا لم نحکم الرجال وانما حکمنا القرآن ھذا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین لا ینطق بلسان ولا بد لہ من ترجمان وانما ینطق عنہ الرجال [1]

(ترجمہ) ہم نے انسانوں کو حکم نہیں بنایا ہم نے (حقیقت میں) قرآن کو ہی حکم بنایا ہے اور یہ قرآن لکھا ہوا دو تختیوں میں ہے خود نہیں بولتا اس کے لیے کوئی ترجمان چاہیئے اور سوائے اس کے نہیں کہ اس کی طرف سے انسان ہی بولیں گے۔

فیصلے کے لیے حکم مقرر کرنے کی قرآنی نظائر۔

حضرت عبداللہ بن عباس حضرت علی کی طرف سے خوارج سے مناظرہ کے لیے مناظر مقرر ہوئے آپ نے قرآن کریم سے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فریقین سے رفع نزاع کے لیے فریقین سے ایک ایک حکم مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔ خاوند بیوی میں اختلاف پل نکلے تو فریقین سے ایک ایک حکم لے لو وہ دونوں مل کر ان میں تصفیہ کر دیں ارشاد ہوتا ہے:-

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا پ النساء ع ۶ آیت ۳۵

(ترجمہ) اور اگر تمہیں ان دو میں (خاوند بیوی میں) مخالفت کا اندیشہ ہو تو ٹھہرا کر دو ایک حکم منصف (خاوند

کے گھر والوں سے اور ایک بیوی کے گھر والوں سے۔ اگر یہ دونوں چاہیں کہ ان میں اصلاح ہو جائے تو اللہ موافقت پیدا کر دے گا ان دونوں میں ـــ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

آپ غور کریں کیا قرآن کریم نے نزاع زوجین کے رفع کرنے کے لیے یہاں دو انسانوں کو حکم ٹھہرانے کی تجویز نہیں کی؟ کیا یہ غیر اللہ کے فیصلے کے آگے سر جھکانا ہے؟ کیا قرآن یہاں ان الحکم الا للہ (پ۱۲ یوسف) کے خلاف کرنے کا حکم دے رہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ دونوں حکم (ثالث) اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہی عملی تشکیل کریں گے انہیں اس لیے حکم بنایا کہ یہ عدل وانصاف کے ساتھ ارادہ الٰہی کو عمل میں لائیں حقیقۃً قرآن کو ہی حکم بنانا ہے حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے اور امیر معاویہ کے مابین پیدا شدہ نزاع میں اگر دو انسانوں کو حکم مان لیا تو کیا جرم کیا ہے؟

پھر ایک اور موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے:۔

یحکم بہ ذوا عدل منکم ھدیا بالغ الکعبۃ ـ پ المائدہ ع ۱۳ نمبر ۹۵

(ترجمہ) حکم لگائیں دو معتبر آدمی تم میں سے (کہ وہ جانور اس کے برابر کا ہے جسے بحالت احرام شکار میں مارا تھا) یہ جانور بطور نیاز پہنچایا جائے کعبہ تک۔

قرآن کریم نے احرام کی حالت میں شکار کرنے سے منع کیا ہے جو قصداً ایسا کرے اسے ویسا جانور اب بطور نیاز کعبہ کو بھیجنا ہے یہ بھیجا جانے والا جانور (ہدی) ویسا ہی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں۔

کیا قرآن کریم نے یہاں قرآنی حکم کی عملی تشکیل دو انسانوں کی تحکیم سے نہیں کی؟ کیا یہ آیت ارشاد قرآنی ان الحکم الا للہ کے خلاف ہے؟ ہرگز نہیں قرآن پاک کی طرف سے انسان ہی بولتے ہیں سو حضرت علی مرتضیٰ نے واقعہ صفین کے فیصلہ کیلئے اگر دو انسانوں کو حکم مانا تو کونسا جرم کیا ہے؟

خوارج کا عجز اور ضد

خوارج حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس جواب سے عاجز آگئے اور بجائے اس کے کہ اس حق بات کو مان لیتے کہ واقعہ تحکیم میں غیر اللہ کے آگے جھکنا نہیں حکم الٰہی کی ہی تعمیل ہے الٹے گویا ہونے کہ اچھا اگر ان دو آدمیوں کو حکم مانا تھا تو پھر ان کا فیصلہ کیوں تسلیم نہ کیا حضرت علی کو خلافت سے ہٹانے میں وہ دونوں متفق تھے اور حضرت معاویہ کو خلافت سے ہٹانے کا یوں سوال پیدا نہ ہوا کہ وہ اپنے لیے خلافت کے مدعی ہی نہ تھے کہ انہیں خلافت سے ہٹایا جاتے۔ ہٹایا اسے جاتا ہے جو پہلے اس منصب پر ہو۔

اس کا جواب دینے سے پہلے ایک اور بات غور طلب ہے قرآن کریم کی اتنی کھلی آیات کہ رفع نزاع باہمی کے لیے انسانوں کو حکم بنانا حکم الٰہی کے خلاف نہیں کیا یہ بات ان خارجیوں کو سمجھ میں نہ آرہی تھی وہ اتنی کھلی بات کو کیوں سمجھ نہ پائے: کیا ان الحکم الا للہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے میں وہ دل سے بدنیت تھے یا وہ نیک نیتی سے اس تحکیم کو فیصلہ خداوندی کے خلاف سمجھتے تھے۔ ان کا ظاہری تقویٰ و تصلب اور عزائم اعمال پر پختگی اس تصور کو راہ دیتی ہے کہ وہ کسی بڑی غلط فہمی میں گھرے تھے۔

خوارج کی غلط فہمی کی اساس

معلوم ہوتا ہے کہ ان باغیوں میں اصل محرک وہ لوگ تھے جو پہلے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں ملوث رہے تھے اور پھر یہ حضرت علیؓ کی فوجوں میں گھس آئے تھے ان سبائیوں کے نزدیک حضرت علیؓ مامور من اللہ امام تھے اب ظاہر ہے کہ خدائی فیصلے پر کسی انسان کو حکم ماننا کسی طرح جائز نہیں ہوگا اور ایسا کرنا بیشک کفر ٹھہرتا ہے خاوند بیوی کے معاملے میں کسی کو حکم بنانا اس لیے جائز ہے کہ اسمیں پہلے سے کوئی قطعی فیصلہ خداوندی موجود نہیں ہوتا احرام میں شکار کے بدلہ میں جانور برابر کا ہے یا نہیں اسمیں پہلے سے کوئی فیصلہ موجود نہیں لیکن امامت علی مرتضیٰ ان سبائیوں کے ہاں ایسی قطعی تھی کہ اب اس پر جائز نہ تھا کہ کسی انسان کو حکم مان لیا جائے سو یہ تحکیم ان کے ہاں واقعی ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ تھی سبائی عقیدہ کی روشنی میں تحکیم پر ان کی برہمی اور پریشانی حق بجانب تھی۔

حضرت علی کا اسے قبول کرنا بتلاتا ہے کہ وہ اپنے لیے کسی آسمانی حق امامت کے مدعی نہ تھے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کی اکثریت انہیں ایک بزرگ صحابی اور چوتھا خلیفہ راشد سمجھتی تھی مامور من اللہ امام نہ سمجھتی تھی جو لوگ انہیں مامور من اللہ سمجھتے تھے وہ تحکیم کے بعد آپ سے الگ ہوگئے تھے یہی لوگ اب خوارج کہلائے۔ سو خوارج دراصل شیعیت کی ہی ایک دوسری شکل تھی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب ان سے پوچھا ما الذی نقمتم علی امیر المومنین۔ تم امیر المومنین کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا:-

فلما حکم فی دین اللہ خرج من الایمان فلیتب بعد اقرارہ بالکفر نعد لہ [1]

---

[1] نقلہ المبرد فی الکامل

(ترجمہ) جب آپ نے اللہ کے دین میں انسانوں کو حکم مان لیا تو آپ امامت کیا، ایمان سے ہی نکل گئے ہیں آپ کو اپنے کفر کا اقرار کر کے اس سے توبہ کرنا چاہیئے ہم آپ کی حمایت میں پھر آجائیں گے

یہ لوگ ان لوگوں سے گنتی میں بہت کم تھے جو حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد مانتے تھے قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) لکھتا ہے :۔

اکثر اہل آں زماں را اعتقاد آں بود کہ امامت حضرت امیر مبنی بر امامت ایشاں است و فساد امامت ایشاں را دلیل فساد امامت اومے دانند [1]

(ترجمہ) اس زمانہ میں اکثریت اسی عقیدے کی تھی کہ حضرت علی کی امامت پہلے خلفاء کی ہی امامت پر مبنی ہے اور اگر ان کی امامت درست نہ ہو تو اس سے وہ ان کی امامت کو بھی فاسد سمجھتے تھے

ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) بھی لکھتا ہے :۔

جمعے از راویاں کہ در اعصار ائمہ بودہ اند از شیعاں اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار مے دانستہ اند و مع ذلک ائمہ حکم بایمان بلکہ بعدالت ایشاں مے کردہ اند [2]۔

(ترجمہ) جو رواۃ حدیث ان اماموں کے دور میں شیعان علی میں سے تھے وہ ائمہ کے معصوم ہونے کے قائل نہ تھے انہیں صرف صالح علمائے دین سمجھتے تھے اس کے باوجود ائمہ انہیں نہ صرف مومن قرار دیتے بلکہ ان کے عادل ہونے کا فیصلہ بھی دیتے تھے

اس تفصیل کی روشنی میں یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی کے بارے میں یہ تحکیم سے علیحدہ ہونے والے لوگ پہلے سے غلط عقیدہ پر تھے ورنہ تحکیم کے موضوع پر انہیں کوئی برہمی نہ ہوتی اسمیں ہرگز کوئی پیچیدگی نہ تھی انہوں نے خواہ مخواہ حضرت علی کی تکفیر کی یہ پہلا رخنہ تھا جو اسلامی عقائد کی دیوار میں پڑا اس سے پہلے سیاسی اختلاف تو رہے لیکن آپس میں کوئی دینی اختلاف نہ تھا۔

جب یہ لوگ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے لاجواب ہوئے تو کہنے لگے انہ قد حکم علیہ فلم یرض کہ حکمین نے جب ان کے خلاف فیصلہ دیا ہے تو انہوں نے اسے مانا کیوں نہیں؟ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس

---

[1] مجالس المومنین جلد اول صہ ۴۵۔ [2] حق الیقین صہ ۶۲۹ ایران۔

نے فرمایا:۔

ان الحکومة کالامامة ومتی فسق الامام وجبت معصیتہ وکذلک الحکمان لما خالفا نبذت اقاویلھما [1]

(ترجمہ) بیشک حکم بننا امام بننے کی طرح ہے جب امام غلطی کرے تو اس کی نافرمانی واجب ہوجاتی ہے اور اسی طرح جب حکم اختلاف کریں تو ان کی باتیں لائق رد ہوجائیں گی۔

ارتکاب کبیرہ سے کفر کا لزوم

گناہ کبیرہ ہوجانے تو اس سے انسان کافر نہیں ٹھہرتا خوارج نے عزائم اعمال پر اسقدر زور دیا کہ مرتکب کبیرہ کو کافر ٹھہرانے لگے اپنے دعوے کے اثبات میں انہوں نے متشابہات سے تمسک کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ایسے اعمال بتائے تھے جن کے مرتکب کو آپ امت میں رکھنے کے لیے راضی نہ تھے آپ نے ان کے لیے فلیس منا (ایسا شخص ہم میں سے نہیں) وغیرہ کے سے الفاظ استعمال فرماتے خارجیوں نے ان لوگوں کے باضابطہ کافر ہونے کا اعلان کردیا اور وہ سمجھنے نہ پائے کہ زجر و توبیخ کے موقعہ پر ایسے الفاظ تو ہوتے ہیں۔ لیکن ان سے کسی کے کافر ہونے کا اعلان نہیں ہوتا مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا خوب لکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز تکلم وخطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لیس منا وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو ان موقعوں پر آپ استعمال فرماتے جہاں صریح وقطعی کفر کی جگہ سے بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا ہوتا تھا عام معاصی وفسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی [2]

حضرت امام بخاریؒ نے کفر دون کفر کا باب باندھ کر کئی ایسے اعمال بتلائے ہیں جن کا ارتکاب کفر ہے مگر کرنے والے کو کافر نہیں کہا گیا ایسے مواقع پر جو احادیث صادر ہوئیں انہیں ان کے ظاہر پر رکھنا چاہیئے ان میں تاویل نہ کرنا چاہیئے ورنہ شارع علیہ السلام کا مقصد ان امور سے نفرت دلانے کا پورا نہ ہوگا لیکن ان سے بڑھ کر ایسے لوگوں کو کھلا کافر قرار دینا اور اس پر کافر کے احکام جاری کرنا یہ ہرگز مراد شارع نہ تھا بس آپ نے جتنی بات کہی اسے اسی درجے میں رکھو خوارج اس سے آگے بڑھے اور مسلمانوں کو ارتکاب کبیرہ پر کھلا کافر قرار دیا حضرت علی رضؓ

---

[1] الکامل للمبرد۔ [2] خلافت صہ ۱۲۶۔

نے انہیں سمجھانے کے لیے جو خطبہ دیا افسوس کہ اس کے الفاظ ان کے کانوں سے ٹکرا کر ان کے دلوں میں نہ اتر سکے۔

قد علمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجم الزانی المحصن ثم صلی علیہ ثم ورثہ اھلہ وقتل القاتل وورث میراثہ اھلہ وقطع السارق وجلد الزانی غیر المحصن ثم قسم علیھما من الفیٔ ونکحا المسلمات فاخذھم رسول اللہ بذنوبھم واقام حق اللہ فیھم ولم یمنعھم سھمھم من الاسلام ولم یخرج اسماءھم من بین اھلہ ثم انتم شرار الناس [1]

(ترجمہ) تم جانتے ہو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانی پر رجم کی حد جاری کی (مگر) اس گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور اس پر سزا پانے کے باوجود آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے وارثوں کو اس شخص کا وارث ٹھہرایا۔ آپ نے قاتل کو اس کے جرم قتل میں قتل (کرنے) کا حکم دیا اور اس کے وارثوں کو اس کی وراثت دی چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور غیر شادی شدہ زانی کو کوڑے لگوائے اور پھر ان دونوں کو فیٔ سے حصہ دیا اور ان دونوں نے مسلمان عورت سے نکاح بھی کیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے جرموں پر پکڑا بھی اور اللہ کے حکم ان پر جاری فرمائے اور اسلام جو حق ان کو دیتا تھا اس سے انہیں محروم نہ کیا اور ان کے ناموں کو مسلمانوں سے نہ نکالا۔ پھر (ان کو کلیتہً کافر قرار دے کر) تم بیشک بدترین لوگ ہو۔

سیدنا حضرت علی رض کے ان دلائل کا خوارج کے پاس کوئی جواب نہ تھا یہ لوگ اپنی حمایت میں متشابہات حدیث سے استدلال کرتے رہے اور عزائم اعمال کے ترک کرنے والے کو کھلم کھلا کافر قرار دیتے رہے حالانکہ کسی حدیث میں عزائم اعمال کے تارک کو صریح لفظوں میں کافر کہا گیا تھا یہ لوگ سیاسی جوش میں ایسے لوگوں کو کافر کہتے رہے اور جو طالع آزما اپنے سامنے کسی کو سست یا خاموش دیکھتا بڑے جوش تقویٰ سے اس پر کافر کا لفظ اتار دیتا ان کا زیادہ تمسک اس قسم کی روایات سے تھا۔

من ملک زاداً او راحلة تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیا او نصرانیا [2]

(ترجمہ) جس کے پاس زاد راہ ہو یا سواری ہو جو اسے مکہ پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو اس پر

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ صہ ۸ [2] مشکوٰۃ صہ ۲۲۲۔

مزید کوئی حکم نہیں کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا عیسائی ہوکر۔

جواب۔ اس حدیث میں اس شخص کی ایسی حالت کا بیان ہے جس میں وہ کفر کے انتہائی قریب ہوچکا ہے۔ اب وہ عام معاصی اور فسوق کے دائرہ میں نہیں ایسے خطرناک مقام پر پہنچ چکا ہے جس کی اگلی منزل کفر ہے تاہم اس میں اس کے لیے صریح طور پر کافر ہونے کا حکم وارد نہیں ثانیاً اس روایت کی سند میں کلام ہے اسمیں ایک راوی ہلال بن عبداللہ ہے جو مجہول ہے اسمیں حارثہ بھی ہے جسے ضعیف کہا گیا ہے امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے اس پر جرح کی ہے ظاہر ہے کہ عقائد کی بحثوں میں اس قسم کی روایات سے استدلال درست نہیں ہوتا سیاسی لوگ اس قسم کی روایات سے اپنے سامنے کی خاموش صفوں پر بڑے آرام سے کافر ہونے کا فیصلہ اتار دیتے ہیں مگر علمی سطح پر یہ بات درست نہیں ہوتی عمل بڑے سے بڑا ہو اسے ایمان کا الساجز و قرار دینا کہ نہ کرنے والے کو صریح طور پر کافر کہا جائے یہ صرف خوارج کا فیصلہ ہے اہل حق اس عقیدہ سے پاک اور محفوظ ہیں بڑے سے بڑے گناہگار پر حکم صادر نہیں کرتے کہ اب وہ کافر ہوچکا ہے۔

باب مدینۃ العلم

شہرِ علم کا دروازہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ :۔

قریش عرب کی اشرف ترین شاخ بنو ہاشم کے فردِ عظیم، حضرت ابو طالب کے فرزند ارجمند سرکارِ دو عالمؐ کے چچا زاد بھائی اسلام کے پہلے نونہال، شبِ ہجرت کے جاں باز ساتھی، داماد رسولؐ، زوجِ بتولؓ حسنین کے والد ماجد چوتھے خلیفہ راشد سیدنا و سندنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وکرم اللہ وجہہ الکریم نہ صرف میدانِ شجاعت میں فاتحِ خیبر قاتلِ مرحب اور اسد اللہ الغالب شیرِ خدا تھے بلکہ علوم اسلامی کی تاریخ میں علم و عرفان کے محراب بھی بکمال رفعت و احترام آستانہ مرتضوی پر جھکے دکھائی دیتے ہیں انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ از روئے اسناد قابلِ اعتماد ہو یا نہ لیکن جہاں تک حقیقتِ حال کا تعلق ہے حضرت علی مرتضیٰؓ واقعی باب مدینۃ العلم تھے۔

تشنگانِ علومِ اسلامی جب شہرِ علم کا رُخ کرتے ہیں تو چاروں طرف علم کے دروازے دکھائی دیتے ہیں کہیں فقیہ الامت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا دروازہ ملتا ہے تو کہیں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دروازہ نظر آتا ہے ایک طرف حضرت علی کے دروازے سے علم و عرفان کے چشمے پھوٹتے ہیں تو دوسری طرف سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے دروازے سے علوم نبوت کا فیضان جاری ہے۔ شہر کوئی مکان نہیں ہوتا کہ اس کا ایک ہی دروازہ ہو انسانی تمدن کی تاریخ میں جہاں بھی شہر ملتا ہے اس کے دروازے چاروں طرف کھلے دکھائی دیتے ہیں۔ سب صحابۂ کرامؓ آفتاب نبوت کے روشن ستارے ہیں لیکن علوم نبوت کا رفیع و وسیع شہر جن چاروں دروازوں سے ممتاز ہے ان میں مکہ معظمہ کی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دروازہ کھلتا ہے تو مدینہ منورہ کی طرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ دکھائی دیتے ہیں کوفہ کی علمی مسند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے دم سے آباد نظر آتی ہے۔

جس طرح اسلامی اجتہاد کے دروازے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ذات قدسیہ ہیں۔ اسی طرح شریعت اسلام کے اساسی علوم حضرات عبادلہ ثلاثہ اور سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کے چار دروازوں سے میسر آتے ہیں اور ان حضرات کو جب خود کوئی مرحلہ درپیش ہو تو پھر حلیبۂ حبیب خُدا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا آستانہ کافی سمجھا جاتا تھا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

علمائے اصول نے علم الاسلام کے ماخذ چار بتلائے ہیں اور شریعتِ اسلامیہ کی معرفت انہی چار بنیادوں (Sources) پر مبنی ہے۔ قرآن، سُنت اجماع اہل الرائے اور اجتہاد واستخراج۔

آں حضرت ختمی مرتبتؐ کے ان چار ماخذوں (Sources) کے سوا اخذ شریعت کا اور کوئی طریق نہیں کسی شخص کا باطنی انکشاف، وجدان، الہام اور مکاشفہ اثبات شریعت کا ذریعہ نہیں بن سکتا اسی لئے اکابرِ سلام نے تصریح کردی ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت میں کشف ولی ہرگز کسی پر حجت نہیں پس جب علم سلام کے یہی چار ماخذ ہیں تو اسلام کی سچی تڑپ رکھنے والوں کے لئے ان چار ماخذ کے متعلق باب مدینۃ العلم سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کے نظریات اور ارشادات کی معرفت ازبس ضروری ہے اس مختصر سی مجلس میں آج اسی موضوع پر کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

قرآن کریم اور سیدنا علی مرتضیٰؓ

حضرت علی مرتضیٰؓ کا ایمان اسی قرآن کریم پر تھا جس پر دوسرے صحابۂ کرامؓ کا ایمان تھا یہ بات غلط ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ قرآن کی تلاوت نزول کے مطابق کرتے تھے اور یہ کہ ان کا قرآن (معاذاللہ) ترتیب نزول کے مطابق مرتب تھا۔ اسلام کے اس دورِ اوّل میں اگر واقعی دو قرآن ہوتے (ایک ترتیب نزولی کے مطابق اور دُوسرا ترتیب رسُولی کے مطابق) تو جنگ صفین میں مسلمانوں کے دو متحارب گروپ کبھی ایک کتاب اللہ کے آگے ہتھیار نہ ڈالتے، حضرت امیرِ معاویہؓ کی طرف سے جو قرآن بلند کئے گئے تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کے عقیدے میں اگر وہ اصلی اور حقیقی قرآن نہ ہوتے تو وہ اپنے ساتھیوں کی مرضی کے خلاف کبھی جنگ بند کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے وہ اصلی اور حقیقی قرآن ہی تھے جنہیں حضرت علی مرتضیٰؓ نے جنگِ صفین میں اپنا فیصل تسلیم کیا تھا۔

خود فرماتے ہیں کہ

انا لم نحکم الرجال و انما حکمنا القرآن وھذا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین لا ینطق بلسان ولا بد لہ من ترجمان وانما ینطق عنہ الرجال ولما دعانا القوم الی ان نحکم بیننا القرآن لم سبحانہ (فان تنازعتم فی شیی فردوہ الی اللّٰہ والرسول) فردہ الی اللّٰہ ان نحکم بکتابہ وردہ الی الرسول ان ناخذ بسنتہ۔ ——— (نہج البلاغۃ جلد ۲ صٓ ۸ مطبوعہ مصر)

"ہم نے لوگوں کو اپنا حکم نہیں بنایا بلکہ قرآن کو اپنا حکم نہیں بنایا اور قرآن یہی ہے جو دو گتوں کے درمیان لکھا ہوا ہے لیکن یہ کتاب از خود نہیں بولتی اسے ترجمان کی ضرورت ہے اس کے بیان کرنے والے انسان ہی ہو سکتے ہیں ہمیں جب قوم نے اس طرف بلایا کہ ہم قرآن کو اپنا فیصل مان لیں تو ہم ایسا فریق نہ بنے جو کتاب اللہ سے منہ پھیرے اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جب تم میں کوئی اختلاف ہو جائے تو فیصلے کے لئے اپنا موضوع خدا اور رسول کی طرف لوٹاؤ خدا کی طرف لوٹانا یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فیصلہ حاصل کریں۔"

ڈاکٹر اقبال مرحوم سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور اپنے سفیر ایران میں جب مشہد پہنچے تو وہاں کے رضوی کتب خانے میں انہوں نے قرآن کریم کا ایک قلمی نسخہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا وہ سورۂ ہود سے تا آخر سورۂ کہف تھا چمڑے پر لکھا ہوا تھا، کوفی رسم الخط تھا اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق تھا ایک اور کامل نسخہ حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا بھی وہیں موجود تھا اور وہ بھی موجودہ ترتیب کے عین مطابق تھا۔ آخر میں یہ لکھا تھا کتبہ حسن بن علی بن ابی طالب فی سنہ احدی واربعین (دیکھئے اورنٹیل کالج میگزین ۱۹۳۵ء صٓ ۱۰۲)

حضرت امام محمد باقرؒ نے ایک دفعہ ابان بن میمون القداح کو قرآن پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا حضرت نے فرمایا "نویں سورت پڑھو" ابان کہتے ہیں میں قرآن دیکھنے لگا، اس پر آپ نے فرمایا۔ اقراء من سورۃ یونس۔ سورت یونس میں سے پڑھو۔

اصول کافی مع الصافی جزو ۶ صٓ ۷۱۔ (نویں سورت)

سورۂ فاتحہ (جو قرآن کریم کا دیباچہ ہے) اسے چھوڑ کر سورہ یونس قرآن کی نویں سورت ہے اور یہ وہی ترتیب ہے جو ہمارے سامنے ہے ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ اہل بیت اسی قرآن کو کتاب الہیٰ سمجھتے تھے جو اس وقت ہمارے پاس محفوظ و موجود ہے۔

قرآن کریم کا نظام ہدایت

حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں :-

واعلموا انہ لیس علی احد بعد القرآن من فاقۃ ولا لاحد قبل القرآن من غنی فاستشفوہ من ادوائکم واستعینوا بہ علی لأوائکم فان فیہ شفاء من اکبر الداء وھو الکفر والنفاق والغی والضلال فاسألوا اللہ بہ وتوجھوا الیہ بحبہ ولا تسألوا بہ خلقہ[1]

"قرآن مل جانے کے بعد محتاجگی کوئی نہیں اور قرآن کے بغیر دولت کوئی نہیں اسی سے اپنے امراض کی شفا چاہو اور اسی سے اپنی سختیوں میں استمداد کرو۔ اسی میں سب سے بڑی بیماری کا علاج ہے اور وہ بیماری کفر و نفاق اور غوایت و ضلالت کی بیماری ہے اسی کے ذریعہ خدا سے مانگو اور اسی کے تعلق سے خدا کی طرف رُخ کرو اس کو "لوگوں سے مانگنے کا" ذریعہ ہرگز نہ بنانا"

حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا سن لو میں نے آنحضرت سے سُنا ہے کہ ایک بہت بڑا فتنہ ہو گا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سے بچنے کی راہ کیا ہے اس پر آپ نے یہ فرمایا تھا :-

"اللہ کی کتاب جس میں پہلے کے بھی حالات ہیں اور بعد کی بھی خبریں ہیں اس میں ایسے حکم ہیں جو فیصلہ کُن ہیں اس میں بے فائدہ بات کوئی نہیں جابر اسے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اسے کچل دیتے ہیں کوئی اس کے سوا کسی اور رستے میں ہدایت تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتے ہیں یہی ہے۔ (۱) خدا کی مضبوط رسی۔ (۲) یہی ہے ذکر حکمت والا (۳) یہی ہے صراط مستقیم (۴) خواہشات اسے ٹیڑھا نہیں کر سکتیں۔ اور (۵) زبانیں اس سے مشتبہ نہیں ہوتیں (۶) علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی اور (۷) تکرار سے یہ کتاب بوسیدہ نہیں ہوتی۔ (۸) اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ (۹) اسے جب جنوں نے سنا تو وہ بھی یہ کہنے سے نہ رک سکے ہم نے سنا ہے

[1] (نہج البلاغۃ جلد ۲ خطبہ ۱۷۱)

"قرآن عجیب جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے پس ہم نے اسے مان لیا" (۱۰) جو اس کی بات کرے اُس نے سچ کہا (۱۱) جو اس پر عمل کرے وہ مستحق اجر ہُوا (۱۲) جس نے اس کے مطابق حکومت کی اس نے انصاف کیا اور جس نے لوگوں کو اس کی طرف بلایا اس نے سیدھی راہ پائی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے رسالہ اصُول تفسیر صـ۲۴ پر اسی مناسبت سے ایک اور حدیث نقل کی ہے۔ رواہ الترمذی بسند فیہ مقال (دیکھئے مشکوٰۃ صـ۱۸۷) کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔

"خُدا نے صراطِ مستقیم کی مثال یوں دی ہے کہ صراط کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے چھٹے ہیں ایک منادی صراط کے اُوپر سے پکار رہا ہے اور دُوسرا منادی صراط سے سرے سے پکار رہا ہے"

پھر آپ نے فرمایا:۔

تو صراطِ مستقیم اسلام ہے دیواریں حدود الہٰی ہیں۔ (ان میں) کھلے ہوئے دروازے محارم الہٰی (خُدا کی حرام کی ہوئی اشیاء) ہیں اور صراط کے سرے کا منادی واعظ الہٰی قلب مومن میں ضمیر کی آواز ہے[لہ]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:۔

حضرت علیؓ ہر بنیادی مسئلے اور اساسی عقیدے میں قرآن کریم کو ہی کو مرکز ہدایت سمجھتے تھے پس ضروری ہے کہ ہم بھی اپنے جُملہ بنیادی عقائد میں قرآن کریم کو ہی مسکہ بنائیں اور ہدایت وضلالت کے ہر اختلاف میں اسی مرکز کا سہارا لیں ہر وہ عقیدہ جو ضروریات دین میں سے ہو اُس کی اصل کتاب اللہ میں ضروری ہے اخبار احاد سے عقائد ظنیہ تو ثابت ہو سکتے ہیں لیکن عقائد قطعیہ کے لئے قرآن کا فیصلہ ہی ازبس لازمی ہے الّا یہ کہ فہم امت کا اجماعی تواتر دلائل ظنیہ کو قطعیت کے قریب کر دے۔ (والتفصیل فی اواخر شرح النبراس در اجع لہ الاقتصاد فی علم الاعتقاد للغزالیؒ من اواخر الکتاب)۔

مقامِ غور:۔

حضور ختمی مرتبتؐ کے بعد امامت کے اصُولی منصب کا اثبات اور پھر اس کا اسلام کے اصُولوں میں شمار یہ وہ اُمور ہیں جو ایک متلاشی حق کو مجبُور کرتے ہیں کہ وُہ اُمت مسلمہ کے لئے

لہ (دراجع المشکوٰۃ صـ۳۱ من روایت احمد والبیہقی)

اس عقیدہ کی نص بادرد وضاحت قرآن کریم سے دریافت کرے اور اگر ایسے اُمور قرآن عزیز میں صراحت سے مذکور نہیں بلکہ اُن کا تانا بانا بعض ملاؤں کی محض اپنی کھینچ تان اور تاویلات رکیکہ پر مبنی ہے تو اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ ایسے عقائد کا التزام حضرت علیؓ کے مسلک اور طریق سے بہت دُور ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا مسلک یہ بیان فرماتے ہیں:-

ترکتم علی الجادۃ ومنہج علیہ اُم الکتاب (جمع الفوائد جلد ۲ ص ۱۷)

ترجمہ:- میں تمہیں ایک راہ اور ایک رستے پر چھوڑ چلا ہوں یہ راہ وُہ ہے جس کی طرف قرآن کریم دعوت دیتا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ اور قرآن کی خدمت

جس طرح جامع القرآن سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے قرآن عزیز کی عظیم خدمت کی کہ سرکاری اہتمام سے اس کی کامل اور باضابطہ نقلیں کراکر اکناف عالم کو قرآنی مصاحف سے معمور کیا سیدنا حضرت مُرتضیٰؓ نے اس وقت جب کہ خوارج کے ہاتھوں قرآن پاک کے معانی معرض خطر میں تھے قرآنی حقائق و معانی کا تحفظ فرمایا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس باب میں حضرت علی مُرتضیٰؓ کے دستِ راست تھے تیسرے خلیفۂ راشد نے تنزیل قرآن کا تحفظ فرمایا تو تاویل قرآن کے تحفظ کی سعادت حضرت علی مُرتضیٰؓ کی قسمت میں آئی۔ اس باب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیش گوئی بہت پہلے سے چلی آرہی تھی۔

ان منکم من یقاتل بعدی علی التاویل کما قاتلت علی التنزیل فسئل النبی من ھو فقال ھو خاصف النعل یعنی امیر المؤمنین علیہ السلام تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۲۵۰، جلد ۲ ص ۴۶۔

(قلت وکذلک فی مسند احمد من المجلد الثالث ومشکل الآثار للطحاوی کما فی المعتصر)

تم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے بعد "مطالب قرآن" کے لئے اسی طرح جنگ کریں گے جس طرح کہ "الفاظ قرآن" کے لئے میں جہاد کرتا رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مُراد جوتی سینے والا ہے اور وہ حضرت امیرؓ تھے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کی جو جنگیں حضرت امیر معاویہؓ سے ہوئیں ان میں کوئی دینی استدلال یا قرآنی مسئلہ زیر بحث نہیں تھا بلکہ حضرت علیؓ تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کوئی دینی جھگڑا نہیں۔ دین و ایمان ہم سب کا ایک ہے اور "دعوت فی الاسلام" میں ہم سب ایک ہیں صرف ایک واقعاتی اختلاف تھا اور اس میں ہمارا دامن بالکل بے غبار ہے۔ پس آں حضرتؐ کی دینی جنگیں وہ ہیں جو خوارج کے ساتھ ہوئیں کیونکہ ان کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰؓ کا اختلاف دینی اور اعتقادی درجے تک متجاوز ہو گیا تھا "ان الحکم الا للّٰہ" اور اس جیسی کئی اور آیات ان لوگوں کے ساتھ زیر بحث تھیں حضرت علی مرتضیٰؓ نے اختلاف تاویل قرآن کے اس فتنے کا حسب مقدرت خوب سدباب فرمایا اور آں حضرتؐ کی مذکور الصدر پیشگوئی کے پورے ممتاز مصداق بنے۔ فجزاہ اللّٰہ عنا احسن الجزاء۔

حضرت علی مرتضیٰ اور مقام سُنّت
منکرین حدیث کیلئے سُرمہ بصیرت

حضرت علی مرتضیٰؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد بھی آپ کے احکامات کو پوری طرح جاری اور باقی سمجھتے تھے پس منکرین حدیث کے اس وسوسے کیلئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بحیثیت صدر مملکت صرف اپنے عہد زندگی تک کے تھے انہیں کوئی قانونی حیثیت حاصل نہ تھی یہ محض وسوسے ہیں جن کی تعلیمات اسلام میں کوئی جگہ نہیں سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ نے آں حضرتؐ کو غسل دیتے ہوئے جو الفاظ فرمائے وہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں، آپ نے حضور اکرمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

ولولا انك امرت بالصبر	اگر آپ نے ہمیں صبر کا حکم نہ دیا ہوتا،
ونهيت عن الجزع لانفدنا	اور آپ نے آہ و جزع کرنے سے
عليك ماء الشئون	نہ روکا ہوتا تو ہم آپ پر غم کے اتنے
(نہج البلاغہ جلد ۲ صـ۲۵۶)	آنسو بہاتے کہ ہماری ہڈیوں کی آخری
	نمی بھی خشک ہو جاتی :

٭ ٭ ٭

غور کیجیے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کس طرح آنحضرت ختمی مرتبت کے احکامات کو آپ کے بعد الوفات

بھی باقی اور جاری سمجھتے ہیں اور کس طرح اس حقیقت کا عند الغسل ہی اعلان کیا جا رہا ہے۔

جب قرآنی ظواہر زیر اختلاف ہوں اور ہر طرف آراء و افکار کا بازار گرم ہو جائے تو ایسے مواقع کے لئے بھی حضرت علی مرتضیٰ نے تمسک بالسنۃ کی ہی دعوت دی ہے آپ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو جب وہ دوسری مرتبہ خوارج کے مناظرہ کے لئے بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی اس ارشاد مرتضوی کا ایک ایک حرف مقام سُنّت کے انتہائی احترام کی واشگاف شہادت دے رہا ہے آپ نے کہا:۔

لا تخاصمھم بالقرآن فان القرآن حمال ذو وجوہ تقول و یقولون ولکن حاججھم بالسنۃ فانھم لن یجدوا عنھا محیصاً (نہج البلاغۃ جلد ۳ ص ۱۵۰ مصر)

ترجمہ:۔ (اے ابن عباسؓ) اُن کے سامنے قرآن سے استدلال نہ کرنا کیونکہ یہ ایک نہایت بلیغ کلام ہے جس میں کئی کئی احتمالات (بصورت فسادنیت) پیدا کئے جا سکتے ہیں اس کی بجائے تم سنّت سے استدلال کرنا کیونکہ (یہ اپنی جگہ بہت واضح ہے اور قرآن کے مطالب بھی معیّن کرتی ہے) اس سے انہیں گریز پائی کی کوئی گنجائش نہ ملے گی۔

علی مرتضیٰؓ اور اجماع و اجتہاد کا مقام

جناب نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم طبرانی سے نقل کرتے ہیں:۔

عن علی قلت یا رسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر و نھی فما تامرنی قال تشاوروا الفقھاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ رواہ الطبرانی فی الاوسط و رجالہ موثوقون من اھل الصحیح (موائد العوائد مصنفہ نواب صدیق حسن ص ۱۴۲)

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش آئے کہ اس میں امر و نہی کا کوئی واضح بیان ہمارے پاس موجود نہ ہو تو پھر کیا کریں۔ آپ نے فرمایا فقہاء صحابہؓ اور اتقیائے اُمّت سب مل کر مشورہ کر لیا کرو۔

مسئلے کو حل کر طے کرنا اجماع اور مسئلہ غیر منصوصہ کا حکم دریافت کرنا استخراج و استنباط کہلاتا ہے اور نص صریح نہ ہونے کی صورت میں کتاب و سنت کے ساتھ اجماع و اجتہاد ہی شریعت اسلام کے ایک جامع نظام حیات ہونے کی عملی تصدیق کرتے ہیں انہی اصول اربعہ یا ادلہ اربعہ پر فقہ کی عمارت تعمیر ہوتی ہے اور اسلام کا عنوان اس کے مسائل منصوصہ اور مسائل مستخرجہ فقہیہ ہر دو اقدار کو شامل ہے غور کیجئے کہ اگر حضور ختمی مرتبت کے بعد امامت بھی کوئی آسمانی منصب ارشاد ہوتا تو حضور کتاب و سنت کی نص نہ ہونے کی صورت میں اجماع و استنباط کی تعلیم ہرگز نہ دیتے بلکہ ایسے موقع کے لئے امام کے حجت خداوندی ہونے کی تعلیم دی جاتی اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ہدایت خود حضرت علی مرتضیٰ رضی ہی کو دی جا رہی ہے ظاہر ہے کہ مامور من اللہ دینی مسائل کی دریافت میں مشورے اور اجماع کا محتاج نہیں ہوتا اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی کو ان ارباب حل و عقد اور اہل الرائے میں شامل کرنا جو باہمی مشورے اور اجماع سے حکم غیر منصوص کا استخراج کریں سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی کی علمی بصیرت، فقہی دانش، دقت نظر شورائی طبیعت خلوص عبدیت اور ان کی انتظامی صلاحیت پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی جسے ہم نے معجم طبرانی کے حوالے سے پیش کیا ہے ہم یقین کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم واقعی شہر علم کا ایک دروازہ تھے۔

راقم الحروف اسے اپنے نتیجہ فکر کے طور پر گزارش کر رہا ہے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پیش نہیں کر رہا اور یہ محض بناء بر احتیاط ہے۔ امام ترمذی حضرت علی رضی سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں اور اس پر یہ رائے دیتے ہیں:

انا دار الحکمة وعلی بابها ــــ هٰذا حدیث غریب منکر جلد ۲ ص ۲۱۸ لکھنؤ

ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے اور بھی طرق جمع کئے اور پھر ہر ایک پر جرح کی ہے شریک کے سوا کوئی ثقہ اسے روایت نہیں کرتا راقم الحروف نے اس کے مضمون کی تائید کی ہے اسے اس کی سند کی توثیق نہ سمجھا جائے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(کتابت عبدالسلام یوسفی)

سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ

رموزِ حرفِ اسریٰ جانتا ہے
وہ سرتاپا نبوت آشنا ہے

اُفق سے تا اُفق اُس کی ولایت
زمیں سے عرش تک وہ گونجتا ہے

سمندر کی طرح بھرپور لیکن
پہاڑوں کی طرح جم کر کھڑا ہے

ہزاروں خوبیوں کی ایک خوبی
وہ دامادِ محمدؐ مصطفےٰ ہے

قوی پہ وار کرنا اُس کا مسلک
ضعیفوں میں محبت بانٹتا ہے

کیا کرتا ہوں مَیں اُسکی تلاوت
وہ آیت کی طرح دل پر لکھا ہے

جدھر خیبر شکن جاتا ہے انجمؔ
یہ سورج اُس کے پیچھے بھاگتا ہے

حضرت علی اپنے دور میں احق بالخلافۃ تھے

علامہ خالد محمود صاحب

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے انتخاب خلیفہ کے لیے جو چھ رکنی کمیٹی بنائی تھی ان کی بات دو ناموں پر ختم ہوئی تھی کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیا جائے وہ دو کون تھے (۱) حضرت عثمانؓ اور (۲) حضرت علیؓ۔ حضرت عثمان اب شہید ہو چکے ہیں سو اس وقت پوری امت میں سب سے زیادہ خلافت کے لائق حضرت علیؓ ہی ہیں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان سے پوچھا تھا اگر ہم آپ کو خلیفہ نہ بنائیں تو آپ کی رائے میں کسے خلیفہ ہونا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا علی کو۔

۲۔ حضرت علیؓ کے بالمقابل کسی نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا نہ حضرت طلحہؓ نے نہ حضرت زبیرؓ نے نہ حضرت معاویہؓ نے ۔ یہ حضرات قصاص عثمان کے لیے اٹھے تھے یا اپنے لیے کسی متبادل خلافت کے داعی نہ تھے امیر معاویہ اپنی پرانی پوزیشن (حضرت عثمان کے مقرر کردہ گورنر شام) پر کھڑے تھے اور کہتے تھے جو لوگ حضرت عثمان کے باغی سبے ہیں وہ حضرت علی کی فوجوں سے نکل جائیں تو میں پہلا شخص ہونگا جو علی کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔

سو حقیقت علی اپنے دور میں تن تنہا منصب خلافت پر تھے جب کوئی دوسرا اپنے لیے مدعی خلافت نہیں ہوا تو آپ ہی احق بالخلافۃ تھے

۳۔ ۴۰ھ میں آپ میں اور حضرت معاویہ میں جنگ بندی کا معاہدہ ہوا (معاہدہ سنہ) اس وقت امیر معاویہ ایک آزاد حکمران کی حیثیت میں تھے اب ان دونوں بزرگوں میں احق بالخلافۃ کون ہے اس کے لیے ان امور کو پیش نظر رکھئے۔

حضرت علیؓ مہاجرین میں سے ہیں اور حضرت امیر معاویہ مہاجرین میں سے نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مہاجرین کو اولٰئک ھم الصادقون پ۲۸ کی سند دی ہے اور دوسری جگہ امت کو حکم دیا ہے کہ تم صادقین کے ساتھ ہو جاؤ ' پ۱۱ التوبہ آیت ۱۱۹ ع ۱۵) مہاجرین کو نہیں کہا کہ تم ان کے ساتھ ہو جاؤ ۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت علی کی خلافت پر اس آیت سے استدلال کیا تھا مواہب الرحمن میں ہے۔

ابن عباسؓ نے زمانہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں اس سے احتجاج کیا کہ اے لوگو بحکم آیت کریمہ تم حضرت علی اور ان کے اصحاب کے ساتھ ہو جاؤ۔ (مواہب الرحمن پ۱۱ ص ۵۰)

۴۔ قرآن کریم میں صحابہ سے خلافت کا وعدہ اس آیت میں کیا گیا ہے ۔

وَعَدَ اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض پ۱۸ سورہ النور آیت ۵۵

یہ وعدہ ان صحابہ سے ہے جو اس وقت ایمان لا چکے تھے (اٰمنوا صیغہ ماضی ہے) ان کے لیے خلافت موعود ہو گئی یہی خلافت راشدہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو وعدہ دیا تھا —— حضرت علی ان میں سے ہیں جو اس وقت ایمان لا چکے تھے اور حضرت امیر معاویہ اس وقت تک صف اول میں نہ آئے تھے یہ وعدہ خلافت کے بارے میں ہے البتہ جنت کا وعدہ سب سے ہے وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ پ۲۷ الحدید ع ۱

۵۔ قرآن کریم میں والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار پ۱۱ التوبہ آیت ۱۰۰ میں سابقین اولین کو مقتدا قرار دیا گیا ہے کیونکہ جو ان کے پیچھے آئے ان سے بھی اللہ تعالیٰ راضی ہوا ظاہر ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو مقتدا نہ ٹھہرائیں گے یہی حضرات ہیں جن کے پیچھے رہنے کا حکم دیا گیا ہے —— حضرت علی سابقین اولین میں سے تھے وہ بعد میں آنے والوں کے بھی پیشوا ہوں گے نہ کہ مقتدی۔

۶۔ حضرت علی فتح مکہ سے پہلے اسلام کی راہ میں قتال کر چکے ہیں حضرت امیر معاویہ فتح مکہ سے کچھ پہلے ایمان لائے ہیں ان دونوں میں احق بالخلافہ کون ہے ؟ اس کے لیے قرآن کریم کی یہ اصولی ہدایت پیش نظر رہنی چاہیے کہ سابقین کی برابری کوئی نہیں کر سکتا ۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃً من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ ۔ پ۲۷ الحدید ع ۱

(ترجمہ) جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا دوسرے ان کے برابر نہیں یہ درجہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا ہاں (آخرت میں) جنت کا وعدہ دونوں سے ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ۔

۷۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی خلافت کو پہلے تین خلفاء کی خلافت سے متصل رکھا ہے بلافصل اُن کے ساتھ ہیں آپ نے اپنی خلافت کو انہی کی خلافت پر مبنی قرار دیا ہے آپ نے فرمایا میری بیعت زیادہ تر انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کی بیعت کی تھی —— ظاہر ہے کہ اس تسلسل میں حضرت علی کے وقت صرف حضرت علی کھڑے تھے اس دور میں کوئی اور ان خلفائے ثلثہ سے متصل نہیں ہوا نہ ان کا چوتھا ہونے کا کوئی اور دعویدار تھا سو آپ کی خلافت من حیث الخلافہ مجمع علیہ تھی۔

ازواج واولاد حضرت علی المرتضیٰ رضؓ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:۔

یہ امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی ازواج و اولاد کا تذکرہ ہے۔ اس کی تمام تاریخی جزئیات شیعہ حضرات کی اپنی کتب مسلّمہ سے ماخوذ ہیں اور ہم اہل سُنّت کو بھی ان کی واقعیت سے انکار نہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں جو مسلّم بین الفریقین ہیں اور ان کے بیان سے ہر دو طبقوں میں ـــــــ اتحاد و اتفاق اور ربط و رواداری کی فضا ہموار ہو سکتی ہے۔ واللہ ھو الموفق۔

(۱) جناب سیدہ حضرت فاطمۃ زہرا رضؓ آپ کی پہلی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی تھیں ان سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت امام حسن رضؓ، حضرت امام حسین رضؓ، حضرت زینب کبریٰ، حضرت اُمّ کلثوم کبریٰ۔ حضرت اُمّ کلثوم کبریٰ کا نکاح امیر المؤمنین حضرت عُمر رضؓ سے ہوا ان سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ حضرت اُمّ کلثوم اور زید بن عُمر رضؓ کا جنازہ ایک ہی دن اُٹھا جنازہ میں شریک ہونے والے حضرات میں امام حسن رضؓ۔ امام حسین رضؓ۔ عبد اللہ بن عُمر رضؓ۔ عبد اللہ بن عباس رضؓ اور ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی تھے۔[1]

(۲) امامہ بنت ابی العاص یہ آں حضرتؐ کی صاحبزادی حضرت زینب رضؓ کی بیٹی تھیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کی وصیت کے مطابق حضرت علی رضؓ نے جناب سیدہ کی رحلت کے تین یا نو شب بعد ان سے نکاح کیا۔

(۳) خولہ بنت جعفر بن قیس یہ حنفیہ کے نام سے مشہور تھیں یہ بکر بن وائل کی اولاد سے تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے دورِ خلافت میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ صاحب منتخب التواریخ واقعہ لکھتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔ ـــــــ

ابا بکر گفت خذھا یا ابا الحسن ـــ بارک اللہ لک فیھا۔

---

[1] ماخوذ از منتخب التواریخ مؤلفہ ہاشم خراسانی مطبوعہ ایران۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے ابوالحسن (کنیت حضرت علیؓ) اسے لے لے اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت نصیب کرے!

محمدؒ الحنفیہ ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے حضرت علیؓ کی اولاد نرینہ میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ کے بعد یہی سب سے بڑے لڑکے تھے، ہاشم خراسانی لکھتے ہیں کہ بعض شیعہ حضرات ان ہی کو مہدی آخرالزماں قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہی بزرگوار کوہ رضوی میں غائب ہوئے تھے۔

مقام غور حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت اسلامی خلافت تھی اور اس خلافت کے جملہ جہاد اسلامی تھے حضرت علی المرتضیٰ اگر خلافت صدیق کو حق پر نہ سمجھتے تو اس کے جہاد میں آئی بی بی کو کبھی اپنے تملک میں نہ لیتے یہ قبول کرنا آپ کی خلافت پر مہر تصدیق قائم کرنا ہے۔

(۴) ام البنین بنت حزام بن خالد بن ربیعہ یہ قبیلہ بنوکلاب سے تھیں اسی واسطے ان کو ام البنین کلابیہ کہتے ہیں عرب میں یہ قبیلہ شجاعت میں ضرب المثل تھا۔ ان سے عباس۔ جعفر۔ عثمان۔ عبداللہ۔ پیدا ہوئے یہ چاروں حضرات حضرت امام حسینؓ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

(۵) اسماء بنت عمیس یہ اوّل میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی زوجہ تھیں ان سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ اوّل۔ عبداللہ بن جعفر یہ حضرت زینب بنت علیؓ کے شوہر تھے جو کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھیں۔ دوم۔ عونؓ۔ سوم محمدؓ۔ حضرت جعفر طیارؓ جب غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تو اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اسماء بنت عمیس سے نکاح کیا ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ کی رحلت کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا اور ان سے یحییٰؒ پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ کی زندگی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

(۶) لیلیٰ بنت مسعود بن خالد الدارمیۃ التمیمیہ۔ ان ہی کے بطن سے خباب عبیداللہ پیدا ہوئے یہ بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

(۷) ام السعید بنت عروہ بن مسعود الثقفی ان سے ام الحسنؓ اور رملہ کبریٰؓ پیدا ہوئیں۔

(۸) محیاۃ بنت امرء القیس بن عدی الکلبیہ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ جو بچپن ہی میں قضا کر گئی تھی۔

(۹) صہبا بنت عباد بن ربیعہ۔

(۱۰) ام حبیبہ بنت ربیعہ۔ ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں یہ دونوں جڑواں تھے۔ جناب عمرؓ حضرت علیؓ کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے پچاسی برس کی عمر میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا جناب رقیہ سے حضرت مسلم بن عقیل نے نکاح کیا تھا ان سے عبداللہ بن مسلم پیدا ہوئے تھے۔

منتہی الامال میں شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی حیات میں سوائے چار بیویوں کے سب کا انتقال ہوگیا تھا۔ جناب امامہ۔ جناب ام البنین۔ جناب لیلیٰ اور جناب اسماء ان ازواج نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد تا زیست کسی سے نکاح نہیں کیا۔

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں۔ نفیسہ ان کی کنیت ام کلثوم صغریٰ تھی یہ کثیر بن عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھی۔ زینب صغریٰ یہ محمد بن عقیل کی زوجہ تھی۔ رقیہ صغریٰ یہ عبدالرحمٰن بن عقیل کی منکوحہ تھی یہ جناب عبدالرحمٰن بھی کربلا میں شہید ہوئے۔

ام ہانی یہ محترمہ عبداللہ بن عقیل کی بیوی تھی امامہ یہ حضرت بن عبداللہ بن نوفل بن حرث بن عبدالمطلب کی زوجہ تھی۔

فاطمہ یہ محمد بن ابی سعید بن عقیل کے عقد میں تھی، خدیجہ عبدالرحمٰن بن عقیل کی زوجہ تھی، یہ دونوں صاحبزادیاں کربلا میں موجود تھیں۔

میمونہ یہ عبداللہ اکبر بن عقیل کی بیوی تھی ام الکرام۔ جمانہ۔ ام سلمہ۔

حضرت علیؓ کا سلسلہ نسل پانچ صاحبزادوں سے جاری ہوا ان کے نام یہ ہیں۔ امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمدؓ بن حنفیہ، عباس، عمرؓ۔ (رضی اللہ تعالےٰ عنہم ورضوا عنہ)

مشہور شیعہ راہنما جناب مظہر علی اظہر کا حقیقت پسندانہ اقرار۔

حیدر کرار۔ اسداللہ الغالب۔ فاتح خیبر امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکرؓ، عثمانؓ، عمرؓ رکھے۔ جناب مظہر علی اظہر نے اپنی کتاب تحریک مدح صحابہؓ میں کیا خوب لکھا ہے:۔ ——————

"یہ تینوں حضرات حسین مظلوم کے ساتھ کربلا کے میدان میں تین دن پیاسے رہ کر امامؑ کے قدموں پر جان نثار کر گئے لیکن آج تک کوئی شیعہ شاعر، ذاکر یا واعظ ایسا نظر نہ آئے گا جو کبھی مجالس عزا میں یا اپنی نظم و نثر میں ان کا تذکرہ کرتا ہو تاریخی کتابوں کے اندران کا ذکر موجود ہے لیکن ان کے نام کسی مرثیہ گو اور واعظ کی زبان پر اس لئے نہیں آتے، کہ اُن کے والدِ گرامی جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اُن کے نام ابُوبکر، عُمر اور عثمان رکھ دیئے اگر پڑھے لکھوں نے تعصّب کی انتہاء نہ کی ہوتی تو آج ابُوبکر، عُمر اور عثمان کے نام ایسے متنازعہ فیہ نہ ہوتے، جناب امیر نے اپنی اولاد کے نام ابُوبکر، عُمر اور عثمان رکھے کیا آج لکھنؤ میں کوئی مجتہد کوئی رئیس کوئی واعظ یا کوئی عام شیعہ ہے جو یہ جرأت کر سکے کہ اسوہ جناب امیر کی پیروی کرتے ہوئے اپنی اولاد کے نام بھی ان ناموں پر رکھے اگر نہیں تو کیا یہ سمجھا جائے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے اس فعل کو غلط اور ناقابلِ تقلید سمجھتے ہیں ائمہ اہلِ بیت نے مکارمِ اخلاق کا ہمیشہ سبق دیا اور اپنے پیروؤں کو بہترین اخلاق کا نمونہ بننے کی ہدایت کی لیکن افسوس کہ آج انہیں کے نام پر ان کے دین کو علانیہ داغ لگایا جا رہا ہے۔ اور پھر اس پر فخر کیا جا رہا ہے اور واقف حال لوگ بھی دوسرے انسانوں کے خوف سے صحیح بات زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتے۔" [1]

یہ شکایت صرف عوام سے نہیں بڑے بڑے شیعہ عمائد اس تنگ نظری میں مبتلا ہیں جب تنہائی میں انہیں کہا جاتا ہے سیرت مُرتضیٰ کی پابندی کرو جس طرح حضرت علی مرتضیٰ نے کیا تو وہ اپنے عوام کی شکایت کرتے ہیں کہ جب تک ہم دھار تیز نہ رکھیں ہمارے عوام ہمیں تسلیم نہیں کرتے۔

ہم کہتے ہیں پھر اسوہ حسن کی پیروی کرو آپ نے اپنے عوام کے جذبات کی پرواہ نہ کی اور اپنا ہاتھ حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ہم دُکھے دل سے کہتے ہیں کہ شیعہ علماء اور عمائد سیرت حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس قدر دور جا چکے ہیں کہ اب ان سے ائمہ اہلِ بیت کی دہلیز پر آنے کی کوئی توقع نہ رہی۔

---

[1] (انتہی ص۱۰ تحریک مدح صحابہؓ)

خلافت حضرت علی مرتضیٰ رضؓ (علامہ خالد محمود)

قرآن کی روشنی میں

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں (۱) زمین پر خلافت دے گا۔ (۲) انہیں اس دین میں جو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا تمکین (قرار اور مضبوطی) دے گا اور (۳) انہیں دوسری قوموں کا خوف لاحق نہ رہے گا اسے وہ امن سے بدلے گا۔ (۴) وہ لوگ میری عبادت پر قائم رہیں گے۔ شرک سے بچیں گے اور جو اس نعمت عظمیٰ (خلافت) کا انکار کرے وہ فاسق ٹھہرے گا —— دیکھیے پ ۱۹ سورۃ النور

اس آیت میں حضور کو یقین دلایا گیا ہے کہ آپ کے بعد آپ کا مشن برابر جاری رہے گا اس کا استخلاف ہوگا۔ یہ سلسلہ آپ کی وفات پر ختم نہ ہو جائے گا —— اور صحابہ کو امید دلائی گئی کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نام سے اس پیغمبر خاتم کی جانشینی میں خلافت کریں گے۔ قرآن کریم نے یہ دو غیبی خبریں دیں اور دنیا نے دیکھا کہ یہ پوری ہو کر رہیں۔

یہ وعدہ پہلے تین خلفاء پر بلا اختلاف پورا ہوا اور وہ حضرات خلافت خاصہ پا گئے اس عہد میں یہ خلافتِ خاصہ پورے وقار و مضبوطی سے منتظم رہی۔ لیکن امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی کے آخری ایامِ خلافت میں عبداللہ بن سبا کی سازش اور باغیوں کی بغاوت سے امن پھر پامال ہو گیا اور امام مظلوم گھر بیٹھے تلاوت قرآن کریم کرتے شہید کر دیے گئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان ان آخری دنوں میں کیا اس آیت استخلاف کا مصداق رہے؟ جواب یقیناً اثبات میں ہوگا۔ آپ کی خلافت اور دعوت الی الاسلام سے نہ صرف مرکز قائم اور مضبوط رہا۔ بلکہ خراسان بلادِ افریقہ اور بلادِ مغرب میں مسلمانوں میں آئی منظم صف بندی رہی کہ ہزاروں میلوں کے رقبے پرچم اسلام کے نیچے آگئے۔ آپ کے ہاتھوں فضل خداوندی عام ہوا۔ آپ کے ان آخری دنوں کی اس بغاوت سے آپ سے خلافتِ خاصہ کی نفی نہیں ہوتی۔

خلافتِ خاصہ کے یہ اوصاف ماسوائے اس کے کہ انتظام امور آخری دنوں میں پہلی خلافتوں کی طرح یکجا منتظم نہ رہا حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت میں بھی پائے گئے اور آپ بھی اپنے پیشرووں کی

کی طرح آیت استخلاف کا یقینی مصداق ٹھہرے۔ ——— مذکورہ اوصافِ خلافت میں حضرت عثمان کے آخری ایام کا غیر منتظم پیرایہ اگر ان کی خلافت کو ناقص نہیں کرتا تو حضرت علیؓ کی خلافت خاصر غیر منتظم بھی ان کی خلافت کو ناقص نہیں کرتی۔

حضرت علی مرتضیٰ آیت استخلاف کا یقینی مصداق ہیں۔ اس کے لیے ان امور کو بپیشِ نظر رکھیں یہ ان کی خلافت حقہ کے الٰہی نشان ہیں۔

(۱) جس طرح حضورؐ کے بعد بلافصل خلافت حضرت ابوبکرؓ کو ملی۔ کوئی دیر ہی انقطاع یا دورِ انتظار نہیں پایا گیا۔ حضرت عمرؓ بھی اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے جانشین ہوئے اور حضرت عثمان بھی اسی طرح حضرت عمرؓ کے جانشین ہوئے۔ حضرت علیؓ بھی اسی طرح بلافصل حضرت عثمانؓ کے جانشین ہوئے اور ان چاروں کی خلافت میں یہ زمانی تسلسل موجود رہا (البتہ شیعہ عقیدے میں ان کی خلافت مسلسل اور بلافصل نہ رہی چوبیس سال کا فصل درمیان میں رہا۔)

(۲) جو لوگ حضرت عمر اور حضرت عثمان کی بیعت خلافت میں پیش پیش تھے ان میں سے جو حضرات حضرت عثمان کے بعد زندہ اور موجود تھے۔ انہوں نے حضرت علی کی بیعت کی اور حضرت علی اپنی خلافت کو خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر ہی مبنی سمجھتے تھے اور آپ ہر ایسے کام سے احتراز فرماتے تھے جو ان خلفائے ثلاثہ کے طریقے پر نہ ہو۔

(۳) سورہ نور کی آیت استخلاف کے نزول کے وقت آپ ایمان لائے ہوئے تھے۔ ہجرت کئے ہوئے تھے اور نیک اعمال پر عمل پیرا تھے۔ حضرت عثمانؓ کی رائے اپنے خلیفہ بنتے وقت ہی تھی۔ کہ اگر آپ خلیفہ نہ ہوں تو پھر آپ حضرت علی کی بیعت کریں گے۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو آپ کے بالمقابل کوئی اور مدعی خلافت نہ تھا نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور نہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۴) عقد خلافت کے وقت آپ کی خلافت تامہ تھی۔ اور یوں قلمرو اسلامی کو شامل تھی حضرت معاویہ نے جب آپ کے احکام تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اس کے آپ کے پاس کئی وجوہ تھے۔ جو آپ کے اس اجتہاد کا موجب ہوئے تھے تو یہ بات کھلی کہ آپ کی خلافت یکجا منتظم نہیں ورنہ آپ یہی سمجھتے تھے کہ جن لوگوں نے آپ کی بیعت کرلی ان کا فیصلہ ان تمام لوگوں پر بھی حجت ہے جو ابھی اس بیعت میں شامل نہیں ہوئے کذا فی نہج البلاغۃ۔

۵۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کہ خلافت نبوت حضورؐ کے بعد تیس سال،

تک رہے گی حضرت علی کے خلافت کے چھ سالوں کو ساتھ شامل کرتی ہے اور حاکم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سفینہ نے چاروں خلفائے راشدین کا نام لے کر دو سال دس سال بارہ سال اور چھ سال جمع کیے اور پوری مدت تیس بتلائی۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے علاقائی خود مختاری پہ صلح کر لی۔ سو اب حضرت معاویہ اپنے علاقے میں خلیفہ وقت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے حکمران ٹھہرے اور حضرت علی کی خلافت حکماً پوری قلمرو اسلامی میں نافذ ہوئی۔ پھر ۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ یہ بیہ صحیح ہے کہ یہ خلافت خلافت خاصہ غیر منتظمہ رہی۔ لیکن بوجہ ہونے صلح، آپ کی خلافت پہ خلافت تامہ ہو گئی۔

(۷) اس کے بعد پوری امت نے حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے تین پیشروں کے ساتھ خلافت راشدہ میں شامل کیا۔ اور اس کے لیے ہمارے پاس اسلام کی چودہ صدیوں کی بلا نکیر شہادت موجود ہے۔ سو یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ آپ کی خلافت ان اختلافات میں منعقد ہی نہ ہونے پائی تھی۔ عقد خلافت کے اوّل مرحلہ میں آپ بلا اختلاف خلیفہ چنے گئے تھے۔

حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی خلافت میں فرق

حضرت علی جب خلیفہ بنے تو آپ اپنے عقیدہ اور اہل مدینہ کے نظریہ کے مطابق حضرت عثمان کے جانشین اور پوری قلمرو اسلامی کے حکمران تھے۔ یہ بعد کے حالات سے پتہ چلا کہ کہاں آپ کی حکومت تسلیم نہیں کی گئی۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے عقد خلافت کے وقت سے ہی صرف ایک حصہ سلطنت کے حکمران بنے تھے۔ آپ پوری قلمرو اسلامی کے خلیفہ نہ چنے گئے تھے آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح تو کر سکتے تھے۔ لیکن انہیں احکام دینے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ سو حضرت حسنؓ کی خلافت اپنی بنیاد میں خلافت تامہ نہ تھی بخلاف حضرت علیؓ کے کہ ان کی خلافت منعقد ہونے کے وقت خلافت تامہ کے طور پر وجود میں آئی تھی گو بعد کے حالات نے اسے ایک نہ رہنے دیا۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بوقت استخلاف آپ اپنے پیشروؤں کی لائن پر تھے اور بجا طور پر آیت استخلاف کا مصداق تھے۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کی خلافت میں فرق

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت بلافصل ملی تھی اور آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بلافصل جانشین تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بطریق صلح خلافت پر آئے تھے اور جس طرح حضرت عثمان تمام

اسلام کے امیر تھے ان میں ہر ایک عظیم تھا کوئی فئہ باغیہ نہ تھا۔ آپ تمام قلمرو اسلامی کے امیر تسلیم کیے گئے اور مسلمانوں کے دو عظیم گروہ پھر ایک ہو گئے۔

یہ سوال جب سامنے آتا ہے کہ آپ جانشین کس کے تھے۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ حضرت عثمانؓ کے جانشین تھے۔ کیونکہ حضرت عثمان کی شہادت اور حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت خلافت میں چھ سات سال کا فصل ہے خلافت آپ کو تسلسل سے نہیں ملی آپ حضرت علی کے جانشین بھی نہیں سمجھے جا سکتے کیونکہ آپ نے حضرت علی کو آخر دم تک خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا۔ آپ حضرت حسن کے بھی جانشین نہیں۔ کیونکہ آپ نے انہیں بھی خلیفہ نہ مانا تھا۔ اور ان کے دور خلافت میں آپ ایک برابر کے حصے پر مستقل حکمران تھے سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ کہ آپ استخلافاً نہیں صلحاً سریر آرائے خلافت ہوئے تھے۔

سو باوجودیکہ آپ نے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی شاہراہ سنت کو قائم رکھا۔ کتاب اللہ اور اہل بیعت کو ساتھ لے کر چلے لیکن عقد خلافت بطریق استخلاف نہ ہونے کی وجہ سے نیز مہاجر نہ ہونے کی وجہ سے آپ اصولاً آیت استخلاف کا مصداق نہ بنے گو حضرت حسنؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح آپ نے خلافت عادلہ کی جسے بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حکماً خلافت راشدہ کے قریب کہا جا سکتا ہے۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ خلافت پر بطریق استخلاف آئے اور قرآن کریم کا وعدہ خلافت جن بزرگوں پر پورا ہوا۔ آپ ان میں سے تھے۔ اور اپنے وقت کے خلیفہ راشد تھے۔ اسی طرح اس میں بھی شک نہیں کہ آپ کی خلافت جن پریشان حالات میں منعقد ہوئی۔ انہوں نے مختلف قسم کی غلط فہمیوں کو جنم دیا سو جن لوگوں نے ان حالات اور افواہوں سے متاثر ہو کر آپ کو امیر المومنین تسلیم نہ کیا۔ ان کا اصول اسلام سے انحراف نہ تھا حالات پیش افتادہ میں راہ اجتہاد تھی۔ جسے فساد نیت پر مبنی نہیں کیا جا سکتا۔

تمکین فی الدین اور تمکین در خلافت

قرآن کریم نے آیت استخلاف (ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم) خلفائے راشدین کو تمکین دین کا وعدہ دیا تھا اور حضرت علیؓ کو بیشک یہ رسوخ دین حاصل تھا۔ رہی تمکین در خلافت تو آپ کو پورے طور پر حاصل نہ ہوئی۔ سو اس سے آپ کی خلافت راشدہ کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ تمکین فی الدین اور ہے اور تمکین در خلافت اور ـــــ حضرت

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت مرتضیٰ با وجود رسوخ در سوابق اسلامیہ و وفور اوصاف خلافت خاصۂ انعقاد بیعت برائے او وجوب انقیاد فی حکم اللہ بر نسبت او متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نہ گشت ازالۃ الخفاء جلد ا ص ۴۷۹

ترجمہ: حضرت مرتضیٰ با وجود سوابق اسلامیہ میں راسخ القدم ہونے اور با وصف کثرت اوصاف خلافت خاصہ اور با وجود اس کے کہ ان کیلئے بیعت کا انعقاد ہوا رعیت کا احکام الٰہی میں ان کیلئے مطیع ہونا ثابت نہ ہوا خلافت میں اور اطراف ملک میں انکا حکم نافذ نہ ہوا

اس عبارت میں حضرت شاہ ولی اللہ نے اقرار کیا ہے کہ حضرت علیؓ میں اوصاف خلافت خاصہ بدرجہ وافر موجود رہے۔ سو اگر آپ کے عہد میں ساری قلمرو اسلامی یکجا منظم نہ رہ سکی تو اس سے آپکی خلافت راشدہ خاصہ کی نفی نہیں ہوئی۔ آپ کو تمکین خلافت نہ ملنے پر آپ لکھتے ہیں۔

غرض من آں نیست کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ نبود یا در حکم شرع خلافت او منعقد نہ گشت یا سعی او در حروبے کہ پیش آمد للہ فی اللہ نبود۔ اعوذ باللہ من جمیع ماکرہ اللہ بلکہ مقصود من انیست کہ فضیلت جارحہ فیض الٰہی بودن ظاہر نشد دریں مقاتلات والا خیریت اصلاح خلق فوج فوج ظہور رسے نمود ... فقہاء صحابہ بہ برکت صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم این نکتہ را شناختہ اند و در احادیث صحیحہ بآں نکتہ اشارہ رفتہ جلد ۱ ص ۲۸۰

ترجمہ: میری غرض یہ نہیں کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ نہیں تھے یا حکم شریعت میں انکی خلافت منعقد نہ ہوئی یا جو لڑائیاں انکو پیش آئیں ان میں انکی سعی للہ فی اللہ نہیں تھی۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی تمام چیزوں سے جو اللہ کو ناپسند ہوں۔ بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ ان جنگوں میں فیض الٰہی کا جارحہ (آلہ) بننے کی فضیلت ان میں ظاہر نہیں ہوئی وگرنہ آپ کا خیر ہونا اور آپ کی اصلاح خلق بہت فراوانی کے ساتھ واضح ہوتی رہی ہے ... فقہائے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اس نکتہ کو پہچانا ہے اور احادیث صحیحہ میں اس نکتہ کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ قرآن کریم کی آیت استخلاف کا مصداق ہیں اسکی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے طبرانی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:۔

انک مؤمر مستخلف ترجمہ: تم استخلافاً امیر بنائے جاؤ گے۔

اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی خلافت کو حق فرمایا ہے حضرت علیؓ نے آپ سے پوچھا تھا حق کیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا۔

الاسلام والقرآن والولایۃ اذا انتھت الیک (ازالۃ الغین علامہ حیدر علی ص[۱۴۶])

ترجمہ:۔ اسلام قرآن اور ولایت سلطنت جب وہ تم تک پہنچے۔

اسلام میں خلیفۃ المسلمین سپریم اتھارٹی ہے۔ اسے کوئی شخص پارٹی یا ثالث اور جج وغیرہ اقتدار سے نہیں ہٹا سکتا۔ حضرت علی اور امیر معاویہ میں اختلاف قاتلین عثمان کو گرفت میں لینے کا تھا۔ جس پر اس وقت حضرت علی قابو نہ رکھتے تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کو آیت استخلاف کی رو سے خلافت کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ جنگ صفین کے خاتمہ پر آپ نے جو حضرت ابوموسیٰ الاشعری اور حضرت عمرو ابن العاص کو ثالث مان لیا تھا تو وہ اصل قضیہ اختلاف اور اس کی صورتحال کے بارے میں تھا۔ خلیفہ کا عزل و نصب انکے موضوع سے خارج تھا۔ سو جو بات انہوں نے کہی وہ زیادہ سے زیادہ مصالحتی تجویز تھی جسے منظور کرنا یا نہ کرنا فریقین کے اپنے اختیار میں تھا۔ ثالث صاحبان خود قوت حاکمہ نہ تھے۔ اقتدار ابھی دو حصوں میں منقسم تھا۔ حضرت علی بطور امیر المؤمنین حق رکھتے تھے کہ ثالث صاحبان کی تجویز تسلیم کرلیں یا نہ۔ بالخصوص جبکہ خلافت نہ موضوع اختلاف تھا اور نہ اس کا فیصلہ ثالثوں کے سپرد کیا گیا تھا نہ حضرت امیر معاویہؓ اپنے لیے خلافت کے داعی تھے سو ان کا نمائندہ کسطرح انہیں خلافت سے دستبردار کرسکتا تھا ؟ حضرت عمرو ابن العاص نے یہ اعلان نہ کیا تو بات صورتحال کے بالکل مطابق تھی نہ امیر معاویہ مدعی خلافت تھے نہ سلئے کوئی سوال پیدا ہوتا تھا۔ سو خوارج کا اس پر اصرار کہ خلافت سے کیوں دستبردار نہیں ہوتے ہرگز صحیح نہیں۔

حضرت علیؓ احادیث کی روشنی میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

حضرت علی مرتضیٰ خلفائے راشدین کے فرد عشرہ مبشرہ کے رکن اور اصحاب بدر اور بیعت حدیبیہ میں شریک ہونے کی وجہ سے وہ تمام فضیلتیں لے گئے جو قسام ازل نے راشدین عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر اور اہل حدیبیہ کے نام لکھی تھیں تاہم کچھ مقامات اور امتیازات بھی ہیں جن سے آپ کے خصوصی تعلم کا تعارف ہوتا ہے اور جبیں عقیدت آستانہ مرتضوی پر جھک جاتی ہے۔

۱۔ حامل لوائے خیبر ہونا

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضورؐ جنگ خیبر کے دن فرمایا

لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحبہ اللہ ورسولہ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۵)

ترجمہ۔ میں صبح یہ جھنڈا اس شخص کو دونگا جسے اللہ اور اسکے رسول دوست رکھتے ہیں۔

صحابہ کہتے ہیں کہ اچانک حضرت علی اس طرف آ نکلے اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کو بلایا گیا اور حضورؐ نے آپ کو جھنڈا دیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ یہ صحیح حدیث بتلاتی ہے کہ حضرت علی کوئی معمولی ہستی نہ تھے اللہ جس سے پیار کرے اور خدا کا محبوب جسے محبوب سے کہے اس کا ظاہر و باطن کتنا عالی اخلاق سے آراستہ اور نور ایمان سے پیراستہ ہوگا یہ شان اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ان تمام ساتھیوں کو بھی عطا فرمائی تھی جو مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے میں آپ کے ساتھ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں سورہ المائدہ میں یحبہم ویحبونہ کہہ کر ذکر کیا ہے کہ اللہ انہیں محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ کے محبوب ہیں۔

۲۔ ہارون امت ہونا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک پر نکلے تو پیچھے حضرت علی مرتضیٰ کو گھر بار کی دیکھ بھال کیلئے چھوڑ گئے آپ میدان جہاد میں بہادری کے جوہر دکھانا چاہتے تھے۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی

آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں اس پر لسان نبوت نے فرمایا۔

اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسےٰ [1]

ترجمہ: کیا تو اس پر خوش نہیں کہ میرے ساتھ اس نسبت پر ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔

صحیح مسلم میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں الا انہ لا نبی بعدی [2]۔

یعنی جس طرح ہارون کو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت ملی تھی اور وہ ماتحت نبوت تھی۔ شریعت توراۃ کی تھی میری امت میں ایسا کوئی نبی نہیں آئے گا غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بھی بند ہے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انکے خلیفہ یوشع بن نون ہوئے تھے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہارون امت حضرت علی حضور کے بعد کبھی خلیفہ نہ ہوں۔ کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ہر جہت سے تشبیہ نہیں ہوتی حضرت ہارون کے دو صاحبزادوں کے نام شبر اور شبیر تھے یہ عبرانی الفاظ ہیں۔ عربی میں انکا ترجمہ حسن اور حسین بنتا ہے۔

۳۔ حُبِّ علی علامت ایمان ہے

زر بن جیش کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ نے قسم کھا کر فرمایا حضورؐ مجھے یہ عہد دیا تھا کہ

لا یحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق رواہ مسلم [3]

مجھ سے مومن کے سوا کوئی محبت نہ کر سکے گا اور منافق کے سوا کوئی بغض نہ رکھے گا۔

اس طرح مومن ہر وہ شخص ہے جس کے دل میں حضرت علی کی محبت ہو جو شیعہ اسے اپنے ساتھ خاص کرتے ہیں انکی یہ بات بے اصل اور بلا دلیل ہے

آپ اندازہ فرمائیں جو لوگ حضرت علی کے بارے میں ذہن صاف نہیں رکھتے ان کے بارے میں دل میں کچھ بوجھ رکھتے ہیں وہ شرعاً کس حکم میں ہیں؟ کیا وہ منافق نہ ہونگے؟

۴۔ آنحضرتؐ سے قرب کی انتہاء

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا

ان علیا منی وانا منہ۔ ھو ولی کل مومن من بعدی۔ رواہ الترمذی جلد ۲ صہ ۲۱۲ [4]

[1] صحیح بخاری جلد ا صہ ۵۲۶ ۔ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۲۷۸ ۔ [3] مشکوٰۃ صہ ۵۶۳ [4] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۲۱۲

بے شک علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مومن کا ولی ہے اس سے دوستی رکھنے والا ہے۔ کسی سے اس کو بغض نہ ہوگا۔

اس قسم کے الفاظ حضرت عباسؓ کے بارے میں ملتے ہیں کہ وہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں فان العباس منی وانا منه رواہ النسائی جلد ۲ صـ ۲۱۱

حبشی بن جنادہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا او علی رواہ الترمذی جلد ۲ صـ ۵۷۴

علی (کمال تعلق کی بنا پر) مجھ سے ہے اور میں (کمال محبت کی بنا پر) علی سے ہوں میری بات میری طرف سے دوسروں کو یا میں کہوں یا علیؓ۔

ملحوظ رہے کہ اور بہت سی روایات آپ کے مناقب میں ذاکرین کی زبان پر مشہور ہیں ان میں بیشتر ضعیف منکر اور ناقابل اعتبار ہیں۔ مثلاً من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ سنداً ضعیف ہے[1] انا دار الحکمۃ وعلی بابھا حدیث منکر ہے[2] لا یحل لاحد ان یجنب فی ھذا المسجد غیری وغیرک[3] بھی صحیح نہیں سیدنا حضرت علیؓ کے نام پر اور انکے بارے میں اتنی روایات گھڑی گئیں ہیں کہ انکا نوے فیصد ذخیرہ مخدوش ہو کر رہ گیا ہے۔

آج کے درس میں یہ چند احادیث کافی ہیں یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علی زبان رسالت پر کسطرح ذکر کیے جاتے ہیں کوئی نیک بخت آپکی ذات گرامی سے متعلق محض شبہات کی بنا پر دل میں کوئی بوجھ نہیں رکھ سکتا۔ شیعہ کی مخالفت حضرت علی مرتضیٰؓ سے دل میں بوجھ رکھ کر ہو یا حضرت امیر معاویہؓ سے حسن عقیدت، حضرت علی مرتضیٰ سے بدگمان ہو کر ہو تو یہ طریق اہلسنت ہرگز نہیں ہے۔

---

[1] نصب الرایہ للزیلعی جلد ا صـ [2] مشکوٰۃ صـ ۵۶۲ [3] ابن جوزی نے اسے موضوع کہا ہے لیکن ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عالی ظرفی اور عصر حاضر کی تنگ نظری

حافظ عبدالرشید ارشد
۷ فروری ۱۹۶۴ء

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی اَمَّا بَعد:-

نوعِ انسانی جہاں کسی اجتماعی نظام سے وابستہ ہے وہاں اختلاف رائے اور تجاذب افکار سے چارہ نہیں مختلف نقطہ ہائے نظر فطرت کا عین اقتضاء ہیں اور وہی قومیں اور افراد سعادت مند ہیں جو عالی ظرفی سے باہمی اختلافات کو برداشت کرلیں: زندگی کے ان اہم ابواب میں حضرت علیؓ کی سیرت عالیہ ایک نہایت روشن مشعل راہ ہے اور ہم "دعوت" کے انہی کالموں میں آپ کے اس طریق کار کو جو آپ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں اختیار کیا واضح کر چکے ہیں۔ کیا یہ سیرت صرف پڑھنے اور لکھنے کیلئے ہے کرنے کے لئے نہیں؟

شیعہ کرم فرما یہ تو مانتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے خلفاء ثلثہ سے علیحدگی اختیار نہ کی ان کے ساتھ مل کر رہے سوال یہ ہے کہ شیعہ خلفاء ثلثہ سے صُلح کیوں نہیں رکھتے شیعہ یہ تو مانتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے واقعہ جمل کے بعد ام المومنین کی اس طرح تکریم کی سوال یہ ہے کہ شیعہ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ شیعہ علماء یہ تو مانتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق کے حلقہ عقیدت میں وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو انہیں مامور من اللہ امام نہ سمجھتے تھے انہیں صلحائے نیکوکار سمجھ کر ان کی مجلس میں آتے تھے سوال یہ ہے کہ آج شیعہ حضرات ان لوگوں کو نیک و عادل کیوں نہیں سمجھتے جو امامی عقیدہ نہ رکھتے ہوں شیعہ یہ تو مانتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کی لیکن خود وہ ان سے صُلح نہیں رکھتے وہ یہ تو مانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا کردار حضرت امیر معاویہؓ سے صُلح کا اور یزید سے خلاف کا تھا اور ان کا موقف ان دو کے بارے میں ایک سا نہ تھا لیکن شیعہ خود ان دونوں کو ایک فہرست میں رکھتے ہیں کیا یہ تنگ نظری کی انتہا نہیں۔

پھر شیعہ یہ بھی مانتے ہیں کہ پاکستان میں اکثریت اہل سُنت کی ہے اور انہیں یہ بھی پتہ

ہے کہ اہلِ سُنّت صحابہؓ کے بارے میں وہ حضرت علیؓ ہوں یا امیر معاویہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ ہوں یا عمرو بن عاص ہوں کس قدر حساس واقع ہوئے ہیں پھر شیعہ اس عالی ظرفی کو کیوں خیر آباد کہہ آئے جو ان کی اپنی کتابوں کی روشنی میں خود حضرت علیؓ اور انکی اولاد کی علمی میراث اور فکری تراث تھی

پھر شیعہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مُلکی مشترک آبادیوں پر اہلِ سُنّت کا حق ان کے حق سے کہیں زیادہ ہے پھر یہ سب کچھ جانتے ہوئے اور حضرت علیؓ اور اولادِ علی کی سیرت بہ سنبھلتے ہوئے اتنی بڑی اکثریت کو محرم میں ملک سے باہر کیوں سمجھ لیتے ہیں اور سڑکوں پر اس دریدہ دہنی سے کیوں نکلتے ہیں گویا ان کے سوا اس ملک میں نہ کوئی دیکھنے والی آنکھ ہے نہ کوئی سُننے والا کان ـــــــــ بس ہمیں ہیں جو چاہے کرتے پھریں اور جو چاہیں بکتے پھریں۔ اختلاف میں اتحاد کی راہ تلاش کرنا اور اکثریتی آبادی کو بڑا بھائی سمجھ کر ان کے عقائد و جذبات اور ان کی ہدایات کا پورا احترام کرنا کیا یہ آلِ رسُول کی مشترکہ عالی ظرفی نہ تھی۔

تاریخ کے اس زریں سبق کو بھلا کر ہمیں کیا ملے گا؟ مُسلمانانِ ہند تحریکِ پاکستان میں کیا مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے نہ تھے؟ قائداعظم، خان لیاقت علی، علامہ عثمانی، سردار عبدالرب نشتر نے ان اختلاف کرنے والوں کو کیا اپنا دشمن سمجھا یا پاکستان بننے کے بعد ان سب کو ایک شہرت میں لیا؟ پاکستان بننے کے بعد کیا حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے پاکستان کے لئے کیا دُعائیں نہیں کیں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری اور امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کیا پاکستان کے چپے چپے کے لئے لڑنا اور مرنا جہاد اور شہادت قرار نہیں دیا؛ اختلاف کے بعد پھر سب کا مل بیٹھنا کیا یہ ہماری قومی زندگی کا تقاضا نہیں؛ خُدارا حضرت علی مرتضیٰؓ کی عالی ظرفی اور حضرت امام زین العابدین حضرت باقر اور حضرت جعفر صادق کے مومنانہ کردار کو دیکھئے یہ حضرات کس طرح اُمت کو مزید انتشار و انشقاق سے بچاتے رہے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کی مخالفت یا موافقت کی اساس پر لوگوں سے آج مختلف طرح کے برتاؤ ہماری قومی اساس کے لئے نہایت مُضر اور تباہ کن ہیں۔ نہایت افسوس ہے کہ عصر حاضر کے ہمارے بعض کرم فرما تعصب اور تنگ نظری میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی سیرت کو یکسر چھوڑ چکے ہیں اور اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی مرحوم و مغفور ایک جید عالم دین اور مسلمانوں کے ایک اہم مکتب فکر کے ایک مرکزی رہنما تھے جدوجہد آزادی میں بھی انہوں نے پرجوش حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ وہ مسلم لیگ کے بھی رکن رہے آج وہ ہم میں موجود نہیں مگر آپ کی عظمت کا ملک کے سنجیدہ اور سنجیدہ حلقوں نے پوری طرح اعتراف کیا ہے آپ کے جنازہ میں اہل حدیث طبقے کی نسبت دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کی تعداد کئی گناہ زیادہ تھی یہ آپ کی سیاسی عظمت اور ملی جذبات کی ہمہ گیر مقبولیت کا ایک مخلصانہ مظاہرہ تھا۔ اختلافات بجائے خود کوئی بری چیز نہیں مگر جب اختلاف بڑھ کر تعصب، تنگ دلی، اور تنگ نظری کی شکل اختیار کر لے تو اس سے زیادہ تباہ کن کوئی شئے نہیں ہوتی، پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جسے ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے صرف اس لئے قائم کیا گیا کہ یہاں اقامت دین کے تقاضے پورے ہوں گے اور اسلامی نظریہ حیات کو عملاً نافذ کیا جائے گا۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے ہوئے ملک میں بدقسمتی سے چند ایسے مغرب زدہ اندھے قوم پرست افراد بھی موجود ہیں جو اسلام سے محبت رکھنے والوں کو مُلائیت اور تنگ نظری کا طعنہ دیتے رہتے ہیں۔ مگر انداز فرنگ کے یہ اندھے مقلد، اور ماڈرن مُلا جو دوسروں کو تنگ نظر اور تنگ دل کہتے نہیں تھکتے۔ بذات خود اتنے تنگ نظر ہیں کہ اپنی ذراسی مخالفت بھی برداشت نہیں کر سکتے اور چونکہ اسلام کا کمبل انہیں چھوڑتا نہیں لہذا وہ اس کو اپنے مغربی آقایانِ نعمت کی خواہش کے مطابق رنگنا ہی وقت کی بہت بڑی خدمت اور اپنے دائرے کا مقصد ملت قرار دیتے ہیں اسی تنگ نظری کی تکمیل کے لئے وہ اسلام کے ہر نام لیوا کو بلا امتیاز کوسنا اپنی سیاسی زندگی کا سرمایۂ فخر سمجھتے ہیں۔

اسی گروہ کے ایک ناقوس خصوصی بٹالہ کے ایک سینئر ایڈووکیٹ ہیں۔ انہیں قوم کی بدقسمتی سے تحریک پاکستان کی تاریخ لکھنے کا شوق چرایا ہے۔ تعصب اور تنگ نظری میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ مولانا محمد داؤد غزنوی جیسے جید عالم دین کی وفات کے بعد ان کی ذات گرامی کے بارے میں یہاں تک کہہ گئے کہ "داؤد غزنوی کا کردار ثل تو ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ خضر حیات ٹوانہ کے جوتے سیدھے کر سکتے"

جناب بٹالوی صاحب پاکستان کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ صدمہ ہوا کہ مولانا مرحوم کی وفات پر "نوائے وقت" جیسے قومی اخبار نے تعزیت کا اظہار کیوں کیا؟ مسٹر بٹالوی کی نگاہ میں وہ افراد اگر گردن زدنی ہیں جو جنگ آزادی میں مسلم لیگ کے سوا کسی تحریک سے وابستہ رہے

______ تو اس ضمن میں انہیں چودھری خلیق الزمان اور وزیر داخلہ حبیب اللہ خان کے بارے میں بھی ایسا ہی اظہار خیال کرنا چاہیئے جو کبھی کانگرسی رہے تو کبھی خاکسار ______ اور پھر بٹالوی صاحب کو برسر اقتدار گروہ کے ان افراد کے لئے بھی کسی تعزیر کا اہتمام کرنا چاہیئے جو ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت کے کل پُرزے اور اُن کے حامی و ناصر تھے ______!!

پاکستان ایک سلامی ریاست ہے اس کے تمام شہری امن کے برابر کے بہی خواہ ہیں اور امن عامہ سے سب کا مفاد وابستہ ہے، رائے اور تعبیر میں اختلاف ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ جنگ آزادی میں ہزاروں انسانوں نے خلوص و دیانت کے ساتھ ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے، اور قیام پاکستان کے بعد ان لوگوں نے بھی جو تحریک پاکستان کے خلاف تھے اس ملک کو ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے شرح صدر کے ساتھ تسلیم کیا اور اس کے وفادار شہری کی حیثیت سے اس کی تعمیر میں مصروف رہے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم یہ مطالبہ کریں کہ ان کو تعمیر وطن میں حصہ لینے کا بھی کوئی حق نہیں۔ پاکستان کے استحکام اور تحفظ میں کیا حضرت مولانا لاہوریؒ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ نے سیاسی کام نہیں کیا جنگوں کے دوران کیا انہوں نے عرض مقدس کے چپہ چپہ کی حفاظت کے لئے صدائیں نہیں دیں۔ اور یہ لوگ ہمیشہ کے لئے مردود و معطون ہیں؟ اور پھر ان جدید تنگ نظری ملاؤں کا یہ سمجھنا انتہائی تنگ نظری اور بے وقوفی ہے کہ یہ طرز استدلال تو انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد ایک عالم دین کو یہ ریمارکس دیں کہ انہوں نے جو خدمات سرانجام دہیں ایک غیر ملکی سامراج کے ایجنٹ کے جوتے سیدھے کرنا اس سے بڑی سعادت ہے جو شخص علماء دین سے اتنا عناد اور بغض رکھتا ہو اس سے کب توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ پاکستان جیسی نظریاتی مملکت جس کی بنیاد ہی اسلام کے نظریۂ حیات پر ہے کی تاریخ لکھتے وقت ایک مورخ کی سی دیانت و امانت سے کام لے سکے گا اور انصاف کی راہ کو اپنانے کی پوری سعی کرے گا۔

اس جہان فانی میں کسی کو بقا نہیں، اور یہ دُنیا ہمیشہ کے لئے کسی کا ٹھکانہ نہیں۔ یہاں ہر انسان اپنی باری میں آتا اور اپنی باری پر چلا جاتا ہے۔ کسی کے اس دار فانی سے اُٹھ جانے کے بعد اس کی سیرت کے کمزور پہلوؤں کو موضوع بحث بنانا قطعاً نامناسب ہے۔ کیونکہ موت کے بعد

کا معاملہ اس کے اور اس کے خدا کے درمیان ہوتا ہے اور اس منصف و عادل کے ہاں انصاف کے تقاضوں کی از خود تکمیل ہو جاتی ہے

تاریخی اختلاف ہوں یا سیاسی اعتقادی اختلاف ہوں یا عملی ملکی سلامتی اور وحدت ملی کی ہر مرحلے پر حفاظت ہونی چاہیئے شیعہ سے ہمارے اختلاف گو اصولی ہیں فروعی نہیں لیکن یہ اس درجے میں بھی نہیں کہ وہ دس محرم کی عزاداری کے لئے ملک کی اتنی عظیم اکثریت کو عملاً شہر بدر کر دیں اور کہیں آزادی یہی ہے کہ ہم جو چاہیں کریں اور جہاں چاہیں پھریں ہماری اس خود ساختہ سانحہ کربلا کی عزاداری پر قانون کی کوئی گرفت نہ ہونی چاہیئے۔

اسی طرح ہماری سیاسی صحافی اور ادبی احباب کو بھی چاہیئے کہ وہ قوم کو ایک رکھنے کے لئے سیاسی اختلافات کو اس درجے میں نہ کھولیں کہ دُنیا کہے ــــــ مُردے پھر سے زندہ ہوگئے ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آخری لمحات

محمد ہاشم الحسینی خراسانی

ایک مغربی شاعر لکھتا ہے کہ اگر تم ایک انسان کو اس کے تمام اوصاف وخصائل و ضمیر و حقیقت کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرلو اور اس وقت تک انتظار کرو جب موت کا دروازہ اس پر کھل جائے اس وقت وہ سارے بناوٹی پردے ہٹ جائیں گے جو انسان اپنی صورت پر ڈالے رکھتا ہے اس کی روح موت کی دستک سنتے ہی سامنے نقاب پھاڑ دیتی ہے اور وہ بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے انسان کی حقیقت کا بے نقاب معائنہ صرف اسکی زندگی کے آخری لمحوں میں ہی کیا جا سکتا ہے۔

آج ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے حالات لکھ رہے ہیں آپ کا یہ وقت کیسا رہا۔ یہاں یاد رہے کہ اس سلسلے سے مقصود موت وقبل از موت حالات کا جمع کر دینا ہے۔ ان پر کسی طرح بحث مقصود نہیں البتہ حالات کے جمع کرنے میں پوری کاوش اور جستجو کی گئی ہے جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہو گئی تھی۔ حضرت علی ابن ابی طالب اور معاویہ بن ابو سفیان ان کے درمیان تیسری شخصیت حضرت عمرو بن العاص کی تھی جو اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ خوارج کا پیدا کر دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کے خلاف اس کے عقائد دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا مذہب لے قرار دیا تھا <u>ان الحکم الا للہ</u> یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہیے۔ دراصل تاریخ اسلام کے یہ خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ کے سے تھے لہذا وہ کوفہ اور دمشق دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑہ اٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام کو بدل دیں گے اور انہوں نے بدل دی۔ عمرو بن بکیر تیمی نے کہا کہ میں حاکم مصر

عمرو بن العاص کو قتل کردونگا کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے۔
برک بن عبداللہ تیمی نے کہا "میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کردونگا۔ کیونکہ اس نے دمشق میں قیصریت قائم کی ہے۔"

ایک لمحے کیلئے خاموشی چھاگئی حضرت علی ابن ابی طالب کے نام سے دل تھرلتے تھے بالآخر عبدالرحمان ابن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑتے ہوئے کہا میں علی کو قتل کردونگا۔
ان ہولناک مہموں کیلئے ۱۷ رمضان المبارک کی تاریخ مقرر ہوئی۔ پہلے دو شخص اپنی مہموں میں ناکام رہے لیکن عبدالرحمٰن ابن ملجم کامیاب ہوگیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔
مکہ سے چل کر عبدالرحمان کوفہ پہنچا یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی عبدالرحمٰن ان کے ہاں آتا جاتا تھا ایک قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اس کی ملاقات ہوگئی انہی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ ابن عدی ابن عامر تھی۔ عبدالرحمٰن اس پر مائل ہوگیا اس نے کہا ..... مجھ سے نکاح کی شرط یہ ہے کہ جو مہر میں طلب کروں ادا کردو" ابن ملجم راضی ہوگیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتایا "تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور علیؓ کا قتل"
عبدالرحمٰن نے کہا "منظور" مگر علیؓ کرم اللہ وجہہ کو کیونکر قتل کردونگا؟ اس نے جواب دیا "چھپ کر" اگر تو کامیاب ہوکر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا۔ اور عیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر مارا جائے۔ تو جنت اور لازوال نعمت پائیگے
عبدالرحمان نے مطمئن ہوکر یہ شعر پڑھے۔

ثلاثه الاف وعبد وقينة — وضرب عليّ بالحسام المصمم
فلا مهر اعلى من علي وان علا — ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم کی طرف جب یہ دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں ابن سعد کی ایک روایت میں ہے آپ فرماتے تھے خدا کی قسم! مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تیری موت قتل سے ہوگی

عبدالرحمٰن ابن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لیے آیا مگر آپ نے لوٹا دیا تیسری مرتبہ آیا تو فرمایا، "سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کونسی چیز روک رہی ہے، واللہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کرکے) ضرور رنگی جانے والی ہے (ابن سعد)

ایک دن خطبہ میں فرمایا، "قسم ہے اس پروردگار کی جس نے بیج اگایا اور جان پیدا کی یہ ضرور رنگی جانے والی ہے (اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرکے کہا) لوگوں نے عرض کیا "امیرالمؤمنین! ہمیں اس کا نام بتاؤ ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے"۔ آپ سے یہ بھی عرض کیا گیا تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجیے آپ نے فرمایا۔

میں تمہیں اسی حال میں چھوڑ جاؤں گا جس حال میں آنحضرت ﷺ چھوڑ گئے تھے۔

لوگوں نے عرض کیا اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟ فرمایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں چاہے انکی اصلاح کر اور چاہے انہیں بگاڑ دے۔ (رواہ احمد)

حادثہ سے پہلے۔

روایت ہے کہ قتل سے پانچ دن پہلے کنیز آپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ آپ نے سر اٹھایا اور پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا حیف تجھ پر تو خون سے رنگی جائے گی (ابن سعد)

آپ کے بعض اصحابؓ کو اس سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا "امیرالمؤمنین ہوشیار رہیں! یہاں کچھ لوگ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (الامامۃ والسیاسیہ)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے۔ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے ایک شخص نے آکر عرض کیا "ہوشیار رہیے بنی مراد کے کچھ لوگ آپ کے خلاف ہیں یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگائے دیکھا اور اس سے کہا مجھے اپنی تلوار دکھاؤ" اس نے وہ تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی انہوں نے کہا تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ زمانہ جنگ کا نہیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔

"میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں! اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علیؓ کے سامنے حاضر ہو کر کہا۔

آپ ابن ملجم کی جرأت و شجاعت سے واقف ہیں۔ آپ نے جواب دیا یہ لیکن اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے۔" (الکامل)

ایک دن آپ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ابن ملجم منبر کے پاس بیٹھا تھا۔ لوگوں نے سنا کہ وہ دانت پیس کر کہہ رہا ہے۔" واللہ میں لوگوں کو تیرے شر سے نجات دلاؤنگا

امیر المومنین جب مسجد سے لوٹے تو لوگ اسے گریبان سے پکڑ کر لائے اور تمام واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا لیکن ابھی تک اس نے مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ ابن ملجم کا ارادہ اس لیے مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اسے دیکھ کر عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھا

اريد حياته ويريد قتلي عذيرك من خليلك من مراد

ابن ملجم برابر جرأت کرتا لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا جو بات ہونے والی ہے ہو کر رہیگی آس پر بعض لوگوں نے کہا "آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے فرمایا۔ اپنے قاتل کو کیسے قتل کر دں

صبح شہادت

اقدام قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا رات بھر ابن ملجم اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس سے باتیں کرتا رہا اس نے کوفہ میں شبیب ابن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ دونوں تلواریں لے کر چلے اور اس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے جس سے حضرت علیؓ نکلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

اس رات امیر المؤمنین کو نیند نہ آئی۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا، تو فرمایا فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئے بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی خواب میں آقائے نامدار جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ میں نے کہا آپ کی امت سے بڑی تکلیف پائی ہے فرمایا کہ دعا کرو خدا تمھیں اس چھٹکارا دے اس پر میں نے دعا کی "خدایا مجھے ان سے بہتر رفیق عطا کر اور انہیں مجھ سے بدتر ساتھی دے" ایک اور روایت میں ہے

کہ مؤذن کے پکارنے کے باوجود آپ نہ اٹھے پھٹے ہے مؤذن دوبارہ آیا مگر آپ پھر بھی نہ اُٹھا گیا سہ بار آواز پر آپ بڑی مشکل سے اُٹھے اور یہ پڑھتے ہوئے مسجد میں چلے گئے۔

اشدد حیازیمک للموت　　فان الموت لاقیک

(موت کیلئے کمر کس لے کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنیوالی ہے)

ولا تجزع من الموت　　اذا حل بوادیک

(موت کی جزع سے نہ ڈر اگر وہ تیرے یہاں نازل ہوجائے (احیاء العلوم)

آپ جوں ہی آگے بڑھے دو تلواریں چمکتی ہوئی نظر آئیں اور ایک آواز بلند ہوئی حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری۔ شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی لیکن ابن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر پڑی ..... تلوار آپ کی پیشانی پر لگی اور دماغ پر اتر گئی (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے فزت برب الکعبۃ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

کوئی شخص پکارا قاتل جانے نہ پائے، لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے شبیب تو نکل بھاگا عبدالرحمن نے تلوار گھمانا شروع کر دی اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے۔ لیکن مغیرہ بن حارث ابن حارث ابن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا۔

قاتل اور مقتول

امیرالمؤمنین گھر پہنچائے گئے آپ نے قاتل کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو فرمایا دشمن خدا! میں نے تم پر احسان نہیں کیے تھے؟ اس نے کہا ہاں؛ فرمایا پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہنے لگا: میں نے اس تلوار کو چالیس دن تیز کیا تھا۔ اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق کو قتل کرائے" فرمایا وہ میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائیگا۔ اور خیال کرتا ہوں تو وہی بدترین مخلوق ہے (طبری)

آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا "

او دشمن خدا تو نے امیرالمؤمنین کو قتل کر ڈالا۔ کہنے لگا (میں نے) امیرالمؤمنین کو قتل نہیں کیا۔ البتہ تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ انہوں نے خفا ہو کر کہا وہ واللہ اعلم میں

اُمید کرتی ہوں کہ امیر المؤمنین کا بال بیکا نہ ہوگا۔ کہنے لگا! بخدا! میں نے مہینہ بھر اس تلوار کو زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی مجھ سے بے وفائی کرے تو خدا اسے غارت کرے (ابن سعد)

امیر المؤمنین نے حضرت حسنؓ سے فرمایا یہ قیدی ہے اس کی خاطر تواضع کرو۔ اچھا کھانا اور نرم بچھونا بچھا دو اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویٰ دار میں ہوں گا۔ قصاص لوں گا۔ یا معاف کر دوں گا۔ اگر مر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا (ابن سعد)

پھر اہل خاندان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے بنی عبد المطلب ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کر دو اور کہو کہ امیر المؤمنین قتل ہو گئے خبردار! میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسنؓ اگر میں اس کی ضرب سے مر جاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اسے بھی مارنا۔ اس کے ناک اور کان کاٹ کر لاش خراب نہ کرنا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خبردار ناک کان مت کاٹو اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو" (طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا "اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہیے کہ اُسے اسی طرح سے ایک ضرب سے مارو جس طرح اس نے مجھے مارا ہے۔ لیکن اگر معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے"

دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا (ابن سعد)

وصیت

پھر آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آگئے تو جندب بن عبد اللہ نے حاضر ہو کر کہا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ آپ نے جواب دیا کہ "میں نہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں ——— نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔ (طبری)

پھر آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کو بلا کر فرمایا۔ میں دونوں کو تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ اس دنیا کا پیچھا نہ کرنا۔ اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اس پہ نہ کڑھنا، ہمیشہ حق کہنا۔ یتیم پر رحم کھانا، بے کس کی مدد کرنا ظالم کے دشمن بننا مظلوم کے حامی بننا، کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے

والوں کی پرواہ نہ کرنا۔ پھر آپ نے تیسرے صاحبزادے محمد حنیفہ کی طرف دیکھا اور فرمایا جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کر لی؟ انہوں نے عرض کی۔

"جی ہاں!" فرمایا میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا ان کی اطاعت کرنا بغیر ان کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا

پھر امام حسنؓ و حسینؓ سے فرمایا میں تمہیں اس کے بارے وصیت کرتا ہوں، کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے تمہارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے

پھر امام حسینؓ سے فرمایا۔ اے بیٹا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، خوف خدا کی اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی ٹھیک وضو کرنے کی کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں، نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی، دین میں عقل و دانش کی، ہر معاملہ میں تحقیق کی ...... پڑوسی سے حسن سلوک کی، امر بالمعروف نہی عن المنکر کی خواہش سے اجتناب کی (طبری)

پھر ساری اولاد کو مخاطب کر کے فرمایا خدا سے ڈرتے رہو اور اس کی اطاعت کرو جو تمہارے ہاتھ میں نہیں اس کا غم نہ کرو۔ اس کی اطاعت پر کمر بستہ رہو۔ چست و چالاک بنو سُست نہ بنو، ذلت قبول نہ کرو، خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر ہمیں اور انہیں دنیا سے بے رغبت کر دے ہمارے اور ان کے لیے آخر اور اول بہتر کر (الامانۃ والسیاسہ)

آخری وصیت

وفات کے بعد یہ وصیت لکھوائی "، یہ علیؓ ابن ابی طالب کی وصیت ہے، وہ گواہی دیتا ہے کہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ رب العلمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں پھر اے حسنؓ! میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ جب مرنا اسلام پر ہی مرنا۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابو القاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں

کا خیال رکھو اُن سے بھلائی کرو خدا تم پر حساب آسان کر دے گا۔ اور ہاں یتیم! یتیم یتیموں کا خیال رکھو ان کے منہ میں خاک مت ڈالو۔ وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں، اور دیکھو تمہارے پڑوسی

اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو، کیونکہ یہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم سمجھتے۔ شاید انہیں ورثہ میں شریک کر دیں گے' اور دیکھو قرآن! قرآن ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے کی تم پر بازی لے جائے' اور نماز! نماز کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے اور تمہارے رب کا گھر اپنے رب کے گھر سے غافل نہ رہنا اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی اللہ، اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو، زکوٰۃ زکوٰۃ پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے اور ہاں تمہارے نبیؐ کے ذمی! تمہارے نبی کے ذمی! تمہارے نبی کے ذمی! (یعنی جو غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو کہ ان پر تمہارے سامنے ظلم کیا جائے اور تمہارے اور تمہارے نبیؐ کے صحابی ! تمہارے نبیؐ کے صحابی: یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے اور فقرا و مساکین!

انہیں بھی اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمہارے غلام! تمہارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا۔ خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پرواہ نہیں کرو گے اور اسی سے ڈرو گے اس کے حق کو سب سے بالا اور برتر جانو گے تو خدا تمہارے دشمنوں سے تم کو محفوظ کر دے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف میں عن المنکر نہ چھوڑنا، ورنہ تمہارے اشرار تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے پھر تم دعائیں کرو گے، مگر وہ قبول نہ ہوں گی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند رہو۔ خبردار ایک دوسرے نہ کٹنا۔ اور نہ پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقویٰ اوہ پہ باہم مددگار رہو۔ مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ خدا سے ڈرنا۔ کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت خدا تمہیں محفوظ رکھے اور اپنے نبیؐ کو تم میں یاد رکھے میں تمہیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارے لیے سلامتی اور برکت چاہتا ہوں۔

اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اور آنکھیں بند کرلیں

دفن کے بعد دوسرے دن حضرت حسن رضؓ نے مسجد میں خطبہ دیا۔

لوگو! کل تم میں سے ایک شخص رخصت ہو گیا ہے جس سے نہ اگلے علم والے آگے بڑھے۔ نہ پچھلے، اُس کی برابری کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے جھنڈا دیتے تھے ہر اس کے ہاتھ پر فتح ہو جاتی تھی۔ اس نے چاندی سونا نہیں چھوڑا۔ اس نے صرف صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر سو درہم گھر کے لیے جمع کئے تھے (ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا)

زید بن حسین رضؓ سے مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی نہ تھا جو رویا نہ ہو اس دن بالکل وہی منظر پیش تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن لوگوں کو پیش آیا تھا۔

رونے سے یہ مراد نہیں کہ لوگ اجتماعی طور پر روئے تھے۔ یکایک یہ صدمہ سامنے آیا اور جو بھی رویا۔ وہ بے اختیار رویا۔ رونے کا وقت مقرر کرکے نہیں رویا اور اسی وقت رویا جب اس نے اس شہادت کی خبر سُنی۔ یہ رونا صدمے کے تین دنوں کے اندر اندر تھا۔ رونا اجتماعی ہو اور اختیار کا اور صدمے پر تین دن گزرنے کے بعد ہو۔ یہ قطعاً جائز نہیں اور ماتم کے حامی اب تک ان تین شرطوں کے ساتھ ایک دلیل پیش نہیں کر سکے۔ جو سنداً بھی صحیح ہو اور اس کی دلالت بھی مدعا پر صریح ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن کوئی ایسا عام ماتم نہ ہوا تھا جو اس یوم شہادت علی کے ماتم کی دلیل بنے۔ اس کے برعکس حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے ہوئے جو الفاظ فرمائے وہ تاریخ میں محفوظ ہیں شریف رضی (۴۰۵ھ) نقل کرتا ہے کہ آپ نے حضورؐ کو غسل دیتے ہوئے کہا:

ولولا انك امرت بالصبر ونهيت عن الجزع لانفدنا عليك ماء الشئون

ترجمہ: اور اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور آہ وزاری سے نہ روکا ہوتا تو ہم (آج آنسوؤں میں) آنکھوں کا آخری پانی تک بہا دیتے۔ (نہج البلاغۃ ۲ ص ۲۵۶)

سو یہ کہرام جو حضرت علیؓ کی شہادت کے موقعہ پر پیش آیا۔ ماتم اور رونا پیٹنا نہ تھا۔ رنج وغم کی ایک لہر تھی، جو سارے شہر میں پھر گئی اور پوری آبادی پہ سناٹا چھا گیا۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
ایک نظر میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ : خلافت دو سال تین ماہ دس دن

۲۲ جمادی الاخریٰ بروز دوشنبہ سنہ ۱۳ھ مطابق ۲۳ اگست سنہ ۶۳۴ء میں انتقال فرمایا۔ حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ الموسوم بہ گنبدِ خضریٰ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں۔

ازواج و اولاد :

۱۔ پہلی بیوی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے اولاد۔ عبداللہؓ و اسماءؓ۔ اسلام نہ لانے کی وجہ سے اسے طلاق دے دی۔

۲۔ دوسری بیوی ام رمان سے اولاد۔ عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

۳۔ تیسری بیوی اسماء بنت عمیس (بیوہ جعفر بن ابی طالب) سے محمد پیدا ہوئے جو مصر میں مقتول ہوئے۔

۴۔ حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے اولاد۔ ام کلثوم جو بعد وفات پیدا ہوئیں

عہدیدارانِ خلافت :

کاتب : ۱۔ عثمان بن عفان ۲۔ زید بن ثابت
قاضی : عمر بن الخطاب
حاجب : شدید (جو اُن کے آزاد غلام تھے)
نقشِ خاتم : نعم القادر اللہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مدتِ خلافت :

دس سال پانچ ماہ چار دن

۲۶ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ کو فجر کے وقت حالتِ امامت میں ابولولو فیروز مجوسی نے حملہ کیا۔ یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو انتقال فرمایا۔ گنبدِ خضریٰ پہلوئے سیدنا صدیق آرامگاہ ہے۔

مجلسِ شوریٰ : (برائے انتخاب خلیفہ حضرت عمرؓ نے مقرر کی)

۱۔ حضرت علیؓ ۲۔ حضرت عثمانؓ ۳۔ حضرت طلحہؓ (اس وقت موجود نہ تھے)
۴۔ حضرت زبیرؓ ۵۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ۶۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
۷۔ اپنے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کو مشورہ دیا کہ وہ مباحثہ و فیصلہ میں حصہ لیں۔

لوازمِ خلافت :

کاتب : ۱۔ زیدؓ بن ثابت ۲۔ عبداللہؓ بن الارقم

حاجب : یرفیٰ (جو اُن کے آزاد غلام تھے)

قاضی : ابو امیہ شریح بن الحارث

نقشِ خاتم : کفیٰ بالموت واعظاً یا عمرُ

حضرت عمرؓ کے اہل و عیال :

درج ذیل ازواج یکے بعد دیگرے آپؓ کے نکاح میں آئیں۔

۱۔ زینب بنت مظعون جمحیہ۔ (عہدِ جاہلیت کا نکاح) اولاد : عبداللہ، عبدالرحمٰن
۲۔ ملیکہ بنت جرول۔ (عہدِ جاہلیت کا نکاح) حضرت حفصہ حضرت عبداللہ
۳۔ امِ کلثوم بنت جرول خزاعی (عہدِ جاہلیت کا نکاح)
اولاد : زید۔ اصغر، عبیداللہ، جو جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔
۴۔ قریبہ بنت ابی امیہ
۵۔ امِ حکم اولاد : صرف فاطمہ
۶۔ جمیلہ بنت ثابت اولاد : حضرت عاصم
۷۔ امِ کلثوم بنت علی و فاطمہؓ زوجہ حضرت عمر اولاد : زید و رقیہ
۸۔ لہیہ (یمنی خاتون) اولاد : عبدالرحمٰن
۹۔ امِ ولد اولاد : عبدالرحمٰن اصغر
۱۰۔ فکیہہ (لونڈی جو امِ ولد کہلاتی تھی) اولاد : زینب
۱۱۔ عاتکہ بنت زید (حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد زبیر بن العوام سے نکاح کیا)

مفتوحہ علاقہ :

کُل مفتوحہ علاقہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تھا۔ شام، عراق، جزیرہ، خوزستان،

عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، مکران جس میں بلوچستان کا کچھ حصہ آجاتا تھا۔ ایشیائے کوچک جسے اہلِ عرب رُوم کہتے تھے فتح کیا۔

خاص امر:

۱- سن ہجری جاری کیا۔

۲- فوجیں مرتب کیں ۳- شہر بسائے نئے ۴- محاکم و دفاتر بنائے۔ ۵- تمام مسلمانوں کے لیے بیت المال سے حسب حیثیت تنخواہیں مقرر کیں۔

۶- ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح دوبارہ سُنت قرار دی۔

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مدتِ خلافت: بارہ سال گیارہ دن

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہید ہوئے جنت البقیع مدینہ منورہ آرام گاہ ہے۔

عہدیدارانِ خلافت:

کاتب: مروان بن الحکم خاتم: اٰمنت باللہ العظیم

حاجب: حمران (جو حضرت عثمانؓ کے آزاد غلام تھے)

قاضی: ۱- زید بن ثابت انصاری ۲- سائب بن یزید

اہل و عیال: ازواج

حضرت رقیہ بنت رسولؐ	اولاد: عبداللہ الاکبر
حضرت فاختہ بنت غزوان	" عبداللہ الاصغر
حضرت ام عمرو بنت جندب	" عمر، خالد، ابان، عمر، مریم، ولید
حضرت ام کلثوم بنت رسولؐ	
حضرت ام البنین بنت عیینہ	" عبدالملک، عتبہ
حضرت اَملہ بنت شیبہ	" عائشہ، ام ابان، ام عمر
حضرت نائلہ بنت الفرافصہ	" مریم، عتبہ

عمرو جو اُن کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اُنکے بیٹے عبداللہ کی بیوی فاطمہ بنت الحسین ابن علی بن ابی طالب تھیں، انہی سے ان کی اولاد چلی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مدتِ خلافت : چار سال نو ماہ

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں ابن ملجم کے ہاتھوں فجر کے وقت جامع کوفہ میں داخل ہوتے وقت شہید ہوئے اور جامع کوفہ کے قریب یا کوفہ میں دفن ہیں

لوازمِ خلافت :

کاتب : عبداللہ بن رافع   قاضی : شریح

حاجب : قنبر (آپ کا آزاد کردہ غلام) نقشِ خاتم : الملک للہ

اہلِ بیت و اولاد :

آپ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد متعدد شادیاں کیں۔ ۹ شادیوں سے گیارہ لڑکے سولہ لڑکیاں تھیں :

۱۔ سیدہ فاطمہ بنت رسولؐ۔

اولاد : حسنؓ، حسینؓ، زینب اور امِ کلثوم کبریٰ

۲۔ خولہ بنت جعفر ابن قیس (قبیلہ حنیفہ سے)

اولاد : محمد بن الحنفیہ یا محمد اکبر

۳۔ صہبا (امِ حبیب) بنت ربیعہ

اولاد : عمر

۴۔ امِ البنین بنت حزام

اولاد : عمر، عباس، جعفر، عبیداللہ، عثمان

۵۔ لیلیٰ بنت مسعود   اولاد : عبیداللہ، ابوبکر

۶۔ اسماء بنت عمیس   اولاد : محمد اصغر، عون، یحییٰ

۷۔ امامہ بنت ابوالعاص و حضرت زینب بنت رسولؐ   اولاد : محمد اوسط

۸۔ امِ سعید بنت عروہ بن مسعود   اولاد : امِ الحسن، امت کبریٰ

۹۔ میات بنت امرءالقیس۔ اولاد : حارثہ

تالیف
ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

آثار الحدیث

جلد اول صفحات: ۴۶۴

:عنوانات:

لفظ حدیث تاریخ حدیث موضوع حدیث ضرورت حدیث
مقام حدیث اخبار حدیث قرآن الحدیث حجیت حدیث
حفاظت حدیث تدوین حدیث رجال حدیث شیعہ اور علم حدیث
اسلوب الحدیث امثال حدیث غریب الحدیث

عنوانات جلد دوم صفحات: ۴۷۲

عنوانات

آداب الحدیث قواعد الحدیث اقسام الحدیث متون الحدیث
شروح حدیث تراجم حدیث ائمہ حدیث فقہاء حدیث
ائمہ جرح و تعدیل ائمہ تالیف ائمہ تخریج
اہل حدیث منکرین حدیث مدارس حدیث

دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

قیمت ۲ جلد مجلد، رعائتی

Darul Tehqeeq wa Difa-e-Sahaba

دار التحقیق و دفاعِ صحابہ

www.sunnilibrary.com